معاشیات

حصہ دوم

بارہویں جماعت کے لیے

۱۹۹۱

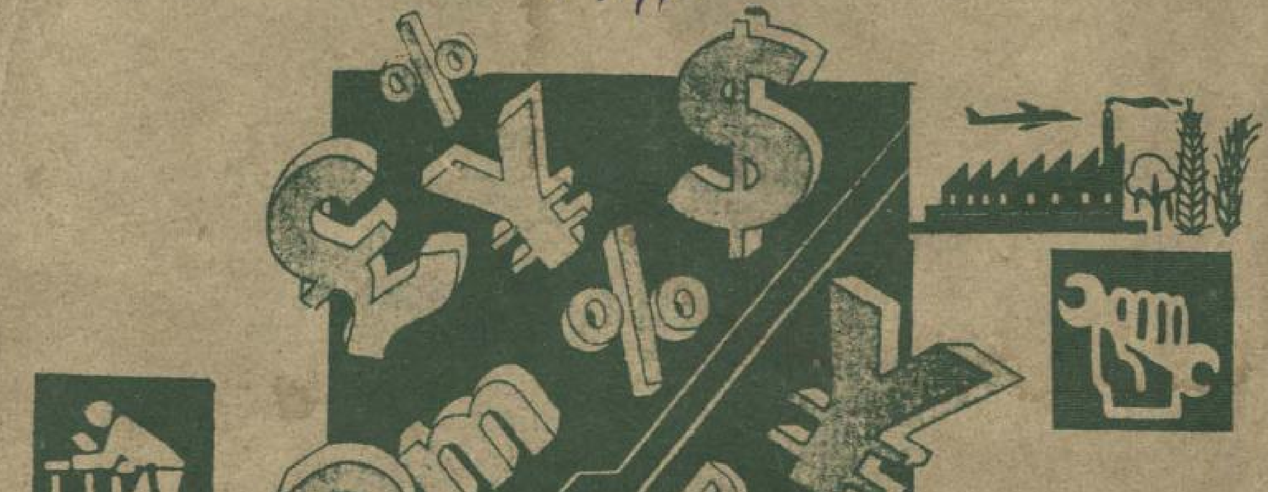

ناشر : ایجوکیشنل ٹریڈرز، اردو بازار، لاہور

برائے : پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ - لاہور

کتاب بہترین ساتھی ہے
اس سے پیار کیجئے
اسے ضائع ہونے سے بچائیے

اپیل

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ ایک قومی ادارہ ہے جو پنجاب کے طلبہ کے لیے معیاری اور سستی نصابی کتب بروقت مہیا کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے۔ مگر کچھ جعل ساز ناجائز منافع کے لیے بورڈ کی شائع کردہ کتب کے جعلی ایڈیشن گھٹیا کاغذ پر ناقص طباعت کے ساتھ مارکیٹ میں فروخت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بورڈ کو مالی نقصان پہنچانے کے علاوہ اس کی بدنامی کا سبب بھی بنتے ہیں۔ طلبہ اور والدین سے توقع کی جاتی ہے کہ ایسی کتب کی اطلاع بورڈ کو دیں تاکہ ضروری سدِباب کیا جا سکے۔ بورڈ کی نصابی کتابوں کی نشاندہی بورڈ کے اس نشانِ خصوصی سے ہوتی ہے جو ہر کتاب کے سرورق پر چھپا ہوتا ہے۔

سید فضل حسین
چیئرمین
پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ
21-ای-2-گلبرگ-3-لاہور

معاشیات

(حصہ دوم)

بارہویں جماعت کے لیے

ناشر ایجوکیشنل ٹریڈرز
اردو بازار ، لاہور

برائے

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ ، لاہور

اشاعت	بار	تعداد	تاریخ اشاعت
اول	اول	12000	مارچ 1991

جملہ حقوق بحق پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ ، لاہور محفوظ ہیں۔

تیار کردہ ۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور ۔
منظور کردہ ۔ قومی ریویو کمیٹی ، وزارت تعلیم (شعبہ نصاب)
حکومت پاکستان ، اسلام آباد

مصنفین ۔
پروفیسر محمد اسلم کھوکھر
پروفیسر عبدالکبیر ہاشمی
مدیرہ :
پروفیسر مسعود الحق صدیقی
نگران تدوین و طباعت
مسعود صدیقی
سینئر ماہر مضمون ، پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ ، لاہور

ناشر: ایجوکیشنل ٹریڈرز ۔ اُردو بازار ، لاہور
مطبع: جمال محمود پریس ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مشمولات

باب	عنوان	صفحات
اول	قومی آمدنی	1-30
دوم	پاکستان کی قومی آمدنی	31-69
سوم	معاشی ترقی	70-129
چہارم	زر	130-183
پنجم	بنک	184-234
ششم	بین الاقوامی تجارت	235-275
ہفتم	پاکستان کی تجارت خارجہ	276-294
ہشتم	سرکاری مالیات	295-347
نہم	معاشی نظامات	348-373
دہم	اسلام کا معاشی نظام	374-403

پیش لفظ

گذشتہ سال پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ نے گیارہویں جماعت کے طلبہ کے لیے کتاب معاشیات حصہ اول پیش کی تھی۔ الحمدللہ وہ کتاب مقبول عام و خاص ہوئی۔

اب بورڈ نے بارہویں جماعت کے طلبہ کے لئے کتابِ معاشیات حصہ دوم تیار کرائی ہے۔ کتاب کی تیاری کے سلسلے میں بورڈ نے اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے کہ یہ کتاب ایسے مصنفین سے تصنیف کرائی جائے جو براہِ راست تعلیمی اداروں میں اس درجے کے طلبہ کو اکنامکس کی تعلیم دے رہے ہوں۔ ایسا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مصنفین اس درجے کے طلبہ کی سابقہ معلومات، ضروریات، ذہنی سطح و صلاحیتوں کا پورے طور پر خیال رکھتے ہوئے عام فہم سادہ اور سلیس زبان میں اکنامکس کے اصول و مسائل بیان کریں جس کے نتیجے میں طلبہ میں اکنامکس کا صحیح فہم اور شعور و ادراک پیدا ہو اور وہ ذاتی، قومی اور ملکی مسائل کو اکنامکس کے مسلّمہ اصولوں کے مطابق حل کر سکیں۔ کیونکہ آج کے طلبہ ہی کل ملک کے معمار ہوں گے اور موجودہ دور میں معیشت کی مناسب منصوبہ بندی ہی قوم و ملک کی ترقی کی ضامن ہوتی ہے۔

مصنفین نے کتاب کو اپنے طور پر ہر پہلو سے مستند، جامع اور معیاری بنانے کی کوشش کی ہے۔ اب اساتذہ اور طلبہ سے درخواست ہے کہ وہ اپنی مفید آراء سے مطلع کریں تاکہ اُن کے مشوروں سے کتاب کو مزید بہتر بنایا جائے۔

مسعود صدیقی

باب 1

قومی آمدنی
(NATIONAL INCOME)

نمبر شمار	عنوان
1.1	ابتدائیہ
1.2	قومی آمدنی کا مفہوم و تعریف
1.3	قومی آمدنی کی اصطلاحات
1.3.1	خام ملکی پیداوار
1.3.2	خام قومی پیداوار
1.3.3	خالص قومی پیداوار
1.3.4	قومی آمدنی
1.3.5	شخصی آمدنی
1.4	قابل تصرف شخصی آمدنی
1.5	ایک مفروضہ معیشت کے سماجی حسابات کا ماڈل
1.6	فی کس آمدنی
1.7	قومی آمدنی کا متواتر بہاؤ
1.7.1	قومی آمدنی کی پیمائش کے طریقے
1.7.2	پیداوار کی مالیت کے مجموعے کا طریقہ
1.7.3	اخراجات کے مجموعے کا طریقہ
1.8	توازنی قومی آمدنی

باب 1

قومی آمدنی
(NATIONAL INCOME)

1.1 ابتدائیہ (Introduction)

علم معاشیات کا تعلق دولت سے تعلق رکھنے والے ان عام امور سے ہے جن میں سئلہ کمیابی (Problem of Scarcity) درپیش ہوتا ہے۔ اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے انسان انفرادی اور اجتماعی سطح پر جو رویہ اختیار کرتے ہیں اس کے مطالعہ کو نظریاتی معاشیات کہتے ہیں۔ نظریاتی معاشیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جزوی معاشیات (Micro Economics) اور کُلی معاشیات (Macro Economics)۔ ایک معیشت کی اکائیاں یعنی صارفین اور کاروباری ادارے انفرادی طور پر اپنے محدود وسائل سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کے لیے جو طرز عمل اختیار کرتے ہیں اس کے مطالعہ کو جزوی معاشیات کہتے ہیں۔ جب کہ معاشرتی سطح پر معیشت کے محدود پیداواری وسائل کے بہترین استعمال کے ذریعے بیش از بیش اجتماعی بہبود کے حصول سے متعلق کارکردگی کے مطالعہ کو کُلی معاشیات کہتے ہیں۔

موجودہ باب میں ہم کلّی معاشیات کے مختلف موضوعات کی وضاحت کریں گے۔

1.2 قومی آمدنی کا مفہوم و تعریف
(The Concept and Definition of National Income)

کسی بھی معیشت میں مختلف پیداواری وسائل مثلاً زرخیز زمینوں، آبی ذرائع، معدنیات، اشیائے سرمایہ اور افرادی قوت (Manpower) کی ایک خاص مقدار موجود ہوتی ہے۔ ان وسائل کے استعمال سے مختلف النوع اشیاء و خدمات کی پیداوار کی جاتی ہے۔ کسان فصلیں پیدا کرتے ہیں۔ ماہی گیر مچھلیاں پکڑتے ہیں، صنعتکار مصنوعات تیار کرتے ہیں، تاجر تجارتی مال کی خرید و فروخت کرتے ہیں اور بینک و بیمہ کمپنیاں، ڈاکٹر، ٹیچر، وکلا، دھوبی، کمیشن ایجنٹ اور ٹرانسپورٹ کے ادارے وغیرہ اپنے اپنے دائرہ کار میں خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ معیشت میں ایک سال کے عرصے میں پیدا

ہونے والی تمام اشیاء و خدمات کی بازاری مالیت کے تخمینے کو قومی آمدنی سمجھا جاتا ہے ۔
ماہرین معاشیات نے عام تعارف کی غرض سے قومی آمدنی کی تعریف اپنے اپنے انداز میں کی ہے ۔ الفریڈ مارشل نے قومی آمدنی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :

"قومی آمدنی سے مراد مادی و غیر مادی اشیا کا وہ خالص مجموعہ ہے جو کسی ملک کے کارکن اور اشیائے سرمایہ وہاں کے قدرتی وسائل پر پیداواری عمل سرانجام دے کر سال بھر میں پیدا کرتے ہیں ۔ غیر مادی اشیاء میں تمام قسم کی خدمات شامل ہوتی ہیں" ۔

اس تعریف کے اہم نکات درج ذیل ہیں :

(i) مادی و غیر مادی اشیا : ایک معیشت میں جس قدر پیداوار ہوتی ہے وہ مادی و غیر مادی اشیا پر مشتمل ہوتی ہے ۔ مادی اشیا سے مراد وجود رکھنے والی ایسی اشیا ہیں جن کی کوئی قدروقیمت ہو ۔ مثلاً زرعی پیداوار ، معدنیات اور صنعتی مصنوعات وغیرہ ۔ جب کہ غیر مادی اشیا سے مراد قدروقیمت کی حامل مختلف خدمات ہوتی ہیں مثلاً ڈاکٹر ، اساتذہ اور وکلاء وغیرہ کی خدمات ۔

(ii) خالص مجموعہ : پیداواری عمل میں کئی قسم کی اشیائے سرمایہ مثلاً عمارات ، مشینیں اور گاڑیاں وغیرہ استعمال ہوتی ہیں ۔ پیداواری عمل کے دوران یہ اشیا گھستی ہیں اور اس طرح ان کی مالیت میں مسلسل کمی ہوتی رہتی ہے ۔ شکست و ریخت (Depreciation) در حقیقت قومی نقصان ہوتا ہے ۔ اگر پیداوار کی مجموعی مالیت میں سے اشیائے سرمایہ کی شکست و ریخت کی مالیت کو منہا کر دیا جائے تو خالص پیداواری اضافہ معلوم ہو جاتا ہے جسے خالص قومی آمدنی کہا جاتا ہے ۔

(iii) کارکن : کارکنوں میں محنت کار اور تنظیمی خدمات سرانجام دینے والے لوگ شامل ہوتے ہیں ۔

(iv) اشیائے سرمایہ : انسان کی بنائی ہوئی تمام وہ اشیاء جن کی مدد سے محنت کار پیداوار حاصل کرتے ہیں اشیائے سرمایہ کہلاتی ہیں ۔ عمارات ، مشینیں اور آلات وغیرہ اشیاء کے سرمایہ کے زمرے میں آتی ہیں ۔

(v) ایک سال کا عرصہ : قومی آمدنی ان اشیا و خدمات کی مالیت کے برابر ہوتی ہے

جو ایک سال کے عرصے میں پیدا کی جاتی ہیں ۔

امریکہ کے ماہر استاد اور معیشت دان پال اے سیمیوئیلسن (Paul A. Samuelson) نے غیر فنی نقطہ نگاہ سے قومی آمدنی کی تعریف اس طرح کی ہے :

قومی آمدنی سے مراد "کسی معیشت میں پیدا ہونے والی اشیاء و خدمات کے مجموعی سالانہ بہاؤ کی زری مالیت ہے"۔

1.3 قومی آمدنی کی اصطلاحات (Concepts of National Income)

قومی آمدنی کی مختلف اصطلاحات[1] اور ان کی وضاحت درج ذیل ہے ۔

1.3.1 خام ملکی پیداوار (Gross Domestic Product : G.D.P)

تعریف : "خام ملکی پیداوار ان تمام عاملین کی خدمات کی قدر کے مجموعے کے برابر ہوتی ہے جن کے اشتراک سے وہ پیداوار ہوتی ہے ۔ عاملین مصارف کے لحاظ سے خام ملکی پیداوار سے مراد عاملین کے ان معاوضوں کا مجموعہ ہے جو پیداواری عمل کے دوران عاملین کا حق بن جاتے ہیں آر جی لپسے (R.G.Lipsey)

تعریف کے اہم نکات کی وضاحت :

(i) خام ملکی پیداوار : اس اصطلاح میں لفظ "ملکی" صرف اُس پیداوار کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ایک سال کے عرصے میں اندرونِ ملک پیدا کی گئی ہو ۔ چنانچہ اس پیداوار میں وہ پراپرٹی انکم اور کارکنوں کی ارسال کردہ وہ رقوم وغیرہ شامل نہیں کی جاتیں جو کسی ملک کے باشندوں ، اداروں اور حکومت کو دیگر ممالک سے حاصل ہوتی ہے حالانکہ بیرونِ ملک سے حاصل ہونے والی ایسی آمدنی خام قومی پیداوار میں شامل کی جاتی ہے ۔ خام ملکی پیداوار کو خام داخلی پیداوار بھی کہتے ہیں ۔

(ii) عاملین کے معاوضوں کا مجموعہ : پیداوار کی اصل مالیت عاملین کی خدمات کی قدر کے مجموعے کے برابر ہوتی ہے ۔ چونکہ یہ مجموعہ اُجرت + لگان + سود + منافع کے برابر ہوتا ہے اس لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ عاملین کے مصارف کا مجموعہ پیداوار کی اصل مالیت کو ظاہر کرتا ہے ۔

1- قومی آمدنی کی اصطلاحات کو قومی آمدنی کے تصورات بھی کہتے ہیں۔

(iii) پیداوار کے مصارف کا مجموعہ : عاملین کے معاوضوں کا مجموعہ خام ملکی پیداوار کے دو رُخ ہیں ۔

1.3.2 خام قومی پیداوار (Gross National Product : G.N.P)

تعریف : "کسی معیشت میں ایک سال کے عرصے میں پیدا ہونے والی آخری شکل میں موجود تمام اشیاء و خدمات کی مجموعی بازاری مالیت کو خام قومی پیداوار کہتے ہیں ۔ اسے مرکب قومی پیداوار بھی کہا جاتا ہے ۔" (پال اے سیموئیلسن Paul A. Samuelson)

تعریف کے اہم نکات کی وضاحت

(i) معیشت : اس سے مراد ایک ملک یا قوم سے تعلق رکھنے والے تمام وہ افراد اور ادارے ہیں جن کی پیدا کردہ اشیاء و خدمات کی قدرومالیت کو مجموعی تخمینے میں شمار کیا جاتا ہے اور اسے قومی پیداوار کا نام دیا جاتا ہے ۔ ایک ملک سے تعلق رکھنے والے ایسے افراد اور ادارے بھی ہوتے ہیں جو غیر ممالک میں پیداواری عمل سرانجام دیتے ہیں اور اپنی آمدنیاں وطن کو ارسال کرتے ہیں ۔ انھیں بھی قومی معیشت کا حصہ تصور کیا جاتا ہے اور ان کی ارسال کردہ رقوم خام قومی پیداوار میں شمار کی جاتی ہیں ۔

(ii) ایک سال کا عرصہ : خام قومی پیداوار ایک سال کی پیداوار پر مشتمل ہوتی ہے ۔

(iii) پیداوار کی آخری شکل : خام قومی پیداوار میں صرف ایسی اشیاء کی مالیت شمار کی جاتی ہے جو آخری شکل اختیار کر چکی ہوں اور جو انسان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تیار ہوں ۔ چنانچہ گندم کی مالیت کو شمار کرنے کی بجائے اس سے حاصل ہونے والی ایسی پیداوار کی مالیت شمار کرنی چاہیے جس پر مزید پیداواری عمل کرنے کی ضرورت نہ ہو اور جو برائے استعمال حتمی شکل اختیار کر چکی ہوں مثلاً روٹی ، بسکٹ اور مٹھائیاں وغیرہ ۔ اسی طرح خام لوہے کی بجائے اس کی حتمی پیداوار مثلاً بائیسکل ، موٹر کاریں ، آئیل گُگر اور برتن وغیرہ کی مالیت شمار کی جانی چاہیے ۔

(iv) اشیاء و خدمات : قومی پیداوار میں نہ صرف اشیاء بلکہ خدمات بھی شمار کی جاتی ہیں جو برائے فروخت پیش کی جاتی ہیں ۔

(v) بازاری مالیت : خام قومی پیداوار کا تعین کرنے کے لیے اشیاء و خدمات کی بازاری مالیت کا میزان تیار کیا جاتا ہے اور اسے زر کے پیمانے سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے ۔ پیداوار کی مقدار کو اس کی بازاری قیمت سے ضرب دے کر اس کی بازاری مالیت معلوم کی جاتی ہے ۔

خام قومی پیداوار کے تعین کی حسابی مساوات اس طرح ہوگی :

خام قومی پیداوار = خام ملکی پیداوار + غیر ممالک میں پیداواری عمل سرانجام دینے والے ملکی افراد یا اداروں سے حاصل ہونے والی رقوم ۔

1.3.3 خالص قومی پیداوار (Net National Product. N.N.P.)

تعریف : "معیشت کی خام مجموعی پیداوار (GNP) میں سے صَرف سرمایہ کا الاؤنس (Capital Consumption Allowance) منہا کرنے سے خالص قومی پیداوار کا تعین ہو جاتا ہے" (R.G.Lipsey)

تعریف کے اہم نکات کی وضاحت :

(i) مجموعی پیداوار : اس سے مراد ایک خاص عرصہ (سال) کے دوران معیشت میں پیدا ہونے والی تمام اشیاء و خدمات کی زری مالیت کا مجموعہ ہے ۔ اسے اصطلاحاً خام قومی پیداوار سمجھا جاتا ہے ۔

(ii) صرفِ سرمایہ کا الاؤنس : اس سے مراد اشیائے سرمایہ کی مرمت کاری (Repair) اور بدل کاری (Replacement) کے اخراجات ہیں ۔ معیشت کے پیداواری اثاثوں کی استعداد اور ان کی تعداد بحال رکھنے کے لیے یہ اخراجات ضروری ہوتے ہیں ۔ (صَرف سرمایہ کے الاؤنس کو شکست و ریخت کا الاؤنس (Depreciation Allowance) بھی کہتے ہیں ۔

ہر سرمایاتی اثاثے کی ایک متوقع عمر ہوتی ہے جس کا تعین سرمایہ ساز ادارہ کرتا ہے ۔ کسی سرمایاتی اثاثے کی قیمت کو اس کی متوقع عمر پر تقسیم کرنے سے اس کی سالانہ شکست و ریخت کی مالیت معلوم کی جا سکتی ہے ۔

فرض کیجیے کہ ایک آجر بیس ہزار روپے کے خرچ سے ایک مشین خرید تا ہے جس کی متوقع عمر دس سال ہے ۔ چنانچہ مشین ساز کے اندازے کے مطابق یہ مشین دس سال پیداوار دینے کے بعد قابلِ استعمال نہ رہے گی ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیس ہزار روپے کی مالیت کا دسواں حصہ ہر سال شکست و ریخت کی نذر ہو جائے گا ۔ لہٰذا مشین

کی سالانہ اوسط شکست و ریخت = $\frac{\text{20000 روپے}}{\text{10 سال}}$ = 2000 روپے

خالص قومی پیداوار کے تعین کی حسابی مساوات

خالص قومی پیداوار = خام قومی پیداوار — صرف سرمایہ کا الاؤنس

1.3.4 قومی آمدنی (National Income : N.I.)

تعریف : "ایک خاص عرصہ وقت کے دوران کمائی گئی اجرتوں ، لگان ، سود اور منافع جاتَ کی آمدنیوں کا مجموعہ یا یوں کہہ لیجیے کہ عاملین پیدائش کے معاوضوں کا مجموعہ قومی آمدنی کہلاتا ہے ۔" ایڈورڈ شیپیرو (Edward Shepiro)

تعریف کے اہم نکات کی وضاحت :

(i) خاص عرصہ سے مراد ایک سال کا عرصہ ہے ۔

(ii) اُجرتوں ، لگان ، سود اور منافع جاتِ کی آمدنیوں کا مجموعہ : معاشیات میں آمدنی اس وصولی کو کہتے ہیں جو افراد کو عاملینی خدمات (Factor Services) مہیا کرنے کے عوض ملتی ہے ۔ چونکہ عاملین پیدائش چار ہیں یعنی محنت ، زمین ، سرمایہ اور تنظیم ۔ اس لیے عاملینی آمدنیاں بھی علی الترتیب اجرتیں ، لگان ، سود اور منافع جاتُ ہیں ۔ عاملین کی اُنھی آمدنیوں کا مجموعہ قومی آمدنی کہلاتا ہے ۔ تعریف میں عاملینی آمدنیوں کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ قومی آمدنی درحقیقت قومی پیداُوار کی عاملینی تقسیم کی وضاحت ہوتی ہے ۔

قومی آمدنی کی ایک اور تعریف :

"کسی معیشت کے کاروباری اداروں کو ایک سال کے دوران اپنی پیدا کردہ اشیا

و خدمات کی فروخت سے جو رقوم واقعی وصول ہوتی ہیں ان کے مجموعے کو قومی آمدنی سمجھا جاتا ہے ۔ دراصل یہی رقوم ان اداروں میں پیداواری خدمات سرانجام دینے والے عاملین میں معاوضوں کے طور پر تقسیم کی جاتی ہیں ۔"

اس تعریف کا مرکزی نکتہ وہ رقوم ہیں جو فرموں کو ان کی پیداوار کی فروخت سے واقعی وصول ہوتی ہیں ۔ یہی رقوم عاملین میں ان کے معاوضوں کے طور پر تقسیم کی جاتی ہیں ۔ یہاں غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ فرموں کی پیداوار بازار میں جس قیمت پر فروخت ہوتی ہے وہ مختلف ہوتی ہے ۔ اکثر اشیاء کی بازاری قیمت میں بالواسطہ ٹیکس (Indirect Tax) مثلاً ایکسائز ڈیوٹی اور سیلز ٹیکس (Sales Tax) وغیرہ شامل ہوتے ہیں ۔ جنھیں حکومت (نہ کہ فرمیں) وصول کرتی ہے ۔ اب اگر ایک بائیسکل ساز فرم منڈی میں ایک بائیسکل آٹھ سو روپے کا فروخت کرتی ہے لیکن اس قیمت میں ایک سو روپے کا بالواسطہ ٹیکس بھی شامل ہو تو فرم ہٰذا کو بائیسکل کی فروخت سے جو رقم واقعی وصول ہوتی ہے وہ سات سو روپے ہوگی ۔ چنانچہ پوری معیشت کی سطح پر فرموں کو وصول ہونے والی رقوم کا مجموعہ تیار کرنے کے لیے ان کی پیداوار کی بازاری قیمت میں سے بلواسطہ ٹیکس منہا کیے جانے چاہییں ۔

حکومت بعض اشیاء کے پیداکاروں (Producers) کو حوصلہ افزائی کی خاطر ان کی پیداوار پر اعانے (Subsidies) دیتی ہے ۔ اعانے دراصل منفی ٹیکس ہوتے ہیں کیونکہ اس صورت میں حکومت خزانے کے لیے کچھ وصول کرنے کی بجائے الٹا خزانے سے انھیں رقوم منتقل کرتی ہے ۔ مثلاً پاکستان میں حکومت زرعی مشینری تیار کرنے والے اداروں کو اور فصل کے کیڑے مارنے والی ادویہ تیار کرنے والے اداروں کو معقول اعانے دیتی ہے ۔ جن اشیاء کی پیداوار پر حکومت اعانے دیتی ہے ان کی بازاری قیمت کم ہوتی ہے لیکن پیدا کاروں کو واقعی ملنے والی قیمت یا وصولی زیادہ ہوتی ہے جو کہ وہ عاملین کے معاوضوں کی صورت میں تقسیم کرتے ہیں ۔ لہٰذا قومی آمدنی کے حوالے سے اعانہ دار اشیاء (Subsidized Goods) کی بازاری قیمت میں اعانوں کی رقم جمع کرنی چاہیے ۔

چونکہ خالص قومی پیداوار اشیاء و خدمات کی بازاری مالیت کا مجموعہ ہوتی ہے اس لیے قومی آمدنی کا تعین کرنے کے لیے خالص قومی پیداوار میں سے بالواسطہ ٹیکس منہا

کر دیے جاتے ہیں اور اعانے جمع کیے جاتے ہیں ۔

قومی آمدنی کے حساب کی مساوات اس طرح ہے :

قومی آمدنی = خالص قومی پیداوار — بلواسطہ ٹیکس + اعانہ

قومی آمدنی کے حساب کی اہمیت
(Significance of National Income Accounts)

(i) قومی آمدنی کسی ملک کی معاشی حالت کا بہترین پیمانہ ہوتی ہے ۔

(ii) قومی آمدنی کا حساب یہ واضح کرتا ہے کہ معیشت میں کس قدر حرفی اور سرمایہ کاری کے اخراجات کیے جائیں کہ عاملین پیدائش کے موجودہ روزگار کو برقرار رکھا جا سکے ۔

(iii) قومی آمدنی کے مطالعہ سے طبقہ وار معاشرتی تقسیم کی عدم ہمواریت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

1.3.5 شخصی آمدنی (Personal Income: P.I.)

تعریف : کسی ملک کے آمدنی کمانے والے تمام افراد سال بھر کے عرصہ میں جس قدر آمدنیاں گھر لے آتے ہیں ان کے مجموعے کو شخصی آمدنی کہتے ہیں ۔

شخصی آمدنی کا مفہوم بیان کرتے ہوئے پروفسیر کوری ہارا (Prof. Kurihara) لکھتے ہیں کہ اگر قومی آمدنی میں سے منافع ٹیکس ، غیر منقسم منافع اور محنت کاروں کی بہبودی کٹوتیاں تفریق کر دی جائیں جب کہ کاروباری انتقالی ادائیگیاں اور سرکاری انتقالی ادائیگیاں جمع کر دی جائیں تو ملک کی قومی آمدنی کا تعین ہو جاتا ہے ۔

چنانچہ شخصی آمدنی کے حساب کی مساوات اس طرح ہے :

شخصی آمدنی = قومی آمدنی — کاروباری منافع — ٹیکس — غیر منقسم منافع — کارکنوں کی بہبودی کٹوتیاں + کاروباری اداروں کی انتقالی ادائیگیاں + سرکاری انتقالی ادائیگیاں

شخصی آمدنی کے حساب کی اہمیت
(Significance of Personal Income Accounts)

(i) شخصی آمدنی کے مطالعہ سے گھرانوں کی قوت خرید کا پتہ لگایا جا سکتا ہے ۔

(ii) یہ حساب صارفین کے بہبود (Welfare) کا مظہر ہوتا ہے ۔
(iii) شخصی آمدنی کاروباری اور سرکاری انتقالی ادائیگیوں کے حجم کو بھی ظاہر کرتی ہے ۔

1.3.6 قابل تصرف شخصی آمدنی
(Disposable Personal Income: D.P.I)

تعریف : "شخصی آمدنی میں سے براہ راست ٹیکس کی ادائیگی کے بعد بقایا رقم کو قابل تصرف شخصی آمدنی کہتے ہیں" پروفیسر سی ۔ آر ۔ میکونل (Prof. C.R. Mc Connell)

قابل تصرف شخصی آمدنی کی حسابی مساوات یہ ہوگی ۔

قابل تصرف شخصی آمدنی = شخصی آمدنی — براہ راست ٹیکس

یا

قابل تصرف شخصی آمدنی = صرفی اخراجات (C) + بچت (S)

1.4 ایک مفروضہ معیشت کے سماجی حسابات کا ماڈل
(Social Account Model of a Hypotheticl Economy)

قبل ازیں آمدنی کے کل معاشی مجموعات کے مفہوم اور ان کے تعین کا مطالعہ کیا جا چکا ہے ۔ یہاں ہم ایک فرضی معیشت کے سماجی حسابات کا ایک ماڈل پیش کرتے ہیں تا کہ آمدنی کے ان مختلف مجموعات کے درمیان پائے جانے والے رشتوں کی وضاحت اعداد و شمار کی مدد سے کی جا سکے ۔ آمدنی کے یہ مجموعات آپس میں اس طرح مربوط ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے کچھ مقداریں معلوم ہوں تو دیگر مجموعات کا تعین کیا جا سکتا ہے ۔ (معاشیات کے طالبعلم کے لیے آمدنی کے مجموعات کے باہمی تعلق کو سمجھنا از حد ضروری ہے تا کہ سماجی حسابات کے بارے میں معروضی سوالات کا جواب دیا جا سکے) ۔

ماڈل

سماجی حسابات	بلین روپے
خام قومی پیداوار (Gross National Product)	840.7
صرف سرمایہ کا الاؤنس (Capital Consumption Allowance)	منفی (-)40.7
خالص قومی پیداوار (Net National Product)	800.0

بلواسطہ ٹیکس (Indirect Tax)	منفی (-)50.5
اعانے (Subsidies)	جمع (+)20.0
قومی آمدنی (National Income)	769.5
کاروباری منافع ٹیکس (Corporate Income Tax)	منفی (-)49.5
غیر منقسم منافع (Undistributed profits)	منفی (-)18.8
کارکنوں کی بہبودی کٹوتیاں (Workers Social Security deductions)	منفی (-)10.2
انتقالی ادائیگیاں (Transfer Payments)	جمع (+)60.0
شخصی آمدنی (Personal Income)	751.0
براہ راست ٹیکس (Direct Tax)	منفی (-)51.0
قابل تصرف شخصی آمدنی (Disposable personal Income)	700.0
نجی صرفی اخراجات (Consumption expenditure)	منفی (-)650.00
نجی بچتیں (Private savings)	50.00

اب اگر ہمیں اس ماڈل کے خام قومی پیداوار (840.7) ، صرف سرمایہ کے الاؤنس (40.7) اور بالواسطہ ٹیکس (50.5) اور اعانوں (20.0) کے حسابات معلوم ہوں تو ہم خالص قومی پیداوار اور قومی آمدنی کی مقداریں اخذ کر سکتے ہیں ۔ وہ اس طرح کہ خام قومی پیداوار میں سے صرف سرمایہ کا الاؤنس تفریق کر دیا جائے (840.7 منفی 40.7) تو خالص قومی پیداوار (800.0) معلوم ہو جائے گی ۔ اس رقم میں سے بالواسطہ ٹیکس (50.5) کو منہا کرنے اور اعانوں (20.0) کو جمع کرنے سے قومی آمدنی (769.5) اخذ کی جا سکتی ہے ۔

1.5 فی کس آمدنی (Per Capita Income)

تعریف : "فی کس آمدنی سے مراد یہ ہے کہ معیشت میں معاشی ترقی کی پیمائش کی غرض سے اشیاء و خدمات کی فی کس دستیابی کیا ہے" پروفیسر کوری ہارا (Prof. Kurihara)

ملک میں ایک سال کے عرصے میں پیدا کی گئی اشیاء و خدمات کی زری مالیت کو قومی آمدنی کہتے ہیں جسے کل آبادی پر تقسیم کر دیا جائے تو فی کس آمدنی معلوم ہو جاتی ہے ۔ گویا

$$\text{فی کس آمدنی} = \frac{\text{قومی آمدنی}}{\text{آبادی کی تعداد}}$$

مثلاً اگر ایک ملک کی قومی آمدنی آٹھ ارب روپے ہو اور آبادی بیس لاکھ نفوس پر مشتمل ہو تو وہاں فی کس آمدنی چار ہزار روپے سالانہ ہو گی۔

$$\text{فی کس آمدنی} = \frac{\text{8000,000,000 روپے}}{\text{2000,000 افراد}} = \text{4000 روپے}$$

چنانچہ اگر فی کس آمدنی کو بڑھانا مقصود ہو تو ضروری ہو گا کہ وہاں قومی آمدنی میں اضافے کی شرح آبادی کی شرح افزائش سے تیز تر کی جائے۔

1.6 قومی آمدنی کا متواتر بہاؤ

Circular Flow of National Income)

سرمایہ داری نظام کے تحت معیشت میں ایک دو اہم شعبے[1] کارفرما ہوتے ہیں۔ یہ شعبے گھرانے (Households) اور کاروباری ادارے (Firms) ہوتے ہیں۔ قومی آمدنی مختلف شکلیں اختیار کرتے ہوئے ان شعبوں کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے جسے قومی آمدنی کا متواتر بہاؤ یا قومی آمدنی کا دائری بہاؤ کہتے ہیں۔ اس گردش کے دوران قومی آمدنی مختلف مراحل پر مخصوص معاشی کردار ادا کرتی ہے۔ ایک مرحلے پر قومی آمدنی اشیاء و خدمات کی پیداوار کی شکل میں اختیار کرتی ہے جبکہ تیسرے مرحلے پر قومی آمدنی اخراجات یعنی قیمتوں کی شکل میں ہوتی ہے۔

آمدنی کے دائری بہاؤ کے متذکرہ ذیل ماڈل کے مطالعہ سے ہم سرمایہ دارانہ معیشت میں موجود دو قسم کی منڈیوں کی عمل کاری کو سمجھ سکتے ہیں۔ ان میں ایک پیداواری وسائل کی منڈی (Resource Market) ہوتی ہے جس میں گھرانے اپنے عاملینی وسائل (Factor Resources) معاوضے لے کر فرموں کو فراہم کرتے ہیں۔ دوسری جانب

1- سرمایہ دار معیشت (Capitalistic Economy) میں درحقیقت چار شعبے ہوتے ہیں۔ یعنی گھرانے، فرمیں، حکومت اور بین الاقوامی تجارت تاہم اس معیشت میں حکومتی شعبے کا کردار نسبتاً کم اہم ہوتا ہے۔ یہاں ہم نے سہل فہمی کی غرض سے یہ فرض کیا ہے کہ معیشت دو شعبوں پر مشتمل ہے۔

پیداوار کی منڈی (Product Market) میں فرمیں اپنی پیدا کردہ اشیاء کو گھرانوں کے ہاتھ فروخت کرتی ہیں اور ان کی قیمتیں وصول کرتی ہیں ۔

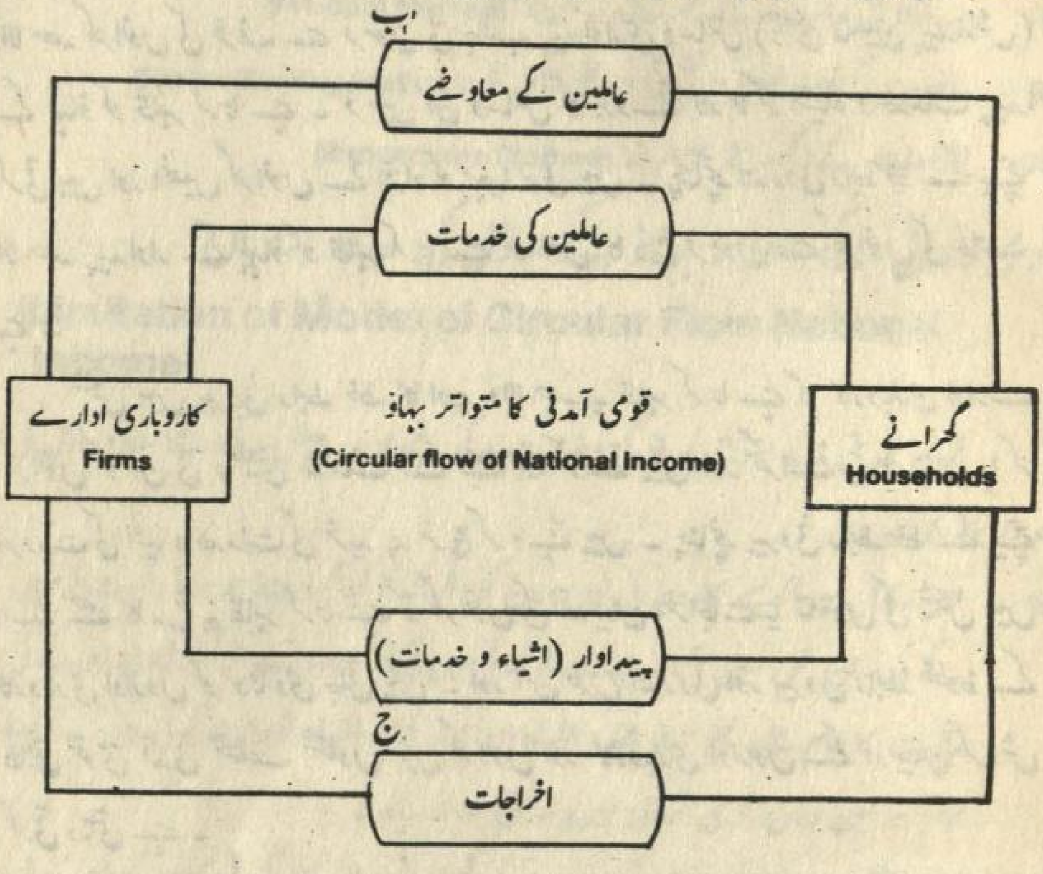

شکل 1.1 میں گھرانوں کو دائیں جانب اور کاروباری اداروں کو بائیں جانب ظاہر کیا گیا ہے ۔ ان شعبوں کے درمیان دو رابطہ خطوط کھینچے گئے ہیں ۔ (اندرونی دائری رابطہ عاملینی خط متخالفِ کلاک (Anti-clockwise) رُخ میں ہے ۔ گھرانے عاملینی وسائل کا اصل ذریعہ ہوتے ہیں لیکن یہاں عاملین پیدائش بکھرے ہوئے ہوتے ہیں ۔ گھرانے ان عاملین کی خدمات کاروباری اداروں کو فراہم کرتے ہیں جہاں ان میں منظم اشتراک پیدا ہوتا ہے اور مختلف النوع اشیاء و خدمات کی پیداوار عمل میں آتی ہے ۔ گھرانوں سے تعلق رکھنے والے مالکان اراضی و عمارات کاروباری اداروں کو یہ اثاثے برائے استعمال دیتے ہیں ۔ فرموں میں محنت سر انجام دینے والے کارکن بھی گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں ۔ فرموں میں لگایا گیا نقد سرمایہ بھی گھرانوں کے افراد کی بچتوں کا نتیجہ ہوتا ہے ۔ یہ بچتیں بنکوں میں جمع کروائی جاتی ہیں ، جہاں سے کاروباری ادارے نقد سرمایہ قرض لے کر اسے اشیائے سرمایہ مثلاً مشینوں ، آلات اور ورکشاپوں وغیرہ کی شکل دیتے ہیں ۔

دیگر افراد کی طرح آجر بھی گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اندرونی دائری رابطہ خط کا اوپر والا حصہ گھرانوں کی طرف سے فرموں کی جانب پیداواری وسائل (یعنی عاملین پیدائش) کے بہاؤ کو ظاہر کرتا ہے ۔ فرمیں ان وسائل کو بروئے کار لاکر اشیاء و خدمات پیدا کرتی ہیں اور انھیں گھرانوں کے افراد کو مہیا کرتی ہیں ۔ چنانچہ اندرونی رابط خط کے نیچے والا حصہ پیداوار کے بہاؤ کو ظاہر کرتا ہے ۔ جس کا رخ فرموں سے گھرانوں کی جانب ہے ۔

شکل میں بیرونی رابطہ خطہ کا اوپر والا حصہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ کاروباری ادارے گھرانوں کو ان کی عاملینی خدمات کے صِلے ادا کرتے ہیں اور گھرانے یہ آمدنیاں پاکر ضرورت کی اشیا و خدمات کی خرید پر خرچ کر دیتے ہیں ۔ چنانچہ بیرونی رابطہ خط کے نیچے والے حصے کا رخ یہ ظاہر کرتا ہے کہ گھرانوں کی آمدنیاں اخراجات یا قیمتوں کی شکل میں کاروباری اداروں کو لوٹا دی جاتی ہیں ۔ اور اس طرح اندرونی اور بیرونی رابطہ خطوط کے مطابق قومی آمدنی مختلف شکلوں میں گھرانوں اور کاروباری اداروں کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے ۔

ہم جانتے ہیں کہ کسی ایک فرم کی پیداوار کی مالیت کے برابر رقم اس کے عاملین پیدائش میں عوضانوں کے طور پر تقسیم کر دی جاتی ہیں ۔ چنانچہ معیشت میں موجود فرمیں ایک سال کے عرصے میں جو پیداوار کرتی ہیں اس کی مالیت بھی ان فرموں کے عاملین کے عوضانوں کے برابر ہوتی ہے ۔ اس لیے قومی آمدنی کا دائری بہاؤ کو ظاہر کرنے والے اندرونی رابطہ خط کے نیچے والے حصے کے مرحلہ (الف) پر پیداوار کی مالیت بیرونی رابطہ خط کے اوپر والے حصے کے مرحلہ (ب) پر عاملین کے معاوضوں کی مالیت کے برابر ہوگی اور ان میں سے ہر تخمینہ قومی آمدنی کے برابر ہو گا ۔ نیز چونکہ اخراجات آمدنی کے بھی برابر ہوتے ہیں اس لیے بیرونی رابطہ خط کے نچلے حصے کے مرحلہ (ج) پر اخراجات کا مجموعہ بھی قومی آمدنی کے برابر ہو گا ۔

قومی آمدنی کے دائری بہاؤ کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قومی آمدنی کے تین مختلف روپ ہوتے ہیں یعنی قومی آمدنی اشیاء و خدمات کی پیداوار کی شکل میں ہوتی ہے نیز یہ عاملین کے معاوضوں اور اخراجات کی صورت میں بھی ہوتی ہے چنانچہ قومی آمدنی

کی پیمائش مندرجہ ذیل طریقوں سے کی جا سکتی ہے :

(i) پیداوار کی مالیت کے مجموعے کا طریقہ (Product Method)

(ii) عاملین کے معاوضوں کے مجموعے کا طریقہ (Factor Earning Method)

(iii) اخراجات کے مجموعے کا طریقہ (Expenditure Method)

قومی آمدنی کے متواتر بہاؤ کے ماڈل کی حدود بندیاں
(Limitation of Model of Circular Flow National Income)

قومی آمدنی کے متواتر بہاؤ کی وضاحت کے لیے اوپر پیش کیے گئے سادہ ماڈل کی حدود بندیاں یہ ہیں :

(i) اس ماڈل میں ایسے کاروباری لین دین کو نظر انداز کیا گیا ہے جو براہ راست فرموں کے درمیان عمل میں آتا ہے ۔ حالانکہ فرمیں ایک دوسرے کو کروڑوں روپے کی مالیت کا خام مال نیم تیار شدہ اشیاء اور تیار شدہ اشیاء فروخت کرتی ہیں ۔ ایسا تمام تر لین دین قومی آمدنی میں شامل ہوتا ہے ۔

(ii) اس ماڈل میں یہ بھی فرض کیا گیا ہے کہ گھرانے سال بھر کی آمدنیوں کو اس سال کے دوران ضرور خرچ کر دیتے ہیں ۔ حالانکہ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض افراد اپنی آمدنی کے کسی حصے کو زیورات کی شکل میں یا دفینوں کی شکل میں رکھ لیں اور بچتوں کی یہ رقوم کئی سال تک اشیاء کی خرید پر خرچ نہ کی جائیں ۔

(iii) اس ماڈل میں حکومت کی معاشی کارکردگی مثلاً حکومتی کاروباری اداروں کی خرید وفروخت ، حکومتی ٹیکس اور اخراجات وغیرہ کو بھی نظرانداز کیا گیا ہے ۔

(iv) یہ ماڈل معیشت کی برآمدی آمدنی اور درآمدی اخراجات پر بھی روشنی نہیں ڈالتا ۔

1.7 قومی آمدنی کی پیمائش کے طریقے
(Methods of Computing N.I.)

قومی آمدنی کے متواتر بہاؤ کے تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ قومی آمدنی تین مختلف شکلوں میں گھرانوں اور کاروباری اداروں کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے ۔ یہ شکلیں (i) پیداوار (ii) عاملین کے معاوضے اور (iii) اخراجات ہیں ۔ لہٰذا اُنھی شکلوں کے حوالے

سے قومی آمدنی کی پیمائش کے مندرجہ ذیل تین طریقے ہیں :

1.7.1 پیداوار کی مالیت کے مجموعے کا طریقہ (Product Method)

معیشت میں اُنواع و اقسام کی اشیاء و خدمات پیدا کی جاتی ہیں ۔ ایک سال کے عرصے میں پیدا کردہ تمام اشیا و خدمات کی مالیت کے مجموعے کو قومی آمدنی سمجھتے ہیں ۔ پیداوار کو شمار کرتے ہوئے ایسی اشیا کو شامل حساب کیا جاتا ہے جو آخری شکل اختیار کر چکی ہوں اور ان پر مزید پیداواری عمل کی گنجایش موجود نہ ہو ۔ ایسا کرنا اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ اشیاء کی دوہری شماری (Double counting) نہ ہو جائے ۔

ذیل میں ہم قومی آمدنی کی پیمائش کے لیے پیداوار کی مالیت کے مجموعے کے طریقے کی وضاحت پیش کرتے ہیں ۔ اس سلسلے میں ہم یہاں ایک فرضی گوشوارہ پیش کرتے ہیں ۔

گوشوارہ : 1.1

نمبر شمار	پیدا کردہ اشیا و خدمات	اشیا کی اکائیاں یا خدمات مہیا کرنے والوں کی تعداد	قیمت فی اکائی یا سال بھر کی خدمت کی قیمت	سال بھر کی پیداوار کی کل مالیت
-1	ڈنر باکس (Dinner Boxes) یعنی پکے پکائے کھانے کے پیکٹ	4000 عدد	15 روپے	60000 روپے
-2	قمیضیں	2500	20	50000
-3	پتلونیں	2500	22	55000
-4	جوتے	1000 جوڑے	30	30000
-5	بائیسکل	500 عدد	100	50000 عدد
-6	پروفیسر	100	1000	100000
-7	ڈاکٹر	60	2000	12000

میزان (خام قومی پیداوار) 465000

منفی صرفِ سرمایہ کا الاؤنس 5000

460000

منفی بالواسطہ ٹیکس 10000

450000

جمع اعانے 4000

قومی آمدنی 454000

وضاحت : اس گوشوارے کے دوسرے کالم میں نمبر 1 تا 5 تیار شدہ پیداوار یں (Finished Products) درج کی گئی ہیں جب کہ نمبر 6 تا 7 خدمات درج کی گئی ہیں ۔ تیسرے کالم میں پیدا کردہ اشیاء کی اکائیوں کی تعداد یا خدمات سرانجام دینے والے افراد کی سال بھر کی خدمات کی مالیت لکھی گئی ہے جو کہ تیسرے اور چوتھے کالموں کی متعلقہ مقداروں کے حاصل ضرب کے برابر ہے ۔ آخری کالم کا میزان 465000 روپے ہے ۔

عام مفہوم میں اسے قومی آمدنی کہا جاتا ہے لیکن فنی نکتہ نگاہ سے یہ خام قومی پیداوار (GNP) ہے ۔ اگر اس رقم میں سے صرفِ سرمایہ کا الاؤنس 5000 روپے اور بلواسطہ ٹیکس 10000 روپے منہا کر دیے جائیں اور اعانے 4000 روپے جمع کر دیے جائیں تو 454000 روپے کا حتمی میزان قومی آمدنی (N.I.) کہلائے گا ۔

ضروری احتیاطیں (Necessary Precautions)

قومی آمدنی کی پیمائش کے اس طریقے میں مندرجہ ذیل احتیاطیں کی جائیں ۔ بصورت دیگر قومی آمدنی کا میزان غلط ہو گا ۔

1- دوسری شماری نہ ہونے دی جائے (Avoiding Double Counting)

اشیاء درج کرتے ہوئے خیال رکھا جائے کہ ایک ہی شے ایک سے زیادہ بار شمار نہ ہو جائے ۔ مثلاً اگر کپڑے کی قیمت درج کرنے کے بعد اس سے تیار کردہ قمیضوں کی مالیت بھی شمار کر لی جائے تو یہ دوہری شماری ہو گی ۔ کیونکہ قمیضیں جس کپڑے سے تیار کی گئی ہیں اس کی قیمت بھی درج ہو تو گویا ہم ایک ہی شے کو ایک سے زیادہ بار شمار

کر رہے ہوں گے ۔ اس غلطی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ گوشوارہ میں صرف ایسی اشیاء لکھی جائیں جو تیار شدہ ہوں یعنی یہ اشیاء برائے استعمال بالکل تیار ہوں ۔

دوہری شماری سے بچنے کا ایک دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ ایک ہی شے کی پیداوار آخری شکل اختیار کرنے سے پہلے سابقہ پیداواری مراحل میں جس قدر اضافی قدریں اختیار کرتی ہے انھیں جمع کر لیا جائے ۔ اسے جمعی قدر کا طریقہ (Value Added Approach) کہتے ہیں ۔ وضاحت کے لیے نیچے بنائے گئے گوشوارے کی مثال پر غور کریں ۔ اس مثال میں ہم ایک سوتی قمیض کی تیاری کے مختلف مراحل پر اس کی اضافی اقدار کو پیمائش کریں گے ۔

گوشوارہ : 1.2

پیداواری مراحل	قدر یا مالیت	مرحلہ وار اضافی قدر
کپاس	10 روپے	10 روپے
دھاگہ	15 روپے	5 روپے
کپڑا	60 روپے	45 روپے
قمیض	90 روپے	30 روپے

میزان = 90 روپے

اس گوشوارے کے پہلے کالم میں قمیض کی پیداوار کے مختلف مراحل لکھے گئے ہیں ۔ دوسرے کالم میں ہر مرحلے پر پیداوار کی قدر وضع کی گئی ہے ۔ تیسرے کالم میں مرحلہ وار اضافی قدر لکھی گئی ہے ۔ دوہری شماری بچنے سے کے لیے اضافی قدر کا مجموعہ تیار کیا گیا ہے ۔ جو کہ 90 روپے بنتا ہے ۔ یہ مالیت تیار شدہ قمیض کی مالیت کے برابر ہے ۔ چنانچہ دوہری شماری سے بچنے کے لیے یا تو تیار شدہ شے کی مالیت کو شمار کیا جائے یا پھر مرحلہ وار اضافی قدر کا مجموعہ تیار کیا جائے ۔

2- صرفِ سرمایہ کا الاؤنس منہا کیا جائے
(Deducting Capital Depreciation Allowance)

پیداواری عمل کے دوران کچھ اشیائے سرمایہ مثلاً عمارات ، مشینیں اور آلات وغیرہ شکست و ریخت کی نظر ہو جاتے ہیں ۔ چنانچہ قوم کے پیداواری اثاثوں کے اس نقصان

کو پورا کرنے کے لیے ان کی جگہ متبادل اثاثے مہیا کرنے پڑتے ہیں۔ اس پر جو اخراجات آتے ہیں انھیں صرف سرمایہ کاری کا الاؤنس کہتے ہیں ۔ صفِ سرمایہ کا الاؤنس پیداوار کی مالیت سے منہا کر دینا چاہیے ۔

3- بلواسطہ ٹیکس اور اعانے (Indirect Taxes and Subsidies)

اگر قومی آمدنی کی پیمائش میں قطعیت مطلوب ہو تو خام قومی پیداوار میں سے صرفِ سرمایہ کا الاؤنس منہا کرنے کے بعد میزان میں سے بلواسطہ ٹیکس تفریق کیے جائیں اور اعانے جمع کیے جائیں ۔

4- بلا معاوضہ خدمات شمار نہ کی جائیں
(Voluntary Services not to be counted)

مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد بعض حالات میں اپنی خدمات کے صلے وصول نہیں کرتے ۔ انھیں بلامعاوضہ خدمات کہتے ہیں ۔ مثلاً ایک ٹیچر اپنے بچوں کو پڑھاتا ہے یا ایک ڈاکٹر سیلاب زدگان کا علاج معالجہ فقط انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت کرتا ہے اور اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں لیتا ۔ یا پھر طلبا اپنے کھیل کے میدان کے گرد خار دار تار خود لگاتے ہیں اور اس کا صلہ نہیں چاہتے ۔ ایسی تمام خدمات کی مالیت قومی آمدنی میں شمار نہیں کی جاتی ۔

1.7.2 عاملین کے معاوضوں کے مجموعے کا طریقہ
(Factor Earning Method)

کسی معیشت میں ایک سال کے دوران جتنی مالیت کی پیداوار کی جاتی ہے اتنی ہی رقوم عاملین پیدائش میں صلوں کے طور پر تقسیم کر دی جاتی ہیں ۔ چنانچہ پیداوار کی مالیت کا مجموعہ اور عاملین کے صلوں کا مجموعہ برابر ہونا چاہیے ۔ اور یہ دونوں مجموعات قومی آمدنی کہلاتے ہیں ۔ (یہاں ہم سادگی کی خاطر قومی پیداوار کے بعض اہم حسابات مثلاً صرفِ سرمایہ کاری کا الاؤنس اور بالواسطہ ٹیکس وغیرہ نظر انداز کر دیتے ہیں) ۔ اب ہم عاملین کے معاوضوں کے مجموعے کے طریقے سے قومی آمدنی کی پیمائش کا تجزیہ پیش کرتے ہیں ۔

گوشوارہ 1.3

	عاملین کے معاوضے (بلین روپے)
زمین اور عمارات کے مالکان کو ملنے والے لگان اور کرائے	100
محنت کاروں کو ملنے والی اجرتیں	500
نقد سرمائے کے مالکان کو ملنے والا سود	80
اُجرین کو ملنے والا منافع	120
	میزان ، قومی آمدنی = 800

اس گوشوارے میں عاملین کی سالانہ آمدنیوں کی فرضی مقداریں درج کی گئی ہیں ۔ جن کا مجموعہ 800 بلین روپے بنتا ہے ۔ یہ قومی آمدنی ہے ۔

احتیاطیں : قومی آمدنی کی پیمائش کے اس طریقے میں مندرجہ ذیل دو احتیاطیں لازم ہوتی ہیں ۔

(i) فرموں کے کارکنوں کو آجرین کی جانب سے جو بونس (Bonus) ملتا ہے اسے اجرتوں میں شمار نہیں کیا جانا چاہیے ۔ کیونکہ بونس فرم کے منافع میں سے ادا کیا جاتا ہے اور منافع پہلے ہی آجر کی آمدنی کے طور پر شمار ہو چکا ہوتا ہے ۔ واضح رہے کہ اگر بونس کو اجرت میں شامل کر لیا جائے تو یہ دوہری شماری ہو گی ۔

(ii) اُجرتیں شمار کرتے ہوئے ان میں سے بہبودی کٹوتیاں منہا نہیں کی جانی چاہییں ۔ اُجرت سے مراد وہ ادائیگی ہوتی ہے جو کارکنوں کو حسب معاہدہ ایک خاص عرصہ وقت میں ملتی ہے ۔

1.7.3 اخراجات کے مجموعے کا طریقہ (Expenditure Method)

اس طریقے کے تحت معیشت میں ایک سال کے دوران ہونے والے تمام اخراجات کا مجموعہ تیار کیا جاتا ہے ۔ یہ اخراجات دو قسم کے ہوتے ہیں : اوّل : صرفی اخراجات جو صرفی اشیاء و خدمات کی خرید پر خرچ کیے جاتے ہیں ۔ دوم : سرمایہ کاری کے اخراجات جو کہ کاروباری امور کے سلسلے میں کیے جاتے ہیں ۔ اگر ایک ملک کے افراد ، نجی اداروں اور حکومت نے دیگر ممالک میں زیادہ سرمایہ کاری کی ہو لیکن دیگر ممالک کے افراد نجی اداروں اور حکومت نے اس ملک میں نسبتاً کم سرمایہ کاری کی ہو تو اس معیشت کے

قومی آمدنی کے حساب کی غرض سے خالص غیر ملکی سرمایہ کاری مثبت مقدار ہو گی۔ واضح رہے کہ دیگر ممالک میں کسی ملک کی سرمایہ کاری اور اس ملک میں دیگر ممالک کی سرمایہ کاری کے فرق کو خالص غیر ملکی سرمایہ کاری کہتے ہیں یہ مقدار مثبت بھی ہو سکتی ہے اور منفی بھی۔ برآمدات اور درآمدات کا مثبت فرق بھی قومی آمدنی کے حساب میں جمع کیا جاتا ہے۔ متذکرہ بالا مقداروں کے مجموعے کو خام قومی پیداوار کہتے ہیں۔ اگر اس مجموعے میں سے صرف سرمایہ کا الاؤنس اور بلواسطہ ٹیکس منہا کر دیا جائے اور اعانے جمع کر دیئے جائیں۔ تو اخراجات کے مجموعے کے طریقے سے قومی آمدنی معلوم ہو جاتی ہے۔ یہاں ہم ایک فرضی معیشت کے بارے میں اخراجات کے مجموعے کا ایک ماڈل پیش کر رہے ہیں۔

گوشوارہ : 1.4

رقم (بلین روپے میں)	اخراجات کی مدیں	نمبر شمار
400	نجی صرفی خرچ	1
110	سرکاری صرفی خرچ	2
350	خام ملکی نجی سرمایہ کاری	3
240	خام ملکی سرکاری سرمایہ کاری	4
60	خالص غیر ملکی سرمایہ کاری	5
40	برآمدات اور درآمدات کا فرق (+)	6
1200	میزان : خام قومی پیداوار	
100(–)	منفی صرفِ سرمایہ کا الاؤنس	7
1100	میزان خالص قومی پیداوار	
180(–)	منفی بلواسطہ ٹیکس	8
50(+)	جمع اعانے	9
970	میزان : قومی آمدنی	

اس گوشوارے کے تیسرے کالم میں نمبر 1 تا 4 نجی سرمایہ کاری صرفی و سرمایہ کاری کے اخراجات درج کیے گئے ہیں ۔ خام سرمایہ کاری سے مراد وہ تمام رقوم ہیں جو صرفِ سرمایہ کی تلافی کے لیے اور مزید اشیائے سرمایہ فراہم کرنے پر خرچ کی جاتی ہیں ۔ پانچویں اور چھٹے نمبر پر خالص غیر ملکی سرمایہ کاری اور برآمدات و درآمدات کا مثبت فرق درج کیا گیا ہے ۔ اس طرح خام قومی پیداوار کا میزان 1200 بلین روپے بنتا ہے ۔ اس میں سے صرفِ سرمایہ کا الاؤنس 100 بلین منہا کیا گیا ہے ۔ اس طرح 1100 بلین روپے کا میزان خالص قومی پیداوار ہے ۔ اس میں سے 180 بلین روپے کی رقم بلواسطہ ٹیکس کے طور پر منہا کی گئی ہے جب کہ 50 بلین روپے کے اعانے جمع کیے گئے ہیں ۔ 970 بلین روپے کا حتمی میزان قومی آمدنی ہے ۔

احتیاطیں

اخراجات کے طریقے سے قومی آمدنی کی پیمائش کرتے ہوئے مندرجہ ذیل احتیاطیں کی جانی چاہییں ۔

i) سماجی تحفظ (Social Security) کے سلسلے میں کیے گئے سرکاری اخراجات قومی آمدنی میں شامل نہیں کیے جاتے ، اس لیے حکومت کے صرفی اخراجات میں بیروزگاری الاونس ، ریٹائرمنٹ کی پنشن اور نابیناؤں کو حکومت سے ملنے والی اضافی آمدنی وغیرہ کو شامل کرنا غلط ہو گا ۔

ii) سرکاری قرضوں پر حکومت جو سودی ادائیگیاں کرتی ہے ، وہ بھی موجودہ دور میں سرکاری اخراجات میں شامل نہیں کی جاتیں ۔

iii) سرکاری اخراجات اور سرکاری بجٹ کے اخراجات میں فرق ہوتا ہے ۔ اور ان کے حسابات علحٰدہ علحٰدہ تیار کیے جاتے ہیں ۔ سرکاری بجٹ کے اخراجات میں دیگر اخراجات کے علاوہ تمام تر انتقالی ادائیگیاں جن میں چند کا ذکر اوپر نمبر 1 میں کیا گیا ہے ، شامل ہوتی ہیں ، لیکن قومی آمدنی کے تخمینے میں انھیں شامل نہیں کیا جاتا ۔

1.3 توازنی قومی آمدنی (Equilibrium National Income)

قومی آمدنی مختلف شکلوں میں معیشت میں گردش کرتی ہے ۔ آمدنی کمانے

والے افراد کاروباری اداروں (فرموں) کو عاملین خدمات فراہم کر کے ان خدمات کے جو معاوضے پاتے ہیں وہ ان کی آمدنیاں ہوتی ہیں ۔ ایسی تمام آمدنیوں کا مجموعہ قومی آمدنی (Y) کہلاتا ہے ۔ ہر فرد کی آمدنی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے ۔ اس کا ایک حصہ تو روزمرہ کی ضروریات کی تکمیل کے لیے اشیا و خدمات کی خرید پر خرچ ہو جاتا ہے جو صرفی خرچ (C) اور دوسرا حصہ بچت (S) کہلاتا ہے ۔ بچت آمدنی کا وہ حصہ ہوتا ہے جو سردست خرچ نہیں کیا جاتا بلکہ اسے مستقبل میں کسی وقت خرچ کرنے کا پروگرام بنایا جاتا ہے ۔ جس طرح ہر فرد کی آمدنی اس کے صرف اور اس کی بچت کے مجموعے کے برابر ہوتی ہے اسی طرح قومی آمدنی بھی تمام صرفی اخراجات اور تمام بچتوں کے مجموعے کے برابر ہوتی ہے ۔ اس لیے :

Y = C + S .... (i)

قومی آمدنی کی ایک شکل اشیاء و خدمات بھی ہیں جو تمام فرمیں ایک خاص عرصۂ وقت میں پیدا کرتی ہین ۔ باالفاظِ دیگر فرمیں جس قدر اشیاء و خدمات کی مجموعی (Aggr-egate supply) مہیا کرتی ہیں ، ان کی مالیت کو بھی قومی آمدنی کہتے ہیں ۔ اس لیے

مجموعی رسد = Y .... (ii)

مساوات نمبر (i) اور (ii) کو یکجا کرنے سے :

مجموعی رسد = Y = C + S .... (iii)

قومی آمدنی کا ایک اور روپ مجموعی اخراجات ہیں جو کہ صرفی اخراجات (C) اور سرمایہ کاری کے اخراجات (I) کے مجموعے پر مشتمل ہوتے ہیں ۔ (واضح رہے کہ سرمایہ کاری کے اخراجات درحقیقت بچتوں کا ہی نتیجہ ہوتے ہیں) ۔ ایک خاص عرصہ وقت میں معیشت کی پیداوار پر جس قدر صرفی اور سرمایہ کاری کے اخراجات کیے جاتے ہین ان کے مجموعے کو مجموعی طلب (Aggregate Demand) یا قومی آمدنی کہتے ہیں ۔ چنانچہ

مجموعی طلب = Y = C + I .... (iv)

جب معیشت میں قومی پیداوار کی مجموعی رسد اس کی مجموعی طلب کے برابر ہو تو قومی آمدنی کا توازن قائم ہو جاتا ہے ۔ قومی آمدنی کے اس معیار کو توازنی قومی آمدنی کہتے ہیں ۔ مساوات نمبر (iii) اور (iv) کو یکجا کرتے ہوئے توازنی قومی آمدنی کا اظہار اس

طرح کیا جا سکتا ہے۔

$$Y = C + S = C + I$$

اُوپر کے تجزیے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اگر قومی سطح پر بچتوں اور سرمایہ کاری کے مجموعے برابر ہوں تو لازماً مجموعی طلب (C+I) بھی مجموعی رسد (Y = C+S) کے برابر ہوتی ہے اور قومی آمدنی کا توازنی معیار قائم ہو جاتا ہے۔

اعادہ

کسی بھی معیشت میں پیداواری وسائل کی ایک خاص مقدار موجود ہوتی ہے ۔ ان وسائل،کو بروئے کار لاکر مختلف النوع اشیاء و خدمات پیدا کی جاتی ہیں ۔ اس پیداوار کی بازاری مالیت کو قومی آمدنی کہتے ہیں ۔ الفریڈ مارشل قومی آمدنی کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں : "قومی آمدنی سے مراد مادی و غیر مادی اشیاء کا وہ خالص مجموعہ ہے جو کسی ملک کے کارکن اور اشیائے سرمایہ وہاں کے قدرتی وسائل پر پیداواری عمل سرانجام دے کر سال بھر میں پیدا کرتے ہیں' ۔ غیر مادی اشیاء نیں تمام قسم کی خدمات شامل ہوتی ہیں ۔"

پال اے سیموئیلسن (Paul A. Samuelson) نے قومی آمدنی کی تعریف اس طرح کی ہے : قومی آمدنی سے مراد "کسی معیشت میں پیدا ہونے والی اشیاء و خدمات کے مجموعی سالانہ بہاؤ کی زری مالیت ہے" قومی آمدنی کی مندرجہ ذیل اصطلاحات مستعمل ہیں ۔

(i) خام ملکی پیداوار : (G.D.P.) جس کی تعریف آر جی لپسے (R.G.Lipsey) نے اس طرح کی ہے :" خام ملکی پیداوار اور ان تمام عاملین کی خدمات کی قدر کے مجموعے کے برابر ہوتی ہے جن کے اشتراک سے وہ پیداوار ہوتی ہے ۔ عاملینی مصارف کے لحاظ سے خام ملکی پیداوار سے مراد عاملین کے ان معاوضوں کا مجموعہ ہے جو پیداواری عمل کے دوران عاملین کا حق بن جاتے ہیں"۔

(ii) خام قومی پیداوار (G.N.P) پال اے سیموئیلسن نے خام قومی پیداوار کی تعریف اس طرح کی ہے : "کسی معیشت میں ایک سال کے عرصے میں پیدا ہونے والی آخری شکل میں موجود تمام اشیاء و خدمات کی مجموعی بازاری مالیت کو خام قومی پیداوار کہتے ہیں ۔"

خام قومی پیداوار = خام ملکی پیداوار + غیر ممالک میں پیداواری عمل سر انجام دینے والے ملکی افراد یا اداروں سے حاصل ہونے والی رقوم ۔

(iii) خالص قومی پیداوار (.N.N.P) آر جی لپسے نے خالص قومی پیداوار کی تعریف اس طرح کی ہے ۔ معیشت کی خام مجموعی پیداوار (.G.N.P) میں سے صرفِ سرمایہ کا الاؤنس

منہا کرنے سے خالص قومی پیداوار کا تعین ہو جاتا ہے"

خالص قومی پیداوار کے تعین کی حسابی مساوات یہ ہے :

خالص قومی پیداوار = خام قومی پیداوار — صرفِ سرمایہ کا الاؤنس

(iv) قومی آمدنی : (N.I.) ایڈورڈ شیپیرو (Edward Shepiro) قومی آمدنی کی تعریف اس طرح کرتا ہے : ایک خاص عرصہ وقت کے دوران کمائی گئی اُجرتوں ، لگان ، سود اور منافع جات کی آمدنیوں کا مجموعہ یا یوں کہہ لیجیے کہ عاملین پیدائش کے معاوضوں کا مجموعہ قومی آمدنی کہلاتا ہے۔"

قومی آمدنی کے حساب کی مساوات یہ ہے :

(v) شخصی آمدنی : (P.I) سادہ الفاظ میں شخصی آمدنی کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے : "کسی ملک کے آمدنی کمانے والے تمام افراد سال بھر کے عرصہ میں جس قدر آمدنیاں گھر لے آتے ہیں ان کے مجموعے کو شخصی آمدنی کہتے ہیں"

شخصی آمدنی کی حسابی مساوات یہ ہے :

شخصی آمدنی = قومی آمدنی — منافع ٹیکس ، غیر منقسم منافع ۔ کارکنوں کی بہبودی کٹوتیاں + فرموں کی انتقالی ادائیگیاں + سرکاری انتقالی ادائیگیاں

(vi) قابل تصرف شخصی آمدنی : (D.P.I.) پروفیسر میکونل (Prof: Mc Connell) نے قابل تصرف شخصی آمدنی کی تعریف اس طرح کی ہے : "شخصی آمدنی میں سے براہ راست ٹیکس کی ادائیگی کے بعد بقایا رقم کو قابلِ تصرف شخصی آمدنی کہتے ہیں"

اس کی حسابی مساوات اس طرح ہو گی :

قابلِ تصرف شخصی آمدنی = شخصی آمدنی — براہ راست ٹیکس

کسی ملک کی معاشی حالت اور معاشی ترقی کی رفتار کا جائزہ لینے کے لیے فی کس آمدنی کے حساب کو بہت اہمیت حاصل ہے ۔ پروفیسر کوری ہارا (Prof: Kurihara) فی کس آمدنی کی تعریف اس طرح کرتا ہے : "فی کس آمدنی سے مراد یہ ہے کہ معیشت میں معاشی ترقی کی پیمائش کی غرض سے اشیاء و خدمات کی فی کس دستیابی کیا ہے ۔" فی کس آمدنی معلوم کرنے کے لیے قومی آمدنی کو آبادی کی تعداد پر تقسیم کیا جاتا ہے ۔

سرمایہ دارانہ معیشت میں دو اہم شعبے گھرانے اور کاروباری ادارے ہوتے ہیں ۔ قومی آمدنی مختلف روپ اختیار کرتے ہوئے ان شعبوں کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے جسے قومی آمدنی کا متواتر بہاؤ (Circular Flow of National Income) کہتے ہیں ۔ اس معیشت میں دو قسم کی منڈیاں بیک وقت کارفرما ہوتی ہیں ۔ پیداواری وسائل کی منڈی میں گھرانے اپنی عاملینی خدمات فرموں کو مہیا کر کے معاوضے وصول کرتے ہیں ، جب کہ پیداوار کی منڈی میں فرمیں گھرانوں کو اپنی پیداوار فروخت کرتی ہیں اور اس کے عوض قیمتیں وصول کرتی ہیں ۔ آمدنی کے متواتر بہاؤ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ معیشت میں تمام کاروباری اداروں کی پیدا کردہ اشیاء و خدمات کی مالیت عاملین کے معاوضوں کے مجموعے کے برابر ہوتی ہے نیز عاملین کے معاوضوں کا مجموعہ مجموعی اخراجات کے برابر ہوتا ہے ۔ انھی مجموعوں کے حوالے سے قومی آمدنی کی پیمائش کے بھی مندرجہ ذیل تین طریقے ہیں :۔

(i) پیداوار کی مالیت کے مجموعے کا طریقہ (Product Approach)

اس طریقے کے تحت معیشت میں ایک سال کے دوران پیدا کی گئی آخری شکل میں موجود تمام اشیاء و خدمات کی کل مالیت کو جمع کیا جاتا ہے اور میزان میں سے صرفِ سرمایہ کا الاؤنس اور بلواسطہ ٹیکس منہا کیے جاتے ہیں جبکہ اعانے جمع کیے جاتے ہیں ۔ اس طریقے میں یہ ضروری احتیاطیں اختیار کی جاتی ہیں : (ا) دوہری شماری نہ ہونے دی جائے ۔ (ب) صرفِ سرمایہ کا الاؤنس منہا کیا جائے (ج) اگر قطعیت مطلوب ہو تو میزان میں سے بلواسطہ ٹیکسوں کو تفریق کیا جائے اور اعانے جمع کیے جائیں ۔

(ii) عاملینی آمدنیاں جمع کرنا (Factor Earning Method)

اس طریقے کے تحت سال بھر میں کمائی گئی عاملینی آمدنیوں کو جمع کیا جاتا ہے ۔ یہ آمدنیاں اس طرح ہیں :

زمین اور عمارات کے مالکان کو ملنے والے لگان اور کرائے ، محنت کاروں کو ملنے والی اُجرتیں ، نقد سرمایہ مہیا کرنے والوں کو ملنے والا سود اور آجرین کے کمائے گئے منافع جات ۔

اس طریقے سے قومی آمدنی شمار کرتے ہوئے یہ احتیاطیں کی جائیں : (ا) کارکنوں کو آجرین کی جانب سے ملنے والا بونس اجرتوں میں شمار کرتے ہوئے ان میں سے کارکنوں کی بہبودی کٹوتیاں منہا کی جانی چاہییں۔

(iii) اخراجات کے مجموعے کا طریقہ (Factor Earning Method) (ii)

یہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے نجی اور سرکاری شعبوں میں سال بھر کے عرصے میں کیے گئے تمام صرفی اور سرمایہ کاری کے اخراجات کو جمع کیا جاتا ہے نیز برآمدات اور درآمدات کا مثبت فرق جمع کیا جاتا ہے لیکن اگر درآمدات کی مالیت برآمدات کی مالیت سے زیادہ ہو تو ان کا فرق میزان میں سے تفریق کیا جاتا ہے ۔ مزید برآں صرفِ سرمایہ کا الاؤنس اور بلواسطہ ٹیکس منہا کیے جاتے ہیں اور اعانے جمع کیے جاتے ہیں ۔

اخراجات کا مجموعہ تیار کرتے ہوئے یہ احتیاطیں کی جائیں: (الف) سماجی بہبود کے سلسلے میں کیے گئے سرکاری اخراجات کو قومی آمدنی کے میزان میں شامل نہ کیا جائے (ب) سرکاری اخراجات اور سرکاری بجٹ کے اخراجات میں فرق ہوتا ہے ۔

توازنی قومی آمدنی ایک اہم تصور (Concept) ہے ۔ جب ایک خاص عرصہ کے حوالے سے معیشت کی مجموعی رسد یعنی
Y = C + S اس کی مجموعی طلب C+I کے برابر ہوتی ہے تو قومی آمدنی کا توازن قائم ہو جاتا ہے ۔ جب مجموعی رسد اور مجموعی طلب کی مقداریں برابر ہوتی ہیں تو قومی بچتیں (S) اور قومی سرمایہ کاری (I) کے مجموعے بھی لازماً برابر ہوتے ہیں ۔ چنانچہ توازنی قومی آمدنی کی حسابی مساوات یہ ہے : $Y = C + S = C + I$

اہم سوالات

1- قومی آمدنی کی تعریف بیان کیجیے اور اس کی وضاحت کیجیے ۔

2- قومی آمدنی کی مندرجہ ذیل اصطلاحات کی وضاحت کیجیے اور ان کا تعلق بیان کیجیے ۔
(الف) خام ملکی پیداوار (ب) خام قومی پیداوار (ج) خالص قومی پیداوار ۔

3- قومی آمدنی کی درج ذیل اصطلاحات کی تشریح کیجیے اور ان حسابات کے تعلق کی نشاندہی کیجیے ۔

(الف) قومی آمدنی (ب) شخصی آمدنی (ج) قابلِ تصرف شخصی آمدنی

4- فی کس آمدنی سے کیا مراد ہے ۔ اس کا تخمینہ کیسے لگایا جاتا ہے ۔

5- قومی آمدنی کے متواتر بہاؤ سے کیا مراد ہے ؟ شکل بنا کر وضاحت کیجیے ۔

6- قومی آمدنی کی پیمائش کے لیے پیداوار کی مالیت کے مجموعے کے طریقے کی وضاحت کیجیے ۔ اپنے جواب میں گوشوارہ بنائیے ۔ نیز بتائیے کہ اس طریقے کو استعمال کرتے ہوئے کونسی احتیاطیں مدّ نظر رکھی جانی چاہیئں ؟

قومی آمدنی کی پیمائش کرنے کے لیے مندرجہ ذیل طریقوں کی وضاحت کیجیے اپنے جواب میں گوشواروں سے مدد لیجیے ۔ نیز بتائیے کہ ان طریقوں کے تحت قومی آمدنی کی پیمائش کرتے ہوئے کونسی احتیاطیں مد نظر رکھی جانی چاہیئں ؟

7- قومی آمدنی کی پیمائش کرنے کے لیے مندرجہ ذیل طریقوں کی وضاحت کیجیے ۔ اپنے جواب میں گوشواروں سے مدد لیجیے ۔ نیز بتائیے کہ ان طریقوں کے تحت قومی آمدنی کی پیمائش کرتے ہوئے کونسی احتیاطیں مد نظر رکھی جانی ضروری ہوتی ہیں ۔

(الف) عاملین کے معاوضوں کے مجموعے کا طریقہ

(ب) اخراجات کے مجموعے کا طریقہ ۔

8- (الف) کسی سال کے حوالے سے ایک معیشت کی خام قومی پیداوار 600.5 بلین روپے ہے ۔

اگر (i) صرفِ سرمایہ کا الاؤنس = 50.8 بلین روپے

(ii) اعانے = 41.2 بلین روپے

اور (iii) بلواسطہ ٹیکس = 80.9 بلین روپے ہوں

تو خالص قومی پیداوار اور قومی آمدنی کے معیار کیا ہوں گے ؟

(ب) ایک ملک کی قومی آمدنی = 4000 بلین روپے ہے

اگر (i) کاروباری منافع ٹیکس = 200 بلین روپے

(ii) غیر منقسم منافع جات = 115.4 بلین روپے

(iii) کارکنوں کی بہبودی کٹوتیاں = 37.2 بلین روپے

(iv) انتقالی ادائیگیاں = 70 بلین روپے

اور (v) براہ راست ٹیکس = 65.4 بلین روپے ہوں

تو شخصی آمدنی اور قابل تصرف آمدنی کے معیار کیا ہونگے ؟

(ج) ایک معیشت کے چند سماجی حسابات یہ ہیں :

(i) نجی بچتیں = 280.5 بلین روپے

(ii) نجی صرفی اخراجات = 1020.4 بلین روپے

(iii) براہ راست ٹیکس = 189.1 بلین روپے

بتائیے کہ معیشت میں قابلِ تصرف شخصی آمدنی کے حسابات کیا ہونگے ؟

9- قومی آمدنی کے توازنی معیار سے کیا مراد ہے ؟ کیا قومی آمدنی کے توازنی معیار کے لیے ضروری ہے کہ بچتیں اور سرمایہ کاری آپس میں برابر ہوں ؟

10- مندرجہ ذیل بیانات درست ہیں یا غلط :

(i) حکومت کی سال بھر کی آمدنی کو قومی آمدنی کہتے ہیں۔ (درست/غلط)

(ii) قومی آمدنی معلوم کرنے کے لیے خالص قومی پیداوار کی بازاری مالیت میں سے بلواسطہ ٹیکس منہا اور اعانے جمع کیے جاتے ہیں۔ (درست/غلط)

(iii) قابلِ تصرف شخصی آمدنی معلوم کرنے کے لیے شخصی آمدنی میں سے براہ راست ٹیکس منہا کیے جاتے ہیں : (درست/غلط)

(iv) انتقالی ادائیگیاں وہ ہوتی ہیں جو خدمات کے عوض دی جاتی ہیں : (درست/غلط)

(v) فی کس آمدنی = آبادی کا حجم / قومی آمدنی : (درست/غلط)

(vi) قومی آمدنی کا توازن تب قائم ہوتا ہے جب بچتیں = سرمایہ کاری (درست/غلط)

☆ ☆ ☆

باب 2

پاکستان کی قومی آمدنی
(NATIONAL INCOME OF PAKISTAN)

2.1 ابتدائیہ

2.2 پاکستان کی قومی آمدنی اور اس میں مختلف معاشی شعبوں کا حصہ

2.3 پاکستان میں قومی آمدنی کی پیمائش

2.4 قومی آمدنی کی پیمائش میں حائل مشکلات

2.5 فی کس آمدنی کا تصور

2.6 پاکستان کی فی کس آمدنی

2.7 پاکستان میں فی کس آمدنی کے پست ہونے کی وجوہات

2.8 پاکستان میں بچت اور سرمایہ کاری

2.8.1 بچت

2.8.2 پاکستان میں بچت کی موجودہ پوزیشن

2.8.3 پاکستان میں بچت کے ذرائع

2.9 سرمایہ کاری

2.9.1 پاکستان میں سرمایہ کاری کی موجودہ پوزیشن

2.9.2 بچت سرمایہ کاری کی افزائش کے لیے حکومتی اقدامات

2.10 پاکستان کی قومی آمدنی اور فی کس آمدنی بڑھانے کے لیے تجاویز

پاکستان کی قومی آمدنی
(National Income of Pakistan)

2.1 ابتدائیہ (Introduction)

کسی ملک کے تمام آجرین کو اشیاء و خدمات کی سال بھر کی پیداوار کی فروخت سے جو رقوم واقعی وصول ہوتی ہیں ، ان کے مجموعے کو قومی آمدنی کہتے ہیں ۔ قومی آمدنی میں غیر ملکی ذرائع سے حاصل ہونے والی خالص عاملین آمدنی (Factor Income) بھی شامل ہوتی ہے ۔ لیکن اگر یہ آمدنی قومی آمدنی سے منہا کر دی جائے تو خام ملکی پیداوار (Gross Domestic Product) معلوم ہو جاتی ہے ۔ معیشت کے مختلف شعبوں کی کارکردگی کا جائزہ لینے کی غرض سے عموماً خام ملکی پیداوار کو مد نظر رکھا جاتا ہے اور سہل فہمی کی غرض سے اسی مجموعے کو قومی آمدنی کہہ دیا جاتا ہے ۔

تمام ممالک میں قومی آمدنی کی باقاعدہ پیمائش کی جاتی ہے ۔ قومی آمدنی کے اعداد و شمار کا مطالعہ بہت افادیت کا حامل ہوتا ہے ۔ اس کے مطالعہ سے نہ صرف ملک کی موجودہ معاشی حالت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ، بلکہ قومی آمدنی کے حجم میں سال بہ سال ہونے والی تبدیلیوں کی روشنی میں معاشی ترقی کی رفتار کی پیمائش بھی کی جاسکتی ہے ۔ نیز ملک کی شرح ترقی کا موازنہ دیگر ممالک سے کیا جاسکتا ہے ۔ قومی آمدنی کے اعداد و شمار کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ معیشت کے مختلف شعبوں مثلاً زراعت ، صنعت اور خدمات وغیرہ کی کارکردگی کیا ہے۔ جن شعبوں کی رفتار ترقی سست یا مایوس کن ہوتی ہے ان کی شرح نمو (Rate of Growth) بڑھانے کے لیے منصوبہ بندی کی جاسکتی ہے ۔ قومی آمدنی کے اعداد و شمار یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ معیشت میں صرفی اخراجات ، بچت اور سرمایہ کاری کی مقداریں کیا ہیں۔ قومی آمدنی کو آبادی پر تقسیم کرنے سے فی کس آمدنی (Income Per Capita) معلوم کی جاسکتی ہے ۔

2.2 پاکستان کی قومی آمدنی اور اس میں مختلف معاشی شعبوں کا حصہ
(National Income of Pakistan and Its Sectoral Contribution)

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک (Developing Country) ہے اور اس کی قومی آمدنی ترقی یافتہ ممالک کی نسبت کم ہے ۔ جبکہ ملک میں آبادی کی بہتات ہے اور اس میں سالانہ اضافے کی شرح 3.1 فی صد ہے ۔ دریں حالات پاکستان کی فی کس آمدنی بھی پست ہے ۔ پاکستانی معیشت کا سب سے بڑا شعبہ زراعت ہے ۔ جبکہ اس شعبے کی پیداوار زیادہ تر موسمی حالات کے تابع ہوتی ہے ۔ ہمارا دیہی معاشرہ بہت روایت پسند واقع ہوا ہے ۔ اس لیے شعبۂ زراعت میں پیداواری طریقوں میں اصلاح کی رفتار بہت سُست ہے ۔ اور تمام ترقیاتی منصوبہ بندی کے باوجود فی ہیکٹر پیداوار (Per Hecter Production) اور فی کارکن پیداوار (Production per worker) ترقی یافتہ ممالک بلکہ بعض ترقی پذیر ممالک کے مقابلے میں بھی پست ہے ۔ صنعتی شعبے کا حجم اور اس کی پیداواری استعداد کم ہے اور پاکستان کو ہر سال بہت زیادہ تعداد میں مشینیں ، آلات اور صنعتی خام مال درآمد کرنا پڑتا ہے ۔ ملک میں ذرائع قوت کی قلت ہے ۔ ٹیکنالوجی کا معیار پست ہے اور خواندگی کی شرح بہت کم ہے ۔ دریں حالات پاکستان کی قومی آمدنی اور اوسط شہری کا معیارِ زندگی پست ہے ۔ 1949-50 میں پاکستان کی معیشت حد درجہ پسماندہ تھی اور اوسط شہری مطلق غربت کا شکار تھا ۔ اِس سال خام ملکی پیداوار 12398 ملین روپے تھی ۔ دس سال بعد 1959-60 میں خام ملکی پیداوار 16826 ملین روپے تھی ۔ گویا اس عشرے میں خام ملکی پیداوار میں اضافے کی اوسط شرح 3.6 فیصد سالانہ تھی ۔ 1969-70 ء اور 1979-80 ء میں عاملین کے ساکن مصارف کے لحاظ سے خام ملکی پیداوار علی الترتیب 32337 ملین روپے اور 51824 ملین روپے تھی ۔ ترقیاتی منصوبہ بندی کے نتیجے میں 1987-88 میں خام ملکی پیداوار 1949-50 ء کے مقابلے میں سات گنا بڑھ چکی ہے ۔

خام ملکی پیداوار میں معیشت کے مختلف پیداواری شعبوں کے حصے کا تناسب

ملک کے اقتصادی حالات اور حاصل کی گئی ترقی کا مظہر ہوتا ہے ۔ ماہرینِ اقتصادیات کا ترقی کے بارے میں مشاہدہ یہ ہے کہ جب کسی ملک میں معاشی ترقی واقع ہوتی ہے تو اگرچہ زرعی شعبے کی مجموعی پیداوار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے لیکن خام ملکی پیداوار میں زرعی شعبے کی پیداوار کا تناسب گرتا جاتا ہے ۔ جبکہ مصنوعات ، تعمیرات اور ذرائع قوت کے شعبوں کا تناسب بڑھتا جاتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے ۔ کہ افرادی قوت ترقیاتی عمل کے دوران کم پیداواری شعبوں مثلاً کاشتکاری اور غلّہ بانی وغیرہ سے زیادہ پیدا آور شعبوں مثلاً مصنوعات ، تعمیرات ، کان کنی اور خدمات وغیرہ کے شعبوں میں منتقل ہوتی جاتی ہے ۔ گوشوارہ نمبر 1 میں مختلف سالوں میں خام ملکی پیداواری شعبوں کا تناسب ملاحظہ کیجیے ۔

گوشوارہ نمبر 1

خام ملکی پیداوار میں مختلف پیداواری شعبوں کا حصہ

پیداواری شعبے	خام ملکی پیداوار میں فیصد تناسب						
	1949-50	1959-60	1969-70	1979-80	[illegible]	1986-87	1987-88
زراعت	53.19	45.83	38.89	30.54	25.83	25.54	23.77
مصنوعات اور کان کنی	7.97	12.41	16.53	17.60	20.48	20.55	19.97
تعمیرات	1.44	2.54	4.20	5.10	5.5	5.72	5.42
بجلی اور گیس	0.22	0.52	1.98	2.95	3.53	3.63	3.29
خدمات	37.18	38.70	38.40	43.81	44.66	44.56	47.56

1949-50 ء کے مقابلے میں 1979-80 ء میں خام ملکی پیداوار میں زراعت کا حصہ تقریباً نصف ہو چکا تھا ۔ جبکہ مصنوعات اور کان کنی کا حصہ دوگنا سے زیادہ تعمیرات کا حصہ تقریباً چار گنا ، اور بجلی اور گیس کے شعبے کا حصہ تقریباً چودہ گنا ہو چکا تھا ۔ متذکرہ تبدیلیاں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ پاکستانی معیشت میں ہئیتی تبدیلیاں (Structural Changes) واقع ہو رہی ہیں اور معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے معیشت کا میلانِ ترقی

بڑھتا جارہا ہے۔ چنانچہ درآمدات و برآمدات کی ہئیت میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں ۔

2.3 پاکستان میں قومی آمدنی کی پیمائش
(Measurement of National Income in Pakistan)

قومی آمدنی کی پیمائش کے لیے جس قدر تفصیلی اعداد وشمار درکار ہوتے ہیں ، وہ پاکستان میں متعلقہ پیداواری شعبوں میں دستیاب نہیں ہیں ۔ اس لیے پاکستان میں قومی آمدنی کے اعداد و شمار اکھٹے کرنے کے لیے کوئی ایک طریقہ استعمال نہیں کیا جاتا ۔ بلکہ مختلف شعبوں میں تخمینے تیار کرنے کے لیے مختلف طریقے بروئے کار لائے جاتے ہیں ۔ مثلاً زراعت ، کان کنی ، مصنوعات اور تعمیرات جیسے شعبوں میں قومی آمدنی کی پیمائش کے لیے پیداوار کی مالیت کا طریقہ (Product Method) استعمال کیا جاتا ہے ، تاکہ پیداواری مراحل کے دوران جمعی قدر (Value added) کا صحیح حساب لگایا جاسکے ۔ تجارت ، نقل و حمل ، خبررسانی ، بنکاری ، بیمہ کاری ، گیس اور پانی کی تقسیم ، دفاع اور نظم و نسق عام کے شعبوں میں آمدنیوں کے مجموعے کا طریقہ (Faclor Earning Method) بروئے کار لایا جاتا ہے ۔ جبکہ مختلف خدمات پر ہونے والے اخراجات کا حساب لگانے کے لیے اخراجات کا طریقہ (Expenditure Method) استعمال کیاجاتا ہے ۔

پاکستان میں قومی آمدنی کے حسابات ساکن قیمتوں (Constant Price) کے لحاظ سے بھی تیار کیے جاتے ہیں اور رواں قیمتوں (Current Price) کے لحاظ سے بھی تیار کیے جاتے ہیں ۔ اول الذکر حسابات 1959-60ء کے بنیادی سال کی ساکن قیمتوں کے مطابق تیار کیے جاتے ہیں ۔ حکومت قومی آمدنی کے حسابات کی باقاعدہ تشہیر کرتی ہے ۔

2.4 قومی آمدنی کی پیمائش میں حائل مشکلات ۔
(Difficulties in the Measurement of National Income)

قومی آمدنی کی درست پیمائش کرنا ایک فنی نوعیت کا کام ہے ۔ جس کی تکمیل کے لیے تفصیلی اعداد و شمار کا دستیاب ہونا ، ایسے اعداد و شمار کا آمدنی شمار کرنے والے

ماہرین تک پہنچانا ، شماریاتی مواد کا تجزیہ (Data Analysis) کرنے کے لیے کافی تعداد میں تربیت یافتہ عملے کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے ۔ آمدنی کی صحیح پیمائش کے لیے متذکرہ اور دیگر لوازمات پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں تسلی بخش حد تک موجود نہیں ہوتے ۔ اس لیے قومی آمدنی کے تخمینے پوری طرح قابلِ اعتماد نہیں ہوتے ۔ پاکستان میں قومی آمدنی کی صحیح پیمائش میں مندرجہ ذیل مشکلات حائل ہیں ۔

1- قابل اعتماد اعداد و شمار کی عدم دستیابی (Non-availability of Reliable Data): قومی آمدنی کی پیمائش کے لیے ہماری معیشت کے تمام شعبوں کی پیداوار کی آمدنی اور اخراجات کے مطلوبہ اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں ۔ پاکستان میں 74 فی صد افراد اب بھی ان پڑھ ہیں ۔ چنانچہ وہ اپنی آمدنی اور اخراجات کا باقاعدہ ریکارڈ نہیں رکھ سکتے ۔ اکثر پڑھے لکھے افراد بھی اس قسم کا ریکارڈ رکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے ۔ اگرچہ اب تمام سرکاری محکموں اور اداروں میں اعداد و شمار تیار کرنے کا باقاعدہ نظام قائم ہو چکا ہے ۔ تاہم قومی پیداوار کا بیشتر حصہ نجی شعبہ سے فراہم کیا جاتا ہے ۔ جہاں یا تو اعداد وشمار تیار ہی نہیں کیے جاتے ۔ یا پھر انھیں اس قدر لاپرواہی سے تیار کیا جاتا ہے کہ تمام تخمینے مشکوک ہو سکتے ہیں ۔ چنانچہ معیشت کے سب سے بڑے شعبے زراعت میں پیداوار کی مقدار کا تخمینہ لگانے کے لیے علاقہ کے پٹواریوں اور محکمہ مال کے ریکارڈ پر انحصار کیا جاتا ہے ۔ یہ ریکارڈ اکثر و بیشتر غلط ہوتا ہے ۔ دریں حالات اعداد و شمار کی عدم دستیابی قومی آمدنی کی درست پیمائش میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے ۔

2- عدم تعاون (Lack of Cooperation): اگر افراد اور نجی اداروں کے پاس آمدنی اور اخراجات کا باقاعدہ ریکارڈ بھی ہو تو وہ اس ریکارڈ کو آمدنی شمار کرنے والے عملے تک پہنچانے سے گریزاں ہوتے ہیں ۔ ان میں احساس ذمہ داری کا فقدان پایا جاتا ہے اور وہ ٹیکس کے ممکنہ بار سے بہر صورت بچنا چاہتے ہیں ۔ اکثر حالات میں کاروباری لوگ اپنے کاروبار کا دوہرا ریکارڈ رکھتے ہیں ۔ وہ اصل ریکارڈ کو اپنی ذات تک محدود رکھتے ہیں اور محکمہ ٹیکس اور آمدنی شماری کے لیے وہ جعلی ریکارڈ پیش کرتے ہیں ۔

چنانچہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ لوگوں کے عدم تعاون کے نتیجے میں پاکستان کی قومی آمدنی کی صحیح پیمائش محال ہے

3- پیشہ ورانہ تخصیص کا فقدان (Lack of Occupational Specialization) : پاکستان میں فی کس آمدنی 856 روپے سالانہ ہے ۔ دیہی علاقوں اور شہروں میں لاکھوں افراد ایسے ہیں جو اس قدر محدود آمدنیاں حاصل کرتے ہیں کہ وہ گھر کے افراد کی کفالت نہیں کر سکتے ۔ چنانچہ وہ بیک وقت کئی کئی پیشے اختیار کر لیتے ہیں ۔ تاکہ وہ اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکیں ۔ مثلاً غریب مزارعین اور چھوٹے رقبوں کے حامل کسان نہ صرف کھیتی باڑی کرتے ہیں ۔ بلکہ وہ آمدنی میں اضافے کی غرض سے بھیڑبکریاں بھی پالتے ہیں مکانوں کی تعمیرات میں مزدوری بھی کر لیتے ہیں ۔ اور دو فصلوں کے درمیانی وقفے میں کارخانوں میں بھی محنت سرانجام دیتے ہیں ۔ لہٰذا آمدنی کمانے والے لاکھوں افراد کا کوئی ایک پیشہ ورانہ تشخص نہیں ہے ۔ قومی آمدنی کو شمار کرتے وقت افراد کی آمدنیاں مخصوص پیشوں کے حوالے سے درج کی جاتی ہیں ۔ اس لیے جن افراد نے کوئی پیشہ ورانہ تخصیص حاصل نہیں کر رکھی ، ان کی مختلف پیشوں سے موصولہ آمدنیوں کو شمار نہیں کیا جاتا ۔

4- ذاتی استعمال میں آنے والی پیداوار (Production for Personal Use): دیہی علاقوں میں کسان اپنی فصلوں کی پیداوار کا ایک حصہ ذاتی استعمال کے لیے رکھ لیتے ہیں اور باقی فروخت کردیتے ہیں ۔ پیداوار کے فروخت کردہ حصے کو تو قومی آمدنی میں شمار کیا جاتا ہے ، لیکن جو پیداوار گھر میں استعمال کے لیے رکھ لی جاتی ہے ، وہ شمار ہونے سے رہ جاتی ہے ۔ حالانکہ وہ بھی قومی پیداوار کا حصہ ہوتی ہے ۔

5- معیشت کا غیر زری شعبہ (Non-Monetized Sector of the Economy): پاکستان کے دور دراز دیہی علاقوں میں اب بھی براہِ راست مبادلہ کا نظام (Barter System) رائج ہے ۔ لوگ زرعی اجناس کے عوض دکانداروں سے ضرورت کی اشیا خرید لیتے ہیں ۔ چونکہ اس قسم کے لین دین میں زر بطور درمیانی وسیلے کے استعمال نہیں ہوتا ، اس لیے براہِ راست مبادلہ کے کاروبار کو معیشت کا غیر زری شعبہ کہتے ہیں ۔ اس شعبے کی خرید و فروخت کی زری مالیت کا تعین نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی

اسے قومی آمدنی میں شمار کرنا ممکن ہے ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ غیر زری شعبے کا تمام لین دین قومی پیداوار کا حصہ ہوتا ہے۔

6- تربیت یافتہ عملے کا فقدان (Lack of Trained Personel): قومی آمدنی کی پیمائش کے لیے لاکھوں تربیت یافتہ افراد کی ضرورت ہوتی ہے ، جو ملک بھر میں پھیلے ہوئے چھوٹے بڑے پیداواری اداروں سے رابطہ قائم کر سکیں اور گھر گھر جاکر پیداوار اور آمدنی کی تفاصیل اکٹھی کر سکیں ۔ پاکستان میں ایسے تربیت یافتہ عملے کی بہت کمی ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں باقاعدہ سٹاف بھرتی کرنا حکومت کی مالی استطاعت سے باہر ہے ۔ پاکستان میں قومی آمدنی کی پیمائش کے لیے چھوٹے درجے کے غیر تربیت یافتہ سرکاری ملازمین کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ یہ عملہ درحقیقت اسقدر اہم اور فنی نوعیت کے کام کا اہل نہیں ہوتا ۔ چنانچہ پاکستان میں قومی آمدنی کی پیمائش بطریق احسن نہیں کی جاسکتی ۔

7- غیر قانونی کاروبار (Illegal Business): پاکستان میں کروڑوں روپے کا مخفی کالا کاروبار (Underground Black Business) ہے ۔ جو سرِدست محکمہ ٹیکس اور ملک کے دیگر قوانین کی دسترس سے باہر ہے ۔ حکومت کے محتاط تخمینوں کے مطابق ملک میں بہت بڑی مالیت کا کالا دھن موجود ہے ، جو غیر قانونی کاروباروں سے کمایا گیا ہے ۔ ایسے کاروباروں کی سالانہ آمدنی کا تعین نہیں کیا جا سکتا ، اس لیے اس آمدنی کو قومی پیداوار میں شمار کرنا ممکن نہیں ہوتا ۔

2.5 فی کس آمدنی کا تصور ۔ (The Concept of Per Capita Income):

کسی ملک کی قومی آمدنی میں سے جو اوسط رقم ایک فرد کے حصے میں آتی ہے ، اسے فی کس آمدنی کہتے ہیں۔ فی کس آمدنی معلوم کرنے کے لیے قومی آمدنی کو ملک کے باشندوں کی تعداد پر تقسیم کیا جاتا ہے ۔ یعنی فی کس آمدنی = قومی آمدنی / ملک کے باشندوں کی تعداد ۔ فی کس آمدنی کا معیار یہ ظاہر کرتا ہے کہ ملک کے ایک عام شہری کی معاشی حالت کیا ہے ۔ اسے روز مرہ زندگی میں اشیا و خدمات کی کتنی مقدار میسر آتی ہے گویا فی کس آمدنی کسی ملک کے باشندوں کی معاشی فلاح کا پیمانہ ہوتی ہے ۔ جس

ملک کی فی کس پیداوار بلند ہوتی ہے ، وہاں کے ایک عام شہری کی خوراک ، اس کے لباس اور رہائش وغیرہ کا معیار بہتر ہوتا ہے اور اسے طبی امداد ، سفر اور سیر و تفریح کی زیادہ سہولتیں میسر ہوتی ہیں ۔ اور جس ملک کی فی کس آمدن پست ہوتی ہے۔ وہاں کے اوسط شہری کی زندگی کا معیار بھی پست ہوتا ہے ۔ لیکن واضح رہے کہ فی کس آمدنی سے مراد وہ آمدنی نہیں جو ایک عام شہری کو حاصل ہوتی ہے ۔ گویا فی کس آمدنی انفرادی آمدنی نہیں ہوتی ، بلکہ فی فرد آمدنی ہوتی ہے ، حقیقتاً ملک میں آمدنی کی تقسیم میں بہت عدم ہمواریت پائی جاتی ہے ۔ کچھ افراد فی کس آمدنی سے کہیں زیادہ آمدنی پاتے ہیں۔ جبکہ اکثر افراد کی آمدنی فی کس آمدنی سے بھی کم ہوتی ہے ۔ فی کس آمدنی کا حساب مروّجہ قیمتوں پر شمار کی گئی زری قومی آمدنی کی بنیاد پر بھی لگایا جاسکتا ہے اور ماضی کے کسی بنیادی سال کی ساکن قیمتوں پر شمار کی گئی حقیقی قومی آمدنی کی بنیاد پر بھی ۔ 1987-88 ء میں مروجہ قیمتوں پر پاکستان کی فی کس آمدنی 6252 روپے تھی جبکہ 1959-60 ء کی ساکن قیمتوں کے لحاظ سے فی کس آمدنی 856 روپے تھی ۔

چونکہ فی کس آمدنی قومی آمدنی اور آبادی کے حاصل تقسیم کے برابر ہوتی ہے ، اس لیے فی کس آمدنی میں اضافہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ قومی آمدنی میں اضافے کی شرح آبادی کی افزائش کی شرح سے تیز تر ہو ۔

دنیا میں ترقی یافتہ خوشحال ممالک اور ترقی پذیر ممالک کی تقسیم بندی فی کس آمدنی کی بنیاد پر کی جاتی ہے ۔ جن ممالک کی فی کس آمدنی امریکہ ، کینیڈا ، سوئٹرزلینڈ ، آسٹریلیا اور مغربی جرمنی کی فی کس آمدنی کے برابر یا کچھ کم و بیش ہو ، وہ ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں آتے ہیں اور جن ممالک کی فی کس آمدنی متذکرہ ممالک کی فی کس آمدنی سے کم ہو ، انھیں ترقی پذیر ممالک کہا جاتا ہے ۔

فی کس آمدنی کے تصور کی عملی اہمیت درج ذیل ہے :

(الف) کسی ملک کی فی کس آمدنی وہاں کے باشندوں کے معیارِ زندگی کا پیمانہ ہوتی ہے ۔ بلند فی کس آمدنی والے ممالک ترقی یافتہ اور خوشحال ہوتے ہیں ۔ جبکہ پست فی کس آمدنی والے ممالک نیم ترقی یافتہ اور غریب ہوتے ہیں ۔

(ب) فی کس آمدنی میں اضافے کی شرح یہ ظاہر کرتی ہے کہ معیشت کی نمو اور ترقی کی

رفتار کیا ہے ۔

(ج) فی کس آمدنی معلوم کرنے کے لیے ہر سال قومی آمدنی اور آبادی کا تخمینہ لگایا جاتا ہے ۔ چنانچہ فی کس آمدنی کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ملک میں قومی آمدنی اور آبادی کی بڑھوتری کی شرحیں کیا ہیں ۔ نیز یہ معلوم کرنا ممکن ہو جاتا ہے کہ فی کس آمدنی بڑھانے کے لیے زیادہ توجہ قومی پیداوار کی افزائش پر مبذول کی جائے یا آبادی کی شرح افزائش کے کم کرنے پر ۔

(د) ہم اپنے ملک اور دیگر ممالک کی فی کس آمدنی کا موازنہ کر کے یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ہمارے ملک کا معیارِ زندگی کسی دوسرے ملک کے معیارِ زندگی سے کس قدر بلند یا کمتر ہے ۔

2.6 پاکستان کی فی کس آمدنی ۔ (Per Capita Income of Pakistan)

دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں ہر سال قومی آمدنی اور فی کس آمدنی کا تعین کیا جاتا ہے ۔ 50-1949 ء میں پاکستان کی خام قومی پیداوار (GNP) 12380 ملین روپے تھے ۔ جبکہ آبادی 35.31 ملین افراد پر مشتمل تھی ۔ چنانچہ فی کس آمدنی 350.6 روپے تھی بیس سال بعد 1969.70 ء میں خام قومی پیداوار 32339 ملین روپے تھی ۔ اور آبادی 59.70 ملین افراد تھی ۔ چنانچہ فی کس آمدنی 542 روپے تھی ۔ 87-1986 میں خام قومی پیداوار 85500 ملین روپے تھی اور آبادی 100.70 ملین افراد تھی ، اس لیے فی کس آمدنی 849 روپے تھی ۔

پاکستان کی قومی آمدنی (موجودہ تذکرے میں خام قومی پیداوار) پست ہے لیکن ملک میں آبادی کی بھرمار ہے چنانچہ فی کس آمدنی پست ہے ۔ دریں حالات ایک اوسط شہری کی معاشی حالت غیر تسلی بخش ہے اور اُسے روزمرّہ زندگی میں اشیاء و خدمات کی بہت کم مقدار میسر آتی ہے ۔ اس لیے اس کا معیار زندگی پست ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کا شمار نیم ترقی یافتہ ممالک (Under-developed Countries) میں ہوتا ہے ۔

اگر پاکستان کی فی کس آمدنی کا موازنہ ترقی یافتہ ممالک سے کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اُن ممالک کے اوسط شہری کے مقابلے میں پاکستان کے ایک عام شہری کی معاشی

پاکستان کی فی کس آمدنی

گوشوارہ نمبر (iii)

سال	خام قومی پیداوار 1959-60 کی ساکن قیمتوں پر عاملین مصارف کے لحاظ سے	آبادی	فی کس آمدنی
1949-50	12380 ملین روپے	35.31 ملین افراد	350.6 روپے
1959-60	16803	45.03	373.2
1969-70	32339	59.70	542
1979-80	54888	81.36	675
1984-85	75586	94.73	798
1985-86	80903	97.67	828
1986-87	84733	100.70	841
1987-88	88887	103.82	856

(Source: Economic Surving 1987-88)

حالت نہایت مایوس کن ہے ۔ 1986 ء میں سوئٹزلینڈ کی فی کس آمدنی 17680 امریکی ڈالر تھی جبکہ امریکہ ، جاپان ، مغربی جرمنی اور برطانیہ کی فی کس آمدنی علی الترتیب 17480 ڈالر ، 12840 ڈالر ، 12080 ڈالر اور 8870 ڈالر تھی ۔ اسی سال پاکستان کی فی کس آمدنی 350 ڈالر تھی ۔ جبکہ انڈیا اور بنگلہ دیش کی فی کس آمدنی علی الترتیب 290 ڈالر اور 160 ڈالر تھی ۔ (امریکی ڈالر)

1949-50 ء میں عاملینی مصارف (Factor Cost) کے لحاظ سے پاکستان کی خام قومی پیداوار (G.N.P.) 12380 ملین روپے تھی جبکہ آبادی 35.31 ملین افراد پر مشتمل تھی ۔ چنانچہ فی کس آمدنی 350.6 روپے تھی ۔ بیس سال بعد 1969-70 ء میں خام قومی پیداوار 32339 ملین روپے آبادی 59.70 ملین افراد اور فی کس آمدنی 542 روپے تھی ۔ جبکہ

1987-88 میں خام قومی پیداوار 88887 ملین روپے ، آبادی 103.82 ملین افراد اور فی کس آمدنی 856 روپے تھی ۔

گوشوارہ نمبر (iii)

چند منتخب ممالک کی فی کس آمدنی (1986)

ملک کا نام	فی کس آمدنی (امریکی ڈالر)	ملک کا نام	فی کس آمدنی (امریکی ڈالر)
سوئٹزر لینڈ	17680	برازیل	1810
کمہ	17480	ترکی	1110
منیڈا	14120	تھائی لینڈ	810
امریکہ	17480	ترکی	1110
کینیڈا	14120	تھائی لینڈ	810
کویت	13890	مصر	760
سویڈن	13160	انڈونیشیا	490
جاپان	12840	سری لنکا	400
مغربی جرمنی	12080	پاکستان	350
برطانیہ	8870	انڈیا	290
سعودیہ	6950	بنگلہ دیش	160

(Source: World Development Report 1988 by World Bank)

پاکستان میں قومی آمدنی کی معاشرتی تقسیم بہت غیر منصفانہ ہے ۔ 1987-88 کے اکنامک سروے (Economic Survey) کے مطابق پاکستان میں پست ترین آمدنی پانے والے بیس فیصد گھرانوں کے حصے میں قومی آمدنی کا 7.4 فیصد آیا جبکہ بلند ترین آمدنی پانے والے بیس فیصد گھرانوں کی آمدنی قومی آمدنی کا 45.5 فیصد تھی ۔ ملک میں بڑے زمیندار ، تاجر اور صنعتکار بہت بلند آمدنیاں پاتے ہیں اور اِن کا معیار زندگی بہت بلند ہے ۔ جبکہ چھوٹے کسانوں ، چھوٹے درجے کے سرکاری و غیر سرکاری ملازمین کی آمدنی بہت محدود ہے ۔ چنانچہ وہ اپنی بنیادی ضروریات بھی تسلی بخش طریقے سے پوری نہیں کر پاتے ۔

پست فی کس آمدنی کے اثرات
(Effects of Low Per-capita Income)

پاکستان میں پست فی کس آمدنی اور پست معیار زندگی کے اثرات و مظاہر یہ ہیں:

(i) 47 فیصد آبادی کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں ہے۔

(ii) بہت سے دیہات تاحال بجلی کی سہولت سے محروم ہیں۔

(iii) ناخواندگی کی شرح 76 فیصد ہے۔ دیہاتوں کے نصف سے زیادہ بچے سکول نہیں جاتے۔

(iv) ڈاکٹروں، نرسوں اور ڈسپنسروں کی تعداد آبادی کے لحاظ سے کم ہے اور آبادی کا تقریباً 20 فیصد حصہ ابتدائی طبی سہولت سے محروم ہے۔ ہسپتالوں میں فی 1679 افراد کے لیے ایک بستر دستیاب ہے۔ ایک ہزار بچوں میں سے 115 بچے ایک سال کی عمر پانے سے قبل مر جاتے ہیں۔

(v) فی گھرانہ افراد کی تعداد 6.7 ہے جبکہ فی گھرانہ کمروں کی تعداد 1.9 ہے۔

(vi) عام افراد کی خوراک، لباس، رہائش اور تفریح کا معیار بہت پست ہے۔

2.7 پاکستان میں فی کس آمدنی کے پست ہونے کی وجوہات۔
(Causes of Low Per Capita Income in Pakistan)

پاکستان کا شمار دنیا کے غریب ممالک میں ہوتا ہے۔ یہ ملک کثیر الآباد (Overpopulated) ہے۔ جبکہ قومی آمدنی پست ہے۔ چنانچہ فی کس آمدنی بھی پست ہے۔

1969-70 میں 1959-60 کے بنیادی سال کی ساکن قیمتوں پر پاکستان کی خام قومی پیداوار 32339 ملین روپے تھی۔ جبکہ آبادی 59.70 ملین افراد پر مشتمل تھی۔ چنانچہ فی کس آمدنی صرف 542 روپے تھی اور بیشتر آبادی مطلق غربت (Absolute Poverty) میں زندگی بسر کر رہی تھی

دس سال بعد یعنی 80-1979 میں فی کس آمدنی 676 روپے تھی۔ بعد ازاں سال بہ سال اس میں اضافہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ 87-1986 میں فی کس آمدنی 849[1] روپے ہو چکی تھی ۔ تاہم اگر دیگر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک سے مقابلہ کیا جائے تو فی کس آمدنی کا یہ معیار بھی بہت پست ہے۔

سال	خام قومی پیداوار 60-1959ء کے بنیادی سال کی ساکن قیمتوں پر	آبادی	فی کس آمدنی
1969-70	32339 ملین روپے	59.70 ملین افراد	542 روپے
1979-80	54976	81.36	676
1980-81	57992	83.84	692
1981-82	61891	86.44	716
1982-83	66927	89.12	751
1983-84	69530	91.88	757
1984-85	75071	94.73	792.5
1985-86	80566	97.67	824.9
1986-87	85500	100.70	849

1- قومی آمدنی کی پیمائش رواں قیمتوں پر بھی کی جاتی ہے ۔ لیکن چونکہ ہر سال افراطِ زر کے باعث اشیا و خدمات کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے ، اس لیے زری لحاظ سے قومی آمدنی اور فی کس آمدنی کی کافی بڑی مقدار متعین ہوتی ہیں ۔ مثلاً 87-1986 میں اُس سال کی مروجہ قیمتوں پر خام قومی پیداوار 573146 ملین روپے تھی اور فی کس آمدنی 5692 روپے تھی ۔ اس میں 60-1959 کے بعد ہونے والی مہنگائی کے اثرات شامل ہیں ۔

پاکستان میں فی کس آمدنی یعنی معیارِ زندگی کے پست ہونے کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں ۔

1- قدرتی وسائل کی قلت (Scarcity of Natural Resources)

قدرتی وسائل کسی ملک کی پیداواری صلاحیت کو متعین کرتے ہیں ۔ پاکستان میں قدرتی وسائل کی بہت قلت ہے ۔ ملک کا کل زمینی رقبہ 79.6 ملین ہیکٹر ہے ۔ جس میں سے صرف 20.80 ملین ہیکٹر رقبہ قابل کاشت ہے ۔ جنگلات کا رقبہ مجموعی رقبے کا 4 فیصد ہے ۔ حالانکہ ماہرین کی رائے میں کسی معیشت میں جنگلات کا رقبہ 25 فیصد ہونا چاہیے ۔ پاکستان میں آبی وسائل کی بھی قلت ہے ۔ سندھ اور بلوچستان میں لاکھوں ایکڑ اراضی اس لیے زیر کاشت نہیں لائی جاسکتی کہ وہاں آبپاشی کے لیے نہروں کا پانی نہیں پہنچایا جاسکتا ۔ ویسے بھی مجموعی طور پر ملک میں بارش کم ہوتی ہے ۔ پاکستان میں معدنیات کی بھی قلت ہے ۔ تیل کی پیداوار ملکی ضروریات کا صرف 33 فیصد پورا کر سکتی ہے اور ضرورت کا باقی تیل درآمد کیاجاتا ہے۔ قدرتی گیس اور کوئلے کی پیداوار بھی تیزی سے بڑھتی ہوئی ضروریات کے مقابلے میں کم ہے ۔ قدرتی وسائل کی قلت کے نتیجے میں قومی پیداوار پست ہے ، اس لیے فی کس آمدنی اور معیارِ زندگی پست ہے ۔

2- موجودہ قدرتی وسائل کا غیر معیاری استعمال (Underutilization of Natural Resources)

پاکستان میں قدرتی وسائل نہ صرف بہت کمیاب ہیں ۔، بلکہ جو بھی وسائل موجود ہیں ، ان کا بھرپور اور معیاری استعمال بھی نہیں کیا جاسکا۔ مثلاً قابل کاشت اراضی کا 13 فیصد حصہ بنجر پڑا ہوا ہے ۔ آبپاشی کے پانی کا 45 فیصد حصہ دریاؤں ، نہروں اور نالوں میں بہاؤ کے دوران سمندر میں گر کر ضائع ہو جاتا ہے ۔ ملک میں کئی دور دراز اور دشوار گزار مقامات پر معدنیات پائی جاتی ہیں یا ان کے پائے جانے کے قوی امکانات ہیں لیکن ذرائع آمدورفت ، مشینوں اور فنی صلاحیت کے مہیا نہ ہونے کے باعث ان معدنی ذخائر کو بروئے کار نہیں لایا جاسکا ۔ دریں حالات ملک کی پیداواری استعداد پست ہے ۔

3- زرعی پسماندگی (Agricultural Backwardness) پاکستان ایک زرعی ملک ہے ۔ خام قومی پیداوار میں زرعی شعبے کا حصہ 25 فیصد ہے ، جو کہ دیگر تمام شعبوں سے زیادہ ہے ۔ ملک کی 70 فیصد آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے اور اس آبادی کا 50 فیصد سے زیادہ حصہ کاشتکاری ، غلّہ بانی اور زراعت سے متعلقہ کاروباروں سے روزگار حاصل کرتا ہے ۔ چنانچہ زراعت ہماری معیشت کی بنیاد ہے ، لیکن زرعی شعبہ تاحال پسماندگی کا شکار ہے ۔ زرعی اصلاحات کے نفاذ کے باوجود غیر حاضر زمینداری کا نظام موجود ہے۔ بہت سے کسان زمینوں سے محروم ہیں ۔ فی کس کاشت کا رقبہ ایک ایکڑ سے بھی کم ہے، جو کہ جدید طریقہ ہائے کاشت کے لیے ناکافی ہے۔ چنانچہ زرعی مشینوں کا استعمال کم ہے ۔ آبپاشی کی سہولیات ناکافی ہیں ۔ کھاد کا استعمال کم ہے ۔ فصلی بیماریوں کے باعث زرعی پیداوار میں 10 تا 15 فیصد کمی ہو جاتی ہے ۔ 3.5 ملین ہیکٹر رقبہ سیم اور تھور کی وجہ سے ناکارہ ہو چکا ہے ۔ عام کسان کی صحت اور اس کی فنی استعداد پست ہے اور ناموافق موسمی حالات کے باعث زرعی پیداوار پست اور غیر یقینی ہے ۔ چنانچہ بہت سے دیگر زرعی ممالک کے مقابلے میں مختلف زرعی فصلوں کی فی ہیکٹر پیداوار کم ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ زرعی شعبے کے سبز انقلاب کے باوجود ہمیں بہت سی اشیائے خوردنی درآمد کرنی پڑتی ہیں۔

4- صنعتی پسماندگی (Industrial Backwardness) پاکستان کو صنعتی پسماندگی ورثے میں ملی ہے ۔ جن علاقوں پر موجودہ پاکستان مشتمل ہے ، وہ حکومت برطانیہ کے دور میں پسماندہ تھے ۔ دورِ جدید میں کوئی معیشت صنعتی ترقی حاصل کیے بغیر خوشحال نہیں ہو سکتی ۔ حتیٰ کہ زراعت تجارت اور نقل وحمل کے شعبوں کی ترقی بھی صنعتی ترقی کے تابع ہوتی ہے ۔ پاکستان کی معاشی ترقی میں صنعتی شعبے کی ترقی پر خصوصاً توجہ دی گئی ہے ۔ لیکن اس کے باوجود خام قومی پیداوار میں صنعتی پیداوار کا تناسب 20 فیصد ہے ۔ صنعتی شعبہ زیادہ تر صرفی اشیاء پیدا کرتا ہے اور اشیائے سرمایہ مثلاً پیچیدہ مشینوں اور آلات تیار کرنے میں اس شعبے کی صلاحیت پست ہے ۔ صنعتی شعبے کی پیداوار کا قریباً نصف اشیائے خوردنی اور ٹیکسٹائیل تیار کرنے والی صنعتیں مہیا کرتی ہیں ۔ چنانچہ پاکستان کے اکنامک سروے 87-1986 کے مطابق "روزگار پیدا

کرنے ، غیر ملکی صنعتکاروں کا مقابلہ کرنے اور زرمبادلہ کی آمدنی میں استحکام پیدا کرنے میں صنعتی شعبے کی کارکردگی قابلِ تعریف نہیں رہی ۔ چنانچہ صنعتکاری کا عمل مطلوبہ مقاصد کے حصول میں تسلی بخش نہیں رہا ۔"

پاکستان بہت سی صرفی مصنوعات اور اشیائے سرمایہ درآمد کرتا ہے ، جس کی وجہ یہ ہے کہ ملک میں افرادی قوت کی فنی صلاحیت کا معیار ، معدنیات کی فراہمی ، تربیتی اور مالی اداروں کی موزوں تعداد، ذرائع آمدورفت کی دستیابی ، سیاسی استحکام اور معاشی منصوبہ بندی جیسے عوامل صنعتی انقلاب کے بنیادی لوازمات بھی پورے نہیں کر سکے ۔ دریں حالات مجموعی قومی پیداوار اور فی کس آمدنی پست ہے ۔

5- ناخواندگی اور پست استعدادِ کار (Illiteracy and Low Efficiency)

پاکستان میں افرادی قوت مقدار کے لحاظ سے تو باافراط ہے، لیکن اس کی پیشہ ورانہ صلاحیت بہت پست ہے ۔ ملک میں ہر ایک 100 افراد میں سے 76 مطلق ناخواندہ ہیں۔ صنعتی شعبے میں کارکنوں کو مقداروں ، پیمانوں اور موازنوں (Comparisons) سے واسطہ پڑتا ہے ۔ چنانچہ ناخواندہ کارکن جدید مشینی پیداواری عمل میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا ۔ پھر فنی جانکاری (Technical Knowhow) اور پیشہ ورانہ صلاحیت بڑھانے کے لیے بھی بنیادی تعلیم درکار ہوتی ہے ۔ تعلیم اور فنی صلاحیت کے عوامل افرادی قوت کی استعداد کار کو بہتر بناتے ہیں ، لیکن پاکستان میں نہ ہی خواندگی کی شرح بلند ہے اور نہ ہی فنی صلاحیت دینے والے ادارے مطلوبہ تعداد میں موجود ہیں ۔ ویسے بھی ایک عام کسان اور صنعتی مزدور کی مالی حالت کمزور ہے اور اس کی خوراک اور صحت کے معیار غیر تسلی بخش ہیں ۔ دریں حالات فی کارکن پیداوار پست ہے ، اس لیے قومی پیداوار میں سرعت سے اضافہ نہیں کیا جاسکتا ۔ چنانچہ فی کس آمدنی پست ہے ۔

6- افراطِ آبادی (Overpopulation) پاکستان دنیا کا نواں سب سے بڑا کثیرالآباد ملک ہے اور یہاں شرح افزائش آبادی 3.06 فیصد سالانہ ہے ، جو کہ دنیا کے قریباً تمام ممالک کے مقابلے میں زیادہ ہے ۔ پاکستانی معاشرہ مجموعی طور پر روائت پسند واقع ہوا ہے ، اس لیے زیادہ اؤلاد کی خواہش ، قناعت پسندی اور معاشرے میں عورت کا کمتر مقام

جیسے عوامل شرح ولادت میں اضافے کا باعث بنے ہیں ۔ پاکستان میں قومی آمدنی کا معیار پست ہے اور جب اسے کثیر آبادی پر تقسیم کیا جاتا ہے تو فی کس آمدنی کا کم معیار متعین ہوتا ہے ۔ واضح رہے کہ کثرتِ آبادی غربت کے منحوس چکر کو دوام دیتی ہے ۔ وہ اس طرح کہ افراطِ آبادی ، فی کس آمدنی میں کمی کا باعث ہوتی ہے ، جس کے نتیجے میں معاشرے میں غربت اور پسماندگی بڑھتی ہے ۔ غربت معاشرے کی سماجی اقدار ، شادیوں اور شرح ولادت میں افزائش کا باعث بنتے ہیں ۔ دریں حالات معاشرے کو غربت کے منحوس چکر سے نکالنا محال ہو جاتا ہے ۔

7- بچت اور سرمایہ کاری کی پست شرح (Low Rate of Saving and Investment)

کسی بھی ملک میں پیداوار بڑھانے کے لیے شرح بچت اور شرح سرمایہ کاری معقول حد تک بلند ہونی چاہیے ، تاکہ مزید پیداوار حاصل کرنے کے لیے گوناگوں ذرائع پیدا کیے جاسکیں ۔ دنیا کے وہی ممالک خوشحال اور ترقی یافتہ ہیں ، جن میں بچت اور سرمایہ کاری کی شرح بلند ہے ۔ پاکستان میں بچت اور سرمایہ کاری کی شرحوں میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے ۔ ماہرینِ اقتصادیات کی رائے میں کسی ملک میں ترقی کی معقول رفتار ممکن بنانے کے لیے قومی آمدنی کا 20 فیصد بچانا چاہیے ۔ لیکن چونکہ یہاں بچت اور سرمایہ کاری کی شرح پست ہے ، اس لیے پیداوار اور روزگار میں اضافے کی رفتار بھی سُست ہے۔ اس کا نتیجہ پست فی کس آمدنی اور پست معیار زندگی ہے ۔

8- توازنِ ادائیگی کا خسارہ (Deficit in Balance of Payments)

پاکستان کی درآمدات ، برآمدات کے مقابلے میں ہر سال زیادہ ہوتی ہیں ۔ پاکستان کو اشیائے خوردنی اور دیگر صرفی مصنوعات کے علاوہ صنعتی خام مال ، مشینیں ، آلات ، فالتو پُرزے ، گاڑیاں اور سامانِ دفاع کی زیادہ سے زیادہ مقدار درآمد کرنا پڑتی ہے ۔ لیکن آبادی کے دباؤ کے باعث ملک کی برآمدی گنجائش میں اسی شرح سے اضافہ نہیں ہو رہا ۔ چنانچہ پاکستان کا توازن تجارت اور توازنِ ادائیگی خسارے میں رہتے ہیں ، جسے پورا کرنے کے لیے مہنگے غیر ملکی قرضوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے ۔ 87-1986 میں توازنِ تجارت کا خسارہ 2294 ملین ڈالر اور توازن ادائیگی کا خسارہ 557 ملین ڈالر تھا جبکہ 1987ء

کے آخر تک پاکستان پر 12022 بلین ڈالر کا غیر ملکی قرضوں کا بوجھ تھا ۔ ان قرضوں کی اقساط اور سود کی ادائیگی کے سلسلے میں ملک کو ہر سال کثیر زر مبادلہ سے محروم ہونا پڑتا ہے ۔ اگر ادائیگیوں کا توازن اسقدر خسارے میں نہ ہو تو یہی زرِ مبادلہ ملک کی معاشی ترقی کے لیے اور پیداوار بڑھانے کے لیے بروئے کار لایا جاسکتا ہے ۔ گویا توازن ادائیگی کا خسارہ پاکستان کی پیداواری صلاحیت کی افزائش میں بلواسطہ طور پر کمی کا باعث بن رہا ہے ۔ دریں حالات قومی پیداوار اور فی کس آمدنی پست ہیں ۔

9- پیشہ ورانہ تخصیص کا فقدان (Lack of Occupational Specialization)

کسی پیشے میں مصارف پیدائش کو کم کرنے ، پیداوار کی رفتار بڑھانے اور پیداوار کی کوالٹی خوب تر بنانے کے لیے جدید اور بہتر پیداواری طریقے اختیار کرنے کے عمل کو تخصیص کار کہتے ہیں ۔ تخصیص کار کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کارکن کی پیداواری استعداد بہتر ہو جائے ۔ کسی پیداواری عمل کے ایک مخصوص حصے میں اس کی فنی مہارت بڑھ جائے ۔ تخصیص کار پیداوار اور آمدنی بڑھانے پر منتج ہوتی ہے اور کارکن خوشحال ہو جاتے ہیں ۔ اوسط پاکستانی مزدور کی پیشہ ورانہ صلاحیت پست ہے ۔ وہ وہی پیداواری ٹیکنالوجی اختیار کرتا ہے جو اس کے بڑے بوڑھے اپنے دور میں اختیار کرتے تھے ۔ اکثر کارکن نئے اور بہتر پیداواری طریقوں سے سرد مہری اختیار کرتے ہیں۔ گویا پیداواری عمل پر بھی رواج کی چھاپ ہوتی ہے۔ لیکن رواج کے علاوہ کچھ دیگر عوامل بھی پیشہ ورانہ تخصیص میں مانع ثابت ہوتے ہیں ۔ مثلاً اگر ایک کارکن کو اپنے پیشے میں مزید تربیت حاصل کرنی پڑے تو وہ اسے اپنی بے عزتی سمجھتا ہے یا وہ مزید تربیت کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا یا وہ اس کے لیے مطلوبہ تعلیم نہیں رکھتا اور یا پھر وہ گھر بار بستی کو چھوڑ کر تربیت پانے کے لیے کسی دُور کے مقام پر نہیں جانا چاہتا ۔ یا یہ ہو سکتا ہے کہ اسے پیشہ ورانہ تربیت کے مواقع کا علم نہیں ہوتا ۔ پاکستان میں خصوصاً دیہی سماج میں افراد کو پیشے ورثے میں ملتے ہیں ۔ خواہ ان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیت اس پیشے کے لیے غیر موزوں ہی کیوں نہ ہو ۔ چنانچہ عموماً کسان کا بیٹا کسان ، بڑھئی کا بیٹا بڑھئی اور حجام کا بیٹا حجام ہی بنتا ہے ۔ تخصیص کار کے فقدان کا نتیجہ یہ ہے کہ کارکنوں کی پیداواری استعداد کم اور آمدنیاں پست ہیں اور

ان کا معیار زندگی بھی پست ہے ۔

2.8 پاکستان میں بچت اور سرمایہ کاری

(Saving and Investment in Pakistan): ذیل میں ہم پاکستان میں بچت اور سرمایہ کاری کی صورت حال کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں ۔

بچت (Saving): آمدنی اور صرفی اخراجات کے مثبت فرق کو بچت کہتے ہیں ۔ کسی بھی معیشت میں بچت کا انحصار مندرجہ ذیل عوامل پر ہوتا ہے ۔ (الف) فی کس آمدنی کا معیار (ب) آمدنی کی معاشرتی تقسیم (ج) بچت کے بارے میں آبادی کے مختلف طبقات کا میلان ۔

پاکستان میں فی کس آمدنی بہت پست ہے ۔ 1987-88 میں پاکستان کی فی کس آمدنی صرف 856 روپے تھی ۔ دریں حالات شرح بچت کے بلند ہونے کے امکانات زیادہ روشن نہیں ہیں ۔ تاہم چونکہ ملک میں آمدنی کی معاشرتی تقسیم کافی حد تک غیر ہموار ہے ، اس لیے بلند آمدنیاں پانے والے طبقات سے زیادہ بچتوں کی توقع کی جاسکتی ہے ۔ متمول طبقات میں بڑے زمیندار ، صنعتکار اور تاجر آتے ہیں ۔ زمیندار بلاشک کافی بچت کرتے ہیں ، لیکن وہ ان رقوم کو محلات کی تعمیر پر ، زیورات بنوانے پر ، سامان تعیش خریدنے ، شادی بیاہ اور میلوں کے مواقع پر خرچ کر دیتے ہیں ۔ یہ طبقہ سرمایہ کاری کے لیے توقع سے بہت کم بچتیں مہیا کرتا ہے ۔ البتہ صنعتکار اور تاجر اپنے منافع جات کا معقول حصہ بچاتے ہیں اور یہ طبقات نجی بچتوں کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔

پاکستان میں بچت کے بارے میں زمیندار طبقے کا میلان مثبت ہے ۔ لیکن چونکہ عام طور پر انھیں غیر زرعی کاروبار سے دلچسپی نہیں ہوتی ، اس لیے وہ اپنی بچت کو حقیقی سرمایہ کاری کے لیے بروئے کار لانے کی بجائے سامانِ تعیش پر خرچ کر دیتے ہیں ۔ صنعتکاروں اور تاجروں کے لیے بروئے کار لانے کی بجائے سامانِ تعیش پر خرچ کر دیتے ہیں ۔ صنعتکاروں اور تاجروں کا میلانِ بچت کافی بلند ہے اور وہ اپنے منافع جات کے خطیر حصے کو سرمایہ کاری میں استعمال کرتے ہیں ۔ سرکاری اور نجی دفاتر کے اہلکار جو معقول آمدنیاں پاتے ہیں ، وہ اثر نمائش (Demonstration Effect) کا شکار ہیں ۔ چنانچہ وہ اپنی بچتوں سے لوازمات زندگی خریدنا پسند کرتے ہیں ۔ مثلاً یہ طبقہ اپنی بچتوں سے

رنگین ٹیلی ویژن ، واشنگ مشین اور موٹر کاریں خرید تا ہے ۔ البتہ تنخواہ پانے والے ایسے افراد بھی موجود ہیں ، جو قومی بچت کی سکیموں یا کاروباری کمپنیوں کے حصص میں اپنی بچتوں کو استعمال کرتے ہیں ۔ لیکن ایسے افراد کی تعداد بہت کم ہے۔

2.8.2 پاکستان میں بچت کی موجودہ پوزیشن
(Present Position of Savings in Paksitan)

پاکستان میں بچت کی شرح مختلف سالوں میں کم و بیش رہی ہے ۔ اس کی وجوہات ملک کے سیاسی حالات میں تبدیلیاں ، زرعی پیداواروں کی مقدار میں کمی بیشی اور بین الاقوامی معاشی اثرات ہیں ۔ تاہم 60-1959 کے بعد شرح بچت میں مجموعی طور پر اضافہ ہوتا رہا ہے ۔

گوشوارہ نمبر (iv)

پاکستان میں شرح بچت (خام قومی پیداوار کا فیصد)

1987-88	1986-87	1985-86	1984-85	1983-84	1982-83	1981-82	1980-81	1979-80	1978-79	1977-78	1959-60	سال
13.3	14.1	11.9	10.6	12.4	14.0	11.8	12.4	12.7	11.3	13.5	6.5	شرح بچت

منڈیاتی قیمتوں پر شمار کی گئی خام قومی پیداوار (G.N.P.at Market Prices) میں سے قومی بچت کی شرح 78-1977 ء میں 13.5 فیصد تھی ۔ 79-1978 میں شرح بچت کم ہو کر 11.3 ہو چکی تھی ۔ جبکہ 80-1979 اور 81-1980 میں بچت کی شرح علی الترتیب 12.7 فیصد اور 12.4 فیصد تھی ۔ 1981 تا 1987 کے عرصہ میں اوسط سالانہ شرح بچت 12.5 فیصد تھی ۔ تاہم اِس عرصے میں خام ملکی پیداوار (G.D.P) میں بچت کی شرح صرف 5.4 فیصد تھی ۔ جو کہ نہایت پست ہے ۔ 85-1965 ء کے بیس سالہ تناظری منصوبے (Percpective Plan) میں یہ ہدف مقرر کیا گیا تھا کہ 1985 تک شرح بچت بڑھا کر خام قومی پیداوار کا 21.8 فیصد کر دی جائے گی ۔ لیکن یہ ہدف پورا نہ کیا جاسکا ۔ چنانچہ شرح بچت بڑھانے کے لیے فعّال کوششوں کی ضرورت ہے ۔

2.8.3 پاکستان میں بچت کے ذرائع
(Sources of Savings in Pakistan)

پاکستان میں بچت کے ذرائع مندرجہ ذیل ہیں :

(i) انفرادی بچتیں : ملک میں افراد حسبِ استطاعت اپنی آمدنیوں میں سے بچتیں کرتے ہیں ۔ تاہم چونکہ فی کس آمدنی کا معیار پست ہے ، اس لیے انفرادی بچتیں بھی پست ہیں ۔ انفرادی بچتوں کی صحیح پیمائش مشکل ہے ۔ کیونکہ افراد ذاتی بچت کو اپنی تحویل میں رکھ سکتے ہیں۔ یا پھر اِس سے زیورات بنوا سکتے ہیں ۔ ایسی بچتوں کا کوئی باقاعدہ ریکارڈ نہیں ہوتا ۔

(ii) کاروباری بچتیں : پاکستان میں قومی بچت کا سب سے بڑا عنصر کاروباری بچتیں ہوتی ہیں ۔ کاروباری ادارے اپنے سالانہ منافع جات کا ایک حصہ کاروبار کے حصہ داروں میں تقسیم کرنے کی بجائے بچا لیتے ہیں ، تاکہ ناگہانی ضروریات کو پورا کیا جاسکے ۔ یا پھر مستقبل میں کاروبار کو پھیلایا جاسکے ۔ منافع کا یہ حصہ اصطلاحاً غیر منقسم منافع (Undistributed Profit) کہلاتا ہے ۔ ایسی بچتیں سر دست یا تو بنکوں میں جمع کرا دی جاتی ہیں یا پھر ان سے فرموں کے زیادہ منافع بخش حصص خرید لیے جاتے ہیں ۔

(iii) سرکاری بچتیں : اگر کسی سال سرکاری بجٹ میں محصولاتی اور غیر محصولاتی آمدنی تو زیادہ ہو ، لیکن اخراجات کم کیے جائیں تو بجٹ فاضل ہوتا ہے اور سرکاری بچتیں وجود میں آتی ہیں ۔ لیکن پاکستان جیسے ممالک میں عام طور پر خسارے کے بجٹ تیار کیے جاتے ہیں اور اس خسارے کو پورا کرنے کے لیے یا تو حکومت اضافی ٹیکس عائد کرتی ہے یا پھر مرکزی بنک سے زائد کرنسی حاصل کرکے اخراجات کو پورا کرتی ہے ۔ بجٹ کے خسارے کو پُر کرنے کا یہ لائحہ عمل تمویل خاسر (Deficit Financing) کہلاتا ہے ۔ یا اسے افراطِ زر کا طریقہ بھی کہتے ہیں ۔ اضافی ٹیکس کو لازمی بچت (Compulsory Saving) اور تمویل خاسر کو جبری بچت (Forced Saving) کہتے ہیں ۔

(iv) غیر ممالک میں مقیم پاکستانی کارکنوں کی ارسال کردہ رقوم : پاکستان کے لاکھوں کارکن غیر ممالک میں پیشہ ورانہ خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور ان میں

سے اکثر مشرق وسطیٰ (Middle East) کے تیل پیدا کرنے والے ممالک میں ہیں ۔ چونکہ یہ افراد ان ممالک میں قانوناً جائیداد نہیں خرید سکتے اور نہ ہی اپنے ایماء پر کوئی سرمایہ کاری کر سکتے ہیں ، اس لیے وہ اپنی بچتیں وطن کو بھیجتے ہیں ۔ لیکن ان بچتوں کا بیشتر حصہ صرفی اخراجات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ۔ یا پھر جائیداد خریدنے پر خرچ کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ یہ بچتیں پاکستان میں صرفی اشیاء کی طلب اور قیمت میں اضافے کا باعث ہوتی ہیں ۔ 83-1982 میں غیر ممالک میں خدمات سرانجام دینے والے پاکستانی کارکنوں کی ارسال کردہ رقوم 2885.7 ملین ڈالر تھیں ۔ اگلے دو سالوں میں ان رقوم میں کمی واقع ہوئی ۔ تاہم 86-1985 میں ان رقوم کی مالیت 2595.3 ملین ڈالر اور 87-1986 کے پہلے نو ماہ کے دوران ان رقوم کی مالیت 1750 ملین ڈالر تھی ۔

2.9 سرمایہ کاری اور اس کی ترغیب کے عوامل
(Investment and Factors of its Inducement)

نقد سرمائے کا ایسا استعمال جس سے پیداوار ، آمدنی اور سرکاری محصولات کا نیا ذریعہ پیدا ہو نیز قوم کے پیداواری اثاثوں کی تعداد بڑھ جائے سرمایہ کاری یا حقیقی سرمایہ کاری (Real Investment) کہلاتا ہے ۔ سرمایہ کاری درحقیقت بچتوں کا نتیجہ ہوتی ہے اگر قومی بچت زیادہ ہو اور اس کے استعمال کے لیے منافع بخش مواقع موجود ہوں تو سرمایہ کاری کا حجم بڑھتا ہے ۔ نیز قومی پیداوار اور فی کس آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔

پاکستان جیسی مخلوط معیشت (Mixed Economy)[1] کی ترقی میں نجی سرمایہ کاری نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے ۔ نجی سرمایہ کاری کی ترغیب و افزائش کے چند اہم عوامل یہ ہیں ۔

(الف) ملک میں سیاسی استحکام پایا جائے تاکہ سرمایہ دار بغیر کسی خدشے کے کھل کر سرمایہ کاری کر سکیں ۔ سیاسی گڑ بڑ اور انقلابی رجحانات صنعتی امن کو نقصان

---

(1) مخلوط معیشت میں نجی کاروبار کے ساتھ ساتھ سرکاری کاروباری شعبہ بھی ہوتا ہے ۔ نیز حکومت ترغیبات اور پابندیوں کے ذریعے نجی شعبے کے کاروبار کے حجم اس کی توسیع اور توسیع کی سمت کو متاثر کر سکتی ہے ۔

پہنچاتے ہیں ۔ پیداواری عمل رُک جاتا ہے اور آجرین کو خسارے برداشت کرنے پڑتے ہیں ۔

(ب) نجی سرمائے کو تحفظ حاصل ہونا چاہیے ۔ اگر سرمایہ کاروں کو یہ اندیشہ ہو کہ موجودہ یا آنے والی حکومت اِن کے قائم کردہ صنعتی یونٹوں کو قومی تحویل میں لے لے گی تو وہ سرمایہ کاری کرنے سے اجتناب کرتے ہیں ۔

(ج) ملک میں بچتوں کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے ۔ نیز سرمایہ کاری کے محفوظ اور منافع بخش مواقع موجود ہونے چاہیں ۔

(د) ملک میں صنعتوں اور دیگر کاروباروں کے قیام کے لیے مطوبہ تحتی ڈھانچہ (Infra-structure) مہیا کیا جانا چاہیے ۔ تحتی ڈھانچے میں ذرائع نقل و حمل اور خبر رسانی ، مالی ادارے ، تربیتی ادارے اور ذرائع قوت وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں حکومت متذکرہ بالا لوازمات و ترغیبات مہیّا کر کے نجی سرمایہ کاری میں گوناں گوں اضافہ کر سکتی ہے ۔ پاکستان میں قومی پیداوار بڑھانے اور معاشی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری درکار ہے ۔ آبادی کی تیز شرح افزائش کے پیش نظر معاشی نمو (Economic Growth) کی معقول شرح کو ممکن بنانے کے لیے پاکستان میں خام قومی پیداوار کے بیس فیصد کے برابر سرمایہ کاری کی جانی چاہیے ۔ اگرچہ ملک میں سرمایہ کاری کی موجود شرح مایوس کن نہیں تاہم اس میں اضافے کی ضرورت ہے ۔

2.9.1 پاکستان میں سرمایہ کاری کی موجودہ پوزیشن (Present Position of Investment in Pakistan)

پاکستان میں اگرچہ سرمایہ کاری کی شرح میں مجموعی طور پر اضافے کا میلان پایا گیا ہے تاہم اس میں مزید اضافے کی گنجائش موجود ہے ۔ 80-1979 میں شرح سرمایہ کاری خام قومی پیداوار کا 17.1 فیصد تھی جو کہ قریباً تمام دیگر سالوں کے مقابلے میں بلند تھی ۔ 81-1980 ء میں شرح سرمایہ کاری گِر کر 15.8 فیصد ہو چکی تھی بعدازاں اس میں معمولی کمی بیشی ہوتی رہی ہے ۔

پاکستان میں شرح سرمایہ کاری (خام قومی پیداوار کا فیصد)

گوشوارہ نمبر (v)

سال	1959-60	1977-78	1978-79	1979-80	1980-81	1981-82	1982-83	1983-84	1984-85	1985-86	1986-87	1987-88
شرح سرمایہ کاری	9.7	16.7	16.6	17.1	15.8	16.4	15.7	15.3	15.4	15.3	16.1	15.7

(Source: Economic Survey 1987-88)

1987-88 میں مجموعی سرمایہ کاری 112.2 بلین روپے تھی جو کہ خام قومی پیداوار کا 15.7 فیصد بنتی ہے ۔ اس سال مجموعی سرمایہ کاری میں نجی شعبے کا تناسب 42 فیصد تھا ۔ حکومت نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے لیے ترغیبات دے رہی ہے ۔ ملک میں شرح نمو کو تیز تر کرنے کے لیے حکومت مادی اور معاشرتی تحتی ڈھانچہ (Physical and Social Infrastructure) تعمیر کرنے کے لیے اربوں روپے خرچ کر رہی ہے ۔ 1987-88 کے سالانہ ترقیاتی پروگرام (Annual Development Programme) میں تمام دیگر حدوں کے مقابلے میں تحتی ڈھانچے کی تعمیر کو اولین اہمیت دی گئی اور اس سلسلے میں ترقیاتی پروگرام کے مجموعی اخراجات کا 61.6 فیصد حصہ خرچ کرنے کا فیصلہ کیا گیا ۔ حکومت نے نجی سرمایہ کاری کو یقین دلایا ہے کا آئندہ کوئی نجی پیداواری یونٹ قومی تحویل میں نہیں لیا جائیگا ۔ بلکہ حکومت نجی سرمایہ کاروں کو ایسے پیداواری شعبوں میں سرمایہ کاری کرنے کی دعوت دے رہی ہے جو اس وقت کلیتاً سرکاری شعبے میں ہیں ۔ ان میں بجلی پیدا کرنے کا شعبہ خاص طور پر قابل ذکر ہے ۔

2.9.2 بچت اور سرمایہ کاری کی افزائش کے لیے حکومتی اقدامات (Measures Adopted by the Government to Encourage Saving and Investment)

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے ، پاکستان میں تیز شرح افزائش آبادی کے باوجود معاشی ترقی کی رفتار کو تسلی بخش بنانے کے لیے ضروری ہے کہ قومی بچت اور سرمایہ کاری کی شرح خام قومی پیداوار کا 20 فیصد ہونی چاہیے ۔ لیکن شرح بچت پست ہونے کے باعث ترقیاتی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے غیر ملکی قرضوں کا حصول ناگزیر

ہوگیا ہے ۔ چونکہ قرضے حسبِ معاہدہ واپس کرنے ہوتے ہیں اور ان پر واجب سود کی ادائیگی بھی کرنی پڑتی ہے ، اس لیے معشیت پر غیر ملکی قرضوں کا بار بڑھتا جارہا ہے ۔ پاکستان کے اکنامک سروے 87-1986 کی رائے میں ۔ "اگر شرح بچت بدستور خام قومی پیداوار کا 14 فیصد رہے تو مطلوبہ سرمایہ کاری کا ایک تہائی غیر ملکی سرمائے کے ذریعے مہیا کرنا پڑیگا ۔

چنانچہ بچت اور سرمایہ کاری کی افزائش کے لیے حکومت اور مرکزی بنک نے متعدد اقدامات کیے ہیں ۔

بچت کی افزائش کے لیے کیے گئے اقدامات

(Measures Adopted to Boost Savings)

ملک میں بچتوں کی حوصلہ افزائی کے لیے جہاں حکومت نے اقدامات کیے ہیں ، وہاں سٹیٹ بنک آف پاکستان نے بھی اپنے دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے کچھ اقدامات کیے ہیں ۔ ذیل میں ہم ان اقدامات کا جائزہ لیتے ہیں ۔

حکومت کے اقدامات : حکومت مندرجہ ذیل طریقوں سے بچت کی حوصلہ افزائی کرتی ہے ۔

(الف) قومی بچت کی سکیمیں : حکومت نے قومی بچت کی سکیموں کا اجراء کیا ہے ۔ جو آمدنی کے لحاظ سے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے موزوں ہیں۔ قومی بچت کی ان سکیموں پر منافع کی شرح بہت بلند ہے ۔ مثلاً ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ پر منافع کی شرح 15.6 فیصد ہے ۔ جبکہ نیشنل ڈیپارٹ سرٹیفکیٹس پر منافع شرح 14.63 فیصد ہے ۔ منافع کی آمدنی پر ٹیکس کی رعایت بھی دی جاتی ہے ۔ ذیل میں قومی بچت کی سکیموں اور ان پر منافع کی شرح کا گوشوارہ ملاحظہ کیجیے ۔

(ب) سامانِ تعیش پر بھاری ٹیکس : حکومت سامانِ تعیش پر بلند شرح سے ٹیکس نافذ کرتی ہے ۔ درآمدی اشیائے تعیش پر یا تو بالکل پابندی ہے یا پھر ان کی درآمد پر بھاری درآمدی کسٹم وصول کیا جاتا ہے ۔ ان اقدامات کا مقصد غیر ضروری اخراجات کی حوصلہ شکنی کرنا اور بچت بڑھانا ہوتا ہے ۔

قومی بچت کی سکیموں پر منافع کی شرح

سکیمیں	بچت کی میعاد	میعاد پوری ہونے پر منافع کی مرکب شرح
1- ڈیفینس سیونگ سرٹیفکیٹس	10 سال	15.60 فیصد
2- نیشنل ڈیپازٹ سرٹیفکیٹس	7 سال	14.63 فیصد
3- خاص ڈیپازٹ سرٹیفکیٹس	3 سال	13.44 فیصد
4- سیونگ اکاؤنٹس سرٹیفکیٹس	حسبِ منشاء	10.00 فیصد
5- ماہانہ آمدنی اکاونٹس	ماہانہ آمدنی پانچ سال بعد کے بعد شروع ہوتی ہے	14.78 فیصد
6- پوسٹل لائف انشورنس	پالیسیوں کی میعاد مختلف ہوتی ہے۔	13.20

(ج) کاروباری بچتوں پر ٹیکس کی رعایت : پاکستان میں نجی بچتوں کا ایک سب سے بڑا ذریعہ کاروباری اداروں کی بچتیں ہیں - یہ بچتیں غیر منقسم منافع جات ہوتے ہیں ، جن پر حکومت فراخدلی سے ٹیکس کی رعایت یا چھوٹ دیتی ہے۔

(د) نئے بانڈوں کا اجراء (Issue of New Bonds) ملک میں شرح بچت میں اضافہ کرنے کے لیے 1965-66 میں تین نئے قسم کے بانڈ جاری کیے گیے یعنی بئیرر نیشنل فنڈ بانڈ (Bearer National Fund Bonds) سپیشل نیشنل فنڈ بانڈ (Special National Fund Bond) اور فارن ایکسچینج بئیرر سرٹیفکیٹس (Foreign Exchange Bearer Certificates) ان میں سے سپیشل نیشنل فنڈ بانڈ ، کالے دھن کو پیدا آور کاروبار میں لگانے کے لیے جاری کیے گیے ہیں - ان بانڈوں کی فروخت توقع سے بڑھ کر ہوئی - حکومت کا تخمینہ یہ تھا کہ ان بانڈوں کی فروخت سے پانچ بلین روپے کی نجی بچتیں اکٹھی کی جاسکیں گی ، لیکن صرف سپیشل نیشنل فنڈ بانڈوں کی فروخت 15 بلین روپے کے قریب تھی -

سرمایہ کاری کی افزائش کے لیے کیے گیے اقدامات

(Measures Adopted to Boost Investment)

حکومت پاکستان نے نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے ہیں۔

(i) بنیادی سہولتوں کی فراہمی : ملک میں نئے کاروباروں کے قیام کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ بنیادی سہولتوں کی کمی ہے۔ یہ سہولتیں معاشی ترقی کا تحتی ڈھانچہ ہوتی ہیں اور ان کی توسیع و ترقی کے بغیر نئی سرمایہ کاری ناممکن ہوتی ہے۔ ان سہولتوں میں پانی، بجلی، ایندھن۔ ذرائع نقل و حمل خبر رسانی اور فزیکل پلاننگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ ملک میں سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے لیے بنیادی سہولتوں کی فراہمی پر حکومت اربوں روپے خرچ کر رہی ہے۔ 88-1987 کے سالانہ ترقیاتی پروگرام میں مجموعی اخراجات کا 23.4 فی صد بجلی کی فراہمی پر، 11.5 فی صد نقل و حمل اور خبر رسانی کی توسیع و ترقی پر، 10.5 فی صد پانی کی سپلائی پر، 10.1 فی صد فزیکل پلاننگ اور تعمیرات پر اور 6.1 فی صد ایندھن کی فراہمی پر خرچ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ گویا اس ترقیاتی پروگرام میں مجموعی اخراجات کا 16.6 فی صد تحتی ڈھانچے کی تعمیر و توسیع پر خرچ کرنے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ نجی شعبے کو سرمایہ کاری کرنے کی ترغیب دی جائے۔

(ii) قومیانے کے اندیشے کا ازالہ : حکومت نے 1972 میں دس بنیادی صنعتوں کے 32 نجی صنعتی یونٹوں کو قومی تحویل میں لے لیا تھا، جس کے نتیجے میں نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوئی اور سرمایہ کاری کے حجم میں تشویشناک کمی ہوئی۔ لیکن موجودہ حکومت نے نجی سرمایہ کاری کے بارے میں اپنی اس پالیسی کا واضح اعلان کر دیا ہے کہ آئندہ کوئی نجی کاروبار قومی تحویل میں نہیں لیا جائیگا۔ چنانچہ قومیانے کے اندیشے کا ازالہ ہوا اور امید ہے کہ نجی سرمایہ کار کھل کر سرمایہ کاری کر سکیں گے۔

(iii) نیشنل ڈی ریگولیشن کمیشن : نجی صنعت کے مختلف شعبوں پر غیر ضروری کاروائی کنٹرول ختم کرنے کے لیے حکومت نے نیشنل ڈی ریگولیشن (Ntational

De-Regulation Commission) قائم کیا ہے ۔ اس کمیشن کی سفارش پر حکومت نے نجی شعبے میں صنعتی یونٹ قائم کرنے کے لیے سرمایہ کاری کی حد 300 ملین روپے سے بڑھا کر 500 ملین روپے کردی ہے ۔ اور مخصوص صنعتوں (جن میں قبل ازیں نجی آجرین سرمایہ کاری نہیں کر سکتے تھے) کی فہرست میں سے بارہ صنعتوں کو خارج کر دیا گیا ہے ۔ ان میں دفاع سے متعلق (الیکٹرانکس) کی صنعت لوہے اور بنیادی فولاد کی صنعت ، مکینیکل اور الیکٹرانک پلانٹ اور پیٹرو کیمیکلز وغیرہ کی صنعتیں شامل ہیں ۔

(iv) سہولتوں کا یکبارگی حصول : وفاقی کابینہ کی معاشی رابطہ کمیٹی نے نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کی غرض سے نئے کاروبار اور ان کے قیام کے لیے مطلوبہ سہولتوں کے یکبارگی حصول کو آسان بنا دیا ہے ۔ جسے ون ونڈو (One window) کہا جاتا ہے ۔ چنانچہ آجروں کو نئے کاروباری قیام کے لیے بجلی ، گیس ، ٹیلی فون ۔ زمین و پانی اور درآمدی لائسنس حاصل کرنے کے لیے مختلف محکموں کے چکر نہیں لگانے پڑیں گے ۔ ون ونڈو کی سہولت سے آجروں کی بہت سی مشکلات دور ہو گئی ہیں ۔

(v) مالیاتی رعایات : مخصوص صنعتوں اور پسماندہ علاقوں میں صنعتی یونٹ قائم کرنے کے لیے حکومت نے سرمایہ کاروں کو ٹیکسوں کی چھوٹ دی ہے۔ نیز ایسے یونٹوں کے لیے درآمدی مشینری پر کسٹم کی رعایات بھی دی گئی ہیں ۔

(vi) شراکتی سرمایہ کاری : صنعتی شعبے میں شراکتی سرمایہ کاری (Equity Capital) کی ترغیب دینے کے لیے حکومت نے 85-1984 میں تیرہ کمپنیوں کو حصص کی فروخت کی اجازت دی ۔ علاوہ ازیں اسی قسم کے دو ادارے مضاربہ (Muderoba) اور میوچل فنڈ (Mutual fund) بھی شراکتی سرمائے کے نئے حِصص فروخت کر دیے ہیں ۔

(vii) غیر ملکی نجی سرمایہ کاری : حکومت نے غیر ملکی سرمایہ کاری کے قائم کردہ کاروبار کو نہ صرف قانونی تحفظ دیا ہے ، بلکہ انھیں کاروبار کا منافع وطن ارسال کرنے کی اجازت بھی دے رکھی ہے ۔ نیز انھیں ٹیکسوں کی گوناں گوں رعایات دی گئی ہیں ۔ حکومت نے غیر ملکی سرمایہ کاری کی ترغیب کے لیے جن صنعتی پراجیکٹوں کو خصوصی

رعایات دے رکھی ہیں ان میں انجینئرنگ ، بنیادی اہمیت کے کیمیکلز ، الیکٹرونکس اور اشیائے سرمایہ کی صنعتیں شامل ہیں ۔

2.10 پاکستان کی آمدنی اور فی کس آمدنی بڑھانے کے لیے تجاویز
(Suggestions to Increase National Income and Per Capita Income in Pakistan)

پاکستان میں 87-1986 میں ساکن قیمتوں پر خام قومی پیداوار 88887 ملین روپے تھی ۔ جبکہ آبادی 103.82 ملین افراد تھی ۔ چنانچہ فی کس آمدنی 856 روپے تھی ۔ پاکستان میں نہ صرف قومی آمدنی پست ہے بلکہ فی کس آمدنی بھی بہت پست ہے ۔ پاکستان کا شمار دنیا کے پست ترین فی کس آمدنی والے ممالک میں ہوتا ہے ۔

کسی ملک کی فی کس آمدنی وہاں کے تمام شہریوں کے معیارِ زندگی کا مظہر ہوتی ہے ۔ فی کس آمدنی جس قدر پست ہوگی ، معیارِ زندگی بھی اسی قدر پست ہوگا ۔ پاکستان کے اوسط شہری کا معیار زندگی پست ہے اور اسے روزمرہ زندگی میں صرف کرنے کے لیے اشیاء خدمات کی بہت کم مقدار میسر آتی ہے ۔ سیاسی اور معاشی نقطۂ نظر سے ترقی پذیر ممالک میں فی کس آمدنی بڑھانے اور معیار زندگی کو بلند کرنے کی اشد ضرورت ہے ۔

فی کس آمدنی ، قومی آمدنی اور آبادی کے حاصلِ تقسیم کا نام ہے ۔ اس لیے فی کس آمدنی بڑھانے کے لیے نہ صرف قومی آمدنی میں اضافہ کی رفتار بڑھانے کے لیے اقدامات کیے جانے چاہییں ، بلکہ آبادی کی شرح افزائش بھی کم کی جانی چاہیے ۔ پاکستان میں قومی اور فی کس آمدنی بڑھانے کے لیے ہم مندرجہ ذیل اقدامات تجویز کرتے ہیں ۔

(i) عزم ترقی : کسی قوم کی معاشی حالت صرف اسی صورت میں بہتر بنائی جاسکتی ہے ، جب وہ قوم ترقی کا عزم رکھتی ہو ۔ اگر پاکستان کے لوگ ترقی کا پختہ ارادہ کرلیں اور وہ اس بات پر یقین بھی رکھتے ہوں کہ وہ اپنی غربت کا طوق گلے سے نکال کر پھینک سکتے ہیں تو معاشی ترقی کے لیے کیے جانے والے تمام اقدامات بار آور ثابت ہوں گے اور ملک میں قومی پیداوار ، قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں سرعت سے اضافہ ہوگا اور

ساتھ ہی معیارِ زندگی میں مثبت تبدیلیاں رونما ہونے لگیں گی ۔ پاکستان کے عوام میں عزمِ ترقی بیدار کرنے اور اسے پختہ بنانے کی اشد ضرورت ہے ۔

(ii) بہتر معاشی منصوبہ بندی : دیگر ترقی پذیر ممالک کی طرح پاکستان بھی جلد از جلد ترقی اور خوشحالی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے مناسب منصوبہ بندی ضروری ہے ۔ معاشی منصوبہ بندی ایک ایسا طریقہ ہے ، جس کے ذریعے قوم کے پیداواری وسائل کا محتاط اندازہ لگا کر افزائش پیداوار کے پیشگی ہدف مقرر کر لیے جاتے ہیں اور پھر ایک خاص عرصہ وقت میں ان اہداف کی تکمیل کے لیے بھرپور کوشش کی جاتی ہے ۔ پاکستان میں باقاعدہ معاشی منصوبہ بندی کا کام 1955 میں شروع کر دیا گیا تھا اور یہ منصوبہ بندی پانچ سالہ ترقیاتی منصوبوں اور سالانہ ترقیاتی پروگراموں کی شکل میں جاری ہے ۔ تاہم حصولِ آزادی کے بعد اب تک فی کس آمدنی میں قابلِ تحسین اضافہ نہیں ہو سکا۔ اس کی وجہ ناقص منصوبہ بندی ہے ۔ پاکستان میں ہر آنے والی حکومت نے اپنا معاشی مشکل نافذ کرنا چاہا ۔ چنانچہ چند نہایت اہم معاشی مسائل تا-ال فیصلہ طلب ہیں ۔ مثلاً یہ کہ ہم معاشی ترقی کے لیے زرعی شعبے کو زیادہ اہمیت دیں یا صنعتی شعبے کو ۔ ترقی کے ابتدائی مراحل میں غیر ملکی امداد پر زیادہ انحصار کیا جائے یا کم زرعی شعبے میں زمین کی تقسیم نو کے لیے مزید اصلاحات کی جائیں یا نہ کی جائیں ۔ معیشت میں نجی شعبے کو زیادہ اہمیت دی جائے یا سرکاری شعبے کو وغیرہ وغیرہ ۔ ہمیں پاکستان کے حالات کے مطابق منصوبہ بندی کرنی چاہیے ۔ ابتداء میں صنعتی شعبے کی ترقی کو زرعی شعبے کی ترقی پر سبقت دینی چاہیے ۔ غیر ملکی امداد کے حصول کے لیے محض چند مغربی ممالک پر انحصار نہیں کیا جانا چاہیے ۔ بلکہ ہندوستان کی طرح امداد کے تمام ذرائع سے استفادہ کیا جانا چاہیے ۔ اگر غیر ملکی امداد معقول شرائط پر دستیاب ہو تو ابتدائی مرحلے پر زیادہ مقدار میں مالی اور فنی امداد کا حصول ترقی کی رفتار کو بڑھانے کا باعث بنے گا ۔ پاکستان میں 1959 ، 1972 اور 1977 میں زرعی اصلاحات کے باوجود غیر حاضر زمینداری کا نظام موجود ہے ۔ جبکہ لاکھوں کسان اب بھی اراضی سے محروم ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مزید زرعی اصلاحات کے ذریعے زمین کی ملکیت کی حد اور کم کی جانی چاہیے۔ تاکہ مجموعی پیداوار اور فی ہیکٹر پیداوار میں اضافہ کیا جاسکے۔ ملک کے صنعتکار شروع ہی سے زرعی اور مالیاتی

رعایات اور تحفظ کی موجودگی میں صنعتیں چلاتے آ رہے ہیں ۔ لیکن اس کے باوجود ملک مین جنوبی کوریا ، چین اور تائیوان کی طرح کا کوئی صنعتی انقلاب واقع نہیں ہو سکا ۔ چنانچہ پاکستان کی معاشی تاریخ کا ایک اہم سبق یہ ہو گا کہ نجی صنعتکاروں سے غیر ضروری رعایات واپس لے لی جانی چاہییں ۔ ان میں بین الاقوامی سطح پر مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کی جائے اور نجی شعبے کو سرکاری شعبے پر کھلی سبقت دینے کے بجائے ان میں توازن پیدا کیا جائے ۔ ساتھ ہی ساتھ سرکاری شعبے میں وسائل کے بہتر استعمال اور بدعنوانیوں کا انسداد کرنے کے لیے موثر اقدامات کیے جانے چاہییں ۔ نیز اس شعبے کی کارکردگی کا باقاعدہ احتساب کیا جانا چاہیے ۔ اس طرح ہم بہتر منصوبہ بندی کرکے قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں یقیناً تیزی سے اضافہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے ۔

(iii) **تعلیم اور فنی تربیت :** سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ پیداواری عمل میں زیادہ سے زیادہ مشینیں اور آلات استعمال ہو رہے ہیں ۔ ناخواندہ اور غیر تربیت یافتہ کارکن نہ تو ان مشینوں کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی انھیں چلا سکتے ہیں ۔ چنانچہ جس معاشرے میں ناخواندگی زیادہ ہوتی ہے ، وہاں پیداواری عمل بھی فرسودہ اور سُست رفتار ہوتا ہے ۔ 1981 کی مردم شماری کے مُطابق پاکستان میں خواندگی کی شرح 26.2 فیصد تھی ۔ گویا ہر سو میں سے 73.8 فیصد افراد ناخواندہ تھے ۔ خواندگی کی یہ شرح ترقی پذیر ممالک میں پست ترین ہے ۔

دریں حالات پاکستان میں کارکنوں کی پیداواری استعداد پست ہے۔ چنانچہ پیداوار میں معتدبہ اضافہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں خواندگی کا معیار بلند کیا جائے ۔ نیز ملک کے طول و عرض میں فنی تربیت کے اداروں کا جال بچھا دیا جائے ۔ 1986-87 میں تعلیم (بشمول فنی تعلیم) پر خام قومی پیداوار کا 2.2 خرچ کیا گیا ، جو کہ بہت کم ہے ۔ نیز فنی تربیت کے اداروں کی تعداد نہایت محدود ہے ۔ خصوصاً دیہی علاقوں میں فنی تربیت کے ادارے مفقود ہیں ۔ حکومت کو ملک میں خواندگی کا معیار بلند کرنا چاہیے اور تربیتی اداروں کے فقدان کا مسئلہ ہنگامی بنیادوں پر حل کرنا چاہیے ۔ اس مقصد کے لیے واجب ہو گا کہ قومی آمدنی کا کم از کم 5 فیصد حصہ تعلیم و فنی تربیت کے فروغ پر خرچ کیا جائے ۔

(iv) تحتی ڈھانچے کی توسیع : معیشت میں پیداواری عمل کا انحصار کچھ بنیادی عوامل پر ہوتا ہے ۔ جن میں ذرائع نقل و حمل ، ذرائع خبررسانی ، بجلی و گیس کی تقسیم ، شہری نظام ، نظام بنکاری ، سٹیل ملیں اور تعلیم و فنی تربیت کے ادارے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔ ترقی کے ان بنیادی عوامل کو تحتی ڈھانچہ کہتے ہیں ۔ پاکستان میں تحتی ڈھانچہ کمزور اور محدود ہے اور یہ بڑھتی ہوئی ترقیاتی ضروریات کے مقابلے میں ناکافی ہے ۔ چنانچہ اس کی توسیع و ترقی پر نسبتاً زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے ۔ تحتی ڈھانچے کی توسیع سے تجارت ، صنعت اور زراعت کو ترقی ملے گی اور قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ ہوگا ۔

(v) تشکیل سرمایہ : ملک میں افراد اور اداروں کی بچتیں اکھٹی کرنے ، انھیں ناظمانہ صلاحیت رکھنے والے افراد تک پہنچانے اور پھر نقد سرمائے سے اشیائے سرمایہ مہیا کرنے کے عمل کو تشکیل سرمایہ کہتے ہیں ۔ پاکستان میں شرح بچت پست ہے ، اس لیے تشکیل سرمایہ کی رفتار سست ہے اور اشیائے سرمایہ کی فراہمی کے عمل کی رفتار بھی کم ہے ۔ حکومت اور مرکزی بنک مالیاتی اور زرعی اقدامات سے شرح بچت بڑھا سکتے ہیں اور اِس طرح تشکیل سرمایہ کی رفتار بڑھائی جا سکتی ہے۔ ایسا کرنے سے معیشت کی پیداواری صلاحیت میں سرعت سے اضافہ ہوگا اور فی کس آمدنی میں اضافہ ہوگا ۔

(vi) زرعی شعبے کی ترقی : پاکستان کا زرعی شعبہ مجموعی طور پر ابھی پسماندہ ہے ۔ غیر حاضر زمینداری کا نظام موجود ہے ۔ کوالٹی بیجوں ، کھاد اور زرعی مشینوں کا استعمال کم ہے اور آبپاشی کی سہولت بھی کم ہے ۔ چنانچہ فی ہیکٹر پیداوار پست ہے ۔ زرعی پیداوار پست ہونے کے باعث ملکی صنعتوں کو کم خام مال میسر آتا ہے اور زرعی فصلوں پر مبنی مصنوعات کی برآمد بھی کم ہے ۔ 66-1965 میں جو سبز انقلاب (Green Revolution) شروع کیا گیا تھا ، اس کی رفتار دھیمی پڑ رہی ہے ۔ لہٰذا زرعی شعبے کی ترقی خصوصی توجہ کی مستحق ہے ۔ اگر زرعی اراضی کی تقسیم کو بہتر بنایا جائے اور زرعی مداخل کا استعمال بڑھانے کے لیے کسانوں کو ترغیبات دی جائیں تو فی ایکڑ پیداوار اور مجموعی پیداوار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے ۔ چونکہ زراعت معیشت کا سب سے بڑا شعبہ ہے اور ملک کی 70 فیصد آبادی براہِ راست یا بالواسطہ طور پر اس سے منسلک ہے ، اس لیے زرعی

پیداوار بڑھا کر قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے ۔

(vii) صنعتی شعبے کی ترقی : پاکستان میں صنعتی شعبے میں ترقی کی رفتار کم رہی ہے ۔ ہم تاحال ضرورت کی بہت سی صرفی مصنوعات اور اکثر اشیائے سرمایہ درآمد کرتے ہیں ۔ صنعت کے میدان میں نجی اور سرکاری شعبوں کا واضح تعین کر دیا جانا چاہیے ۔ نجی سرمایہ کاری کے صنعتی اثاثوں کو تحفظ دیا جانا چاہیے ۔ انھیں جائز حد تک زری اور مالیاتی رعایت دی جانی چاہیے ۔ نیز غیر ملکی سرمایہ کاروں کو پاکستان میں صنعتیں قائم کرنے کے لیے ترغیبات دی جانی چاہیں ۔ ایسے سرمایہ کار نہ صرف ملک میں سرمایہ لے کر آتے ہیں ، بلکہ جدید ٹیکنالوجی بھی متعارف کراتے ہیں ۔ جو پاکستان کی ایک بڑی ضرورت ہے ۔ متذکرہ اقدامات کے نتیجے میں صنعتی شعبہ ترقی کرے گا ، جس سے قومی پیداوار اور فی کس آمدنی بڑھانے میں امداد ملے گی ۔

(viii) معدنی ذرائع کی ترقی : صنعتی ترقی کے لیے معدنی ذخائر کی دریافت اور موجودہ ذخائر کا بھرپور استعمال ضروری ہے ۔ جغرافیائی لحاظ سے ارض پاکستان ایسے خطے میں واقع ہے ، جہاں کثیرالنوع معدنیات پائی جاتی ہیں ۔ لیکن پاکستان میں معدنی ذخائر کی دریافت اور ان کو بروئے کار لانے کا کام سست رہا ہے۔ چنانچہ اب تک ہم ملکی ضرورت کا بیشتر تیل درآمد کرتے ہیں ۔ نیز فولاد اور متعدد دیگر معدنیات درآمد کی جاتی ہیں ۔ حکومت کو معدنی ذرائع کی ترقی کے لیے ترقیاتی منصوبوں میں زیادہ رقوم مختص کرنی چاہییں ۔ اگر نئے معدنی ذخائر دریافت کیے جائیں اور تمام موجودہ ذخائر سے پوری طرح استفادہ کیا جائے تو نئی نئی صنعتیں قائم کی جاسکتی ہیں اور موجودہ صنعتوں کو ترقی دی جاسکتی ہے ، جس کے نتیجہ میں قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ ہوگا ۔

(ix) افراطِ زر پر کنٹرول : جب کوئی معیشت افراطِ زر کا شکار ہوتی ہے تو بچتوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے ۔ برآمدات مہنگی ہونے کے باعث کم ہو جاتی ہیں اور ترقیاتی پراجیکٹوں کے مصارف بڑھ جاتے ہیں ۔ ان عوامل کے نتائج علی الترتیب یہ ہوتے ہیں تشکیل سرمایہ کی رفتار سست پڑ جاتی ہے ۔ توازن تجارت کا خسارہ بڑھ جاتا ہے اور حکومت کو ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے خسارے کے بجٹ تیار کرنے پڑتے ہیں ، جس سے افراطِ زر کی شرح مزید بڑھ جاتی ہے ۔ متذکرہ عوامل ترقی کی رفتار کو کم

کرتے ہیں اور ترقی کی لاگت بڑھاتے ہیں ۔ اگرچہ اس وقت افراطِ زر کی شرح قریباً 35% ہے اور صورت حال تشویش ناک نہیں ۔ تاہم آٹھویں عشرے میں ملک میں افراطِ زر کی اوسط سالانہ شرح 2.4 فیصد رہی ہے اور مستقبل میں بھی افراطِ زر کی شرح بڑھ سکتی ہے ۔ افراطِ زر پر قابو پانے کے لیے سٹیٹ بنک آف پاکستان اور حکومت کی مالیاتی پالیسی مفید کردار ادا کر سکتے ہیں ۔ معاشی استحکام حاصل ہوگا تو معیشت کے تمام شعبوں کی پیداوار بڑھے گی ۔ حقیقی قومی آمدنی بڑھے گی اور فی کس آمدنی میں اضافہ ہوگا ۔

(x) سائنس اور ٹیکنالوجی : موجودہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہے اور اس میدان میں ترقی پانے والے ممالک ہی ترقی یافتہ ہو سکتے ہیں۔ پاکستان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی اور اس شعبے کی ترقی پر ہونے والے اخراجات افسوسناک حد تک پست ہیں ۔ اگر ملک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو ترقی دی جائے تو زراعت اور صنعت میں پیداواری طریقوں کو بہتر بنایا جاسکتا ہے اور قومی آمدنی میں اضافہ کرکے فی کس آمدنی میں تیز شرح سے اضافہ کیا جاسکتا ہے ۔

(xi) توازن ادائیگی کی اصلاح : پاکستان کا توازن ادائیگی عموماً خسارے میں رہا ہے ، جسے پورا کرنے کے لیے پاکستان کو ہر سال غیر ملکی ذرائع سے قرضے لینے پڑتے ہیں ۔ قرضوں اور ان پر واجب سود کی ادائیگی کے لیے ہر سال کثیر زرمبادلہ خرچ کیا جاتا ہے ۔ حالانکہ اگر توازن ادائیگی میں خسارہ نہ ہو تو یہی وسائل ملکی معاشی ترقی اور افزائش کے لیے بروئے کار لائے جاسکتے ہیں ۔ ہمیں قومی سطح پر سادہ زندگی بسر کرنے کا عزم کرنا چاہیے اور سامانِ تعیش و دیگر غیر ضروری اشیاء کی درآمد بند کر دینی چاہیے ۔ نیز جہاں تک ممکن ہو درآمدات کے بدل ملک میں تیار کرنے چاہییں ۔ دوسری جانب برآمدات بڑھانے کے لیے نئی منڈیاں اور نئے گاہک تلاش کیے جائیں۔ برآمدات کی طلب بڑھانے کے لیے ان کی کوالٹی بہتر بنانی چاہیے۔ نیز ان کے مصارف پیدائش کم کرنے کے لیے تخصیص کار کو ترقی دی جانی چاہیے ۔ توازنِ ادائیگی کو بہتر بنا کر ہم اندرون ملک ترقیاتی کام کے لیے زرمبادلہ کے خطیر وسائل مہیا کر سکتے ہیں ۔ ترقی کی شرح بلند ہوگی تو قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ ہوتا جائے گا ۔

(xii) **آبادی کی شرح افزائش میں کمی :** پاکستان کا شمار دنیا کے اِن ممالک میں ہوتا ہے جہاں شرح افزائش آبادی بلند ترین ہے ۔ کثرتِ آبادی اور اس میں اضافے کی بلند شرح درحقیقت پسماندہ اور ترقی پذیر معیشتوں کی ایک مشترک خصوصیت ہے ۔ پاکستان میں تمام تر ترقیاتی منصوبہ بندی کے باوجود فی کس آمدنی پست ہونے کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ قومی پیداوار میں اضافے کا ایک بہت بڑا حصہ بڑھتی ہوئی آبادی کی نذر ہو جاتا ہے ۔

اعادہ

قومی آمدنی و فی کس آمدنی اور ان میں سالانہ اضافے کی شرح کسی ملک کی معاشی حالت اور اس کی ترقی کی رفتار کی مظہر ہوتی ہیں ۔ پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے ۔ اس کی قومی آمدنی و فی کس آمدنی پست ہیں اور ملک میں عام افراد کا معیار زندگی پست ہے ۔ اس کے متعدد اسباب ہیں ۔ مثلاً قومی پیداوار کا بہت بڑا حصہ زرعی پیداوار پر مشتمل ہوتا ہے ، جبکہ یہ پیداوار موسمی حالات کے تابع ہوتی ہے ۔ ویسے بھی پاکستان کا زرعی شعبہ پسماندہ ہے اور فی ایکڑ پیداوار پست ہے ۔ پاکستانی معیشت کے صنعتی شعبے کا حجم بھی کم ہے اور اس کی پیداواری استعداد پست ہے ۔ نیز ملک میں ذرائع قوت کی قلت ہے ، ٹیکنالوجی کا معیار تسلی بخش نہیں اور خواندگی کی شرح بہت کم ہے ۔ تاہم معیشت کی شرح افزائش میں اضافہ ہوتا رہا ہے ۔ 50-1949 تا 60-1959 کے عشرے میں خام ملکی پیداوار میں اضافے کی اوسط شرح 3.6 فیصد سالانہ تھی جبکہ 87-1986ء میں یہ شرح 5.7 اور 88-1987 میں 5.8 فیصد تھی ۔

جب کسی معیشت میں ترقی واقع ہوتی ہے تو اگرچہ زرعی شعبے کی مجموعی پیداوار بڑھتی ہے ، لیکن قومی آمدنی میں زرعی شعبے کی پیداوار کا تناسب گرتا جاتا ہے ۔ جبکہ مصنوعات ، تعمیرات اور ذرائع قوت کے شعبوں کا تناسب بڑھتا جاتا ہے ۔ پاکستان کی معاشی ترقی کے اعداد و شمار متذکرہ میلانات کی تصدیق کرتے ہیں ۔

قومی آمدنی کی پیمائش تین طریقوں سے کی جاسکتی ہے ۔ چونکہ پاکستان میں قومی پیداوار کے تفصیلی اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں اس لیے یہاں قومی آمدنی کی پیمائش کی غرض سے مختلف شعبوں میں مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں ۔ اعداد و شمار کا تفصیلی ریکارڈ

موجود نہ ہونے کے باعث پاکستان کی قومی آمدنی کی صحیح پیمائش ممکن نہیں ہوتی ۔ تاہم قومی آمدنی کی صحیح پیمائش ممکن نہ ہونے کے چند دیگر اسباب بھی ہیں ۔ مثلاً عوام کا عدم تعاون ، پیشہ ورانہ تخصیص کا فقدان ، پیداکاروں کے ذاتی استعمال میں آنے والی پیداوار کی مقدار کے بارے میں لاعلمی ، غیر زری شعبے کا وجود ، تربیت یافتہ عملے کا فقدان اور غیر قانونی کاروباروں کی آمدنی کا صیغۂ راز میں ہونا ۔

فی کس آمدنی کا تصور بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے ۔ فی کس آمدنی یہ ظاہر کرتی ہے کہ معیشت میں عام افراد کو روزمرہ زندگی میں کتنی اشیاء و خدمات میسر آتی ہیں ۔ فی کس آمدنی معلوم کرنے کے لیے قومی آمدنی کو آبادی پر تقسیم کیا جاتا ہے ۔ 70-1969 میں پاکستان کی خام قومی پیداوار 32339 ملین روپے تھی اور آبادی 59.70 ملین افراد تھی ۔ چنانچہ فی کس آمدنی 542 روپے تھی ۔ 88-1987 میں خام قومی پیداوار 88887 ملین روپے تھی اور آبادی 103.82 ملین افراد تھی ۔ اس لیے فی کس آمدنی 856 روپے تھی ۔ پاکستان میں فی کس آمدنی کے پست ہونے کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں شرح افزائش آبادی بہت تیز ہے ۔ پاکستان میں قومی آمدنی کی معاشرتی تقسیم بہت غیر منصفانہ ہے ۔ 88-1987 کے اکنامک سروے کے مطابق پاکستان میں پست ترین آمدنی پانے والے 20% گھرانوں کے حصے میں قومی آمدنی کا 7.4% حصہ آیا ۔ جبکہ بلند ترین آمدنی والے 20% گھرانوں کی آمدنی قومی آمدنی کا 45.5% تھی ۔ پاکستان میں فی کس آمدنی کے پست ہونے کی وجوہات یہ ہیں : قدرتی وسائل کی قلت ، موجودہ قدرتی وسائل کا ناکافی استعمال ، زرعی پسماندگی ، صنعتی پسماندگی ، ناخواندگی اور پست استعدادِ کار افراطِ آبادی ، بچت اور سرمایہ کاری کی پست شرح ، توازنِ ادائیگی کا خسارہ اور پیشہ ورانہ تخصیص کا فقدان ۔ کسی ملک کی قومی پیداوار اور قومی آمدنی بڑھانے میں بچت اور سرمایہ کاری کی شرح بہت اہمیت کی حامل ہیں ۔ چونکہ پاکستان میں فی کس آمدنی کا معیار پست ہے ۔ اس لیے انفرادی بچتوں کی شرح بھی پست ہے ۔ متمول افراد اپنی بچتوں کو محلات کی تعمیر ، زیورات کی خرید اور شادی بیاہ کے مواقع پر خرچ کر دیتے ہیں ۔ البتہ صنعت کاروں اور تاجروں کا میلان بچت بلند ہے ۔ پاکستان میں مختلف سالوں میں بچت کی شرح کم و بیش رہی ہے ۔ تاہم اوسط سالانہ بچت

میں اضافے کا رجحان پایا گیا ہے ۔ 88-1987 میں پاکستان میں شرح بچت 13.8% تھی ۔ قومی آمدنی کے حجم کے تعین میں سرمایہ کاری کا حجم بھی اہم کردار ادا کرتا ہے ۔ اگر ملک میں سیاسی استحکام موجود ہو ، نجی سرمائے کو تحفظ حاصل ہو، ملک میں شرح بچت تسلی بخش ہو اور منافع بخش کاروباری مواقع موجود ہوں تو نجی سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے ۔ 88-1987 میں پاکستان میں شرح سرمایہ کاری 15.7 فیصد تھی ۔

پاکستان کی قومی آمدنی اور فی کس آمدنی بڑھانے کے لیے یہ تجاویز پیش کی جاسکتی ہیں ۔

(i) عزم ترقی (ii) بہتر معاشی منصوبہ بندی (iii) تعلیم و فنی تربیت کا فروغ (iv) تحتی ڈھانچے کی تشکیل و توسیع (v) تشکیل سرمایہ (vi) زرعی شعبے کی ترقی (vii) صنعتی شعبے کی ترقی (viii) معدنی ذرائع کی ترقی (ix) سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی (x) توازنِ ادائیگی کی اصلاح اور (xi) آبادی کی شرح افزائش میں کمی ۔

اہم سوالات

1- پاکستان کی قومی آمدنی میں معیشت کے مختلف معاشی شعبوں کے حصے پر نوٹ لکھیے۔
2- پاکستان میں قومی آمدنی کی پیمائش میں کون کون سی مشکلات حائل ہیں ۔
3- فی کس آمدنی سے کیا مراد ہے ؟ اس تصور کی عملی اہمیت کیا ہے ؟ پاکستان کی فی کس آمدنی کے پست ہونے کی وجوہات بیان کیجیے ۔
4- پاکستان میں بچت کے ذرائع کون کون سے ہیں ؟ بچت کی افزائش کے لیے حکومت اور سٹیٹ بنک نے کیا کیا اقدامات کیے ہیں ؟
5- پاکستان میں سرمایہ کاری کے ذرائع بیان کیجیے ۔ نیز بتائیے کہ سرمایہ کاری میں اضافہ کرنے کے لیے مرکزی حکومت اور سٹیٹ بنک نے کیا کیا اقدامات کیے ہیں ؟
6- پاکستان میں فی کس آمدنی بڑھانے کے لیے اقدامات تجویز کیجیے ۔
7- پاکستان میں قومی آمدنی اور فی کس آمدنی بڑھانے کے لیے حکومت نے کیا کیا اقدامات کیے ہیں ؟

☆ ☆ ☆

باب 3

معاشی ترقی
(ECONOMIC DEVELOPMENT)

نمبر شمار	عنوان
3.1	ابتدائیہ
3.2	معاشی ترقی کا مفہوم اور تعریف
3.3	نیم ترقی یافتہ ممالک کے مسائل
3.4	معاشی ترقی کے عوامل
3.4.1	معاشی عوامل
3.4.2	معاشرتی و سماجی عوامل
3.4.3	سیاسی عوامل
3.5	معاشی منصوبہ بندی
3.5.1	معاشی منصوبہ بندی کی تعریف
3.5.2	پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں منصوبہ بندی کا جواز
3.5.3	معاشی منصوبہ بندی کے مقاصد
3.5.4	منصوبے کی حکمتِ عملی
3.6	پاکستان میں ترقیاتی منصوبہ بندی
3.6.1	پاکستان کا چھٹا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ (88-1983)
3.7	پاکستانی معیشت کا شعبہ زراعت
3.7.1	پاکستان کے زرعی شعبے کے مسائل
3.7.2	زرعی شعبے کے مسائل کے حل کے لیے حکومت کے اقدامات
3.8	پاکستانی معیشت کا شعبہ صنعت
3.8.1	پاکستان کے صنعتی شعبے کے مسائل
3.8.2	صنعتی شعبے کے حل کے لیے حکومت کے اقدامات

باب 3

معاشی ترقی
(Economic Development)

3.1 ابتدائیہ (Introduction)

اس وقت دنیا میں چار ہزار ملین سے زیادہ افراد آباد ہیں ۔ اس آبادی کا تقریباً بیس فیصد حصہ ترقی یافتہ اور خوشحال ممالک کے باشندے ہیں جبکہ تقریباً اسی فیصد افراد پسماندہ ممالک کے باسی ہیں ۔ امریکہ ، کینیڈا ، مغربی جرمنی ، آسٹریلیا ، برطانیہ اور جاپان جیسے ترقی یافتہ ممالک کی قومی پیداوار اور فی کس آمدنی بہت بلند ہے اور اُنہیں تمام تر اشیائے ضرورت اور آسائشات میسّر ہیں ۔ جبکہ ایتھوپیا ، سوڈان ، بنگلہ دیش ، بھارت اور پاکستان جیسے ممالک کی پیداوار اور فی کس آمدنی پست ہے اور وہاں کے عام افراد اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی بھی بطریقِ احسن پوری نہیں کر پاتے ۔ ان افراد کی خوراک ، لباس ، رہائش ، تعلیم اور صحت کا معیار پست ہے اور وہ معاشی طور پر غیر مطمئن ہیں ۔ یہ افراد زیادہ تر ایسے ممالک سے تعلق رکھتے ہیں جو صدیوں تک غیر ملکی تسلط اور حکمرانی میں زندگی گزارنے کے بعد اس صدی کے چوتھے ، پانچویں یا چھٹے عشرے میں آزاد ہوئے ہیں ۔ ترقی پذیر ممالک میں معاشی افزائش کی رفتار بہت سُست ہے جبکہ ترقی یافتہ صنعتی ممالک اپنے معاشی مسائل حل کرنے کے بعد چاند اور ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں ۔ ترقی پذیر ممالک میں افلاس اور محرومی کا شکار کروڑوں افراد جب خوشحال معاشروں کے افراد کے بلند معیار زندگی کو دیکھتے ہیں تو ان میں یہ اُمنگ شدت سے پیدا ہوتی ہے کہ اُنھیں بھی آسودہ حال ہونا چاہیئے ۔ اُنہیں بھی زندگی کی لذتوں سے مستفیض ہونا چاہیئے ۔ چنانچہ ان ممالک کے لوگ جلد از جلد معاشی ترقی حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ چنانچہ معاشی ترقی کا حصول ہی ترقی پذیر ممالک کا سب سے بڑا مسئلہ ہے ۔

3.2 معاشی ترقی کا مفہوم اور تعریف
(The Concept and Definition of Economic Development)

معاشی ترقی کی سب سے زیادہ ضرورت اُن ممالک کو ہے جو مفلسی اور محرومی کا شکار ہیں ۔ معاشی ترقی کا جذبہ بلا شبہ قابلِ قدر ہے لیکن معاشی ترقی کا حصول کوئی آسان

کام نہیں ۔ معاشی ترقی کے لیے غربت کے اسباب کا سائنٹفک مطالعہ ضروری ہے اور ان اسباب سے نمٹنے کے لیے طویل عرصہ درکار ہے ۔ معاشی ترقی سے فرار ایسا عمل ہے جس کے تحت کسی ملک کے پیداواری وسائل کو اس طرح بروئے کار لایا جاتا ہے کہ قومی آمدنی میں مسلسل اضافہ ہوتا جاتا ہے اور فی کس آمدنی بڑھتی جاتی ہے ۔

ماہر اقتصادیات ترقی ڈی برائٹ سنگھ (D.Bright Singh) اپنی تصنیف (Economic Development) میں رقمطراز ہیں کہ "جب کسی معیشت میں ترقی کا عمل جاری ہوتا ہے تو فی کس آمدنی اور بچتوں کا حجم بڑھنے لگتا ہے ۔ جس کے نتیجے میں تشکیلِ سرمایہ اور فنی ترقی کی رفتار تیز تر ہوتی جاتی ہے ۔ کارکنوں کی پیداواری صلاحیت بڑھتی ہے ۔ ذرائع نقل و حمل اور پیغام رسانی میں توسیع ہوتی ہے ۔ مالی ادارے ترقی پاتے ہیں اور عوام کی صحت و تعلیم کے معیار بلند تر ہوتے جاتے ہیں ۔ عوام کی مادی توقعات بڑھتی ہیں اور انہیں آرام و تفریح کے زیادہ مواقع میسر آتے ہیں نیز اُن کا ذہنی اُفق وسیع تر ہوتا جاتا ہے"۔ معاشی ترقی کی یہ تعریف آسان فہم ہے تاہم اس میں معاشی ترقی کے عمل کے بارے میں چند اہم نکات کی وضاحت موجود نہیں مثلاً

(الف) معاشی ترقی کے دوران فی کس آمدنی میں اضافہ کیسے ہوتا ہے ؟

(ب) معاشی ترقی کے دوران معیشت کن کن مراحل سے گزرتی ہے ؟

(ج) کیا محض زرعی قومی آمدنی اور زری فی کس آمدنی ترقی کے مظاہر ہوتے ہیں ؟

(د) کیا یہ فقط پانچ سالوں کے دوران قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں ہونے والا اضافہ معاشی ترقی کہلاتا ہے ؟

حالات معاشی ترقی کی یہ تعریف اس قدر طویل ہونے کے باوجود جامع نہیں
کے ماہرین ترقی مائر اور بالڈون (Meir and Baldwin) نے معاشی ترقی کی

درِس حالات معاشی ترقی کی یہ تعریف اس قدر طویل ہونے کے باوجود جامع نہیں ہے ۔ امریکہ کے ماہرین ترقی مائر اور بالڈون (Meir and Baldwin) نے معاشی ترقی کی ایک مقبولِ عام تعریف پیش کی ہے ۔ یہ تعریف معاشی ترقی کے مفہوم کا مکمل احاطہ کرتی ہے ۔ معاشی ترقی کی یہ تعریف اس طرح ہے :

تعریف : معاشی ترقی ایک ایسا مرحلہ وار عمل ہوتا ہے ۔ جس کے دوران معیشت کی

حقیقی قومی آمدنی ایک طویل عرصے تک بڑھتی جاتی ہے اور اگر ترقی کی رفتار شرح افزائش آبادی سے زیادہ ہو تو فی کس آمدنی بھی بڑھتی جاتی ہے"۔

پروفیسرز مائر اور بالڈون (Professors Meier & Baldwin) کی تعریف کے اہم نکات کی وضاحت

مرحلہ وار عمل : معاشی ترقی کوئی وقتی یا لمحاتی واقعہ نہیں بلکہ یہ ایک طویل المعیادی عمل ہوتا ہے جس کے دوران معیشت مختلف مراحل سے گزرتی ہے ۔ ان مراحل کے دوران معیشت کے خدوخال میں تبدیلیاں آتی ہیں ۔مائر اور بالڈون نے وضاحت کی کہ مرحلہ وار تبدیلیاں دو طرح کی ہوتی ہیں :

اوّل : بنیادی عوامل کی رسد میں تبدیلیاں یعنی

(i) نئے پیداواری وسائل دریافت ہوتے ہیں ۔
(ii) تشکیلِ سرمایہ کی رفتار بڑھتی ہے ۔
(iii) آبادی میں اضافہ ہوتا ہے جس کے نتیجے میں افرادی قوت اور آجرین کی تعداد بڑھتی ہے ۔
(iv) نئے اور بہتر پیداواری طریقے اختیار کیے جاتے ہیں ۔
(v) کارکنوں اور آجروں کی فنی مہارت بڑھتی ہے اور
(vi) دیگر ادارتی (Institutional) اور تنظیمی (Organizational) تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں ۔

دوم : پیداوار کی طلب کی ہیئت (Structure of Demand) میں تبدیلیاں مثلاً

(i) آبادی کے حجم اور اس کی تقسیم بالحاظِ عمر میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں ۔
(ii) آمدنی کے معیار میں اور اس کی معاشرتی تقسیم میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں ۔
(iii) صارفین کا ذوق بدلتا ہے ۔
(iv) دیگر ادارتی اور تنظیمی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں ۔

حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ : اگر پیداوار کی قیمتوں میں اضافہ ہو جانے سے قومی آمدنی بڑھ جائے تو اسے معاشی ترقی نہیں کہتے ۔ معاشی ترقی تب واقع ہوتی ہے جب ساکن قیمتوں پر اشیاء و خدمات کی پیداوار بڑھ جائے ۔

عرصہ طویل : معاشی ترقی کا عمل قلیل وقتی نہیں ہوتا بلکہ طویل المعیادی ہوتا ہے ۔ اگر کسی ملک میں چند سالوں کے لیے قومی آمدنی اور فی کس آمدنی بڑھتی جائے تو اُسے معاشی ترقی نہیں کہتے ۔ مثلاً پاکستان جیسے زرعی ممالک میں جب بہتر موسمی حالات کے نتیجے میں بھرپور فصلیں ہوتی ہیں تو قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔ لیکن جب اگلے چند سالوں میں ناساز گار موسمی حالات کے باعث زرعی پیداوار گر جاتی ہے تو قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں کمی ہو جاتی ہے ۔ معاشی ترقی تب واقع ہوگی جب قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں طویل عرصہ تک اضافہ ہوتا جائے ۔ ظاہر ہے کہ یہ اُسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ جب معیشت کا انحصار زراعت پر کم اور صنعت پر زیادہ ہو ۔ باالفاظِ دیگر معاشی ترقی کے نتیجے میں ایک زرعی معیشت بتدریج صنعتی معیشت بنتی جاتی ہے اور قومی آمدنی میں صنعتی شعبے کی پیداوار کا تناسب بڑھتا جاتا ہے ۔ دریں حالات اگر موسمی حالات خراب ہو جانے سے زرعی پیداوار میں کچھ کمی ہو بھی جائے تو قومی آمدنی گرنے نہیں پاتی ۔

شرح افزائش آبادی اور فی کس آمدنی

معاشی ترقی کے دوران عام حالات میں قومی آمدنی اور آبادی دونوں میں اضافہ ہوتا ہے ۔ چونکہ فی کس آمدنی قومی آمدنی اور آبادی کے حاصلِ تقسیم کے برابر ہوتی ہے ، اس لئے اگر قومی آمدنی میں اضافے کی شرح آبادی کے اضافے کی شرح سے بلند تر ہو تو فی کس آمدنی بھی بڑھتی جاتی ہے ۔

3.3 ترقی پذیر ممالک کے مسائل
(Problems of Developing Countries)

"ترقی" ایک نسبتی اصطلاح (Relative Term) ہے ۔ غیر ترقی یافتہ یا پسماندہ ممالک وہ ہوتے ہیں جو مطلق غربت کی حالت میں محوِ خواب ہوتے ہیں ۔ ان ممالک میں یا تو ترقی کی اُمنگ پیدا نہیں ہوئی ہوتی یا پھر اگر ترقی کی خواہش موجود ہو تو یہ ممالک فقط اس لئے ترقیاتی عمل شروع نہیں کر پاتے کہ وہ ان رکاوٹوں کی نشاندھی نہیں کر چکے ہوتے ۔ جو ترقی کے راستے میں حائل ہوتی ہیں ۔ چنانچہ ان ممالک کی معیشتیں (Economies) مسلسل جمود کا شکار ہوتی ہیں ۔ اس تصور کی رُو سے دورِ جدید میں شاذو

نادر ہی کوئی معیشت صحیح معنوں میں غیر ترقی یافتہ کہلا سکتی ہے ۔ ترقی پذیر معیشت (Underdeveloped Economy) وہ ہوتی ہے جس میں ترقی کے راستے میں حائل مشکلات کی نشاندہی کی جا چکی ہوتی ہے اور ان مشکلات کو دُور کرنے کا کام جاری ہو چکا ہوتا ہے ایسی معیشت ترقی کے راستے پر گامزن ہوتی ہے ۔ اگرچہ ترقی کی منزل ابھی دور ہوتی ہے ۔ نیم ترقی یافتہ معیشت کو ترقی پذیر معیشت (Developing Economy) بھی کہتے ہیں ۔ ترقی یافتہ ممالک وہ ہوتے ہیں جو ترقی اور خوشحالی کی منزلِ مقصود پا چکے ہوتے ہیں ۔ ان ممالک کی فی کس آمدنی بہت بلند ہوتی ہے ۔

نیم ترقی یافتہ ممالک چند مخصوص مسائل سے دوچار ہوتے ہیں جن کا ہم ذیل میں جائزہ لیتے ہیں ۔ یہ مسائل درحقیقت ان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہوتے ہیں ۔ ان مسائل کو نیم ترقی یافتہ معیشتوں کی مشترک خصوصیات (Common Charactristics) بھی کہتے ہیں ۔

(i) افراطِ آبادی (Over Population) : دُنیا کے تقریباً تمام نیم ترقی یافتہ ممالک افراطِ آبادی کا شکار ہیں ۔ موجودہ دور میں اِن ممالک میں سماجی صحت (Social Health) کا انقلاب واقع ہو چکا ہے ۔ جس کے نتیجے میں ان ممالک میں ملیریا ، ہیضہ اور چیچک جیسے مُوذی امراض پر قابو پایا جا چکا ہے اور شرح اموات میں بہت کمی ہو چکی ہے ۔ جبکہ ترقی کے ابتدائی مراحل پر ان کے عوام کی خوراک اور رہائش کے معیار میں نسبتاً بہتری واقع ہونے سے شرح ولادت بڑھ چکی ہے ۔ چنانچہ ان ممالک میں شرح افزائشِ آبادی میں اضافہ ہوا ہے ۔ لیکن چونکہ ان ممالک کی پیداواری صلاحیت میں اسی شرح سے اضافہ نہیں ہوا اس لیے ان کی فی کس آمدنی پست ہے اور ان کے عوام الناس کا معیار زندگی بھی پست ہے ۔ پاکستان میں شرح افزائش آبادی 3.1 فیصد سالانہ ہے ۔ 88-1987 میں پاکستان میں خام قومی پیداوار 97138 ملین روپے تھی ۔ جبکہ آبادی 130.82 ملین تھی ۔ چنانچہ فی کس آمدنی 936 روپے سالانہ تھی ۔ ترقی پذیر ممالک میں آبادی کا تقریباً 40 فیصد حصہ کمسن افراد پر مشتمل ہے اور اگر خانہ دار خواتین، اور بوڑھوں و محتاجوں کی آبادی کو بھی مجموعی آبادی سے منہا کر دیا جائے تو آمدنی کمانے والے افراد کا تناسب بہت کم ہے ۔ گویا ان ممالک میں آمدنی کمانے والے افراد پر منحصرین

(Dependents) کا بار بہت زیادہ ہے ۔ اگرچہ نیم ترقی یافتہ ممالک میں پیداوار بڑھانے کے لیے منصوبہ بندی کی جاتی ہے ۔ لیکن قومی پیداوار میں جو اضافہ ہوتا ہے اُسے بڑھتی ہوئی آبادی ہڑپ کر جاتی ہے ۔ اس لئے فی کس آمدنی میں تیزی سے اضافہ کرنا محال ہو جاتا ہے ۔

(ii) زراعت پر زیادہ انحصار۔ (Over-dependence on Agriculture)

ترقی پذیر ممالک میں 60 تا 80 فیصد آبادی کاشتکاری اور زراعت سے متعلقہ دیگر پیشوں مثلاً غلّہ بانی اور ماہی گیری وغیرہ سے منسلک ہے نیز ان ممالک کی افرادی قوت کا بھی کثیر حصہ زراعت سے روزی پاتا ہے ۔ ان ممالک میں محدود زرعی رقبوں پر آبادی کا بار زیادہ ہے اور فی کس رقبہ بہت کم ہے اکثر کاشتکار چھوٹے چھوٹے رقبوں پر کاشت کرتے ہیں اور جدید مشنیں و دیگر زرعی تدافل استعمال نہیں کرتے ۔ اس لیے فی ہیکٹر پیداوار (Production Per Hectare) پست ہے ۔ زراعت کے شعبے میں بیروزگار اور نیم بیروزگار افراد کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بہت سے افراد صرف اس لیے زراعت سے چمٹے ہوئے ہیں کہ یہ اُن کا آبائی پیشہ ہے ۔

زراعت پر بہت زیادہ انحصار ہونے کے باعث ان ممالک کی پیداوار پست ہے کیونکہ زراعت بہر صورت قانونِ تقلیل حاصل کے تابع ہوتی ہے ۔ نیز جب موسمی حالات ناسازگار ہوتے ہیں تو فصلوں کی پیداوار کم ہو جاتی ہے اور نہ صرف کسان بد حال ہوتے ہیں بلکہ صنعتوں کو زرعی خام مال بھی کم میّسر آتا ہے اور ان کی پیداوار بھی گر جاتی ہے ۔ دریں حالات ان ممالک کی قومی پیداوار ہی پست نہیں بلکہ اس میں اضافے کی شرح بھی غیر یقینی ہوتی ہے ۔

(iii) اشیائے سرمایہ کی قلت (Paucity of Capital Goods)

نیم ترقی یافتہ ممالک میں فی کس آمدنی پست ہے اس لئے شرح بچت بھی پست ہے چونکہ تشکیلِ سرمایہ کی ابتداء بچت سے ہوتی ہے ۔ اس لئے ان ممالک میں اشیائے سرمایہ کی قلت ہے ۔ دریں حالات یہ بات باعثِ تعجب نہیں کہ ان ممالک کی پیداواری استعداد بہت پست ہے اور یہ غربت کے منحوس گرداب (Vicious Circle of Poverty) میں پھنسے ہوئے ہیں ۔ چنانچہ اشیائے سرمایہ کی قلت اِن کی غربت کو دوام دیتی ہے۔

غربت کا منحوس گرداب

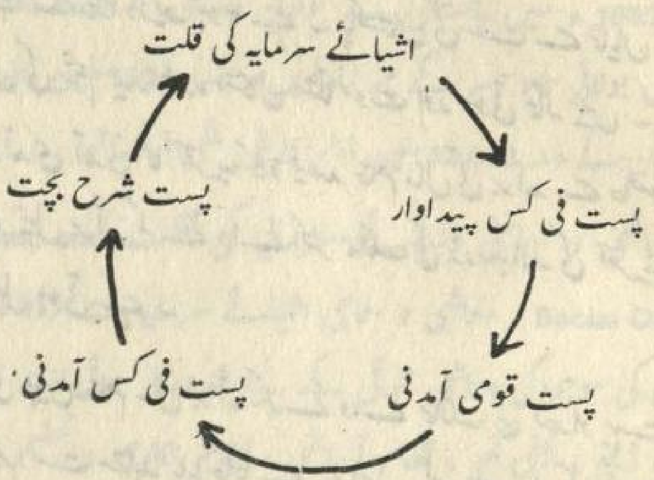

(iv) قدرتی وسائل کا ناکافی استعمال (Under Utilization of Natural Resources)

نیم ترقی یافتہ ممالک میں قدرتی وسائل کی فراوانی نہیں ہے ۔ زرعی رقبے محدود ہیں ۔ معدنیات کی قلت ہے اور آبی وسائل ناکافی ہیں تاہم ان ممالک میں جو بھی قدرتی وسائل موجود ہیں اُن کا بھرپور استعمال نہیں کیا جا سکا ۔ زمینیں ہموار کرنے اور ان تک آبپاشی کا پانی پہنچانے کے لیے بہت بھاری مقدار میں سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اسی طرح معدنی وسائل کو دریافت کرنے اور اُن سے استفادہ کرنے کے لیے جدید ٹیکنالوجی اور مشینوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ جن کے حصول پر اربوں روپے خرچ ہوتے ہیں ۔ نیم ترقی یافتہ ممالک میں نہ مطلوبہ ٹیکنالوجی ہے اور نہ ہی بھاری مقدار میں سرمایہ یہی وجہ ہے کہ یہ ممالک اپنے قدرتی وسائل سے بھرپور استفادہ نہیں کرسکتے ۔

پاکستان میں قابلِ کاشت رقبہ 31.7 ملین ہیکٹر ہے جس میں سے زیر کاشت رقبہ 20.09 ملین ہیکٹر ہے ۔ چنانچہ تقریباً 37 فیصد رقبہ بروئے کار نہیں لایا جاسکا ۔ اس طرح پاکستان میں آبپاشی کا 45 فیصد پانی ضائع ہو جاتا ہے ۔ بہت سے مقامات پر معدنی ذخائر کی توقع ہونے کے باوجود کھدائی کا کام نہیں کیا جاسکا ۔ قدرتی وسائل کے ناکافی استعمال کا سبب سرمائے اور ٹیکنالوجی کی کمی ہے ۔

(v) خام مال کی برآمد (Export of Raw Materials)

نیم ترقی یافتہ ممالک کی برآمدات کا بہت بڑا حصہ خام مال پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ اُن کی زر مبادلہ کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتا ہے ۔ پاکستان کی سب سے نمایاں برآمدات چاول ، خام کپاس یا کپاس کی نیم تیار شدہ اشکال مثلاً سوت اور سوتی تاگہ ہیں ۔ مصر ، سری لنکا اور کولمبیا اپنی برآمدی آمدنی کا تقریباً 75 فیصد خام مال کی برآمد سے حاصل کرتے ہیں ۔ مشرقِ وسطیٰ کے تیل برآمد کرنے والے اکثر ممالک کی زر مبادلہ کی تقریباً تمام آمدنی تیل کی برآمد سے حاصل ہوتی ہے ۔

عالمی منڈی میں خام مال برآمد کرنے والے ممالک کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اُن کے درمیان زبردست مقابلہ پایا جاتا ہے ۔ اس لیے خام مال کی قیمتیں پست رہتی ہیں ۔ دریں حالات نیم ترقی یافتہ ممالک کو خام مال کی برآمدات سے پست آمدنی حاصل ہوتی ہے ۔

زرعی خام مال کی پیداوار کا انحصار سازگار موسمی حالات پر ہوتا ہے ۔ اگر موسمی حالات غیر موافق ہوں تو زرعی پیداواریں کم ہوتی ہیں ۔ اس لیے برآمدی گنجائش بھی کم ہوتی ہے ۔ خام مال کی قیمتیں کم ہونے یا اس کی برآمدی گنجائش کم ہونے کے باعث نیم ترقی یافتہ ممالک زر مبادلہ کی شدید قلت کا شکار ہیں ۔

(vi) توازنِ ادائیگی کا خسارہ اور غیر ملکی قرضوں کا بوجھ (Unfavourable Balance of Payments and Burden of Foreign Indebtedness)

ترقی پذیر ممالک کو اپنا برآمدی خام مال پست قیمتوں پر فروخت کرنا پڑتا ہے ۔ اس لیے برآمدات سے حاصل ہونے والے زر مبادلہ کی آمدنی کم ہوتی ہے ۔ لیکن اس کے برعکس ان ممالک کی درآمدات زیادہ تر صنعتی خام مال اور اشیائے سرمایہ مثلاً مشینوں ، آلات اور فالتو پرزوں پر مشتمل ہوتی ہیں ۔ بین القوامی منڈی میں ان اشیاء کی قیمت دن بدن چڑھ رہی ہے ۔ اس لیے ترقی پذیر ممالک کو اپنی ترقیاتی ضروریات کے پیشِ نظر ہر سال اشیائے سرمایہ کی بھاری مقدار بلند قیمتوں پر خریدنی پڑتی ہے ۔ اشیائے سرمایہ کے لیے ان ممالک کی طلب کی لچک کم ہے ۔ چنانچہ ان کے برآمدی اخراجات بہت زیادہ ہوتے ہیں ۔ دریں حالات ان ممالک کا توازنِ ادائیگی خسارے میں رہتا ہے ۔ جسے پُر کرنے کے لیے اُنہیں غیر ملکی

ذرائع سے قرضے حاصل کرنے پڑتے ہیں ۔ چونکہ ان ممالک کا توازنِ ادائیگی سال بہ سال خسارے میں رہتا ہے ۔ اس لیے ان پر قرضوں کا بوجھ بڑھتا جاتا ہے ۔

1985-86 ء میں پاکستان کے توازنِ ادائیگی کا خسارہ 1236 ملین ڈالر تھا جبکہ 1987 ء میں جولائی تا دسمبر کے چھ ماہ میں یہ خسارہ 740 ملین ڈالر تھا ۔ 30 جون 1987 ء تک پاکستان کے ذمہ 12.022 بلین ڈالر کا غیر ملکی قرضہ تھا ۔

(vii) معاشی و سماجی اشیائے سرمایہ کی قلت (Paucity of Economic and Social Overheads): معاشی و سماجی اشیائے سرمایہ سے مراد تمام وہ لوازمات ہوتے ہیں ۔ جن کی موجودگی معاشی ترقی کے لیے ضروری ہوتی ہے ۔ ذرائع نقل و حمل و مواصلات ، ڈیم ، بجلی گھر ، نظام آبپاشی ، نظام بنکاری ، تعلیم و تربیت کے ادارے وغیرہ بنیادی سماجی اشیائے سرمایہ ہوتی ہیں ۔ ترقی پذیر ممالک میں ان اشیا کی قلت ہوتی ہے ۔

تمام اشیائے سرمایہ بچتوں کا نتیجہ ہوتی ہیں ۔ چونکہ ترقی پذیر ممالک میں فی کس آمدنی پست ہوتی ہے ۔ اس لیے حکومت ٹیکسوں کے ذریعے کافی وسائل مہیا نہیں کر سکتی نیز اندرونِ ملک حکومت زیادہ قرضے بھی حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ لوگوں کی قرضے دینے کی صلاحیت بھی پست ہوتی ہے ۔ دریں حالات حکومت مالی وسائل کی قلت کے پیشِ نظر حسبِ ضرورت سماجی اشیائے سرمایہ فراہم نہیں کر سکتی ۔

3.4 معاشی ترقی کے عوامل
(Factors of Economic Development)

معاشی ترقی ایک پیچیدہ عمل ہے اور اس میں متعدد معاشی اور غیر معاشی عوامل کردار ادا کرتے ہیں ، معاشی عوامل میں قدرتی وسائل تشکیل سرمایہ ۔ ٹیکنالوجی اور انسانی وسائل خصوصاً قابلِ ذکر ہیں ۔ جبکہ غیر معاشی عوامل میں سماجی حالات سیاسی حالات ، معاشرے کے افراد کے نفسیاتی رویّے اور مذہب وغیرہ شامل ہیں ۔ تاہم اس موضوع کے تحت ہم ذیل میں سماجی اور سیاسی عوامل پر ہی اکتفا کریں گے ۔ ایک پسماندہ معیشت میں یہ عوامل ترقیاتی عمل کے لیے عمومی طور پر سازگار نہیں ہوتے ۔ تاہم تعلیم عامہ کے فروغ اور منصوبہ بندی کے ذریعے ان عوامل کو معاشی ترقی کے لیے

موافق بنایا جاسکتا ہے ۔ گو کہ یہ تبدیلی بہت کٹھن ہوتی ہے ۔

ذیل میں ہم سب سے پہلے ترقی کے معاشی عوامل کا تعارف کراتے ہیں ۔

3.4.1 معاشی عوامل (Economic Factors)

ایک ملک کی معاشی ترقی کو متاثر کرنے والے معاشی عوامل یعنی معاشی تعینات (Economic Determinants) مندرجہ ذیل ہیں ۔

(i) قدرتی وسائل (Natural Resources) کسی ملک کے قدرتی وسائل براہِ راست اس کی معاشی حالت کو متاثر کرتے ہیں ۔ اگر ملک میں زرخیز زمینوں ، معدنیات اور آبی وسائل کی بہتات ہوگی اور موسمی حالات سازگار ہوں گے تو وہاں زرعی اور صنعتی پیداوار کا حجم بلند ہوگا ۔ نیز تجارت وسعت پذیر ہوگی ۔ چنانچہ اُس ملک میں قومی پیداوار اور فی کس آمدنی بلند ہوگی ۔ اور اس میں سال بہ سال اضافے کی شرح بھی بلند ہوگی ۔ درحقیقت قدرتی وسائل تمام تر پیداوار کا اصل ذریعہ ہوتے ہیں ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن ممالک میں قدرتی وسائل باافراط ہیں وہ خوشحالی کے بلند مدارج پر پہنچ چکے ہیں ۔ مثلاً امریکہ ، کینیڈا ، آسٹریلیا اور سویت یونین وغیرہ ۔ اس کے برعکس جن ممالک میں آبادی کے مقابلے میں قدرتی وسائل کی بہت قلت ہے وہاں غربت اور پسماندگی موجود ہے ۔ اور تمام تر ترقیاتی جدوجہد کے باوجود ان ممالک میں قومی پیداوار اور فی کس آمدنی پست ہے نیز ان میں اضافے کی شرح پست ہے ۔ دُنیا کے بیشتر ممالک اس زُمرے میں آتے ہیں ۔ مثلاً بنگلہ دیش سری لنکا ، بھارت اور پاکستان وغیرہ

واضح رہے کہ قدرتی وسائل کی فقط موجودگی ہی ترقی حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں ہوتی ۔ ان سے استفادہ کرنے کے لیے ملک میں مطلوبہ فنی مہارت اور ٹیکنالوجی بھی دستیاب ہونی چاہیے ہزاروں سال قبل جب امریکن انڈین (American Indian) اور بعد ازاں دیگر براعظموں سے آئے ہوئے مہاجرین امریکہ کی دُنیائے نو میں آباد ہوئے تو انہوں نے اس وطن کو زرخیزی اور معدنی وسائل سے مالا مال پایا لیکن وہ فنی مہارت کے فقدان کے باعث ان وسائل کو بروئے کار نہ لا سکے ۔ چنانچہ نیم جنگلی زندگی اور مفلسی ان کا مقدر رہی ۔ اس کے برعکس یورپی اقوام نے اپنے ممالک میں وسائل

کی قلت کے پیش نظر دنیا کے کونے کونے میں وسائل کو دریافت کیا اور ان وسائل کو اپنی فنی مہارت اور ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر استعمال کیا۔ چنانچہ یہی وہ اقوام تھیں جنہوں نے خوشحالی پائی اور اسی برتری کی بنیاد پر پسماندہ دنیا کے مختلف خطوں پر سینکڑوں سال حکمرانی کی ۔ آج بہت سے ترقی پذیر ممالک میں قدرتی وسائل کی معقول مقدار موجود ہے لیکن وہ ان سے بھرپور استفادہ کرنے میں ناکام ہوئے ہیں ۔ اگر زرخیز زمینیں ہیں تو کاشتکاری کے طریقے فرسودہ ہیں ۔ ان زمینوں کی آبپاشی کے لیے مطلوبہ سہولتیں موجود نہیں ۔ اگر معدنیات موجود ہیں تو انہیں بروئے کار لانے کے لیے فنی مہارت ٹیکنالوجی اور مالی وسائل موجود نہیں ۔ چنانچہ ان ممالک کی پیداوار بڑھانے کی صلاحیت بہت کم ہے ۔

ٹیکنالوجی نہ صرف موجودہ قدرتی وسائل کو بروئے کار لانے کے لیے ضروری ہے ۔ بلکہ ٹیکنالوجی ملک کے قدرتی وسائل کی مقدار میں اضافے کا موجب بھی ہو سکتی ہے ۔ مثلاً ریتلی اور غیر ہموار زمینوں کو ہموار کرکے اور سیم و تھور زدہ زمینوں کو بحال کرکے قابلِ کاشت رقبے میں اضافہ کیا جاسکتا ہے ۔ نیز ٹیکنالوجی کی مدد سے نئے معدنی ذخائر دریافت کیے جاسکتے ہیں ۔ اور موجودہ ذخائر کی قدر و قیمت میں اضافہ کیا جاسکتا ہے ۔ مثلاً خلیج کے ممالک میں آج سے سینکڑوں سال قبل تیل دریافت ہو چکا تھا ۔ لیکن چونکہ تیل اخذ کرنے ، اسے صاف کرنے ، اور اسے استعمال کرنے کے لیے مطلوبہ ٹیکنالوجی موجود نہیں تھی ۔ اس لیے یہ قدرتی ذخائر خلیج کی ریاستوں کی خوشحالی کا باعث نہ بن سکے تھے ۔ لیکن جدید دور میں مطلوبہ ٹیکنالوجی کی دستیابی کے باعث تیل کو مائع سونے کا مرتبہ حاصل ہوا اور اب ان ریاستوں کا شمار امیر ممالک میں ہوتا ہے ۔

(ii) تشکیل سرمایہ (Capital Formation) تشکیل سرمایہ ایک بہم مرحلہ عمل ہے جس میں ملک بھر میں بکھری ہوئی انفرادی بچتوں کو اکٹھا کرکے اس سے نقد سرمائے کے ذخیرے تیار کیے جاتے ہیں اور پھر یہ نقد سرمایہ باصلاحیت آجروں تک پہنچایا جاتا ہے جو اسے مختلف مادی اشیائے سرمایہ (Physical Capital Assets) مثلاً عمارات ، مشینوں اور ورکشاپوں کا رُوپ دیتے ہیں ، تشکیل سرمایہ کو سرمایہ اندوزی سرمایہ افروزی یا سرمایہ سازی بھی کہتے ہیں ۔

تشکیل سرمایہ معاشی ترقی کے بنیادی عوامل میں سے ایک ہے بلکہ بہت سے ماہرین اقتصادیاتِ ترقی اسے سب سے زیادہ اہم عاملِ ترقی قرار دیتے ہیں ۔ ان میں نرکسے (Nurkse) شمپٹیر (Schumpeter) ہیرڈ (R.F.Harrod) اور ڈومر (E.D.Domar) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔ جے ۔ ایم کینز (J.M.Keynes) نے تشکیلِ سرمایہ کو یورپی ممالک کی معاشی ترقی اور خوشحالی کا سب سے بڑا سبب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "یورپ کی معاشرتی اور معاشی تنظیم اِس طرح واقع ہوئی ہے کہ وہاں زیادہ سے زیادہ سرمائے کی تشکیل ممکن ہوچکی ہے۔"

جس ملک میں تشکیلِ سرمایہ کی رفتار تیز ہوتی ہے ۔ وہاں زیادہ سے زیادہ پیداواری اثاثے تیار کیے جاسکتے ہیں ۔ چنانچہ وہاں زرعی اور صنعتی پیداواروں میں بہت اضافہ کیا جاسکتا ہے ۔ روزگار کے گوناں گوں مواقع پیدا کیے جاسکتے ہیں ۔ اور قومی آمدنی اور فی کس آمدنی کو بلند مدارج تک پہنچایا جاسکتا ہے ۔

ترقی پذیر ممالک میں تشکیل سرمایہ کو حد درجہ اہمیت حاصل ہے ۔ لیکن ایسا کیوں ہے ۔ اس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں :

(الف) ترقی پذیر ممالک میں آبادی اور بعض حالات میں زرخیز زمینیں تو کثرت سے موجود ہیں لیکن وہاں سرمائے کی شدید قلت ہے ۔

(ب) ان معشیتوں کا زیادہ تر انحصار زرعی شعبے پر ہے لیکن زرعی پیداوار قانونِ تقلیل حاصل کے تابع ہوتی ہے چنانچہ اس قانون کے ازالے کے لیے جدید آلاتِ کاشتکاری کا استعمال اشد ضروری ہے ان آلات کی پیداوار اور فراہمی تشکیل سرمایہ کے بغیر ممکن نہیں ۔

(ج) اگر مزید رقبے موجود نہ ہوں تو زرعی پیداوار کی افزائش ایک خاص حد تک ہی ممکن ہوتی ہے ۔ اس لیے ترقی پذیر زرعی ممالک کی پیداوار میں انقلابی اضافے ممکن نہیں ہو سکتے ۔ اس کے برعکس صنعتی شعبے کی توسیع و ترقی کے بہت امکانات موجود ہوتے ہیں کیونکہ یہ شعبہ قانونِ تکثیر حاصل کے تابع ہوتا ہے ۔ چنانچہ یہ ممالک پیداوار بڑھانے کے لیے صنعتی شعبے کو ترقی دینا چاہتے ہیں جس کے لیے تشکیل سرمایہ کی معقول رفتار ضروری ہے ۔

(د) اگر کسی طرح اِن ممالک میں تشکیلِ سرمایہ کی رفتار کو شرح افزائشِ آبادی کے مقابلے میں بڑھانے میں کامیابی حاصل کرلی جائے تو گویا قومی پیداوار آبادی کی صرفی ضروریات سے بڑھ جائے گی اور اس طرح شرح بچت میں اضافہ ہو جائے گا ۔ جس سے تشکیلِ سرمایہ کی رفتار تیز تر ہوتی جائے گی ۔ چنانچہ تشکیلِ سرمایہ آمدنی اور بچت کی بڑھوتی کا باعث بنے گی ۔ اور زیادہ بچتیں تشکیل سرمایہ کی رفتار کو مزید بڑھانے پر منتج ہوں گی ۔

پاکستان جیسے ممالک میں تشکیلِ سرمایہ کی رفتار بڑھانے کے لیے بچتوں کی حوصلہ افزائی کرنے کی ضرورت ہے نیز غیر ضروری یا کم ضروری صرفی اخراجات کی حوصلہ شکنی کرنے کی ضرورت ہے ۔ حکومت کم اہم لوازمات اور اشیائے تعیش پر ٹیکس بڑھا کر بچتوں کی حوصلہ افزائی کر سکتی ہے اور صرفی اخراجات میں کمی کر سکتی ہے ۔ اس سلسلے میں قومی بچت کی سکیموں کا فروغ اور نظامِ بنکاری کی توسیع اہم کردار ادا کر سکتے ہیں ۔ دیہاتوں میں موجود بے روزگار اور نیم بے روزگار افراد کو کم اُجرتوں پر سکولوں کی عمارات تعمیر کرنے سڑکیں تعمیر کرنے اور نہریں کھودنے پر لگایا جاسکتا ہے ۔ اس طرح کم لاگت سے سماجی اشیائے سرمایہ تعمیر کی جاسکتی ہیں ۔ حکومت محتاط حد تک مرکزی بنک سے زائد کرنسی نوٹ چھپوا کر اور غیر ملکی مالی امداد لے کر بھی تشکیل سرمایہ کی رفتار بڑھا سکتی ہے ۔

(iii) ٹیکنالوجی (Technology) اشیائے سرمایہ کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ کرنے اور کم خرچ اور زیادہ پیداآور فنونِ پیدائش اختیار کرنے کا عمل ٹیکنالوجی کہلاتا ہے ۔ ٹیکنالوجی کی ترقی واقع ہونے پر مداخل (Inputs) کی ایک خاص مقدار استعمال کرنے سے پیداوار کی مقدار یا اس کی قدر بڑھ جاتی ہے ۔

جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے زراعت میں انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے ۔ موجودہ صنعتوں کی پیداوار بڑھائی جاسکتی ہے ۔ اور نئی سے نئی صنعتیں قائم کی جاسکتی ہیں ۔ اگر یہ کہا جائے کہ ٹیکنالوجی ایک معجزاتی عامل ترقی ہے تو اِس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا ۔ ترقی پذیر ممالک میں جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے پیداوار میں سُرعت سے اضافہ کیا جاسکتا ہے ۔ اور خوشحالی حاصل کی جاسکتی ہے ۔ 65-1964ء سے قبل پاکستان ایک زرعی ملک

ہونے کے باوجود غذائی قلت کا شکار تھا ۔ لیکن 66-1965ء میں پاکستان کی زراعت میں کوالٹی بیجوں اور زرعی مشینوں کو استعمال کرنے کا عظیم پروگرام شروع کیا گیا جیسے سبز انقلاب (Green Revolution) کہتے ہیں ۔ یہ سبز انقلاب یعنی جدید زرعی ٹیکنالوجی ہی کی برکات ہیں کہ آج پاکستان غلے کی پیداوار میں بہت حد تک خود کفیل ہو چکا ہے ۔ نیز تمام دیگر زرعی پیداواروں کی فی ہیکٹر پیداوار میں اضافہ کیا جا چُکا ہے ۔

ترقی پذیر ممالک میں جدید ٹیکنالوجی کی ترقی کے لیے متعدد اقدامات کی ضرورت ہے ۔ تعلیم اور فنی تربیت کے ادارے ملک بھر میں پھیلا دیے جائیں تاکہ جدید مشینوں اور آلات کو استعمال کرنے والے بہت سے افراد میّسر آسکیں ۔ نیز اندرونِ ملک سائینسی تحقیق پر توجہ دی جانی چاہیے ۔ ٹیکنالوجی کے حصول کے لیے ترقی یافتہ ممالک سے فنی اور مالی امداد حاصل کی جاسکتی ہے ۔

(iv) انسانی وسائل (Human Resources) کسی ملک میں کام کرنے کے اہل افراد کی تعداد اور اُن کی پیشہ ورانہ مہارت وہاں کے انسانی وسائل (یا افرادی وسائل) ہوتے ہیں ۔ معاشی ترقی کے عوامل میں انسانی وسائل کو مرکزی اہمیّت حاصل ہے ۔ جن ممالک میں انسانی وسائل کی موزوں مقدار موجود ہوتی ہے ۔ وہاں قدرتی وسائل سے بھرپور استفادہ کیا جاسکتا ہے ۔ زرعی اور صنعتی شعبوں میں توسیع و ترقی کی جاسکتی ہے ۔ اور قومی آمدنی و فی کس آبادی میں تیزی سے اضافہ کیا جاسکتا ہے ۔

انسانی وسائل کی مقدار آبادی سے ماخوذ ہوتی ہے ۔ آبادی زیادہ ہو تو کام کرنے والے افراد کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے جبکہ آبادی کی کمی کارکنوں کی تعداد کی کمی کا باعث ہوتی ہے ۔ تاہم چونکہ انسانی وسائل میں کارکنوں کی تعداد کے ساتھ ساتھ اُن کے صِفاتی پہلو یعنی فنی مہارت کا بھی ذکر آتا ہے ۔ اس لیے یہ ممکن ہے کہ زیادہ آبادی والے کسی ملک میں انسانی وسائل کی مقدار نسبتاً کم ہو لیکن کم آبادی والے ملک میں انسانی وسائل زیادہ ہوں ۔ کسی ملک میں انسانی وسائل کے دو پہلو ہیں ۔ اوّل : آبادی کا حجم اور دوم : کارکنوں کی فنی صلاحیت ۔

اگر آبادی پیداواری وسائل کی مقدار سے مطابقت رکھتی ہو تو ترقیاتی عمل میں آبادی مثبت کردار ادا کرتی ہے ۔ وہاں کی آبادی زرخیز زمینوں ، معدنیات اور آبی وسائل

کو پوری طرح استعمال کر سکتی ہے ۔ نیز آبادی ہی کی ضروریات زندگی اس پیداوار کے لیے طلب پیدا کرتی ہیں ۔ چنانچہ ایسی کیفیت میں روزگار کا معیار بلند ہوتا ہے ۔ اور قومی پیداوار ، قومی آمدنی اور فی کس آمدنی کے معیار ممکنہ طور پر بلند ترین ہوتے ہیں ۔ آبادی کا ایسا حُجم جو پیداواری وسائل سے مطابقت رکھتا ہو معیاری آبادی (Optimum Population) کہلاتا ہے ۔ تاہم دنیا کی زیادہ تر معشیتیں ایسی ہیں جن میں آبادی کی بھرمار ہے لیکن ان کے پیداواری وسائل بہت محدود ہیں ۔ ایسی معشیتیں افراطِ آبادی (Over population) کا شکار ہوتی ہیں یہی معشیتیں پسماندہ اور نیم ترقی یافتہ ہوتی ہیں۔ ان معشیتوں میں فی کس آمدنی پَست ہوتی ہے ، کارکنوں پر منحصرین (Dependents) کا بوجھ زیادہ ہوتا ہے ۔ اس لیے گھروں میں خوراک ، لباس ، رہائش ، تعلیم اور طبّی امداد کا معیار پست ہوتا ہے ۔ معاشی ترقی کے حصول کو ممکن بنانے کے لیے کثیر الآباد (Over Populated) نیم ترقی یافتہ ممالک میں جہاں شرح افزائش آبادی کو کم کرنا ضروری ہوتا ہے وہاں زراعت ، صنعت اور دیگر معاشی شعبوں کی توسیع و ترقی بھی ناگزیر ہوتی ہے ۔ بعض ترقی پذیر ممالک نے اس طریقہ کار پر عمل کرتے ہوئے تعلیم عامہ کے فروغ اور ضبطِ تولید کی ترغیب کے ذریعے شرح افزائشِ آبادی کو کم کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے ۔ دوسری جانب اِن ممالک نے اپنی معشیتوں کی ترقی میں بھی نمایاں کامیابی حاصل کی ہے ان میں شمالی کوریا ، جنوبی کوریا تائیوان اور چین قابلِ ذکر ہیں ۔ یہ اسلوب پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں بھی اپنایا جاسکتا ہے ۔

قومی پیداوار کو بڑھانے میں کارکنوں کی فنی صلاحیت نہایت مفید کردار ادا کرتی ہے ۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ کارکنوں کی تعلیم و فنی تربیت کی سہولتوں میں اضافہ کیا جائے اور ان کی خوراک اور صحت کا معیار بلند کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی جائے ۔ معاشی ترقی میں افرادی قوت کی فنی صلاحیت اس قدر اہم کردار ادا کرتی ہے کہ اب ماہرینِ اقتصادیات کارکنوں کی تعلیم اور فنی تربیت کے اخراجات کو سرمایہ کاری کا درجہ دینے لگے ہیں ۔ چونکہ کارکن کی پیشہ ورانہ صلاحیت کو اس کی شخصیت سے جُدا نہیں کیا جاسکتا اس لیے ایسے اخراجات کے نتیجے میں جو باصلاحیت افراد تیار ہوتے ہیں انہیں انسانی سرمایہ (Human Capital) یا غیر مادی سرمایہ (Non-material Capital)

کہا جاتا ہے ۔ بہت سے ماہرین ترقی انسانی سرمائے کو مادی سرمایہ مثلاً مشینوں ، آلات اور عمارات کے مقابلے میں زیادہ اہم قرار دیتے ہیں ۔ ترقی کے متذکرہ بالا عوامل معاشی ہیں ۔ لیکن متعدد غیر معاشی عوامل بھی معاشی ترقی کو متاثر کرتے ہیں ۔ ان میں معاشرتی و سماجی عوامل اور سیاسی عوامل خصوصی اہمیّت کے حامل ہیں ۔ غیر معاشی عوامل کو ترقی کے اداری عوامل (Institutional Factors) یا غیر معاشی معینات (Non-economic Determinants) بھی کہتے ہیں ۔ ذیل میں ہم ان کا تجزیہ پیش کرتے ہیں ۔

3.4.2 معاشرتی و سماجی عوامل (Social and Cultural Factors)

کوئی بھی معاشرہ مخصوص سماجی اداروں مثلاً مذہبی اقدار ، نسلی تعلّقات ، گروہ بندی اور خاندانی ہئیت (Family Structure) پر مشتمل ہوتا ہے ۔ یہ ادارے اور مروّجہ اقدار معاشرے میں ایک فرد کا دیگر افراد سے رشتہ متعیّن کرتے ہیں ۔ جس کے نتیجے میں معاشی ترقی کے عمل کو تقویت مل سکتی ہے ۔ یا اس عمل کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہو سکتی ہیں ۔

ان معاشروں کے خدوخال میں مندرجہ ذیل خواص پائے جاتے ہیں ۔

(الف) روایت پسندی : جس معاشرہ کے لوگ روایت پسند ہوتے ہیں اور پیداوار کے طریقوں میں تبدیلیاں لانے سے گریز کرتے ہیں ۔ جس کی وجہ سے پیداوار میں مناسب اضافہ نہیں ہو پاتا ۔ اور اس طرح ایسے معاشرے میں معاشی ترقی کی رفتار سست ہوتی ہے۔

(ب) مشترکہ خاندان : پسماندہ معاشروں میں مشترکہ خاندانوں کا رواج ہوتا ہے ۔ کہ ایک باپ کے بیٹے شادی کرنے کے بعد بھی اپنے والدین کی سرپرستی میں رہتے ہیں ۔ اور آمدنی کمانے والے افراد اپنی آمدنیاں خاندان کے کسی بزرگ کے حوالے کر دیتے ہیں ۔ اس مشترکہ آمدنی سے خاندان کے تمام افراد کی کفالت ہوتی ہے ۔ مشترکہ خاندان کے خواہ کتنے ہی غیر معاشی فوائد کیوں نہ ہوں ۔ ایک بات یقینی ہے ۔ کہ ایسے خاندان کے آمدنی کمانے والے افراد زیادہ کام کرنے اور اضافی آمدنی کمانے میں دلچسپی نہیں رکھتے ۔ کیونکہ انہیں اپنی اضافی آمدنی سے کوئی براہِ راست خوشحالی حاصل نہیں

ہوتی ۔ مشترکہ خاندانوں کے آمدنی کمانے والے افراد اپنے موجودہ پیشوں اور آمدنیوں پر مطمئن رہتے ہیں ۔ اور پیشہ ورانہ تخصیصِ کار (Occupational Specialization) حاصل کرنے اور پیداوار و آمدنی بڑھانے میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے ۔

(ج) قناعت پسندی : پسماندہ معاشروں کے افراد اپنی غربت کو اپنا "مقدر" یا ارادۂ ایزدی (Will of God) قرار دیتے ہیں ۔ چنانچہ وہ زندگی کے مادی لوازمات سے محرومی کے باوجود مطمئن رہتے ہیں ۔ یہ رویّہ قناعت پسندی کہلاتا ہے ۔ قناعت پسندی مفلسی اور معاشی جمود کی سب سے بڑی وجہ ہوتی ہے ۔

(د) ضبطِ تولید : پسماندہ معاشروں میں بڑے خاندانوں کو پسند کیا جاتا ہے ۔ اور خاندان کے افراد کی کثرت کو خاندان کی طاقت تصور کیا جاسکتا ہے ۔ ایسے معاشروں میں ضبطِ تولید کے فعل کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ۔ نیز اِن معاشروں میں والدین زیادہ سے زیادہ مذکر اولاد حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ خواہ اس خواہش کی تکمیل میں بیٹیوں کی تعداد ، بیٹوں سے بڑھ ہی کیوں نہ جائے ۔ اس لیے ان معاشروں میں آبادی کی بھرمار ہوتی ہے ۔ اور شرح افزائش بہت تیز ہوتی ہے ۔ چنانچہ فی کس آمدنی پست ہوتی ہے ۔ ایسے معاشروں میں ضبطِ تولید اختیار کیے بغیر ترقی کا حصول ناممکن ہو جاتا ہے ۔

(ہ) معاشرے میں عورت کا مقام : عورت کا معاشرے میں مقام بھی معاشی ترقی کی رفتار کو براہِ راست متاثر کرتا ہے ۔ جن معاشروں میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو کمتر درجہ حاصل ہوتا ہے ۔ وہاں عورتیں فقط بچے پیدا کرنے اور خانہ داری کرنے کے لیے گھروں میں محبوس ہوتی ہیں ۔ عورتوں کو پیشہ ورانہ تخصیص کے مواقع حاصل نہیں ہوتے ۔ وہ کسی قسم کے معاشی کاروبار میں شریک نہیں ہو سکتیں ۔ عورتیں مجموعی افرادی قوت کا تقریباً نصف ہوتی ہیں ۔ تو گویا یہ نصف افرادی قوت معیشت کی پیداواری کارکردگی میں شریک نہیں ہو سکتی ۔ ایسے معاشروں میں آمدنی کمانے والے افراد کی تعداد کم اور منحصرین کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے ۔ بچت کی شرح پست ہوتی ہے ۔ اور خوراک لباس اور طبی صحت کا معیار پست ہوتا ہے ۔ المختصر ایسے معاشرے غریب ہوتے ہیں ۔ اور ان کے لیے معاشی ترقی حاصل کرنا محال ہو جاتا ہے ۔

ان کے برعکس جن معاشروں میں عورتوں کو جائز مقام دیا جاتا ہے ۔ وہاں عورتیں مردوں کے شانہ بہ شانہ تمام پیداواری کاروباروں میں شریک ہوتی ہیں ۔ ان معاشروں کے مجموعی پیداوار بلنبد ہوتی ہے ۔ فی خاندان آمدنی کا معیار بھی بلند ہوتا ہے ۔ بچت کی شرح بھی بلند ہوتی ہے ۔ اور افراد کا معیارِ زندگی تسلی بخش ہوتا ہے ۔ دنیا میں یہی وہ معاشرے ہوتے ہیں ۔ جو معاشی طور پر خوشحال ہوتے ہیں ۔

3.4.3 سیاسی عوامل(:) (Political Factors)

معاشی ترقی میں سیاسی عوامل کی اہمیت بھی کسی قدر نہیں ہے سیاسی عوامل میں نظامِ حکومت ، مقتدر پارٹی کا معاشی منشور اور سیاسی استحکام و عدم استحکام شامل ہوتے ہیں ۔

(الف) نظامِ حکومت : جن ممالک میں مطلق العنانیت قائم ہوتی ہے ۔ وہاں حکمرانوں کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ اقتدار کو برقرار رکھنا اور اسے مضبوط بنانا ہوتا ہے ۔ اگر اسے حکمرانوں کو عوام کی تائید حاصل نہ ہو (موجودہ زمانے میں ایسے حکمرانوں کو عوام کی حمایت حاصل نہی ہو سکتی) تو وہ قومی وسائل کا کثیر حصہ افواج ، پولیس اور سیکورٹی کے اداروں کی قوت بڑھانے اور نظم و نسق کو مضبوط بنانے پر نیز ذاتی اثاثوں میں اضافہ کرنے پر خرچ کرتے ہیں ان حکمرانوں کو تعلیم عامہ کو ترقی دینے ، پیداواری ادارے قائم کرنے اور عوام الناس کی معاشی خوشحالی کے لیے منصوبہ بندی کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی ۔ اور نہ ہی ان مقاصد کے لیے مطلوبہ وسائل دستیاب ہوتے ہیں ۔ ایسے ممالک میں عام افراد حد درجہ کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں اگر ایسے حکران معاشی ترقی میں دلچسپی لیتے بھی ہوں تو ترقی کے ثمرات کی تقسیم حد درجہ غیر منصفانہ ہوتی ہے ۔ کیونکہ صنعت و حرفت ، تجارت اور معدنی وسائل سے حاصل ہونے والی خوشحالی پر خود حکمران اور ان کے چند حاشیہ بردار خاندان قابض ہوتے ہیں ۔ اور عوام تادم مرگ مفلسی اور محرومی کی زندگی بسر کرتے ہیں ۔ لیکن جب دولت کی تقسیم کی ناہمواری اور سیاسی استبداد حد سے بڑھ جاتے ہیں ۔ تو عوام اپنے سیاسی اور معاشی حقوق کے لیے اس طرح کمر بستہ ہوتے ہیں ۔ کہ وہ بالآخر مطلق العنانیت کا صفایا کر دیتے ہیں ۔ ایران میں سابق شہنشاہ رضا شاہ پہلوی کا دور اسی زمرے میں آتا

ہے ۔

(ب) سیاسی استحکام: جن ترقی پذیر ممالک میں سیاسی استحکام پایا جاتا ہے ۔ وہاں اوسط المعیاد اور طویل المعیاد منصوبہ بندی کی جاسکتی ہے ۔ معاشی ترقی میں مدد دینے والے اداروں کو مستحکم اور فعال بنایا جاسکتا ہے ۔ نجی سرمایہ کاری کے لیے اعتماد کی فضا قائم کی جاسکتی ہے ۔ بڑے بڑے ترقیاتی پراجیکٹوں کے لیے پروگرام مرتب کیے جاسکتے ہیں ۔ اور ان پروگراموں کے لیے اندرون ملک یا غیر ممالک سے بھاری مقدار میں مالی وسائل فراہم کیے جاسکتے ہیں ۔ سیاسی استحکام کے دور میں حکومت کی ٹیکسوں کی وصولیاتی کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے ۔ چنانچہ حکومت کے مالی وسایل بڑھتے ہیں ۔ اور ان وسائل کو معاشی ترقی کے لیے بنیادی تحتی ڈھانچہ قائم کرنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے ۔ اس کے برعکس سیاسی عدم استحکام ترقی کے راستے میں روکاوٹ بنتا ہے ۔

3.5 معاشی منصوبہ بندی (Economic Planning)

آزاد کاروباری نظام میں اور سرمایہ دارانہ نظام میں افراد کو اپنی آمدنیوں منیں سے کم یا زیادہ صرف کرنے اور کم یا زیادہ بچت کرنے کا اختیار ہوتا ہے ۔ چنانچہ بچت اور سرمایہ کاری کے بارے میں لاکھوں صارفین اور آجرین کے آزاد فیصلے قومی بچت قومی سرمایہ کاری اور مجموعی صرف کے معاشی متغیرات میں عدم توازن پیدا کر دیتے ہیں ۔ کبھی صرف حد سے زیادہ اور بچت کم اور کبھی بچت معقول حد سے زیادہ اور صرفی اخراجات کم ہو جاتے ہیں ۔ نیز یا تو سرمایہ کاری بچت کے مقابلے میں کم ہوتی ہے ۔ یا اس سے تجاوز کر جاتی ہے ۔ ان حالات میں معیشت لامحالہ طور پر عدم استحکام کا شکار ہوتی ہے ۔ قومی وسائل کا ضیاع ہوتا ہے ۔ اور قومی پیداواری حجم معاشی ترقی کی رفتار غیر یقینی ہوتے ہیں ۔ ان نقصانات سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ قومی سطح پر صرف بچت اور سرمایہ کاری کی مقداروں کو اس طرح متاثر کیا جائے ۔ کہ ان میں توازن برقرار رہے ۔ نیز قومی وسائل کے بھرپور استعمال کے لیے ترغیبات مہیا کی جائیں اور معاشی ترقی کی شرح کو پیشگی طے شدہ اہداف کے مطابق بڑھایا جائے ۔ بلاشک یہ کام حکومت ہی سرانجام دے سکتی ہے ۔ یا پھر اسے حکومت کی سرپرستی اور اس کی نگرانی میں کام

کرنے والے مخصوص قومی ادارے سرانجام دے سکتے ہیں ۔ حکومت کی اسی کارروائی کو منصوبہ بندی کہتے ہیں ۔ جب حکومت کی منصوبہ بندی معیشت کے تمام شعبوں پر، محیط ہوتی ہے تو اسے جامع منصوبہ بندی (Comprehensive Planning) کہتے ہیں ۔

موجودہ باب میں یہ تذکرہ جامع منصوبہ بندی سے متعلق ہو گا ۔

3.5.1 معاشی منصوبہ بندی کی تعریف
(Definition of Economic Planning)

منصوبہ بندی کی کوئی متفقہ تعریف پیش کرنے میں کچھ مشکلات حائل ہیں ۔ مختلف معیشتوں میں ، معاشی ڈھانچے (یعنی نجی اور سرکاری شعبوں کی نسبتی اہمیت) میں فرق ہوتا ہے ۔ نیز ہر معیشت ترقی کے خاص مرحلے پر ہوتی ہے ۔ دریں حالات مختلف معیشتوں کے ترقیاتی تقاضوں ، ترجیحات ، (Priorities) اور حکمت عملی (Strategy) میں فرق پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ منصوبہ بندی کی ایک ایسی تعریف پیش کرنا مشکل ہے ۔ جو تمام معیشتوں کے حوالے سے درست ہو ۔

تاہم ذیل میں معاشی منصوبہ بندی کی ایسی تعریفیں پیش کرتے ہیں جو اکثر ترقی پذیر معیشتوں پر صادق آتی ہیں ۔

تعریف : "معاشی منصوبہ بندی سے مراد مجموعی معاشی نظام کے جامع جائزے کی بنیاد پر مخصوص اتھارٹی کے بڑے بڑے معاشی فیصلے ہیں ۔ کہ کونسی اشیاء پیدا کی جائیں ۔ اشیاء کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں ۔ اور ان اشیاء کو کن افراد میں تقسیم کیا جائے ۔"

ایچ ۔ ڈی ۔ ڈکنسن (H.D. Dickinson)

منصوبہ بندی کی ایک مقبول عام تعریف اس طرح ہے ۔

"معاشی منصوبہ بندی سے مراد کسی مرکزی تنظیم کی وہ شعوری کوشش ہے ۔ جس کا مدعا یہ ہوتا ہے ۔ کہ ایک خاص عرصہ میں پیشگی طے شدہ مقاصد کے مطابق کسی ملک یا علاقے کی معیشت کے بڑے بڑے معاشی متغیرات (مثلاً صرفی اخراجات ، بچت اور سرمایہ کاری وغیرہ) کو متاثر کیا جائے ۔ اور ان میں خاص سمت میں تبدیلیاں پیدا کی جائیں ۔ اور بعض حالات میں ان متغیرات کی تبدیلیوں پر براہِ راست کنٹرول کیا

جائے"۔ مائیکل ٹوڈیرو (Michael P. Todaro)

اہم نکات : متذکرہ بالا تعریفوں کے مطالعہ سے جو اہم نکات سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں ۔

(i) کوئی بھی منصوبہ تیار کرنے کے لیے ایک ایسی مرکزی اتھارٹی کا قیام ضروری ہوتا ہے ۔ جو معاشرے کے وسیع تر مفاد کی خاطر ترقی کے قابل عمل ماڈل تیار کرتی ہے ۔

(ii) یہ اتھارٹی ملک میں موجود پیداواری وسائل کا جائزہ لے کر مختلف شعبوں کے لیے ترقی پیشگی مقداری ہدف مقرر کرتی ہے ۔

(iii) منصوبے کا تعلق ایک خاص معیشت سے اور ایک خاص عرصہ وقت سے ہوتا ہے ۔

(iv) سرکاری شعبے میں حکومت براہِ راست سرمایہ کاری کرتی ہے ۔ اور اس طرح وہ پیداوار ، قومی آمدنی اور روزگار میں اضافہ کرتی ہے۔ جبکہ نجی شعبے میں اخراجات کو مطلوبہ معیار تک پہنچانے کے لیے حکومت ایسے مالیاتی اقدامات (Fiscal Measures) کرتی ہے ۔ جن کے ذریعے نجی صارفین اور آجرین کو صرفِ دولت اور بچت سرمایہ کاری کرنے کے لیے ترغیبات دی جاتی ہیں ۔ یا پھر اس مقصد کے حصول کے لیے مختلف قسم کی پابندیاں نافذ کی جاتی ہیں ۔

(v) جامع منصوبے کا تعلق معیشت کے تمام شعبوں سے ہوتا ہے ۔ اور ان شعبوں کی پیش قدمی میں ہم آہنگی پیدا کی جاتی ہے ۔

(vi) کُل معاشی متغیرات مثلاً صرفی اخراجات ، بچت ، سرمایہ کاری ، درآمدات و برآمدات اور شرح افزائش آبادی وغیرہ میں خاص سمت میں تبدیلیاں پیدا کرنے سے مراد یہ ہے۔ کہ یہ تبدیلیاں وسیع تر معاشرتی فلاح کے لیے کی جاتی ہیں ۔

3.5.2 پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں منصوبہ بندی کا جواز (Justification for Planning in Developing Countries like Pakistan

اکثر ترقی پذیر ممالک میں مخلوط معیشتیں قائم ہیں ۔ ان میں نجی سرمایہ کاری کو بہت اہمیت حاصل ہوتی ہے ۔ آجرین یہ سرمایہ کاری فقط ذاتی منافع کی غرض سے کرتے

ہیں ۔ انہیں مفادِ عامہ اور مزدوروں کی بھلائی سے کوئی غرض نہیں ہوتی ۔ آجرین ایسے کاروباروں میں روپیہ لگاتے ہیں ۔ جن میں منافع کی شرح بلند ہو ۔ لیکن وہ ایسے پراجیکٹوں پر سرمایہ کاری نہیں کرتے ۔ جن میں منافع کی شرح کم ہو ۔ خواہ یہ پراجیکٹ ملکی معیشت بلکہ ملکی سالمیت کے لیے کتنے ہی اہم کیوں نہ ہوں ۔ چنانچہ آجرین طویل المیعادی اور کم منافع بخش پراجیکٹوں مثلاً ذرائع نقل و حمل و مواصلات کی توسیع ، ڈیموں اور بجلی گھروں کی تعمیر ، نہروں کی کھدائی ، کم خرچ تعلیمی اور طبی سہولتوں کی فراہمی وغیرہ پر سرمایہ کاری کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ۔

ترقی پذیر ممالک میں دولت اور آمدنی کی معاشرتی تقسیم بہت غیر ہموار ہوتی ہے ۔ بڑے بڑے زمیندار ، صنعتکار ، سرمایہ دار اور تاجر بیشتر قومی دولت پر قابض ہوتے ہیں اور ان کی آمدنیاں بلند ہوتی ہیں ۔ لیکن نوے فیصد سے زیادہ آبادی محدود آمدنی والے افراد ، غریب کسانوں اور صنعتی مزدوروں پر مشتمل ہوتی ہے ۔ ان افراد کی آمدنیاں پست ہوتی ہیں ۔ اگر ان معشیتوں میں حکومت کا عمل دخل نہ ہو تو قیمتوں کا نظام ایسی ڈگر پر چلتا ہے کہ امیر تو امیر ہوتے جاتے ہیں ۔ لیکن نچلے طبقے کے افراد کی معاشی حالت ابتر ہی رہتی ہے اور آجرین ، عام مزدوروں اور عام صارفین کا استحصال کرتے رہتے ہیں ۔ یہ صورت حال کسی طور تسلی بخش قرار نہیں دی جاسکتی ۔ چنانچہ ترقی پذیر ممالک میں ترقی کی شرح بڑھانے اور ترقی کے ثمرات عوام الناس تک پہنچانے کے لیے حکومتی منصوبہ بندی ناگزیر ہوتی ہے ۔

(الف) بہتر حکومتی فیصلے : نجی آجروں کے مقابلے میں حکومتی فیصلے بہر حال ان امور کے بارے میں بہتر ہوتے ہیں ۔ کہ معشیت میں کون کون سی اشیاء پیدا کی جائیں ۔ یہ اشیاء کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں اور انہیں کن افراد میں تقسیم کیا جائے ۔؟ نجی آجرین کو ذاتی مفاد سے غرض ہوتی ہے ۔ جبکہ حکومت مجموعی معشیت کے استحکام اس کی ترقی اور عوام الناس کے فلاح کی ذمہ دار ہوتی ہے ۔ چنانچہ متذکرہ امور کے بارے میں صرف حکومت کے فیصلے ہی بہتر ہو سکتے ہیں ۔ نیز حکومت ہی اس بارے میں اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے مطلوبہ جذبہ ، معلومات ، ٹیکنالوجی اور دیگر وسائل رکھتی ہے ۔

(ب) دولت اور آمدنی کی منصفانہ تقسیم : غیر منصوبہ بند ترقی پذیر ممالک (Unplanned Developing Countries) میں معاشرتی سطح پر دولت اور آمدنی کی تقسیم میں بہت بے اعتدالی پائی جاتی ہے ۔ امیر لوگ اپنی دولت کو کاروبار میں لگا کر مزید آمدنی اور دولت پیدا کر سکتے ہیں اور وہ امیر تر ہوتے جاتے ہیں ۔ جبکہ غربأ کی آمدنیاں محدود ہوتی ہیں ۔ لیکن مہنگائی کے نتیجے میں ان کی قوتِ خرید یعنی حقیقی آمدنی گرتی چلی جاتی ہے اور اس طرح ان کی غربت اور محرومی میں اضافہ ہوتا ہے ۔ یہ صورتِ حال معاشرتی انصاف کے منافی ہے ۔ منصوبہ بندی کے تحت حکومت ٹیکسوں اور انتقالی آمدنیوں کے ذریعے امیروں اور غریبوں کی معاشی حالت کے فرق کو کم کر سکتی ہے ۔

(ج) بنیادی سماجی املاک : معاشرتی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں ہوتی ۔ جب تک کہ ملک میں مطلوبہ بنیادی سماجی املاک (Basic Social Capital) مثلاً ذرائع نقل و حمل ، ذرائع آبپاشی ، تعلیم و تربیت کے ادارے ، ہسپتال ، ڈیم اور بجلی گھر ، ذرائع مواصلات اور تحقیق گاہیں ۔ وغیرہ موجود نہ ہوں۔ ترقی کے یہ بنیادی لوازمات جنہیں ترقی کا بنیادی ڈھانچہ بھی کہتے ہیں ۔ نجی آجرین مہیا نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ ایسی املاک پر سرمایہ کاری کرنے سے منافع عرصہ طویل کے بعد حاصل ہوتا ہے ۔ اور منافع کی شرح پست ہوتی ہے ۔ نیز آجرین کے پاس اس قدر مالی وسائل بھی نہیں ہوتے ۔ یہ بنیادی سماجی املاک حکومت ہی منصوبہ بندی کے ذریعے تیار کر سکتی ہے ۔

(د) قومی وسائل کا بھرپور استعمال : غیر منصوبہ بند معیشتوں میں کارکنوں کی کثیر تعداد بیروزگار ہوتی ہے ۔ اور دیگر پیداواری وسائل مثلاً زرعی اراضی ، آبی وسائل اور معدنیات سے بھرپور استفادہ نہیں کیا جاتا ۔ حکومت منصوبہ بندی کے ذریعے اخراجات میں اس قدر اضافہ کرتی ہے کہ پیداوار کی طلب میں معقول اضافہ ہو اور اسی اضافی طلب کو پورا کرنے کے لیے آجرین سرمایہ کاری کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ کارکنوں کو روزگار مہیا کریں ۔ نیز جب حکومت تعمیرات عامہ پر اخراجات کرتی ہے تو اس سے بھی لاکھوں افراد کو روزگار ملتا ہے ۔ علاوہ ازیں حکومت زرعی رقبوں کو بروئے کار لانے کے لیے زرعی اصلاحات نافذ کرتی ہے ۔ کاشتکاری کے لیے موجودہ جدید مداخل مثلاً ٹریکٹر ، کھاد اور کوالٹی بیج فراہم کرتی ہے ۔ معدنی پیداوار بڑھانے کے لیے مطلوبہ ٹیکنالوجی اور

مالی وسائل کا بندوبست کرتی ہے ۔ اس کے نتیجے میں قومی پیداوار ، قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ واقع ہوتا ہے ۔

(ہ) صارفین اور کارکنوں کے مفاد کا تحفظ : منصوبہ بندی کے ذریعے حکومت عام صارفین کی ضرورت کی اشیاء سستے داموں اور کافی مقدار میں مہیا کرتی ہے ۔ نیز صنعتی کارکنوں کے لیے کم از کم اُجرت کی حد مقرر کرتی ہے ۔ حکومت زرعی پیداوار میں سے زمیندار اور مزارعین کے حصّوں کو قانونی طور پر متعین کرتی ہے ۔ حکومتی منصوبہ بندی کی عدم موجودگی میں نجی آجرین ضرورت کی عام صرفی اشیاء کی قلت پیدا کرتے ہیں ۔ تاکہ یہ اشیاء بلند نرخوں پر بیچی جاسکیں ۔ نیز صنعتکار اور زمیندار کارکنوں کا استحصال کرتے ہیں ۔

(و) توازنِ ادائیگی کی اصلاح : ترقی پذیر ممالک کی درآمدات زیادہ لیکن برآمدات کم ہوتی ہیں ۔ اس لیے وہ توازنِ ادائیگی کے خسارے سے دو چار رہتی ہیں ۔ حکومت منصوبہ بندی کے ذریعے برآمدات کو بڑھانے کے لیے ضروری اقدامات کرتی ہے ۔ مثلاً نئی منڈیاں تلاش کی جاتی ہیں ۔ دوسرے ممالک سے تجارتی معاہدے کیے جاتے ہیں ۔ اور برآمدی تاجروں کو اعانے دیے جاتے ہیں ۔ دوسری جانب درآمدات میں کمی کرنے کے لیے حکومت سامانِ تعیش اور دیگر غیر ضروری اشیاء کی درآمد پر پابندیاں نافذ کرتی ہے ۔ اور ان پر بھاری درآمدی ٹیکس عائد کرتی ہے ۔ بعض دیگر درآمدی اشیاء کے درآمدی کوٹے (Import Quotas) مقرر کرتی ہے ۔ اور ممکنہ طور پر درآمدات کے بدل درونِ ملک تیار کرنے کا بندوبست کرتی ہے ۔

(ز) تشکیلِ سرمایہ اور ٹیکنالوجی : حکومت منصوبہ بندی کے ذریعے بچتوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے ۔ اور ٹیکس کے نظام کو مستعد بناتی ہے ۔ نیز نجی اور سرکاری شعبوں میں سرمایہ کاری میں اضافہ کرنے کے لیے اقدامات کرتی ہے اس کے نتیجے میں تشکیل سرمایہ کی رفتار تیز ہوتی ہے ۔ حکومت ٹیکنالوجی کی ترقی کے لیے ملک میں بڑی بڑی تحقیق گاہیں قائم کرتی ہے ۔ علاوہ ازیں حکومت ترقی یافتہ ممالک سے جدید ٹیکنالوجی درآمد کر لیتی ہے۔

(ح) مسئلہ افراطِ آبادی : ترقی پذیر معیشتوں میں آبادی ایک دھماکے کی صورت

اختیار کر چکی ہے ۔ اور شرح افزائش آبادی بلند ہے ۔ حکومت افزائش آبادی کو کم کرنے کے لیے خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کا پرچار کرتی ہے ۔ اور ضبطِ تولید کے طریقے اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہے ۔

3.5.3 معاشی منصوبہ بندی کے مقاصد
(Objectives of Economic Planning)

ہر معیشت کے مخصوص معاشی مسائل ہوتے ہیں ۔ انہی مسائل کی روشنی میں منصوبہ بندی کے مقاصد طے کیے جاتے ہیں ۔ چونکہ یہ تمام مقاصد اہمیت کے لحاظ سے ایک جیسے نہیں ہوتے ۔ اس لیے منصوبہ تیار کرتے ہوئے ان مقاصد کی ترجیحات (Priorities of objectives) کا تعین کیا جاتا ہے ۔ کسی معیشت میں سب سے اہم مسئلہ افراطِ آبادی ہو سکتا ہے۔ کسی دوسری معیشت میں توازنِ ادائیگی کی خرابی اور غیر ملکی قرضوں کا بوجھ ، کسی اور معیشت میں سنگین ترین مسئلہ بیروزگاری کا ہو سکتا ہے ۔ تاہم جامع منصوبہ بندی کے مقاصد میں ان تمام مسائل کا حل شامل ہوتا ہے ۔ اور مقاصد کی ترجیحات کے مطابق ان کے حصول کے لیے زیادہ یا کم اخراجات کیے جاتے ہیں ۔

ایک جامع منصوبہ بندی کے نمایاں مقاصد مندرجہ ذیل ہوتے ہیں ۔

(i) قومی آمدنی میں اضافہ : یہ جامع معاشی منصوبے کا مقصد اعلیٰ یہ ہوتا ہے کہ ملک کی حقیقی قومی آمدنی میں بیش از بیش اضافہ کیا جائے تاکہ لوگوں کو ضرورت کی اشیاء زیادہ سے زیادہ مقدار میں میّسر آئیں ۔ اور ان کا معیار زندگی بلند ہو جائے ۔ پاکستان کے چھٹے پنج سالہ منصوبے (88-1983) کا سب سے بڑا ہدف یہ ہے ۔ کہ اس عرصہ میں خام ملکی پیداوار (G.D.P) میں 6.5 فیصد سالانہ کی شرح سے اضافہ کیا جائے گا :

(ii) فی کنبہ حقیقی آمدنی میں اضافہ : فی کنبہ یا پھر فی کس آمدنی میں اضافہ کرنے کے لیے بیک وقت دو مقاصد کا حصول ضروری ہے ۔ ایک تو یہ کہ قومی آمدنی میں اضافہ کیا جائے ۔ اور دوسری جانب آبادی کی بڑھوتی کی شرح کو کم کیا جائے ۔ صرف اِسی صورت میں ایک عام گھرانے یا اوسط شہری کی معاشی حالت کو صحیح معنوں میں بہتر بنایا جاسکتا ہے ۔ جامع منصوبہ بندی میں دونوں طریقے اختیار کر کے فی کنبہ حقیقی آمدنی

بڑھائی جاتی ہے ۔ پاکستان کے چھٹے پانچسالہ منصوبے میں یہ ہدف مقرر کیا گیا ۔ کہ فی کنبہ حقیقی آمدنی میں 20 فیصد اضافہ کیا جائے گا ۔

(iii) روزگار میں اضافہ : ترقی پذیر معیشتوں میں بیروزگار افراد کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے ۔ اس تیز شرح افزائش آبادی کے نتیجے میں ہر سال افرادی قوت میں جس رفتار سے اضافہ ہوتا ہے ۔ اسی رفتار سے روزگار کے مواقع پیدا نہیں کیے جاسکتے ۔ چنانچہ ان ممالک میں منصوبہ بندی کا ایک اہم مقصد یہ ہوتا ہے ۔ کہ روزگار کے گوناگوں مواقع پیدا کیے جائیں ۔ تاکہ بڑھتی ہوئی افرادی قوت کو ذریعۂ آمدنی مہیا کیا جاسکے ۔ پاکستان کے چھٹے پانچسالہ منصوبے میں چالیس لاکھ بے روزگار افراد کے لیے روزگار کے مواقع پیدا کرنے کا ہدف طے کیا گیا ہے ۔

(iv) غذائی خودکفالت : بہت سے ترقی پذیر ممالک میں غذائی قلت کا مسئلہ درپیش ہے ۔ اس لیے غذائی خودکفالت حاصل کرنا ان کے منصوبوں کا اہم ترین مقصد ہوتا ہے۔ ماضی میں پاکستان بھی ایک طویل عرصہ تک غذائی قلت سے دوچار رہا ۔ حکومت نے منصوبہ بندی کے ذریعے زرعی شعبے میں سبز انقلاب (Green Revolution) برپا کیا ۔ اور اب اسی کوشش کے نتیجے مین ملک خودکفالت حاصل کرچکا ہے ۔

(v) صنعتی ترقی : کوئی ترقی پذیر معیشت صنعتی شعبے کی پیش قدمی کے بغیر مجموعی معاشی ترقی حاصل نہیں کرسکتی ۔ اس لیے ان ممالک میں جو ترقیاتی منصوبے تیار کیے جاتے ہیں ۔ ان کا ایک مقصد صنعتی پیداوار کی افزائش ہوتی ہے ۔ حکومتِ پاکستان نے نجی صنعتی شعبے میں سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے لیے غیر ضروری پابندیوں کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا ہے ۔ حکومت نے نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی بھی ہمارے ترقیاتی منصوبوں کا حصہ ہے ۔

(vi) معیشت کی تنویع : ترقی پذیر معیشتوں کا زیادہ تر انحصار زرعی پیدوار ہوتا ہے لیکن چونکہ زراعت غیر یقینی موسمی حالات کے تابع ہوتی ہے ۔ اس لیے ان معیشتوں میں فقط زرعی آمدنی کی بنیاد پر کوئی طویل المعیاد منصوبہ بندی نہیں کی جاسکتی ۔ چنانچہ قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں یقینی اضافے کرنے کے لیے قومی پیداوار میں صنعت ، تعمیرات ، کان کنی ، ذرائع نقل و حمل اور دیگر شعبوں کا حصہ بڑھانے کی

ضرورت ہوتی ہے ۔ اسے معیشت کی تنویع کہتے ہیں ۔ جو کہ دیگر ترقی پذیر ممالک کی طرح پاکستان کی منصوبہ بندی کا ایک اہم مقصد ہوتا ہے ۔

(vii) قیمتوں کا استحکام : حکومت منصوبہ بندی کے ذریعے قیمتوں میں استحکام پیدا کرتی ہے ۔ تاکہ عام شہریوں کی قوتِ خرید اور ان کے معیارِ زندگی کو گرنے نہ دیا جائے ۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حکومت مالیاتی اقدامات کرتی ہے ۔ مرکزی بنک کی زری پالیسی کو بھی اس مقصد سے ہم آہنگ کیا جاتا ہے۔

3.5 منصوبے کی حکمتِ عملی (Strategy of the Plan)

منصوبے کا کوئی ایک مقصد کئی متبادل طریقوں سے پورا کیا جاسکتا ہے ۔ مثلاً اگر درپیش مقصد زرعی پیداوار بڑھانا ہو تو اس کے لیے ایک ممکنہ طریقہ تو کاشت وسیع (Extensive Cultivation) ہے ۔ جس کے تحت مزید زرعی رقبوں کو زیرِ کاشت لایا جاتا ہے۔ اور دوسرا ممکنہ طریقہ کاشت عمیق (Intensive Cultivation) کا ہے ۔ جس کے تحت موجودہ اراضی پر زرعی مداخل کی مقدار بڑھائی جاتی ہے۔ اور ان کی بہتر کوالٹی استعمال کی جاتی ہے ۔ منصوبہ ساز اتھارٹی ان دونوں طریقوں کی لاگت کا موازنہ کرتی ہے ۔ اور ان میں سے جس طریقے پر لاگت کم آتی ہو ۔ وہی طریقہ استعمال کیا جاتا ہے۔ منصوبے کے مقاصد کے حصول کے لیے مختلف اور متبادل طریقوں میں سے نسبتاً سستے اور بہتر طریقے کے انتخاب کو منصوبے کی حکمتِ عملی کہتے ہیں ۔

مختلف معاشی نظامات کی حامل معیشتوں میں منصوبے کی حکمتِ عملی مختلف ہوتی ہے ۔ بلکہ ایک ہی نظام کی حامل معیشت میں ترقی کے مختلف مدارج پر منصوبوں کی حکمتِ عملی میں تبدیلی آسکتی ہے ۔

منصوبہ سازی کرتے ہوئے چند نہایت اہم مقاصد کے لیے حکمتِ عملی کا تعین کرنا پڑتا ہے ۔ مثلاً اگر ایک خاص مدت کے منصوبے میں مجموعی معاشی پیداوار کا ہدف مقرر کیا جاچکا ہے ۔ تو منصوبہ سازوں کو اس بات کا فیصلہ کرنا ہوگا کہ معیشت کے اہم اور متفرق شعبوں کی ترقی کے لیے کیا اہداف مقرر کیے جائیں ۔ کہ مجموعی پیداوار کا ہدف پورا ہو جائے ۔ اسی طرح اگر توازنِ تجارت کی خرابی کو دُور کرنا مقصود ہو۔ تو اس بارے

میں یہ حکمتِ عملی طے کرنی ہوگی ۔ کہ برآمدات بڑھانے اور درآمدات کے بدل اندرون ملک تیار کرنے کے طریقوں کو کس نسبت سے اختیار کیا جائے ۔ کہ ان پر سرمایہ کاری کے اخراجات کم ازکم ہوں ۔ نیز درآمدی و برآمدی محصولات سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی زیادہ سے زیادہ ہو ۔ علاقائی معاشی تفاوت (Regional Economic Disparity) کو دُور کرنے ، مختلف پیداواری شعبوں کے درمیان قومی وسائل کی تخصیص (Resource Allocation) کرنے اور روزگار بڑھانے کے مقاصد کے حصول کے لیے ہی حکمتِ عملی طے کرتے ہوئے یہی اسلوب اختیار کیا جاتا ہے ۔

3.6 پاکستان میں ترقیاتی منصوبہ بندی (Development Planning in Pakistan)

پاکستان میں ابتدائی مشکلات کے باوجود منصوبہ بندی پر 1948ء سے عمل شروع کر دیا گیا ۔ اس سال ایک ترقیاتی بورڈ قائم کیا گیا ۔ جسکے ذمہ یہ کام تھا ۔ کہ صوبائی حکومتوں کے تیار کردہ منصوبوں میں ربط پیدا کرے ، قومی سطح پر ترجیحات کا تعین کرنے اور ترقیاتی پراجیکٹوں کے کام کی نگرانی کرے ۔ اسی دوران ایک پلاننگ ایڈوائزی بورڈ (Planning Advisory Board) بھی قائم کیاگیا یہ بورڈ حکومت کو ترقیاتی منصوبہ سازی میں فنی مشورے دیتا تھا ۔ لیکن جلد ہی اس بورڈ کی جگہ ایک پلاننگ کمیشن (Planning Commission) قائم کیاگیا ۔ تاکہ منصوبہ سازی کو باضابطہ اور زیادہ فعال بنایا جائے ۔

1951ء میں ترقیاتی بورڈ نے برطانوی دولتِ مشترکہ کے ایماء پر جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کے لیے تیارکردہ کولمبو پلان کے تحت ایک چھ سالہ ترقیاتی پروگرام تیار کیا ۔ بعدازاں اس منصوبے پر عمل درآمدگی کی ذمہ داری پلاننگ کمیشن کو سونپ دی گئی یہ منصوبہ عام طور پر کامیاب ثابت ہوا ۔ پاکستان میں صنعتی پیداوار کا اشاری عدد 1950ء میں 100 سے بڑھ کر 1954ء میں 285 ہو چکا تھا ۔ تاہم کچھ شعبوں میں ترقیاتی ہدف پورے نہ کیے جاسکے ۔

پاکستان میں باقاعدہ اوسط المیعاد بجامع منصوبہ بندی کا آغاز 1955ء میں ہوا ۔ جب پہلا پانچ سالہ منصوبہ شروع کیا گیا ۔ اس منصوبے کے اہم ترین مقاصد ، قومی وسائل

کو بہتر طور پر استعمال کرنا، عوام کا معیارِ زندگی بلند کرنا اور معیشت کا بنیادی تحتی ڈھانچہ تیار کرنا تھے۔ منصوبے کی مدّت کے دوران 1080 کروڑ روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ اور قومی آمدنی میں 15 فیصد اضافے اور فی کس آمدنی میں (سات) فیصد اضافے کے اہداف مقرر کیے گیے۔

دوسرے پانچ سالہ منصوبے (65-1960) کے دوران 2300 کروڑ روپے خرچ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور قومی آمدنی و فی کس آمدنی میں علی الترتیب 24 فیصد اور 12 فیصد اضافہ کرنے کے اہداف مقرر کیے گئے۔ یہ منصوبہ زبردست کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ اور کئی شعبوں میں ہدف سے بڑھ کر ترقی حاصل ہوئی۔ اس منصوبے کی کامیابی کے پیشِ نظر ایک بیس سالہ طویل المیعاد تناظری منصوبہ (85-1965) تیار کیا گیا۔ جو حسبِ پروگرام چار پانچ سالہ ترقیاتی منصوبوں پر مشتمل تھا۔ تناظری منصوبے میں خام قومی پیداوار میں چار گنا اضافہ کرنے اور فی کس آمدنی کو بڑھا کر 932 روپے کر دینے کا ہدف مقرر کیا گیا۔

تیسرے پانچ سالہ منصوبے (70-1965) میں مجموعی طور پر 5200 کروڑ روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا اور اہداف یہ مقرر کیے گیے کہ کل قومی پیداوار میں 37 فیصد اور فی کس آمدنی میں 20 فیصد سے زائد اضافہ کیا جائے گا۔

چوتھے پانچ سالہ منصوبے (75-1970) کے ابتدا ہی سے ملک میں سیاسی حالات خراب ہونے لگے۔ مشرقی پاکستان میں مرکز گُریز قوتیں شدت اختیار کرتی جارہی تھیں۔ منصوبے کے آغاز کے اٹھارہ ماہ بعد مشرقی پاکستان علٰحدہ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا۔ چنانچہ حکومت نے اس منصوبے کو منسوخ کر دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ جب تک ملک کے سیاسی حالات درست نہیں ہوتے اس وقت تک سالانہ ترقیاتی پروگراموں کے ذریعے ترقیاتی اخراجات کیے جائیں گے لہٰذا 1971 تا 1978 کے عرصے میں سالانہ ترقیاتی پروگراموں کے ذریعے ہی منصوبہ بندی کی گئی۔

پانچویں پانچ سالہ منصوبے (83-1978) میں 210.2 بلین روپے کے ترقیاتی اخراجات کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور اس عرصہ میں خام قومی پیداوار میں 7.2 فیصد سالانہ اور فی کس آمدنی میں 4.2 فیصد سالانہ اضافہ کے اہداف مقرر کیے گیے۔

3.6.1 پاکستان کا چھٹا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ 88-1983
(Sixth Five year Development Plan of Pakistan)

چھٹا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ پاکستان میں اوسط المعیاد منصوبہ بندی کی ایک اہم کڑی ہے ۔ اس منصوبے کا آغاز یکم جولائی 1983 سے ہوا ۔

منصوبے کا سائز (Size of Plan)

اس منصوبے پر مجموعی طور پر 490 بلین روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا اس رقم میں سے 200 بلین روپے نجی شعبے میں اور 290 بلین روپے سرکاری شعبے میں خرچ کرنے کا فیصلہ کیا گیا ۔

منصوبے کی حکمتِ عملی (Strategy of the Plan)

اس منصوبے کی حکمت عملی کے نمایاں پہلو یہ ہیں ۔

1- معیشت میں پیداوار کی مضبوط بنیاد قائم کی جائیگی اور معاشی افزائش کو آبادی کے مختلف طبقات میں منصفانہ طور پر تقسیم کیا جائے گا ۔

2- بہتر مستقبل کے لیے معاشی افزائش کی رفتار کو تیز کیا جائے گا ۔

3- معاشی ترقی اس وقت تک بے معانی ہوگی جب تک کہ ترقی کے اثرات آبادی کے غریب طبقات تک نہیں پہنچ جاتے ۔ نیز حقیقی معاشی ترقی کے حصول کے لیے یہ لازم ہے کہ آبادی کی اکثریت معاشی کارکردگی میں بھرپور طور پر حصہ لے ۔

منصوبے کے مقاصد (Objectives of the Plan)

چھٹے پانچ سالہ منصوبے کے بڑے بڑے مقاصد یہ ہیں :-

(i) بنیادی تعلیم ، پینے کے صاف پانی اور بنیادی صحت جیسی معاشرتی خدمات کے پروگراموں پر زور دیا جائیگا اور ان پروگراموں کی رفتار تیز تر کی جائے گا ۔

(ii) دیہی علاقوں میں بنیادی تحتی ڈھانچہ فراہم کرنے کے لیے بھرپور کوشش کی جائے گی ۔ تاکہ شہروں اور دیہی علاقوں میں معاشرتی خدمات کی دستیابی میں جو عدم توازن پایا جاتا ہے ۔ اُسے کم کیا جاسکے ۔

(iii) ملک کے پسماندہ علاقوں خصوصاً بلوچستان کی ترقی کے لیے خصوصی پروگرام شروع کیے جائیں گے ۔

(iv) معاشرے کے غریب طبقات کو تحفظ دیا جائے گا اور اس مقصد کے لیے مخصوص انکم پالیسی پر عمل کیا جائے گا ۔

(v) افرادی قوت کو روزگار کے زیادہ مواقع مہیّا کیے جائیں گے اور کارکنوں کی پیداآوری بڑھانے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے ۔

(vi) ناقص خوراک کے مسائل کو حل کیا جائے گا ۔

(vii) نجی شعبے پر غیر ضروری سرکاری پابندیوں کو ختم کیا جائے گا تاکہ نجی افراد اور نجی کاروبار کے منظم اداروں کی پیداوار کی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے ۔

منصوبے کے اہداف (Targets of the Plan)

منصوبے میں مختلف شعبوں کی ترقی کے لیے مندرجہ ذیل اہداف مقرر کیے گیے ۔

(i) خام ملکی پیداوار میں 6.5 فیصد سالانہ کی شرح سے اضافہ کیا جائے گا ۔

(ii) زرعی پیداوار میں 4.9 فیصد سالانہ کی شرح سے اضافہ کیا جائے گا ۔

(iii) منصوبے کی مدت کے دوران 86 فیصد دیہاتوں کو بجلی مہیا کی جائے گی ۔

(iv) صنعتی پیداوار میں اضافے کی شرح 9.3 فیصد سالانہ ہوگی ۔ منصوبے کے اختتام تک قومی صنعت کا 91 فیصد حصہ نجی شعبے میں ہوگا ۔ جبکہ صرف 9 فیصد حصہ سرکاری شعبے میں ہوگا ۔

(v) ذرائع نقل و حمل اور پیغام رسانی کی استعدادِ کار کو بہترین بنایا جائے گا ۔ اِن شعبوں کی موجودہ استطاعت سے پورا فائدہ اُٹھایا جائے گا ۔ نیز ان شعبوں کی توسیع بھی کی جائے گی ۔

(vi) پستہ آمدنی والے طبقات کے لیے مکانات تعمیر کیے جائیں گے ۔ پانی کی سپلائی بڑھائی جائے گی اور صحت و صفائی کی حالت بہتر بنائی جائے گی ۔

(vii) خدماتی شعبے میں تعلیم تعامہ صحت عامہ اور آبادی کے بہبود پر کثیر رقوم خرچ کی جائیں گی ۔

ساتواں پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ (93-1988)

ساتواں پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ جسے چھٹے منصوبے کی تکمیل کے بعد حاصل کردہ تجربہ کی روشنی میں تیار کیا گیا ۔ ساتویں منصوبے کے اہم مقاصد مندرجہ ذیل ہیں ۔

(الف) کامل روزگار کا حصول ، خصوصی طور پر تعلیم یافتہ بے کار نوجوانوں کو روزگار مہیا کرنا

(ب) بہتر خوراک ، رہائش ، صحت ، تعلیم ، رسل و رسائل اور دیگر سہولتوں کا مہیا کرنا

(ج) انسانی ذرائع کی ترقی ، خاص طور پر محنت کش طبقہ کی تعلیم اور ٹریننگ کی طرف توجہ دینا ۔

(د) جلد از جلد خود کفالت کا حصول ، خاص طور پر غیر ملکی قرضوں اور ٹیکنالوجی سے چھٹکارا حاصل کرنا

(ہ) نجی شعبہ کو ترقی دینا ۔ ڈیریگولریشن کی پالیسی اپنانا تاکہ نجی شعبہ کو سرمایہ کاری کی ترغیب دی جائے

(و) متوازن بجٹ کا حصول تاکہ حکومت کے مالیات اور اخراجات میں ضرورت کے مطابق رد و بدل ممکن ہو سکے ۔

(ز) توازن ادائیگی کی درستگی بذریعہ برآمدات میں اضافہ

(ح) محتاط زری پالیسی اپنانا تاکہ قیمتوں میں استحکام پیدا کیا جائے۔

منصوبے کی حکمتِ عملی

ساتویں منصوبے میں معاشی ترقی حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل حکمت عملی کو بروئے کار لایا جائے گا ۔

(1) پیداوار فی ہیکٹر میں اضافہ کے لیے کھاد کا استعمال ، اور فارم ٹیکنالوجی میں بہتری کی جائے گی ۔

(2) ایسی فصلیں تیار کی جائیں گی جو سخت گرمی ، خشک سالی اور تھور کی صورت میں بھی زیادہ پیداوار مہیا کر سکیں ۔

(3) پھلوں اور سبزیوں کی اعلیٰ اقسام پیدا کی جائیں گی تاکہ ان کی برآمدات میں اضافہ

کیا جاسکے

(4) چینی کی پیداوار میں خود کفالت حاصل کرنا

(5) زیادہ قدر والی زرعی پیداوار کے لیے عالمی منڈی میں قدم جمانا

(6) خام تیل کی قومی طلب کا 39.2% ملکی سطح پر پیدا کرنا

(7) پاکستان کی صنعتی بنیاد کو ترقی دینا اور اس سلسلہ میں سٹیل ، الیکٹرونکس اور اعلیٰ ٹیکنالوجی والی صنعتوں کو قائم کرنا

(8) ترقی پذیر ممالک کو پاکستانی مشینری خریدنے کے لیے قرضے مہیا کرنا

(9) پاکستان کی انجنیئرنگ کی صنعت کو تحفظ مہیا کرنا

(10) جاذب محنت سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرنا

(11) محنت کی برآمد میں اضافہ کرنا

(12) ڈیلشن پروگراموں (Delition Programs) پر تیزی سے عمل کرنا تاکہ درآمدی پرزہ جات صنعتی خام مال اور ٹیکنالوجی سے چھٹکارا حاصل کیا جائے ۔

منصوبے کا حجم

ساتویں ترقیاتی منصوبے میں کل 660.2 بلین روپے خرچ کیے جائیں گے اس میں سے 367.8 سرکاری شعبے اور 294.4 نجی شعبے میں خرچ کیے جائیں گے ۔ یہ ترقیاتی منصوبہ پچھلی حکومت نے بنایا اور جاری کیا جہاں تک موجود حکومت کا تعلق ہے ۔ وہ شاید اس میں اپنے منشور کے مطابق کچھ تبدیلیاں کرے کیونکہ حکومت نے عوام کے ساتھ اپنے منشور کے مطابق بعض وعدے کیے ہوئے ہیں ۔ اور ان کی تکمیل کے سلسلہ میں یہ امر ضروری ہے کہ منصوبہ میں کچھ ردو بدل کیا جائے ۔

3.7 پاکستانی معیشت کا شعبہ زراعت
(Agricultural Sector of Pakistan Ecnomy)

پاکستان ایک زرعی ملک ہے ۔ اس کی 70 فیصد آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے ۔ اور کل آبادی کا 50 فیصد حصہ اپنی روزی کاشتکاری غلہ بانی اور زراعت پر مبنی کاروبار سے حاصل کرتا ہے ۔ خام قومی پیداوار میں زرعی شعبے کا حصہ 24.5 فیصد ہے ۔ ہماری بڑی بڑی فصلیں گندم ، کپاس ، چاول ، گنا ، مکئی ، تیل کے بیج اور دالیں ہیں ۔ ہمارا

شعبہ زراعت ملکی ضروریات کے لیے غذا فراہم کرتا ہے ۔ زرمبادلہ کی آمدنی کا معقول حصہ زرعی پیداواروں کی برآمد سے حاصل ہوتا ہے ۔ اور زراعت ہی بہت سی ملکی صنعتوں کے لیے خام مال مہیا کرتی ہے ۔ دریں حالات زرعی شعبے کو پاکستانی معشیت میں بہت اہمیت حاصل ہے ۔ تاہم پاکستان کا شعبہ زراعت پسماندہ ہے ۔ اس شعبے کی مجموعی پیداوار ، اور فی ہیکٹر و فی کارکن پیداوار پست ہے ۔پاکستان میں فی ہیکٹر پیداوار ترقی یافتہ ممالک کی فی ہیکٹر پیداوار کا 1/4 ہے ۔ ذیل میں ہم پاکستان کے زرعی شعبے کے ان مسائل کا تعارف کراتے ہیں جن کے باعث یہ شعبہ تا حال پسماندہ ہے ۔

3.7.1 پاکستان کے زرعی شعبے کے مسائل
(Problems of Agricultural Sector in Pakistan)

پاکستان کی زراعت مندرجہ ذیل مسائل سے دوچار ہے ۔

(i) زرعی زمین کا ناکافی استعمال (Underutilization of land) پاکستان میں کل قابل کاشت رقبے کا تقریباً 65 فیصد حصہ زیر کاشت ہے ۔ بقیہ اراضی کو ہموار کرنے ، آبپاشی کے لیے پانی پہنچانے اور دیگر بنیادی لوازمات مہیا کرنے کے لیے جس قدر مشینوں ، فنی صلاحیت اور مال وسائل درکار ہیں وہ پاکستان میں سر دست میّسر نہیں ہیں ۔ چنانچہ یہ کہنا بجا ہوگا ۔ کہ مجموعی پیداوار اس لیے پست ہے کہ قابلِ کاشت اراضی کا معیاری استعمال عمل میں نہیں لایا گیا ۔

(ii) چھوٹے قطعات (Small Land Holdings) پاکستان میں اکثر کسانوں کے پاس نہایت چھوٹے زرعی رقبے ہیں جبکہ ان پر کارکنوں کی تعداد زیادہ ہے ۔ چنانچہ رقبے اور کارکنوں کا تناسب کم ہے ۔ دریں حالات فی کارکن پیداوار پست ہے ۔ 1980 کی زراعت شماری (Agricultural Census) کے مطابق پاکستان میں کسانوں کی تعداد 4.07 ملین ہے ان میں سے نصف سے زیادہ ایسے ہیں ۔ جن کے پاس 3 ایکڑ سے بھی کم رقبہ ہے ۔ ان کسانوں کے پاس مجموعی زرعی رقبے کا 15.5 فیصد ہے ۔ ظاہر ہے ۔ کہ اس قدر چھوٹے رقبوں پر جدید طریقوں سے کاشت نہیں کی جاسکتی ۔ اور نہ ہی ان قطعات کے مالک ٹریکٹر ، ٹیوب ویل ، کیمیائی کھاد ، کوالٹی بیجوں اور تحفظِ نباتات کی ادویہ کے اخراجات برداشت کر سکتے ہیں ۔ چنانچہ یہ کسان فرسودہ فنونِ پیدائش استعمال

کرتے ہیں ۔ اور پیداوار پست ہے ۔

(iii) سیم و تھور (Waterlogging and Salinity) سیم اور تھور پاکستانی زراعت کا سب سے اہم مسئلہ ہے ۔ سرکاری تخمینوں کے مطابق 8 ملین ہیکٹر زمین ایسی ہے ۔ جہاں زیر زمین پانی کی سطح بلند ہو کر سطح زمین سے تقریباً 10 فٹ کے فاصلے پر آچکی ہے ۔ 3.5 ملین ہیکٹر رقبہ تو مکمل طور پر سیم و تھور کا شکار ہو چکا ہے ۔ آندھیوں ،بارشوں اور سیلاب کی وجہ سے بعض علاقوں میں زمینی سطح کی زرخیزی میں کمی ہو رہی ہے اور اس میں کٹاؤ پیدا ہو رہا ہے ۔ ان مشکلات کے نتیجے میں زیرِ کاشت رقبہ کم ہو رہا ہے ۔ اور متاثرہ لیکن زیرِ کاشت رقبوں پر زرعی پیداوار کم ہو رہی ہے ۔ اگر سیم و تھور پر مکمل قابو نہیں پایا جاتا ۔ تو پاکستانی زراعت کا مستقبل بہت مایوس کن ہوگا ۔

(iv) آب پاشی کی قلت (Scarcity of Irrigation Facilities) پاکستان میں آبپاشی کے ذرائع کی قلت ہے ۔ لاکھوں ہیکٹر رقبہ نیم پہاڑی علاقوں میں ہے ۔ جہاں زمین میں نشیب و فراز پائے جاتے ہیں ۔ یہاں نہروں کے ذریعے آبپاشی نہیں کی جاسکتی ۔ چنانچہ ان رقبوں کی زرعی پیداوار کا انحصار بارش پر ہوتا ہے ۔ اکثر حالات میں یہاں ناکافی بارش ہوتی ہے ۔ اس لیے بھرپور فصلیں حاصل نہیں کی جاسکتیں ۔ سندھ اور بلوچستان میں لاکھوں ایکڑ اراضی ایسی ہے ۔ جو زرخیز ہے ۔ لیکن نہ وہاں کافی بارش ہوتی ہے ۔ اور نہ ہی وہاں نہریں پہنچائی جاسکتی ہیں ۔ اسلیے ان زمینوں سے پورا فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکا ۔

نہری رقبوں میں آبپاشی کی سہولت موجود ہے ۔ لیکن یہاں بھی بہت سا پانی بہاو کے دوران ضائع ہو جاتا ہے ۔ اس لیے نہری رقبوں کو حسبِ ضرورت پانی میسر نہیں آتا ۔

(v) غیر موافق موسمی حالات (Unfavourable Climatic Conditions)

پاکستان کے زرعی علاقوں میں عام طور پر موسمی حالات غیر موافق رہتے ہیں ۔ جب مون سون کی ہوائیں نہیں چلتیں تو شمالی علاقوں میں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں ۔ اس لیے دریاؤں میں پانی کی سطح گر جاتی ہے ۔ اور نہروں سے کم پانی میسر

آتا ہے ۔ دریں حالات فصلیں خشک سالی کا شکار ہو جاتی ہیں ۔ بعض اوقات بارشیں ضرورت سے زیادہ ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ تیز ہوائیں، آندھیاں اور ژالہ باری فصلوں کو کاری نقصان پہنچاتی ہیں۔ جب موسمی حالات بہت ہی غیر موافق ہوتے ہیں تو زرعی پیداوار میں تشویشناک حد تک کمی ہو جاتی ہے ۔

(vi) زرعی مدّاخل کا کم استعمال (Lack of use of Agricultural Inputs)

ہمارے زرعی رقبوں کو نہ صرف آبپاشی کی کم سہولتیں حاصل ہیں بلکہ دیگر مدّاخل مثلاً زرعی مشینوں ، کوالٹی بیجوں اور کھاد کا استعمال بھی کم ہے ۔ پاکستان کے اکثر زرعی رقبے صدیوں سے زیرِ کاشت ہیں اور ان کی قدرتی زرخیزی میں بہت کمی آچکی ہے ۔ اب اگر ان پر زرعی مدّاخل کا استعمال کم ہوگا تو پیداوار میں اضافے کی توقع نہیں کی جاسکتی ۔

(vii) فصلی بیماریاں (Plant Diseases) ہمارے ہاں زرعی شعبے میں فصلوں اور پودوں کی بیماریوں کا وقوع بہت زیادہ ہے ۔ سرکاری اندازے کے مطابق فصلی بیماریاں زرعی پیداوار میں 15 فیصد کمی کا باعث بنتی ہیں ۔ فصلی کیڑے مارنے والی ادویہ مہنگی ہو چکی ہیں ۔اس لیے ان ادویہ کے استعمال میں کمی واقع ہوئی ، سوائے بلوچستان کے دیگر سب صوبوں میں حکومت نے فصلوں پر مُفت ہوائی چھڑکاؤ کے پروگرام ختم کردیے ہیں ۔

چنانچہ 87-1986 میں چاول کی پیداوار کے صرف 22 فیصد علاقے میں فصل کا تحفظ کیا جاسکا ۔ جبکہ گنے اور کپاس کی علی الترتیب 30 فیصد اور 60 فیصد فصلوں کا تحفظ کیا جاسکا ۔ دریں حالات زرعی پیداوار میں معقول اضافہ کرنا محال ہے ۔

(viii) زرعی تحقیق ناکافی ہے (Lack of Agricultural Research)

دُنیا کے بہت سے زرعی ممالک میں کوالٹی بیجوں کی تحقیق پر خوب کام ہو رہا ہے ۔ لیکن پاکستان میں زرعی تحقیق پر بہت کم توجہ دی گئی ہے ۔ غذائی اور غیر غذائی فصلوں کے ایسے بیج تیار کیے جانے چاہییں ۔ جو کم بارش اور آبپاشی کے باوجود زیادہ سے زیادہ پیداوار دیں اور خشک سالی اور بیماری سے مدافعت کی صلاحیت رکھتے ہوں ۔ پاکستان میں اس کوالٹی کے بیجوں کی تیاری کا کام شروع ہوچکا ہے ۔ لیکن ایک تو ان بیجوں

کی رسد کم ہے دوسرے یہ کہ ان کی تقسیم کے نظام میں بے قاعدگی پائی جاتی ہے ۔ نیز ان بیجوں کی کوالٹی مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے ۔

پاکستان میں زرعی تحقیق کے لیے 87-1986 ء میں صرف 327.6 ملین روپے کی رقم مختص کی گئی جو کہ خام قومی پیداوار کے ایک فیصد کا بیسواں حصہ ہے ۔ حالانکہ مجموعی پیداوار میں زراعت کا حصہ 22 فیصد ہے ۔ اس وقت ہندوستان میں زرعی تحقیق پر مامور ماہرین کی تعداد چالیس ہزار ہے ۔ جبکہ پاکستان میں ان کی تعداد صرف 750 ہے ۔

(ix) توسیعی پروگرام کی کمی (Lack of Extension Programme)

کسانوں کو زرعی مداخل کے استعمال کے بارے میں کھیتوں پر تربیت دینے اور انہیں مداخل کی بہتر پیدا آوری کے بارے میں مائل کرنے کے عمل کو زرعی توسیعی خدمات کہتے ہیں ۔ ایسی خدمات محکمہ زراعت کے ماہرین سرانجام دیتے ہیں ۔ پاکستان کے اکثر کسان ناخواندہ ہیں اور انہیں جدید مداخل کے استعمال کے بارے میں تربیت دینے کی اشد ضرورت ہے ۔ پاکستان میں توسیعی پروگرام کی اہمیت کا ذکر رپورٹوں اور منصوبوں میں تو کیا جاتا ہے ۔ لیکن اس کے لیے خاطر خواہ رقوم مختص نہیں کی جاتیں ۔ اور پھر افسوس یہ کہ اس بارے میں جو پروگرام بھی مرتب کیے جاتے ہیں ۔ وہ محکمہ زراعت کے متعلقہ عملے کے تساہل کی وجہ سے کچھ زیادہ بارآور ثابت نہیں ہوتے ۔

(x) زرعی شعبے کا تحتی ڈھانچہ ناکافی ہے (Insufficient Agricultural Infrastructure)

زراعت میں جدید مداخل کے استعمال کے لیے چند بنیادی لوازمات کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے ۔ زرعی شعبے کے تحتی ڈھانچے میں تعلیم و تربیت کے اداروں ، مالی اداروں ، ہسپتالوں ، ذرائع نقل و حمل ، ورکشاپوں ، مرمت گاہوں اور بجلی وغیرہ کی فراہمی شامل ہوتی ہیں ۔ اب اگر کسان بالکل ناخواندہ ہوگا اور پیشہ ورانہ تربیت سے نابلد ہوگا تو وہ نہ تو جدید مداخل کی افادیت کو سمجھ سکتا ہے نہ انکا استعمال کرسکتا ہے ۔ اسی طرح مالی ادارے نہ ہوں گے تو کسان مداخل کی خرید کے لیے قرضے حاصل نہ کرسکے گا ۔ ذرائع نقل و حمل نہ ہوں گے تو وہ جدید مداخل کو اپنے کھیت تک پہنچا نہ سکے گا ۔ ورکشاپیں اور مرمت گاہیں نہ ہوں گی تو وہ زرعی مشینوں کی مرمت نہ

کرا سکے گا ۔ اسی طرح اگر بجلی نہ ہوگی تو اُسے ٹیوب ویل لگوانے کی ترغیب نہ ملے گی ۔ اور اگر کسان کو طبّی امداد حاصل نہ ہوگی تو تمام دیگر لوازمات موجود ہونے کے باوجود وہ پیداواری خدمات سرانجام نہ دے سکے گا ۔ پاکستان میں زرعی شعبے کا تحتی ڈھانچہ بہت کمزور ہے اس لیے زراعت کے شعبے میں صحیح معنوں میں انقلاب برپا نہیں کیا کیا جاسکتا ۔

(xi) قرضوں کی ناکافی سہولیات (Insufficient Credit Facilities)

پاکستان میں چھوٹے رقبوں والے کسانوں کو زرعی قرضوں تک رسائی حاصل نہیں ہے ۔ اس لیے بہت سے کِسان نجی ساہوکاروں سے قرضے لے لیتے ہیں ۔ اِن قرضوں پر شرح سود (موجودہ دَور میں شرح منافع) بلند ہوتی ہے ۔ اس لیے کِسان کی فصل کی آمدنی کا خطیر حصّہ اِن قرضوں اور واجب الادا سود کی ادائیگی کی نذر ہو جاتا ہے کِسانوں کی مالی حالت آسودہ نہیں ہو سکتی اور وہ پیداوار بڑھانے میں دلچسپی نہیں لیتے ۔ پاکستان میں زرعی قرضوں کا جو نظام بنکاری موجود ہے اُسے وسعت دینے اور سہل بنانے کی ضرورت ہے تاکہ چھوٹے بڑے رقبوں والے تمام کِسان اِس سہولت سے فائدہ اُٹھا سکیں ۔

(xii) زرعی منڈیوں کا ناقص نظام Defective System of Agricultural Markets)

حکومتِ پاکستان نے پاسکو (PASSCO) کے نام سے ایک کارپوریشن قائم کی ہے جو کِسانوں سے مقرّرہ نرخوں پر اجناس خریدتی ہے ۔ تاہم بہت سے کِسان اپنی پیداوار منڈیوں میں بیچتے ہیں جہاں اجناس تولنے کے لیے باٹ غیر معیاری ہوتے ہیں ۔ نیز کمیشن ایجنٹ اور دیگر کارندے مختلف طریقوں سے کِسان کی آمدنی کا خطیر حصّہ ہتھیا لیتے ہیں ۔

(xiii) ناقص نظامِ حقیت اراضی (Defective land Tanure System)

پاکستان میں زرعی اصلاحات کے باوجود نظام حقیت اراضی تسلی بخش نہیں ہے ۔ بڑے بڑے زرعی رقبے اب بھی بااثر زمینداروں اور جاگیرداروں کے پاس ہیں جبکہ لاکھوں کسانوں کے پاس دس ایکڑ سے کم رقبہ ہے یا پھر ان کا کوئی ملکیتی رقبہ نہیں اور وہ مزارعت کرتے ہیں ۔ بڑے زمیندار زرعی ترقی پر پوری توجہ نہیں دیتے جبکہ چھوٹے چھوٹے رقبوں کے مالکان جدید مدّاخل خصوصاً زرعی مشینیں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے ۔ چنانچہ ہر صورت میں فی ہیکٹر پیدوار پست ہوتی ہے ۔

(xiv) زرعی اراضی کی تقسیم در تقسیم اور انتشار (Sub-division and Fragmantation of Holdings)

مروجہ قوانینِ وراثت کی وجہ سے ایک زمیندار کی اراضی اس کے بیٹوں اور بیٹیوں میں تقسیم ہو جاتی ہے ۔ اور ہر اگلی نسل میں زمین کی تقسیم در تقسیم ہوتی جاتی ہے ۔ حتی کہ رقبے اس قدر چھوٹے ہو جاتے ہیں کہ وہ غیر معاشی ہوتے ہیں ۔ یعنی ان پر کاشتکاری کرکے کسان معقول آمدنی نہیں پاسکتے ۔

کِسانوں کی قرضہ داری اُنہیں اپنے رقبوں کے مختلف ٹکڑے فروخت کرنے پر مجبور کردیتی ہے ۔ ایسے رقبوں کے خریداروں کی ملکیت میں زمین کے کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں ۔ جو مختلف جگہوں پر موجود ہوتے ہیں ۔ اسے زمین کا انتشار کہتے ہیں ۔ قوانینِ وراثت بھی زمین کے انتشار کا باعث ہیں ۔ ایسے منتشر رقبوں پر بھی زرعی پیداوار بڑھانے کے امکانات مسدود ہوتے ہیں ۔ 1987-88 کے اکنامک سروے کے مطابق پاکستان میں نجی ملکیت کے 2.2 ملین رقبوں میں 1.3 ملین رقبے انتشار کا شکار ہیں ۔

3.7.2 زرعی شعبے کے مسائل کے حل کے لیے حکومت کے اقدامات :(Measures Taken by the Government Towards the Solution of Problems of Agricultural Sector)

زرعی شعبے کو درپیش مسائل کے حل کے لیے حکومتِ پاکستان نے مندرجہ ذیل اقدامات کیے ہیں ۔

(i) آبپاشی کی سہولتوں میں اضافہ Increase in Irrigation Facilities)

حکومتِ پاکستان آبپاشی کی سہولتوں میں اضافے کی اہمیت سے پوری طرح باور ہے ۔ چنانچہ 1958-59 میں واٹر اینڈ پاور ڈویلپمنٹ اتھارٹی (WAPDA) قائم کی گئی ۔ جس کے ذمہ نہروں کے ذریعے کھیتوں تک پانی پہنچانا سیم و تھور کی روک تھام کرنا سیم زدہ زمینوں کو بحال کرنا سیلابوں کی روک تھام کرنا اور بجلی کی پیداوار اور تقسیم کرنا ہے ۔ منگلا اور تربیلا کے مقامات پر بڑے بڑے ڈیم تعمیر کیے گئے ہیں کئی چھوٹے ڈیم بھی تعمیر کیے گئے تاکہ آبپاشی کے پانی کا ذخیرہ کیا جاسکے اور اسے بروقت سپلائی کیا جاسکے ۔ آبپاشی کی سہولتوں میں توسیع کرنے کے لیے واٹر اینڈ پاور

ڈویلپمنٹ اتھارٹی اپنی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے۔ ترقیاتی منصوبوں میں آبپاشی کی سہولتوں کو خاصی اہمیت دی گئی ہے۔ 87-1986ء میں 12.12 ملین ہیکٹر اراضی کو نہری پانی مہیا کیا گیا۔ جبکہ 71-1970ء میں ہروں سے سیراب ہونے والی اراضی کا رقبہ 6.69 ملین ہیکٹر تھا۔ اسی طرح 87-1986 میں ٹیوب ویلوں کے ذریعے 3.37 ملین ہیکٹر اراضی کو پانی مہیا کیا گیا جبکہ اس ذریعے سے 71-1970 میں صرف 2.25 ملین ہیکٹر اراضی کے لیے ٹیوب ویل موجود تھے۔

(ii) کھاد کے استعمال میں اضافہ (Increased Usage of Fertilizers)

فصلوں کی پیداوار بڑھانے کے لیے کھاد کا استعمال انتہائی ضروری ہے۔ حکومت پراپیگنڈا اور توسیعی پروگراموں کے ذریعے کسانوں کو کھاد کی افادیت سے مسلسل باور کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ 86-1985 میں کھاد کا فی ہیکٹر استعمال 76 کلو گرام تھا جو کہ 87-1986 میں بڑھ کر 89 کلو گرام فی ہیکٹر ہو چکا تھا۔

اگرچہ حکومت نے ملک میں تیار کی گئی کھاد پر دیے گئے اعانے میں بتدریج کمی کی ہے۔ تاہم کھاد کے استعمال میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ درآمدی کھاد کی تقسیم اور اس کی قیمت پر کنٹرول نافذ کیا گیا ہے درآمدی کھاد پر مرکزی حکومت اب بھی اعانہ دیتی ہے۔ نیز کھاد کی خرید کے لیے رعایتی قرضوں کا بندوبست کیا گیا ہے۔

(iii) بہتر بیجوں کی فراہمی (Provision of Improved Seeds)

حکومت نے درونِ ملک بہتر بیجوں کی تیاری کا بندوبست کیا ہے۔ اور ان کی تقسیم کو بھی بہتر بنانے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ زیادہ پیداوار دینے والے اور فصلی بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت رکھنے والے بیجوں کی مختلف اقسام تیار کی جا رہی ہیں۔ اس وقت حکومت کے تصدیق شدہ بہتر بیج گندم، کپاس، چاول، مکئی، چنے اور آلو کی فصلوں کے لیے دستیاب ہیں۔ حکومت کی تحقیق گاہوں میں تیار کردہ کپاس کے بیج کی نیاب 78 (Niab-78) ورائٹی اور گندم کی پنجاب ورائٹی اور فیصل آباد 85 ورائٹی بہت ہی پیدا آور ثابت ہوئی ہیں۔ حکومت نے 87-1986 میں 90000 ٹن بہتر بیج تقسیم کیے ان بیجوں کی رسد بڑھانے کے لیے حکومت نے چار بڑے بڑے پروسیسنگ پلانٹ (Processing Plants) قائم کرنے کا پروگرام بنایا ہے ان میں ہر سال 122 ہزار

ٹن کوالٹی بیجوں کو تیار کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے ۔ یہ پلانٹ خانیوال، سرکنڈ، رحیم یار خان اور ساہیوال میں قائم کیے گئے ہیں ۔

(iv) تحفظ نباتات (Plant Protection) حکومت نے فصلی بیماریوں کی ادویہ کی درآمد فروخت اور تقسیم کا کام 1980ء میں نجی شعبے کے حوالے کر دیا تھا ۔ اور مشاہدات بتاتے ہیں ۔ کہ یہ شعبہ فصلی کیڑوں مکوڑوں اور بیماریوں کی روک تھام اچھے طریقے سے کر رہا ہے ۔ 88-1987 میں تحفظ نباتات کی 16407 ادویہ درآمد کی گئیں ۔ جبکہ 87-1986 میں 15815 ٹن ادویہ درآمد کی گئیں ۔ کپاس کی فصل کو فصلی کیڑوں سے بچانے کے لیے صوبائی حکومتوں نے 87-1986 میں کمتر نرخوں پر زمینی چھڑکاؤ کرنے والی مشینیں کسانوں کو فروخت کی ہیں ۔

(v) مشینی کاشت (Farm Mechanization) مشینی کاشتکاری کے فروغ کے لیے حکومت زرعی مشینوں اور آلات کی فراہمی میں اضافہ کر رہی ہے ۔ چھوٹے قطعات کے لیے چھوٹے ٹریکٹر درآمد کیے جا رہے ہیں ۔ نیز دیگر مشینیں مثلاً تھریشر ریپر (Reapor)، ٹرانسپلانٹر (Trasnplanter) اور کمبائن ہارویسٹر (Combine Harvester) کافی تعداد میں درآمد کی جا رہی ہیں ۔ علاوہ ازیں درمیانے سائز کے ٹریکٹر تیار کرنے کے لیے ملک میں پانچ نئے کارخانے قائم کیے گئے ہیں ۔ چاروں صوبوںمیں مقامی حالات کے مطابق موزوں آلات تیار کرنے کے لیے تحقیق گاہیں بھی قائم کی گئی ہیں ۔

(vi) توسیعی خدمات (Extension Services) توسیعی خدمات سرانجام دینے والے ماہرین زراعت کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیے حکومت کوشاں ہے ۔ زرعی شعبے کی پیداوار میں 5 فیصد سالانہ کے اضافے کی شرح برقرار رکھنے کے لیے ان ماہرین کی تعداد میں اضافہ کرنا ضروری ہے ۔ یہ ماہرین کھیتوں پر جاکر کسانوں کو جدید اور بہتر پیداواری طریقوں کے بارے میں تربیت دیتے ہیں اور موقع پر ان کے مسائل حل کرنے کی کوششیں کرتے ہیں ۔ فیصل آباد ، ٹانڈو جام اور پشاور کی زرعی یونیورسٹیاں اور بارانی کالج راولپنڈی زرعی سائینس کے مختلف شعبوں کے سپیشلسٹ تیار کر رہے ہیں ۔ ملک میں چھ زرعی فنی تربیت دینے والے ادارے (Institutes) بھی قائم کیے ہیں جہاں محکمہ زراعت کے فیلڈ اسسٹنٹس (Field Assistants) اور

ایگریکلچرل آفیسرز کو سروس سے قبل اور دورانِ سروس تربیت دی جاتی ہے ۔

توسیعی خدمات کو موثر بنانے کے لیے حکومت ایک ٹریننگ اینڈ وزٹ سسٹم (T&V System) کا اجراء کیا ہے۔ جس کے تحت توسیعی خدمات سرانجام دینے والے ماہرین دیہاتوں میں باقاعدگی سے جاکر کسانوں کو جدید زرعی مداخل کے استعمال کے بارے میں تربیت دیتے ہیں۔

(vii) سیم زدہ زمینوں کی بحالی (Reclamation of Water logged Lands)

اور تھور کے نقصانات کے پیش نظر حکومت نے 1959ء میں سکارپ (Salinity Control and Reclmation Projects) پروگرام شروع کیا۔ سیم زدہ زمین کو بحال کرنے کا پہلا پرجیکٹ رچنا دوآب کے علاقے میں شروع کیا گیا۔ بعدازاں ملک کے مختلف حصوں میں ایسے کئی پراجیکٹ شروع کیے گئے ہیں ۔ ان پروگراموں کے تحت 12500 ٹیوب ویل نصب کیے گئے ہیں ۔ اس کے نتیجے میں 2.5 ملین ہیکٹر زمین کو سیم سے بچایا جاچکا ہے ۔ وزیراعظم کے پانچ نکاتی پروگارم کے تحت 1990 تک 1.78 ملین ہیکٹر اراضی کو سیم سے بحال کیا جائے گا ۔ اس پروگرام کے تحت 5000 ٹیوب ویل نصب کیے جائیں گے ۔ 1709 کلومیٹر لمبے کھلے نالے اور 13245 کلومیٹر لمبے پکّے نالے تعمیر کیے جائیں گے ۔ اس وقت سیم و تھور زدہ اراضی کو بحال کرنے کے لیے عالمی بنک (World Bank) کے اشتراک سے ایک سریع پروگرام (Accelrated Programme) زیر عمل ہے ۔

(viii) امدادی قیمت کا پروگرام (Support Price Programme)

کسانوں کو پیداوار بڑھانے کی ترغیب دینے کے لیے حکومت نے امدادی قیمت کا پروگرام جاری کر رکھا ہے ۔ اس پروگرام کے تحت کسانوں کی زرعی فصلوں کا معقول عوضانہ دیا جاتا ہے ۔ مقصود یہ ہے کہ کسانوں کی مالی حالت بہتر بنائی جائے تاکہ ان کا معیارِ زندگی بہتر ہو ان کی قوتِ خرید بڑھ جائے اور وہ زیادہ زرعی مداخل استعمال کر سکیں ۔ کسانوں سے گندم ، آلو اور پیاز کی فصلیں امدادی قیمتوں پر خریدنے کا کام صوبائی حکومتوں اور پاسکو (Pakistan Agricultural Storage and Services Corporation) کرتے ہیں۔ جبکہ رائس ایکسپورٹ کارپوریشن (Rice Export Corporation) چاول خریدتی ہے ۔ اور کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن (Cotton Export

(Corporation کپاس خریدتی ہے۔

(ix) زرعی قرضے (Agricultural Credits) کسانوں کو ان کی ہر طرح کی زرعی ضروریات کی تکمیل کے لیے قرضوں کا ایک وسیع و عریض نظام قائم کیا گیا ہے۔ تمام تجارتی بنک زرعی ترقیاتی بنک اور کوآپریٹو بنک کسانوں کو قرضے فراہم کرتے ہیں تاکہ وہ زرعی مداخل خرید سکیں اور ان کے استعمال سے پیداوار کو بڑھا سکیں۔ زرعی ترقیاتی بنک کے موبائیل کریڈٹ آفیسرز دیہاتوں میں جاکر کسانوں کو قرضے دیتے ہیں۔ 1987-88 میں مختلف ذرائع سے کسانوں کو 18000 ملین روپے کے قرضے جاری کرنے کا ہدف مقرر کیا گیا چھوٹے رقبوں والے کسانوں کو بلاسود/منافع قرضے دیئے جاتے ہیں۔ 1986-87ء میں ایسے قرضوں کی حد 10000 روپے سے بڑھاکر 12000 روپے کر دی گئی۔

(x) زرعی اصطلاحات (Agricultural Reforms) زمین کا انکاز توڑنے بے زمین کسانوں کو رقبے مہیا کرنے اور زرعی مداخل کے استعمال کے لیے سازگار حالات پیدا کرنے کے لیے حکومت نے 1959ء میں اور پھر 1972ء اور 1977ء میں زرعی اصلاحات نافذ کیں۔ ایوب حکومت نے 1959ء میں زمین کی انفرادی ملکیت کی زیادہ سے زیادہ حد نہری علاقوں میں 202.4 ہیکٹر مقرر کی بعدازاں بھٹو حکومت نے 1972 میں یہ حد گرا کر 60.7 ہیکٹر اور پھر 1977 میں 40.5 ہیکٹر مقرر کی۔ (غیر نہری علاقوں میں ملکیت کی حد اس سے دوگنی تھی) حکومت نے تمام فاضل زمینیں اپنی تحویل میں لے لیں اور یہ اراضی بے زمین کسانوں اور کم رقبے والے کسانوں میں تقسیم کی گئی۔ زرعی اصلاحات کے نتیجے میں چھوٹے کسانوں کو مالی آسودگی ملی اور اُنھوں نے پیداوار بڑھانے کے لیے زرعی مداخل کے استعمال میں اضافہ کیا۔

(xi) تعاونی کاشتکاری (Coopration Farming) انفرادی چھوٹے رقبوں کو ملاکر کسانوں کے مشترکہ وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے کاشتکاری کرنے کے عمل کو تعاونی کاشتکاری کہتے ہیں۔ اس تنظیم میں شریک کسان اپنے رقبوں اور فراہم کردہ وسائل کے تناسب سے پیداوار میں سے اپنا اپنا حصہ پاتے ہیں۔ پاکستان میں نصف سے زیادہ کسانوں کے پاس 3 ایکڑ سے بھی کم رقبہ ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ وہ اس رقبے پر مشینی کاشتکاری نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حکومتِ پاکستان نے تعاونی کاشتکاری کے فروغ

کے لیے ترغیبات مہیا کی ہیں ۔ تعاونی انجمنوں کو زرعی مشینیں خریدنے کے لیے ترجیحی بنیادوں پر قرضے دیئے جاتے ہیں ۔ اور ان مشینوں کی خرید پر بھاری اعانے دیے جاتے ہیں ۔ ایسی انجمنوں کی زرعی ضروریات کی تکمیل کے لیے تعاونی کوآپریٹو بنک (Coperative Bank) قرضے دیتے ہیں ۔ ان بنکوں نے تعاونی انجمنوں کو 85-1984 کے دوران 1332 ملین روپے اور 87-1986 کے دوران 2494.75 ملین روپے کے قرضے جاری کیے ۔

3.8 پاکستانی معیشت کا شعبہ صنعت
(Industrial Sector of Pakistan Economy)

پاکستان کی معیشت کے استحکام اور اس کی متوازن ترقی کے لیے صنعتی شعبے کی ترقی کی رفتار میں اضافہ کرنا ضروری ہے۔ خام قومی پیداوار میں صنعتی شعبے کا حصہ جو کہ 51-1950 میں بمشکل 8 فیصد تھا ۔ 88-1987 میں بڑھ کر تقریباً 19 فیصد ہو چکا تھا ۔ تاہم قومی معیشت جوں جوں ترقی کے مراحل طے کرتی جائے گی ۔ یہ تناسب بڑھتا جائے گا ۔ کاٹن ٹیکسٹائیل ، تمباکو ، سگریٹ ، چینی سازی ، کھاد سازی ، سیمنٹ ، بناسپتی گھی ، اونی کپڑا ، فولاد ، انجنیرنگ ، کیمیائی اشیاء ، مشروبات ، چمڑے کی مصنوعات ، بجلی کا سازو سامان ، کھیلوں کا سامان ، دریاں اور قالین پاکستان کی نمایاں صصنعتیں ہیں ۔

پاکستان کی معیشت میں شعبۂ صنعت کی ترقی کی اہمیت کو اُجاگر کرنے والے متعدد عوامل ہیں ۔ مثلاً زراعت میں مشینوں اور آلات کی فراہمی صنعت کی ترقی پر منحصر ہے ۔ صنعتی مصنوعات کی قدرو قیمت بین الاقوامی منڈی میں بلند ہوتی ہے ۔ اس لیے مصنوعات کی برآمد بڑھا کر کثیر زر مبادلہ کمایا جاسکتا ہے ۔ اور قومی آمدنی میں تیزی سے اضافہ کیا جاسکتاہے ۔ درآمدات کے بدل تیار کرنے کے لیے صنعتی شعبے کی ترقی ضروری ہے ۔ نیز برآمدات بڑھاکر توازنِ ادائیگی کے خسارے کو کم کیا جاسکتا ہے ۔ صنعتی ترقی کے نتیجے میں روزگار کے مواقع پیدا کیے جاسکتے ہیں ۔ نیز سامانِ دفاع میں خود کفالت کی جانب پیش قدمی کی جاسکتی ہے ۔

پاکسانی معیشت میں عام صرفی اشیاء کی صنعتوں میں ترقی کی رفتار نمایاں رہی

ہے ۔ لیکن اشیائے سرمایہ تیار کرنے والی صنعتوں میں ترقی کی رفتار پست رہی ہے ۔ چنانچہ ہمیں ہر سال ترقیاتی پراجیکٹوں کے لیے پیچیدہ اور بھاری مشینوں کی درآمد پر کروڑوں روپے کا زرِ مبادلہ خرچ کرنا پڑتا ہے ۔ نیز ہمیں متعدد صرفی مصنوعات بھی درآمد کرنی پڑتی ہیں ۔ پاکستان کی صنعتوں میں روزگار کی تخلیق کی رفتار بہت سُست رہی ہے ۔ لیبر فورس سروے 88-1987 کے مطابق ملک کی مجموعی برسر روزگار افرادی جمعیت کا صرف 13.4 فیصد حصہ صنعتی شعبے میں کام کر رہا ہے ۔ نیز صنعتی پیداوار کی برآمدات میں اضافے کی رفتار بھی سُست رہی ہے ۔

3.8.1 پاکستان کے صنعتی شعبے کے مسائل
(Problems of Industrial Sector in Pakistan)

ہماری معیشت کے شعبۂ صنعت کی سُست رفتار پیش قدمی کی وجہ یہ ہے ۔ کہ یہ شعبہ متعدد مسائل سے دوچار ہے ۔ اس شعبے کے چند اہم مسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) آجرانہ صلاحیتوں کا فقدان (Lack of Entrepreneurial Expertise)

پاکستان میں آجرانہ صلاحیت رکھنے والے افراد کی بہت کمی ہے ۔ بیشتر آجرین پست ناظمانہ صلاحیتوں کے باوجود سہل قرضوں ، سرکاری اعانوں ، ٹیکسوں کی رعایات اور تحفظ کی بنا پر صنعتیں قائم کر لیتے ہیں ۔ لیکن یہ آجرین نہ تو مصارف پیدائش کم کر سکتے ہیں ۔ اور نہ ہی بین الاقوامی منڈی میں دیگر ممالک کی اشیاء کا مقابلہ کر سکتے ہیں ۔ دریں حالات درونِ ملک و بیرون ملک ہماری صنعتوں کی پیداوار کی طلب میں اضافے کی شرح پست رہی ہے ۔ چنانچہ ان صنعتوں کی توسیع و ترقی کی رفتار تسلی بخش نہیں رہی ۔

(ii) صنعتی ترقی کی حکمت عملی کا تعیّن اور بنیادی مسائل کا حل
(Determining the Strategy of Industrial Development and Solution of Basic Issues):

ہمارے ہاں صنعتی ترقی کی حکمتِ عملی میں مسلسل تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں ۔ چنانچہ پاکستان کے منصوبہ ساز چند بنیادی مسائل کے بارے میں حکمتِ عملی کو کوئی حتمی شکل نہیں دے سکے ۔ مثلاً زراعت اور صنعت کی ترقی میں ترجیحات کیا ہونی چاہییں۔ معاشی ترقی کے

موجودہ مراحل پر پیداوار کی شرح افزائش کو زیادہ اہمیت دی جائے ۔ یا پیداوار کی منصفانہ تقسیم کو ہماری صنعتی ترقی کے لیے چھوٹے پیمانے کی صنعتیں زیادہ بہتر ہیں ۔ یا بڑے پیمانے کی صنعتیں ، مختلف شعبوں میں پیداواری عمل میں سرمایہ عمیق طریقے اپنائے جائیں ، یا محنت عمیق ۔ ترقی کی رفتار بڑھانے کے لیے سرکاری شعبہ زیادہ اہم ہے ۔ یا نجی شعبہ ۔ نیز یہ کہ صنعتوں کو کس حد تک قومیایا جانا چاہیے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ پچھلے تیس 30 سالوں کے دوران ان مسائل کے بارے میں ہر آنے والی نئی حکومت کی حکمت عملی مختلف رہی ہے ۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا ۔ کہ ہماری صنعتی ترقی کی واضح سمت کا تعین نہیں کیا جاسکا ۔ اس شعبے میں غیر یقینیت کی فضا پائی جاتی ہے اور نجی آجرین سرمایہ کاری میں اضافہ کرنے سے ہچکچاتے ہیں ۔

(iii) سرمائے کی کمی (Lack of Capital): صنعت افروزی کے لیے کثیر سرمایے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ لیکن پاکستان میں شرح بچت اور تشکیل سرمایہ کی رفتار پست ہے ۔ نجی آجرین مستقبل میں صنعتوں کے قومیائے جانے کے ڈر سے بھی کھل کر سرمایہ کاری نہیں کر رہے ۔ نئی صنعتوں کے قیام کے لیے اب غیر ملکی سرمائے کی فراہمی کے امکانات روشن نہیں رہے ۔ پچھلے پندرہ سالوں میں ہمارے لیے غیر ملکی سرمائے کا ایک اہم ذریعہ سعودیہ اور خلیج کے ممالک کی مالی امداد تھی ۔ اب خود ان ممالک کی خوشحالی میں کمی ہو رہی ہے ۔ سرمایے کی قلت پاکستانی صنعت کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے ۔

(iv) محدود منڈی (Limited Market): پاکستان میں اوسط شہری کی سالانہ آمدنی پست ہے ۔اس لیے مصنوعات کے لیے اس کی طلب بھی کم ہے ۔ گویا ہمارا ملک مصنوعات کی طلب کی ایک محدود سی منڈی ہے ۔ دوسری جانب ہمارے تجارتی مال کے روائتی خریداروں نے ہماری برآمدات پر پابندیاں نافذ کر دیں ہیں ۔ ویسے بھی پاکستانی مصنوعات کے مصارفِ پیدائش نسبتاً زیادہ ہیں ۔ چنانچہ بین الاقوامی منڈی میں ہماری مصنوعات دیگر ممالک کی سستی مصنوعات کا مقابلہ نہیں کر سکتیں ۔ چنانچہ ہماری مصنوعات کی غیر ملکی منڈی بھی محدود ہے ۔ دریں حالات پاکستانی صنعتوں کی تیز ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوئی ہے ۔

(v) خام مال کی ناکافی فراہمی (Insufficient Supply of Raw Material):

ہماری صنعتوں کو کافی مقدار میں خام مال میّسر نہیں آتا ۔ اس لیے صنعتی پیداوار میں سُبک رفتار اضافے ناممکن ہیں ۔ کئی صنعتوں کا خام مال زرعی فصلوں سے حاصل ہوتا ہے ۔ جبکہ فصلوں کی پیداوار قدرتی عوامل پر منحصر ہوتی ہے ۔ اگر موسمی حالات ناساز گار ہوں ۔ تو زرعی پیداواریں کم ہوتی ہیں اور ملکی صنعتیں پیداواری صلاحیت سے کمتر سطح پر کام کرنے پر مجبور ہوتی ہیں ۔ مشینیں اور آلات تیار کرنے والی صنعتوں کے لیے بھی خام مال مثلاً اچھی کوالٹی کا خام لوہا، اور سٹیل کی کافی مقدار ، ملکی ذرائع سے میّسر نہیں ہے ۔ دیگر قسم کا صنعتی خام مال مثلاً پٹرولیم ، دھاتیں اور کیمیائی اشیا کی رسد بھی محدود ہے ۔ دریں حالات صنعتی پیداوار میں تیز رو اضافہ کس طرح ممکن ہے ۔

(vi) فنی مہارت کی کمی (Paucity of Technical Skills): صنعت افروزی کی ایک ضروری شرط یہ ہے ۔ کہ پچیدہ پیداواری عمل کے مختلف مراحل سے متعلق فنی مہارت رکھنے والے افراد کی کافی تعداد موجود ہونی چاہیے ۔ پاکستان کے تعلیمی نظام میں خواندگی اور ادبیات کی تعلیم پر تو کثیر رقوم خرچ کی جاتی ہیں ۔ لیکن فنی تعلیم و تربیت کو عملی طور پر ترجیح نہیں دی گئی ۔ چنانچہ اب صورتِ حال یہ ہے کہ ہر سال ہزاروں گریجویٹ آرٹس کے مضامین میں ڈگریاں پاتے ہیں ۔ لیکن وہ فارغ التحصیل ہو کر کسی قسم کے پیداواری عمل میں شریک نہیں ہو سکتا ۔ فنی تربیت دینے والے اداروں کی تعداد ضرورت سے بہت کم ہے ۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ فنی مہارت کا فقدان بھی ہماری پست صنعتی ترقی کی ایک نمایاں وجہ ہے ۔

(vii) کمزور بنیادی تحتی ڈھانچہ (Weak Basic Infra Structure): ایک مضبوط تحتی ڈھانچے کا وجود صنعتی ترقی کے لیے لازم ہوتا ہے ۔ لیکن پاکستان میں تحتی ڈھانچہ تا حال ناکافی اور کمزور ہے ۔ ذرائع نقل و حمل محدود ہیں ۔ سٹیل ملیں ضرورت سے کم ہیں ۔ بجلی اور توانائی کے دیگر ذرائع کی قلت ہے ۔ بجلی کی لوڈشیڈنگ اور گیس کی فراہمی میں رکاوٹیں اس بات کی دلالت کرتی ہیں کہ یہ ذرائع توانائی موجودہ صنعتوں کو بھی ان کی پیداواری استطاعت کی حد تک نہیں چلا سکتے۔ دریں حالات مزید صنعتی اداروں

کے قیام کا کیا جواز ہو سکتا ہے ۔

(viii) صنعتی تحقیق کا فقدان (Lack of Industrial Research)

ہمارے اکثر صنعتکار غیر ضروری سرکاری مراعات پر پرورش پا رہے ہیں ۔ اور وہ نااہل ہونے کے باوجود ملکی منڈی میں اپنی گھٹیا پیداوار بلند قیمتوں پر بیچ کر منافع کما سکتے ہیں ۔ چنانچہ مصارفِ پیدائش کو کم کرنے کے لیے بہتر فنونِ پیدائش کے لیے تحقیق پر روپیہ خرچ نہیں کرنا چاہتے دریں حالات ہماری صنعتوں کی پیداوار مہنگی ہے ۔ اور اسے بین الاقوامی منڈی میں فروخت کرنا مشکل ہے ۔

(ix) صنعتوں کی غیر متوازن ترقی (Unbalanced Development of Industries)

ملک کی صرفی اور سرمایاتی اشیاء بنانے والی صنعتوں کی ترقی میں توازن موجود ہونا چاہیے بالفاظِ دیگر تمام قسم کی صنعتوں کی پیش قدمی میں ہم آہنگی ہونی چاہئے ۔ اگر کچھ صنعتوں کی پیداوار میں افزائش کی شرح بلند اور دیگر صنعتوں میں یہ شرح پست ہو تو صنعتوں کی ترقی میں عدم توازن پایا جاتا ہے ۔ جس کے نتیجے میں تمام صنعتوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے ۔ پاکستان میں کاٹن ٹیکسٹائیل ، بناسپتی گھی ، اور سیمنٹ وغیرہ کی صنعتوں نے بہت ترقی کی ہے ۔ لیکن اشیاء سرمایہ بنانے والی صنعتوں کی تعداد کم ہے اور ان کی شرح افزائش پست ہے ۔ اگر اشیائے سرمایہ بنانے والی صنعتیں ، صرفی اشیا تیار کرنے والی صنعتوں کے لیے کافی مقدار میں مشینیں اور آلات تیار نہ کر سکیں ۔ تو موخذ الذکر صنعتوں کی ترقی خود بخود رُک جائے گی۔ پاکستان ایک طویل عرصہ تک مشینوں اور آلات کی درآمد کا متحمل نہیں ہو سکتا ۔

(x) آجروں اور مزدوروں کی آویزش (Tension between Entrepreneures and Labour)

صنعتی شعبے میں آجروں اور مزدوروں کے درمیان آویزش پائی جاتی ہے اور ہڑتالوں ، تالہ بندیوں اور صنعتی جھگڑوں کی نوبت آتی رہتی ہے ۔ آجر مزدوروں کی پیداواری صلاحیت سے مطمئن نہیں ہیں ۔ اور مزدور کارخانوں کی ملازمت کی شرائط سے مطمئن نہیں ہیں ۔ حکومت کی وضع کردہ لیبر پالیسی پر اکثر آجرین صدق دل سے عمل نہیں کرتے ۔ اور مزدور سُست اور کام چور ہوتے جا رہے ہیں ۔ اس لیے صنعتوں میں پُرامن فضا قائم کرنے اور پیداوار بڑھانے میں

رکاوٹیں پیش آرہی ہیں ۔

3.8.2 صنعتی شعبے کے مسائل کے حل کے لیے حکومت کے اقدامات

(Measures Adoptted by the Govt. Towards the Solution of Problems of Industrial Sector)

پاکستان میں صنعتوں کے مسائل کے حل کے لیے حکومت نے مندرجہ ذیل اقدامات کیے ہیں ۔ ان اقدامات کے نتیجے میں توقع کی جاسکتی ہے ۔ کہ ملک میں صنعت افروزی کی رفتار بڑھ جائے گی ۔ اور معیشت مستحکم ہو جائے گی ۔

(i) صنعتی ترقی کی حکمتِ عمل کا واضح تعین

(Clear Determination of Strategy of Industrial Development)

حکومت نے صنعتی ترقی کی حکمت عملی کا واضح تعین کر دیا ہے ۔ اس ضمن میں حکومت کے مندرجہ ذیل فیصلے قابلِ ذکر ہیں ۔

زراعت معیشت کا سب سے بڑا شعبہ ہے ۔ اور صنعتی ترقی کی بنیاد ہے ۔ اس لیے زراعت کی ترقی پر نسبتاً زیادہ اخراجات کیے جانے چاہیں ۔ تاکہ غذائی پیداوار بڑھائی جاسکے اور ملکی صنعتوں کو زیادہ خام مال میّسر آئے ۔ نیز زرعی شعبے میں صنعتی پیداواروں مثلاً زرعی مشینوں اور کھاد وغیرہ کی طلب میں اضافہ ہو ۔ چنانچہ چھٹے پانچ سالہ منصوبے میں زراعت اور آبی وسائل کی ترقی پر مجموعی اخراجات کا 17.9 فیصد جبکہ صنعت پر مجموعی اخراجات کا 16.3 فیصد خرچ کرنے کے اہداف مقرر کیے گئے ہیں ۔

پاکستان کے معاشی تقاضوں کی روشنی میں بڑے پیمانے اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح نہیں دی جاسکتی ۔ لہٰذا حکومت نے متذکرہ دونوں صنعتی شعبوں میں متوازن ترقی کے لیے اقدامات کیے ہیں ۔

روزگار کی تخلیق کے لیے سرمایہ عمیق طریقہ ہائے پیدائش کے مقابلے میں محنت عمیق طریقے قابل ترجیح ہیں۔اس لیے محنت عمیق طریقے اختیار کرنے والی صنعتوں کو خصوصی رعایات دی گئی ہیں ۔

سرکاری شعبے کے مقابلے میں نجی شعبے کی کارکردگی مجموعی طور پر بہتر رہی ہے۔ اس لیے صنعتی ترقی کے عمل میں نجی شعبے کو اہم کردار ادا کرنے کا موقع دیا جائے گا۔

نجی شعبے میں اعتماد کی فضا پیدا کرنے اور نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے لیے صنعتی اثاثوں کے ملکیتی حقوق کو تحفظ دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں حکومت نے 1979 میں ایک حکم (Protection of Rights of Industrial Property Order) جاری کیا۔

(ii) مالی اداروں کا قیام (Establishment of Financial Institutions)

نجی شعبے میں قرضوں کی فراہمی کے لیے حکومت نے 1957ء میں پاکستان انڈسٹریل کریڈٹ اینڈ انوسمنٹ کارپوریشن (PICIC) قائم کی جو صنعتکاروں کو ملکی اور غیر ملکی کرنسیوں میں اوسط المیعاد اور طویل المیعاد قرضے دیتی ہے۔ نیز 1961 میں حکومت نے انڈسٹریل ڈویلپمنٹ بنک آف پاکستان (IDBP) قائم کیا۔ یہ بنک بھی ملکی اور غیر ملکی کرنسیوں میں صنعتکاری کے لیے قرضے مہیا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کئی مالی ادارے صنعتی سرمایہ کاری میں اضاوجہ کلہ بنتے ہیں۔ مثلاً انوسمنٹ کارپوریشن آف پاکستان (ICP)، نیشنل ڈویلپمنٹ فنانس کارپوریشن (NDFC)، ایکویٹی پارٹیشین فنڈ (Equity Participation Fund) بینکرز ایکویٹی لمیٹڈ (Bankers Equity Limited) اور تمام تجارتی بنک۔ سٹیٹ بنک نے تمام بنکوں اور مالی اداروں کو ہدایت کی ہے کہ زرعی اراضی کی ضمانت پر بھی صنعتکاری کو قرضے جاری کیے جائیں۔

(iii) منڈیوں کی توسیع اور تجارتی معاہدے (Expansion of Markets and Trade Pacts)

ملکی منڈی میں مصنوعات کی طلب بڑھانے کے لیے حکومت نے زرعی شعبے میں کسانوں کے لیے ایک خاص انکم پالیسی وضع کی ہے اور مختلف فصلوں کی امدادی قیمتیں (Suppot Prices) مقرر کی ہیں۔ ان اقدامات سے دیہی آبادی کی مالی حالت بہتر ہوگی اور وہ زیادہ مصنوعات خرید سکیں گے۔ گویا صنعتی پیداواروں کے لیے ملکی منڈی وسیع ہو جائے گی۔ نیز حکومت نے غیر ممالک میں نئی منڈیوں کی تلاش کی کوششیں تیز تر کر دی ہیں۔ اور مصنوعات کی برآمد کے لیے کئی ممالک کے ساتھ تجارتی معاہدے کیے ہیں۔

(iv) خام مال کی فراہمی (Supply of Raw Meterial): فصلوں پر مبنی خام مال کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے کوالٹی بیجوں کے استعمال کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ معدنی خام مال کی پیداوار بڑھانے کے لیے کثیر رقوم خرچ کی جارہی ہیں۔ نیز ہر سال بہت بڑی مقدار میں صنعتی خام مال درآمد کیا جاتا ہے۔ 87-1986ء میں ملکی صنعتوں کے لیے 41326 ملین روپے کا خام مال درآمد کیا گیا۔

(v) تعلیم و فنی تربیت کے ادارے (Institutions for Technical Education and Training): صنعتی ترقی کے لیے تربیت یافتہ افراد کی تعداد میں اضافہ کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ حکومت فنی تعلیم کی مد پر کثیر رقوم خرچ کر رہی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ فنی تعلیم پر ہونے والے اخراجات جو کہ 75-1974 میں 192 ملین روپے تھے 88-1987 میں بڑھ کر 2282 ملین روپے ہو چکے تھے۔ پچھلے دس سالوں میں ووکیشنل انسٹی ٹیوٹس اور کمرشل انسٹی ٹیوٹس کی تعداد میں اضافہ کیا گیا ہے۔ نیز صنعتی علاقوں میں کارکنوں کی پیشہ ورانہ صلاحیت بڑھانے کے لیے ادارے قائم کیے جارہے ہیں۔

(vi) تحتی ڈھانچہ (Basic Infra Structure): صنعتی ترقی کی غرض سے حکومت توانائی کی رسد بڑھانے پر بھاری رقوم خرچ کر رہی ہے۔ چھٹے پانچ سالہ منصوبے میں توانائی کے ذرائع کی ترقی پر مجموعی اخراجات کا 23.1 فیصد حصہ مختص کیا گیا۔ یہ رقم تمام دیگر مدوں کے مقابلے میں زیادہ تھی۔ فنی تعلیم و تربیت کے ادارے قائم کیے جارہے ہیں۔ مالی اداروں کے وسائل بڑھائے جارہے ہیں۔ تاکہ صنعت افروزی کے لیے زیادہ سے زیادہ قرضے فراہم کیے جاسکیں۔ ذرائع نقل و حمل و مواصلات کی ترقی کو خصوصی ترجیح دی جارہی ہے۔ اور فولاد اور پیچیدہ مشینیں تیار کرنے کے لیے بڑے بڑے پراجیکٹ قائم کیے جارہے ہیں۔ مثلاً سوویت یونین کی مالی اور فنی امداد سے کراچی میں سٹیل ملز قائم کی گئی ہے۔ جبکہ چین کی امداد سے ہیوی مکینیکل کمپلکس (Heavy Mechanical Complex) قائم کیا گیا ہے۔ نیز ضلع ہزارہ میں چین کی ہی مدد سے ہیوی الیکٹریکل کمپلکس (Heavy Electrical Complex) قائم کیا گیا ہے۔

(vii) پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کا قیام (Establishment of P.I.D.C)

قیام پاکستان کے بعد ابتدائی سالوں میں معشیت کے صنعتی شعبے میں آجرانہ صلاحیت کی بہت کمی محسوس کی گئی ۔ چنانچہ کلیدی اہمیّت کی بھاری صنعتیں قائم کرنے کے لیے خود حکومت نے آجر کا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا ۔ اس مقصد کے لیے 1952ء میں پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن قائم کی گئی اور اس ادارے کے زیر انتظام ایسی صنعتیں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جن کے لیے بھاری سرمایہ کاری درکار تھی اور جن کی تکمیل کے لیے طویل عرصہ درکار ہو ۔ یہ ایسی صنعتیں تھیں جن کے لیے مطلوبہ آجرانہ صلاحیت اور ٹیکنالوجی نجی آجرین فراہم نہ کر سکتے تھے ۔ 1971ء تک یہ کارپوریشن کاغذ ، سیمنٹ کیمیائی کھاد ، پٹ سن کی مصنوعات ، جہاز سازی ، ٹیکسٹائیل ملوں اور سوئی کے مقام سے کراچی تک گیس کی پائپ لائین بچھانے سمیت 59 صنعتی یونٹ قائم کر چکی تھی ۔ دسمبر 1973 تک اس کارپوریشن نے 62 صنعتی اور کان کنی کے پراجیکٹ مکمل کرلیے تھے ۔ کارپوریشن کے قائم کردہ صنعتی یونٹوں نے ملک میں صنعتی ترقی کے لیے معاشی بنیاد کا کام دیا ۔

(viii) تامین (Protection) پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں قائم کردہ نئی صنعتوں میں ٹیکنالوجی اور فنی مہارت کا معیار پست ہوتا ہے ۔ اس لیے ان کے مصارفِ پیدائش زیادہ ہوتے ہیں ۔ اگر ترقی یافتہ ممالک کی مصنوعات کی درآمد کی اجازت دے دی جائے تو ملکی پیداوار ان مصنوعات کا مقابلہ نہیں کر سکتی چنانچہ اِن صنعتوں کو پھولنے پھلنے کا موقع نہیں ملتا ۔ حکومتِ پاکستان نے بہت سی ملکی صنعتوں کو بیرونی مقابلہ سے تامین دے رکھی ہے چنانچہ جن مصنوعات کے بدل درون ملک تیار ہوئے ہیں ان کی درآمد پر پابندی عائد کی گئی ہے ۔ یا پھر ان مصنوعات پر بھاری درآمدی ٹیکس نافذ کیے جاتے ہیں ۔ تامین کے نتیجے میں ملکی صنعتوں کو پھیلنے اور ترقی کرنے کا موقع ملا ہے ۔

(ix) چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی حوصلہ افزائی (Encouragement of Small Scale Industries) حکومت نے چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کے فروغ کے لیے اقدامات کیے ہیں ۔ صوبہ پنجاب میں ایسی صنعتوں کی ترقی کے لیے

حکومت نے پنجاب سمال انڈسٹریز کارپوریشن (P.S.I.C) قائم کی ہے جبکہ دیگر صوبوں میں بھی چھوٹی صنعتوں کی ترقی کے لیے بورڈ یا ڈائرکٹوریٹ قائم کیے گئے ہیں ۔ یہ تنظیمیں نجی آجرین کو فنی امداد مہیا کرتی ہیں اور ان کے زیر انتظام ورکشاپیں ، تربیتی مراکز اور انڈسٹریل اسٹیٹس (Industrial Estates) قائم کی گئی ہیں ۔ ملک کی مجموعی برآمدات میں چھوٹی صنعتوں کا حصہ 18 فیصد ہے ۔

چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی ترقی کے لیے حکومت خصوصی غیر ملکی قرضوں کا اہتمام کرتی ہے ۔ نیز آجروں کو ملکی وسائل سے بھی سستے قرضے مہیا کیے جاتے ہیں ۔

چھوٹی صنعتوں کی پیداوارس یہ ہیں : قالین اور دریاں ، ٹیکسٹائیل ، کشیدہ کاری ، اونی ملبوسات ، لکڑی اور دھات سے تیار شدہ اشیاء ، چمڑے کی مصنوعات ، ریڈی میڈ گارمنٹس ، الیکٹرانکس اور مٹی کے برتن ۔

(x) صنعتی تحقیق (Industrial Research) حکومت نے 1953ء میں ایک انڈسٹریل ریسرچ کونسل (Industrial Research Council) قائم کی ۔ اس کونسل کے زیرِ اہتمام لاہور ، کراچی اور پشاور میں تحقیق گاہیں قائم کی گئی ہیں ۔ جو صنعتی پیداوار کے ایسے اسلوب اور فنون تیار کرتی ہیں جنہیں اپنا کر صنعتیں اپنے مصارف پیدائش میں کمی کر سکتی ہیں ۔ اور پیداوار بڑھا سکتی ہیں ۔

(xi) ملکی نجی سرمایہ کاری کے لیے ترغیبات (Incentives for Domestic Private Investment) حکومت نے نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے ہیں :

(الف) نجی اور سرکاری شعبوں کا تعین (Determination Role of Private and Public Sectors) حکومت نے فیصلہ کیا ہے ۔ کہ نجی شعبہ سرکاری شعبے کے مقابلے میں صنعت افروزی میں زیادہ اہم کردار ادا کرے گا زرعی شعبے سے متعلقہ صنعتیں جنہیں قومی تحویل میں لیا گیا تھا ۔ ان کے سابق مالکان کو واپس لوٹا دی گئی ہیں ۔ نیز واضح کر دیا گیا ہے کہ اب جو صنعتیں نجی شعبے میں قائم کی جائیں گی ۔ انہیں قومی تحویل میں نہیں لیا جائے گا ۔

(ب) نیشنل ڈی ریگولیشن کمیشن (National De-regulation Commissioin)

اس کمیشن کے ذمہ یہ کام ہے ۔ کہ نجی سرمایہ کاری پر جو غیر ضروری اور تکلیف دہ پابندیاں عاید ہیں ۔ ان کی نشاندہی کرے ۔ اور انہیں دور کرنے کے لیے سفارشات پیش کرے ۔ اس کمیشن کی سفارش پر حکومت نے 500 ملین روپے تک کی سرمایہ کاری والے پراجیکٹوں کو سرکاری منظوری سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے ۔

(ج) ضروری سہولتوں کی بہم رسائی (Provision of Basic Facilities)

وفاقی کابینہ کی معاشی رابطہ کمیٹی (Economic Coordination Committee) نے صنعتکاروں کی صنعتی مراکز (Industrial Estates) میں تمام سہولتوں کی بہم رسانی کی منظوری دی ہے ۔ چنانچہ ان مراکز میں صنعتی یونٹ قائم کرنے والے سرمایہ کاروں کو بیک وقت زمین ، بجلی ، گیس ، ٹیلی فون، پانی اور درآمدی لائسنس مہیا کیے جارہے ہیں ۔ اسے اصطلاحاً وَن وِنڈو سہولتیں (One-Window Facilities) کہتے ہیں ۔

(د) ایکسپورٹ پراسیسنگ زون (Export-Processing Zones)

حکومت نے 1980ء میں کراچی ، لاہور اور پشاور میں ایکسپورٹ پراسیسنگ زون قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ جدید ٹیکنالوجی کے حصول ، پیداوار کے بڑھانے اور مصنوعات کی برآمد میں اضافہ کرنے کے لیے کشش مہیا کی جائے ۔ ان زونوں میں قائم کردہ صنعتی یونٹوں کو درآمدی مشینری اور خام مال پر کسٹم ڈیوٹی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے ۔ نیز انہیں تمام مرکزی ، صوبائی اور میونسپل ٹیکس معاف کر دیے گئے ہیں ۔

(xii) غیر ملکی سرمایہ کاری (Foreign Investment) حکومت نے غیر ملکی سرمایہ کاروں کو یہاں سرمایہ کاری کرنے کے لیے بہت سی ترغیبات دی ہیں ۔ 1976ء میں پاس کیے گیے غیر ملکی سرمایہ کاری کے فروغ اور تحفظ کے ایکٹ کے مطابق یہ سرمایہ کار اپنا سرمایہ اور منافع واپس وطن منتقل کر سکتے ہیں ۔ نیز انہیں ٹیکسوں کی مراعات بھی دی گئی ہیں ۔

اعادہ

دنیا کی اسی فیصد آبادی پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک مں رہتی ہے ۔ اِن افراد کا معیارِ زندگی پست ہے اور وہ بنیادی اشیائے ضرورت بھی پوری طرح حاصل نہیں کر پاتے ۔ اب جبکہ یہ ممالک غیر ملکی حکمرانی سے آزاد ہو چکے ہیں ۔ اور وہ اپنے معاشی مسائل کے بارے میں خود فیصلہ کر سکتے ہیں ۔ وہ کم از کم وقت میں غربت سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں ۔ ترقی یافتہ ممالک کے افراد کی خوشحالی دیکھ کر ان کے جذبہ ترقی کی شدت میں اضافہ ہوا ہے ان ممالک کے لیے معاشی ترقی کا حصول وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے ۔

معاشی ترقی سے مراد ایسا عمل ہے جس کے تحت کسی ملک کے پیداواری وسائل کو اس طرح بروئے کار لایا جاتا ہے ۔ کہ قومی آمدنی میں مسلسل اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ اور فی کس آمدنی بڑھتی جاتی ہے ۔ امریکہ ماہرین معاشیات پروفیسر مائیر اور بالڈون (Profs. Meier and Baldwin) نے معاشی ترقی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ۔
"معاشی ترقی ایک ایسا مرحلہ وار عمل ہوتا ہے جس کے دوران معیشت کی حقیقی قومی آمدنی ایک طویل عرصے تک بڑھتی جاتی ہے اور اگر ترقی کی رفتار شرحِ افزائش آبادی سے زیادہ ہو تو فی کس آمدنی بھی بڑھتی جاتی ہے۔"

دنیا کے نیم ترقی یافتہ ممالک متعدد مسائل سے دوچار ہیں اور مسائل ان معیشتوں کی مشترک خصوصیات ہیں ۔ اِن مسائل میں افراطِ آبادی ، زراعت پر انحصار اشیائے سرمایہ کی قلت ، قدرتی وسائل کی ناکافی استعمال ، خام مال کی برآمد توازن ادائیگی کا خسار ، غیر ملکی قرضوں کا بوجھ ، اور سماجی اشیائے سرمایہ کی قلت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔

کسی ملک کی معاشی ترقی کو متاثر کرنے والے کئی عوامل ہوتے ہیں ۔ اِن عوامل کو تین زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

(i) معاشی عوامل ، مثلاً قدرتی وسائل کی دستیابی ، تشکیلِ سرمایہ ، ٹیکنالوجی اور اضافی وسائل

(ii) معاشرتی و سماجی عوامل : یہ عوامل اس طرح کے ہوتے ہیں ۔ روایت پسندی ،

مشترکہ خاندان ، قناعت پسندی ، فرسودہ مذہبی عقائد ، ضبطِ تولید میں حائل رکاوٹیں اور معاشرے میں عورت کا حقیر مقام

(iii) سیاسی عوامل : یعنی نظامِ حکومت ، مقتدر پارٹی کا منشور اور سیاسی استحکام ۔

معاشی ترقی کے حصول کے لیے قومی وسائل کا بہترین استعمال لازم ہوتا ہے ۔ اور اس کے لیے معاشی منصوبہ بندی ناگزیر ہے ۔ ماہر اقتصادیات ترقی (H.D Dickin-sion) نے معاشی منصوبہ بندی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے "معاشی منصوبہ بندی سے مراد مجموعی معاشی نظام کے جامع جائزے کی بنیاد پر مخصوص اتھارٹی کے بڑے بڑے معاشی فیصلے ہیں ۔ کہ کونسی اشیاء پیدا کی جائیں ، اشیاء کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں اور اِن اشیاء کو کن افراد میں تقسیم کیا جائے ۔ مائیکل ٹوڈیرو (Michael Todaro) رقم طراز ہیں کہ منصوبہ گر اتھارٹی منصوبہ بندی کے تحت پیشگی طے شدہ مقاصد کے مطابق ملکی معیشت کے بڑے بڑے متغیرات مثلاً صرفی اخراجات ، بچت اور سرمایہ کاری وغیرہ کو متاثر کرتی ہے اور اِن میں خاص سمت میں تبدیلیاں برپا کرنے کا اہتمام کرتی ہے۔

پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں معاشی منصوبہ بندی کا قومی جواز پایا جاتا ہے کیونکہ نجی آجرین کے مقابلے میں حکومتی فیصلے بہر حال بہتر ہوتے ہیں ۔ منصوبہ بندی کے ذریعے دولت اور آمدنی کی تقسیم میں اعتدال پیدا کیا جاتا ہے ۔ بنیادی سماجی املاک تعمیر کی جا سکتی ہیں ۔ قومی وسائل کا معیار یا استعمال کیا جاتا ہے ۔ صارفین اور کارکنوں کے مفادات کا تحفظ کیا جاتا ہے ۔ توازنِ ادائیگی کی خرابی کی اصلاح کی جا سکتی ہے ۔ تشکیلِ سرمایہ اور ٹیکنالوجی کو فروغ دیا جا سکتا ہے ۔ منصوبہ بند معیشتوں کے لیے مسئلہ افراطِ آبادی کو حل کرنا ممکن ہوتا ہے ۔

ترقی پذیر ممالک میں معاشی منصوبہ بندی کے مقاصد یہ ہوتے ہیں ۔

(i) قومی آمدنی میں اضافہ کرنا
(ii) فی کنبہ حقیقی آمدنی میں اضافہ کرنا
(iii) غذائی خود کفالت حاصل کرنا
(iv) صنعتوں کو ترقی دینا
(v) معیشت کو متنوع بنانا
(vi) قیمتوں میں استحکام پیدا کرنا

پاکستان میں باقاعدہ منصوبہ بندی کا آغاز 1955ء میں ہوا ۔ اسی سال پہلا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ شروع کیا گیا ۔ 1983ء میں پاکستان کے چھٹے پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ پر

کام شروع کیا گیا ۔ اس منصوبے کے اخراجات کا حجم 420 بلین روپے تھا ۔ اس میں سے 200 بلین روپے نجی شعبے میں اور 290 بلین روپے سرکاری شعبے میں خرچ کرنے کا فیصلہ کیا گیا ۔ زراعت اور آبی وسائل کی ترقی کے لیے مجموعی اخراجات کا 17.9 فیصد مختص کیا گیا جبکہ توانائی صنعت اور ذرائع نقل و حمل و خبر رسانی کے لیے علی الترتیب مجموعی اخراجات کا 23.1 فیصد ، 16.3 فیصد اور 16.5 فیصد حصہ مختص کیا گیا ۔ منصوبے کے اہم اہداف یہ تھے : (i) خام ملکی پیداوار میں 6.5 فیصد سالانہ کی شرح سے اضافہ (ii) زرعی پیداوار میں 4.9 فیصد سالانہ کی شرح سے اضافہ (iii) صنعتی پیداوار میں 9.3 فیصد سالانہ کی شرح سے اضافہ (iv) ذرائع نقل و حمل اور خبر رسانی کی استعدادِ کار کو بہتر بنانا (v) پست آمدنی والے طبقات کے لیے مکانات کی تعمیر اور پانی کی سپلائی میں اضافہ (vi) تعلیم عامہ ، صحت عامہ اور آبادی کی بہبود میں اضافے کا بندوبست ۔

پاکستان کی معیشت کا سب سے اہم شعبہ زراعت ہے ۔ ملکی آبادی کا 70 فیصد حصہ دیہاتوں میں رہتا ہے جبکہ مجموعی آبادی کا 50 فی صد حصہ اپنی روزی کاشکاری اور دیگر زرعی پیشوں سے حاصل کرتا ہے ۔ خام قومی پیداوار میں زراعت کا حصہ 24.5 فیصد ہے ۔ لیکن پاکستان کی زراعت پسماندہ ہے اور فی ایکڑ پیداوار پست ہے ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زرعی شعبہ متعدد مسائل کا شکار ہے ۔ یہ مسائل مندرجہ ذیل ہیں ۔

(i) زرعی زمین کا ناکافی استعمال (ii) چھوٹے قطعاتِ اراضی (iii) سیم و تھور (iv) آبپاشی کی قلت (v) غیر موافق موسمی حالات (vi) زرعی مداخل کا کم استعمال (vii) فصلی بیماریاں (viii) زرعی تحقیق ناکافی ہے ۔ (ix) توسیعی پروگرام ناکافی ہیں ۔ (x) زرعی شعبے کا تحتی ڈھانچہ کمزور ہے ۔ (xi) قرضوں کی سہولیات ناکافی ہیں ۔ (xii) زرعی منڈیوں کا نظام اصلاح طلب ہے ۔ (xiii) نظام حقیت اراضی غیر تسلی بخش ہے ۔ (xiv) زرعی اراضی تقسیم در تقسیم اور انتشار کے مسائل کا شکار ہے ۔

ان مسائل کے حل کے لیے حکومتِ پاکستان نے یہ اقدامات کیے ہیں ۔

(i) آبپاشی کی سہولتوں میں اضافہ (ii) کھاد کے استعمال میں اضافہ (iii) بہتر بیجوں کی فراہمی (iv) تحفظِ نباتات کی سہولتوں کی دستیابی (v) مشینی کاشت کا فروغ (vi) توسیعی خدمات میں اضافہ (vii) سیم زدہ زمینوں کی بحالی (viii) امدادی قیمتوں کا پروگرام (ix) زرعی قرضوں میں اضافہ (x) زرعی اصطلاحات کا نفاذ (xi) تعاونی کاشت کی ترغیب ۔ پاکستان میں معیشت کی

متوازن ترقی کے لیے زرعی شعبے کی ترقی کے ساتھ ساتھ صنعتی شعبے کی ترقی بھی لازم ہے ۔ پاکستان میں صنعتی شعبے کی افزائش کی رفتار زرعی شعبے کی شرح ترقی سے بہتر رہی ہے ۔ (51-1950) میں خام قومی پیداوار میں صنعتی شعبے کا حصہ بمشکل 8 فیصد تھا جو کہ 87-1986 میں بڑھ کر 19 فیصد ہو چکا تھا ۔

پاکستانی معیشت کی ترقی کی اہمیت متذکرہ ذیل وجوہات کی بناء پر بہت زیادہ ہے ۔ (i) زراعت میں مشینوں اور آلات کی فراہمی کا انحصار صنعتی ترقی پر ہے ۔ (ii) صنعتی مصنوعات کی برآمد بڑھا کر قومی آمدنی میں تیزی سے اضافہ کیا جاسکتا ہے ۔ (iii) روزگار کے گوناگوں مواقع پیدا کیے جاسکتے ہیں ۔ (iv) سامانِ دفاع میں خود کفالت حاصل کرنے کے لیے صنعتی ترقی ناگزیر ہے ۔

پاکستان میں صنعتی شعبے کی پیش قدمی کی رفتار ضرورت سے کم تر رہی ہے ۔ یہ شعبہ مندرجہ ذیل مسائل سے دوچار ہے ۔ آجرانہ صلاحیتوں کا فقدان ، صنعتی ترقی کی حکمت عملی کا واضح تعین نہیں کیا گیا اور چند بنیادی مسائل حل طلب ہیں ۔ سرمائے کی قلت ہے ۔ صنعتی پیداوار کی منڈی محدود ہے ۔ خام مال کی فراہمی ناکافی ہے ۔ کارکنوں میں فنی مہارت کا فقدان ہے ۔ بنیادی تحتی ڈھانچہ ابھی کمزور ہے ۔ صنعتی تحقیق کا فقدان پایا جاتا ہے ۔ مختلف صنعتوں کی ترقی غیر متوازن رہی ہے ۔ آجروں اور مزدوروں میں آویزش پائی جاتی ہے ۔ حکومت نے ان مسائل کے حل کے لیے متعدد اقدامات کیے ہیں ۔ جن کے نتیجے میں ان مسائل پر قابو پایا جارہا ہے ۔ حکومت نے نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے مالی اداروں کا قیام ، منڈیوں کی توسیع اور تجارتی معاہدے ، خام مال کی فراہمی ، تعلیم و فنی تربیت کے ادارے ، تحتی ڈھانچے کی فراہمی، پی۔ آئی۔ڈی۔ سی (PIDC) کا قیام، ملکی صنعتکاروں کے لیے تامین ، چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی حوصلہ افزائی ، صنعتی تحقیق ، ملکی نجی سرمایہ کاری کے لیے ترغیبات اور غیر ملکی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی ۔

اہم سوالات

1- معاشی ترقی کا مفہوم پیش کیجیے نیز معاشی ترقی کی تعریف لکھیے اور اس کی وضاحت کیجیے ۔

2- نیم ترقی یافتہ ممالک کے مسائل پر نوٹ لکھیے ۔

3- معاشی ترقی کے معاشی عوامل ، معاشرتی عوامل اور سیاسی عوامل پر تفصیلی نوٹ لکھیے ۔

4- معاشی منصوبہ بندی کی تعریف کیجیے اور تعریف کے چیدہ چیدہ نکات پر روشنی ڈالیے ۔

5- پاکستان جیسے ملک کے لیے معاشی منصوبہ بندی کیوں ضروری ہے؟ پاکستان میں ترقیاتی منصوبہ بندی کا ایک اجمالی خاکہ تحریر کیجیے ؟

6- پاکستان کے چھٹے پانچ سالہ منصوبہ کے سائز ، مالی وسائل کی شعبہ وار تقسیم اور اس کے مقاصد و اہداف پر مضمون تحریر کیجیے ۔

7- "پاکستان ایک زرعی مُلک ہے لیکن اس کا زرعی شعبہ متعدد مسائل سے دو چار ہے" وضاحت کیجیے ۔ اِن مسائل کو حل کرنے میں حکومت کے کردار پر نیز روشنی ڈالیے ۔

8- پاکستان کا شعبہ صنعت کون کون سی صنعتوں پر مشتمل ہے ۔ نیز شعبہ صنعت کن مسائل سے دو چار ہے ؟

9- صنعتی ترقی کے سلسلہ میں حکومت کے کردار پر روشنی ڈالیے ۔

☆ ☆ ☆

باب نمبر 4

زر (MONEY)

4.1 ابتدائیہ

4.2 براہ راست مبادلہ کا نظام

4.2.1 براہ راست مبادلہ کے نظام کی مشکلات

4.3 زر کا ارتقاء

4.4 زر کی تعریف

4.5 زر کے فرائض

4.6 زر کی اقسام

4.7 زر کی طلب و رسد

4.7.1 زر کی طلب

4.7.2 زر کی رسد

4.8 کاغذی زر کے فوائد اور نقصانات

4.9 زر کی قدر

4.10 زر کی قدر میں تبدیلیاں پیدا کرنے والے عوامل

4.11 زر کی قدر میں تبدیلیوں کے اثرات

4.12 نظریہ مقدار زر

4.12.1 نظریہ مقدار زر پر تنقید

4.13 افراطِ زر

4.13.1 افراطِ زر کے نتائج

4.13.2 افراطِ زر کا علاج

4.14 تفریطِ زر

4.14.1 تفریطِ زر کی وجوہات

4.14.2 تفریطِ زر کے نتائج

4.14.3 تفریطِ زر کا علاج

زر (MONEY)

4.1 ابتدائیہ (Introduction)

زر انسان کی بہترین ایجادات میں سے ایک ہے ۔ زر کی ایجاد سے قبل افراد اشیاء وخدمات کا براہِ راست تبادلہ کیا کرتے تھے ۔ لیکن براہِ راست تبادلہ کا نظام کئی دشواریوں کا حامل تھا ۔ زر نے نہ صرف ان مشکلات کو دور کیا بلکہ معاشی نظام کو نکھارنے اور اسے ترقی دینے میں اہم کردار ادا کیا ۔ جدید زری نظام نے تجارت کو وسعت دی ۔ پیداوار میں حد درجہ تقسیمِ کار کو ممکن بنایا ۔ زر کے لین دین کا کاروبار کرنے والے مالی اداروں نے قرضوں کی فراہمی کو آسان بنا کر کثیر النوع صنعتوں اور پیشوں کو جنم دیا اور جب بین الاقوامی ادائیگیاں زر کی وساطت سے ممکن ہوئیں تو پیداوار کی طلب و رسد ملکی سرحدیں پھلانگ کر عالمی سطح پر پھیل گئیں ۔ آج زر کسی بھی معیشت کا محور ہے ۔ معاشی لین دین میں زر آلۂ مبادلہ کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ساتھ حسابی اکائی کا بھی کام دیتا ہے ۔ افراد اپنی آمدنی بچت اور صرفی خرچ کا تخمینہ زر میں لگاتے ہیں ۔ فرمیں عاملین کی خدمات کے عوضانے زر میں ادا کرتی ہیں اور اپنی پیداوار زر کے عوض فروخت کرتی ہیں نیز فرمیں مصارفِ پیدائش منافع اور نقصان کا حساب زر کی صورت میں رکھتی ہیں ۔ اس طرح قومی سطح پر بھی آمدنی صرف ، بچت ، سرمایہ کاری ، درآمدات و برآمدات کے مجموعات کی مالیت کا اندازہ زر میں ہی لگایا جاتا ہے ۔ نیز مرکزی بنک اپنی زری پالیسی کے ذریعے ان کل معاشی مجموعات کو متاثر کر سکتا ہے ۔

موجودہ باب میں براہِ راست مبادلہ کی مشکلات ، زر کے ارتقاء زر کی تعریف ، زر کے فرائض اور اس کی اقسام کا مطالعہ کیا جائیگا ۔ بعدازاں ہم زر کی طلب و رسد اور اس کی قدر کے تعین کا تفصیلی جائزہ لیں گے ۔ آخر میں افراطِ زر اور تفریطِ زر کے اسباب ان کے نتائج اور علاج کے طریقوں پر سیر حاصل بحث کی جائیگی ۔

4.2 براہِ راست مبادلہ کا نظام (Barter System)

معاشی ارتقاء کے ابتدائی دور میں زر موجود نہ تھا اور اشیاء کا براہِ راست تبادلہ کیا

جاتا تھا ۔ اِسے براہِ راست مبادلہ کا نظام کہتے ہیں ۔ زر کی ایجاد سے قبل انسانی تہذیب معاشی نقطہ نگاہ سے سادہ اور پسماندہ تھی ۔ افراد اپنے اپنے پیشوں کی فاضل پیداوار کا تبادلہ دیگر افراد کے پیشوں کی پیداوار سے کر لیتے اور اپنی حاجات کی تسکین کر لیتے تھے ۔ مثلاً کاشتکار اپنی زرعی پیداوار کے بدلے میں جولاہے سے کپڑا ، موچی سے جُوتا ، غلّہ بان سے بھیڑ بکریاں ، باغبان سے پھل فروٹ حاصل کر لیتا اور معمار سے اپنا مکان تعمیر کروالیتا ۔ لین دین کا یہ طریقہ کار ہزاروں سال تک رائج رہا ۔ لیکن تبادلے کے اس طریقے میں کئی مشکلات حائل تھیں اور انھی مشکلات کے نتیجے میں براہ راست مبادلہ کا نظام زوال پذیر ہوا اور بالآخر یہ ختم ہو گیا ۔ ذیل میں ہم اس نظام کی دشواریوں کا جائزہ لیتے ہیں ۔ یہی دشواریاں اس نظام کے نقائص تھیں ۔

4.2.1 براہِ راست مبادلہ کے نظام کی مشکلات
(Difficulties of Bartar System)

براہِ راست مبادلہ کے نظام میں مندرجہ ذیل دقتیں پائی جاتی تھیں ۔

(i) ضروریات کی دو طرفہ مطابقت کا فقدان (Lack of Double Coincidence of wants) براہِ راست مبادلہ کے دور میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص جو اپنی الف شے کے عوض ب شے حاصل کرنا چاہتا ہے ۔ اُسے ایسا شخص تلاش کرنے میں بہت مشکل پیش آتی ہے جو الف شے حاصل کرنا چاہتا ہو اور اس کے بدلے دینے کے لیے اُس کے پاس ب شے بھی موجود ہو ۔ اسے ضروریات کی دوطرفہ عدم مطابقت کہتے ہیں ۔ اب اگر ایک شخص اپنی گائے کے عوض گندم حاصل کرنا چاہتا ہو تو ہو سکتا ہے کہ اُسے ایک شخص مل جائے جس کے پاس دینے کے لیے گندم تو ہے لیکن وہ اس کے عوض گائے کی بجائے مرغیاں حاصل کرنا چاہتا ہو یا یہ کہ وہ گائے کا طلبگار تو ہے لیکن اس کے پاس دینے کے لیے گندم کی بجائے کپڑا ہو ۔ دریں حالات اشیا کا تبادلہ ممکن نہ ہوگا ۔ براہِ راست مبادلہ کے دور میں دو طرفہ ضروریات کی عدم مطابقت معمول کی بات تھی چنانچہ افراد کو مطابقت کا سودا طے کرنے کے لیے بہت جدوجہد کرنی پڑتی اور اس میں کافی وقت ضائع کرنا پڑتا تھا۔

(ii) مشترک پیمانہ قدر کا فقدان (Lack of Common Measure of Value):

براہِ راست مبادلہ کے زمانے میں اگر خوش قسمتی سے دو ایسے افراد کا رابطہ قائم ہو بھی جاتا جن کی ضروریات میں مطابقت موجود ہو تو پھر دوسری مشکل یہ پیش آتی کہ ایک شخص کی شے کی کتنی مقدار کے عوض دوسرے شخص کی شے کی کتنی مقدار کا تبادلہ کیا جائے ۔ اس مشکل کا سبب یہ تھا کہ اشیا کی قدر و مالیت کی پیمائش کا کوئی مشترک پیمانہ موجود نہ تھا ۔ اب اگر گائے کے عوض گندم حاصل کرنے کے خواہشمند فرد کو ایسا شخص مل جائے جو اپنی گندم کے عوض گائے حاصل کرنا چاہتا ہے تو عین ممکن ہے کہ گائے والا اس کے عوض بیس من گندم طلب کرے لیکن دوسرا شخص گائے کے عوض صرف دس من گندم دینا چاہتا ہے ۔ لہٰذا ضروریات کی دو طرفہ مطابقت ہونے کے باوجود سودا طے کرنا مشکل ہوتا ۔ واضح رہے کہ اشیاء کی قدر کا مشترک پیمانہ مروجہ زر ہوتا ہے ۔ لیکن زر کی عدم موجودگی میں مختلف اشیاء کی قدر کی پیمائش کرنا محال ہوتا ہے ۔

(iii) ادھار کے لین دین میں دقت (Difficulty in Transfer of Wealth):

اُدھار کا لین دین معاشی زندگی کا ایک لازم حصہ ہوتا ہے ۔ براہِ راست مبادلہ کے زمانے میں اُدھار پر حاصل کی گئی اشیاء کی ادائیگیاں کرنے میں بھی مشکل پیش آتی تھی ۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں جبکہ زر نہیں تھا اُدھار اشیاء کی شکل میں حاصل کیا جاتا تھا اور اشیا کی شکل میں ہی واپس کیا جاتا تھا ۔ لیکن اس صورت میں ادھار کی مکمل ادائیگی میں مشکل پیش آتی ۔ مثلاً اگر آج زید ، بکر کو ایک بوری چاول اُدھار کے طور پر دیتا ہے اور بکر اتنی ہی مقدار میں چاول اگلی فصل کے موقع پر واپس لوٹانے کا وعدہ کرتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اگلی فصل سے حاصل ہونے والے چاول کوالٹی میں گھٹیا یا بہتر ہوں ۔ اگر بکر زید کو گھٹیا کوالٹی کے چاول واپس کرتا ہے تو زید اس قسم کے چاول کو بادلِ نخواستہ ہی قبول کرے گا اور اگر بکر کو نسبتاً بڑھیا کوالٹی کے چاول واپس کرنے پڑتے ہیں تو اس کے دل میں یہ رنجش رہے گی کہ اُدھار کے اس سودے میں اُسے نقصان ہوا ہے ۔ زر کے بغیر دونوں فریقین کی تسلّی کی حد تک اُدھار کی ادائیگی تقریباً ناممکن ہوتی تھی ۔

(iv) دولت کی نقل مکانی کی دقّت (Difficulty in Tranfer of Wealth):

زر کی ایجاد سے قبل افراد کی تمام تر دولت اشیا کی شکل میں ہوتی تھی ۔ چنانچہ اس دولت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا صعوبت کا باعث ہوتا ۔ مثلاً اگر ایک شخص اپنی دس بھینسوں ، پچاس بکریوں، دو سو اونٹوں اور ایک سو من غلّے کو پچاس میل دُور واقع کسی اور مقام پر منتقل کرنا چاہتا تو اسے ان کی نقل مکانی پر کافی اخراجات برداشت کرنے پڑتے اور دورانِ انتقال ان اشیا کی دیکھ بھال کا بندوبست کرنا پڑتا چنانچہ اشیاء پر مشتمل دولت کی نقل مکانی بہت مشکل ہوتی تھی ۔

(v) ذخیرہ قدر کی دقّت (Difficulty in Storing Purchasing Power): براہِ راست مبادلہ کے زمانے میں لوگ اپنی دولت یعنی قوتِ خرید کا ذخیرہ اشیا ہی کی شکل میں کرتے تھے۔ اس میں دشواری یہ تھی کہ اشیا کا ذخیرہ کرنے کے لیے موزوں جگہ درکار ہوتی نیز ان کی دیکھ بھال پر اضافی اخراجات برداشت کرنے پڑتے اور اگر اس ذخیرے میں مویشی بھی شامل ہوتے تو ان کو خوراک مہیّا کرنے اور ان کی نگہداشت کرنے پر خاصی بڑی رقم خرچ ہوتی اور اگر بیمار پڑ جانے پر کچھ مویشی ہلاک ہو جاتے تو مالک کو کافی نقصان برداشت کرنا پڑتا ۔ اگر ذخیرے میں پھل فروٹ جیسی ناپائیدار اشیاء شامل ہوتیں تو یہ بہت جلد گل سڑ جاتیں اور اس صورت میں بھی ذخیرے کے مالک کو بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ۔

(vi) اشیاء کی عدم تقسیم پذیری (Indivisibility of Goods) براہِ راست لین دین میں ایک مشکل یہ بھی پیدا ہو جاتی کہ بعض ناقابلِ تقسیم اشیاء کے عوض مختلف افراد سے ضرورت کی اشیا حاصل نہ کی جاسکتیں ۔ مثلاً اگر ایک شخص اپنے کمبل کے بدلے انڈے ، ٹوپی اور چھتری حاصل کرنا چاہتا ہو جو مختلف افراد کے پاس ہوں تو وہ کمبل کو اُن افراد کے درمیان تقسیم نہ کر سکتا تھا ۔ دریں حالات تبادلے کی تکمیل نہ ہو پاتی ۔

4.3 زر کا ارتقاء (Evolution of Money)

براہِ راست مبادلہ کی متعدد مشکلات کے پیشِ نظر زر کی ایجاد ناگزیر ہو گئی ۔ اپنی تہذیب کے مختلف مراحل پر انسان نے مخصوص اشیاء کو زر کے طور پر استعمال کیا ۔ ہر دور کا زر اور اس کے اجراء کا نظام اس زمانے کی تہذیبی ترقی کے مدارج اور تجارت

و صنعت کے طریق کی عکاسی کرتا ہے ۔ زر کا ارتقاء ایک طویل اور دلچسپ داستان ہے ۔ ماہرینِ اقتصادیات زر کے ارتقاء کو جن مختلف ادوار میں تقسیم کرتے ہیں وہ یہ ہیں: اشیائی زر کے دَور ، دھاتی زر کا دَور ، کاغذی زر کے دَور اور اعتباری زر کا دور ۔ تاہم ان ادوار کی کوئی قطعی تقسیم بندی نہیں کی جاسکتی کیونکہ کسی ایک ہی دور میں بیک وقت ایک سے زیادہ قسم کے زر مستعمل رہ سکتے ہیں ۔ ذیل میں ہم ارتقائی نقطۂ نظر سے زر کی مختلف اقسام کا جائزہ لیتے ہیں ۔

(الف) اشیائی زر یا اجناسی زر (Commodity Money) : زر کے ارتقاء کے ابتدائی مرحلے پر اشیاء کو زر کے طور پر استعمال کیا گیا ۔ عموماً یہ اشیا ایسی ہوتی تھیں جنھیں افراد روز مرہ زندگی میں صرفی مقصد کے لیے بھی استعمال کر سکتے تھے ۔ علاقے کے جغرافیائی، موسمی اور تہذیبی و معاشی حالات اشیائی زر کے انتخاب کو متاثر کرتے تھے ۔ اشیائی زر آج سے تقریباً دو ہزار سال قبل تک رائج رہا ۔ نویں صدی قبل از مسیح میں یونانی شاعر ہومر (Homer) کی نظموں میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ اُس زمانے میں افراد کی دولت کو بیلوں کی تعداد میں ظاہر کیا جاتا تھا ۔

اشیائی زر چند بڑے نقائص کا حامل تھا ۔ مثلاً اس کی اکائیوں کا معیار ایک جیسا نہ تھا ۔ اس میں تقسیم پذیری نہ پائی جاتی تھی ۔ اسکی بڑی مقدار کی نقل پذیری میں مشکل پیش آتی تھی اور بعض زری اشیا کا ذخیرہ کرنے میں دقت پیش آتی تھی ۔ دریں حالات اشیائی زر کے نظام کو خیرباد کہا گیا اور دھاتوں کو بطور زر استعمال کیا جانے لگا ۔

(ب) دھاتی زر (Metallic Money) : زر کی حیثیت سے قیمتی دھاتوں کا استعمال قبل از مسیح کے زمانے میں شروع ہو گیا تھا ۔ اس وقت انسانی تہذیب خالصتاً گلہ بانی اور کاشتکاری کے دَور سے نکل کر تجارت کے دور میں داخل ہو رہی تھی ۔ تاجروں کو مال کی خرید و فروخت کے لیے دور دراز کے علاقوں میں جانا پڑتا تھا اور ان کے کاروباری حالات کا تقاضا یہ تھا کہ ادائیگیاں چکانے کے لیے زر ایسا ہو جس کی بھاری مالیتی مقدار کو وہ باآسانی اپنے ہمراہ لے جاسکیں ۔ چنانچہ سونے اور چاندی کے مخصوص وزن کے ٹکڑوں کو آلۂ مبادلہ کے طور پر استعمال کیا جانے لگا ۔

دھاتی زر کے نظام کے خاتمے کے کئی اسباب تھے ۔ قیمتی دھاتوں کے سکوں کی جعل سازی کے باعث سودا کاری کی ساکھ کو نقصان پہنچا ۔ قیمتی دھاتوں کی رسد محدود ہوتی ہے اس لیے تجارت کی توسیع کے ساتھ ساتھ معیاری ملکوں کی مقدار میں مطلوبہ شرح سے اضافہ نہیں کیا جاسکتا تھا ۔

(ج) **کاغذی زر (Paper Money):** کاغذی زر ایسی کاغذی کرنسی کو کہتے ہیں جسے حکومت یا اس کا کوئی نمائندہ ادارہ جاری کرتا ہے ۔ پاکستان میں مروّجہ کرنسی مختلف مالیت کے کرنسی نوٹوں اور سکوں پر مشتمل ہے ۔ لیکن مجموعی کرنسی کا بہت کثیر حصہ نوٹوں پر مشتمل ہوتا ہے ۔ ان میں سے ایک روپیہ کا نوٹ حکومت پاکستان جاری کرتی ہے جبکہ بڑی مالیت کے تمام نوٹ ملک کا مرکزی بنک (اسٹیٹ بنک آف پاکستان) حکومت کی اجازت سے جاری کرتا ہے ۔ اس وقت دنیا کے تمام ممالک میں کاغذی زر کا نظام رائج ہے اور اس زر کو قانونی حیثیت حاصل ہے ۔ چنانچہ ملک کے اندر تمام افراد کو اپنی اشیاء خدمات کے عوض یہ زر قبول کرنا پڑتا ہے ۔

(د) **اعتباری زر (Credit Money):** اعتباری زر ایک ایسی تحریر ہوتی ہے جس کا دستخط کنندہ (Signatory) اس تحریر کے حامل کو مندرجہ رقم ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے ۔ معیشت میں زیادہ تر زر اعتباری بنکوں کے نام جاری کردہ چیکوں کی صورت میں ہوتا ہے ۔ کاروباری حلقوں میں زر اعتباری آلہ مبادلہ کے طور پر قبول کیا جاتا ہے ۔ کریڈٹ کارڈ (Credit Card) اور ہنڈیاں (Hundis) وغیرہ بھی زر اعتباری کے زمرے میں آتی ہیں ۔

دورِ جدید میں کسی بھی ملک میں گردش میں موجود کل مقدارِ زر کا غالب کثیر حصہ زر اعتباری پر مشتمل ہوتا ہے ۔ چنانچہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ موجودہ دور زر اعتباری کا دور ہے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی متنوع شکلیں وجود میں آرہی ہیں ۔

4.4 زر کی تعریف (Definition of Money)

موجودہ زمانے میں کوئی بھی معیشت ایک اکائی کی مانند ہوتی ہے اور قیمتوں کا نظام معیشت کے مختلف شعبوں کے درمیان ربط پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے ۔ تمام کل معاشی متغیرات (Macro Economic Variables) قیمت کے محور کے گرد گھومتے

ہیں ۔ قیمتوں کے تغیرات ہر معاشی شعبے کو متاثر کرتے ہیں ۔ پیداوار ، روزگار ، بچت ، صرف ، سرمایہ کاری ، درآمدات و برآمدات غرض تمام متغیرات کا راہبر متغیر قیمتیں ہوتی ہیں ۔ لیکن قیمتوں کا اظہار زر میں کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ زر کی ایک جامع اور مقبولِ عام تعریف پیش کرنا ضروری ہوگا ۔

زر کی تعریف اس طرح کی گئی ہے ۔

"کوئی بھی وہ شے زر کہلاتی ہے جسے آلۂ مبادلہ کی حیثیت سے قبولیت عامہ حاصل ہو اور جو ساتھ ہی ساتھ پیمائش قدر اور ذخیرہ قدر کا کام سرانجام دے" (جیوفرے کراوتھر (Geoffrey Crowther)

اس تعریف میں آلۂ مبادلہ اور قبولیت عامہ کے علاوہ پیمائش قدر (Measure of Value) اور ذخیرہ قدر (Store of Value) کا بھی ذکر موجود ہے ۔ یہ زر کے اہم فرائض ہیں۔ پیمائش قدر سے مراد یہ ہے کہ زر قدری اکائی (یعنی حسابی اکائی Unit of Account) کا کام بھی دیتا ہے ۔ جبکہ ذخیرہ قدر سے مُراد یہ ہے کہ زر کی شکل میں دولت کا ذخیرہ کیا جا سکتا ہے ۔ تاہم یہ تعریف جامع نہیں کیونکہ اس میں مستقبل کی ادائیگیوں کے فریضے کا ذکر موجود نہیں ہے۔

زر کی ایک بہتر تعریف

زر کی متذکرہ ذیل تعریف جامعیّت کی حامل ہے ۔ کیونکہ اس میں زر کے تمام اہم فرائض کا احاطہ کیا گیا ہے ۔

زر وہ شے ہے "جس کے ذریعے ادھار کے معاہدوں اور قیمت کے معاہدوں کی ادائیگیاں چکائی جاتی ہیں اور جس کی شکل میں عام قوتِ خرید کا ذخیرہ کیا جاتا ہے ۔" جے ایم کینز (J.M. Keynes)

تعریف کے اہم نکات کی وضاحت

(i) اُدھار کے معاہدے : اس سے مراد وہ لین دین ہے جس کی ادائیگی مستقبل میں چکانے کا وعدہ کیا گیا ہو ۔ ظاہر ہے کہ ایسے معاہدے صرف اسی صورت میں ممکن ہوں

گے ۔ جب زر مستقبل کی ادائیگی کے معیار کا کام دے ایسے معاہدوں میں اشیا کا اُدھار اور نقد سرمائے کا اُدھار شامل ہیں ۔

(ii) قیمت کے معاہدے : یہ ایسے معاہدے ہوتے ہیں جن کی قیمت حال میں زر کی صورت میں ادا کی جاتی ہے ۔ یہ نقد ادائیگی کے معاہدے ہیں ۔ گویا زر مال کی ادائیگی کے معیار کا یعنی پیمائشِ قدر کا کام بھی دیتا ہے ۔

(iii) ادائیگیاں چُکانا : زر مستقبل اور حال کی ادائیگی چُکانے کا کام دیتا ہے ۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ زر آلۂ مبادلہ کا کام دیتا ہے۔

(iv) عام قوتِ خرید : زر عام قوتِ خرید ہوتا ہے ۔ یعنی اس کی قوت خرید کو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے ۔ باالفاظِ دیگر زر قبولیت عامہ رکھتا ہے ۔

(v) قوتِ خرید کا ذخیرہ : زر کی صورت میں دولت کا ذخیرہ کیا جاسکتا ہے ۔ یعنی یہ ذخیرہ قدر کا کام سرانجام دیتا ہے ۔ اس تعریف میں زر کے جن اہم فرائض کا ذکر کیا گیا ہے وہ علی الترتیب یہ ہیں ۔ مستقبل کی ادائیگیوں کا معیار ، پیمائش قدر آلہ مبادلہ ، قبولیت عامہ اور ذخیرہ قدر اور اُنھی لوازمات کے پیش نظر جے ۔ ایم کینز کی تعریف زر کو مکمل اور جامع تعریف قرار دیا جاسکتا ہے ۔

4.5 زر کے فرائض (Functions of Money)

قبل ازیں زر کی مختلف تعریفوں کے مطالعہ کے دوران زر کے اہم فرائض کا ذکر کیا جاچکا ہے ۔ تاہم یہاں ہم زر کے تمام فرائض کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں ۔

(i) آلۂ مبادلہ (Medium of Exchange) : زر کا اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ یہ اشیا و خدمات کی خرید و فروخت میں آلہ مبادلہ کا کام دے ۔ آلۂ مبادلہ کا فرض سر انجام دیتے ہوئے زر نے پیدائش دولت تقسیم دولت اور تبادلہ دولت کے عمل کو تقویت دی ہے ۔ افراد اپنی عاملینی خدمات (Factor Services) کاروباری اداروں کو مہیا کرتے ہیں ۔ فرمیں ان عاملین کے اشتراک سے اشیاء و خدمات کی پیداوار کرتی ہیں اور اسے منڈی میں زر کے عوض فروخت کرتی ہیں ۔ فرمیں پیداوار کی فروخت سے حاصل کردہ زری وصولی کو عاملین میں اُن کی پیداواری خدمات کے صلے کے طور پر تقسیم کر دیتی ہیں اور اس طرح عاملینی خدمات مہیا کرنے والے افراد آمدنیاں پاتے ہیں ۔ افراد زری

آمدنیوں کے عوض بازار سے ضرورت کی اشیاء و خدمات خرید سکتے ہیں ۔

(ii) مشترک پیمانہ قدر (Common Measure of Value): اشیاء کی لمبائی ، وزن اور حجم وغیرہ کے پیمانے مروج ہیں ۔ کپڑے کی پیمائش میٹروں میں کی جاتی ہے ۔ وزن کی پیمائش مَن ، کلوگرام اور اونس میں اور حجم کی پیمائش مکعب فٹ یا مکعب سینٹی میٹر میں کی جاتی ہے ۔ گویا مختلف اشیاء کے پیمانے مختلف ہیں ۔ لیکن سب اشیاء کی مالیت کا مشترک پیمانہ زر ہے ۔ زر کی مدد سے تمام اشیاء و خدمات کی قدر و مالیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔ مثلاً کسی وقت پر مروجہ قیمتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک میٹر کپڑا دس روپے کا ہے ۔ ایک کلو چاول آٹھ روپے میں آتے ہیں ۔ جبکہ ایک مکعب فٹ لکڑی کی قیمت پچاس روپے ہے زر کی مدد سے ہم نہ صرف مختلف اشیاء کی قدر کا تعین کر سکتے ہیں بلکہ ان اشیا کی قدر کا موازنہ بھی کر سکتے ہیں ۔

(iii) ذخیرہ قدر (Store of Value): ہم اپنی دولت کو زر کی شکل میں ایک طویل عرصہ تک محفوظ رکھ سکتے ہیں اور جب ضرورت پیش آئے اسی زر سے مطلوبہ اشیا و خدمات خرید سکتے ہیں ۔ لیکن براہِ راست مبادلہ کے رواج میں ذخیرہ قدر میں بہت دقت پیش آتی تھی ۔ ظاہر ہے کہ زر کی عدم موجودگی میں لوگ اشیاء کی صورت میں ہی دولت کا ذخیرہ کرتے تھے ۔ اکثر اشیا ناپائیدار ہوتی ہیں اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی افادیت اور قدر میں کمی آجاتی ہے ۔ نیز اگر ذخیرہ قدر مویشیوں کی شکل میں ہو تو ان کی نگہداشت اور ان کی خوراک مہیا کرنے پر اخراجات برداشت کرنے ہوں گے ۔ اگر بد قسمتی سے بیماری بڑھ جائے تو تمام مویشی ہلاک ہو سکتے ہیں ۔ دریں حالات ذخیرہ قدر برباد ہو جائے گا ۔ زر نے اس مشکل کو بطریقِ احسن حل کر دیا ہے ۔

(iv) اُدھار کی ادائیگیوں کا معیار (Standard of Deferred Payments):

زر اُدھار کی ادائیگیوں کے معیار کا کام بھی دیتا ہے ۔ اگر آج کوئی گاہک ایک دکاندار سے پانچ سو روپے کی مالیت کی اشیاء ادھار پر خریدتا ہے اور ایک ماہ کے بعد ادائیگی کرنے کا وعدہ کرتا ہے تو یہ عرصہ گزرنے پر وہ گاہک نقد زر کی صورت میں پانچ سو روپے کی ادائیگی کرکے حساب بیباق کر سکتا ہے ۔ اور اس طرح حساب

چکانے میں کسی فریق کو کوئی شکایت نہ ہوگی ۔ نقد سرمائے کے قرض پر واجب سود کی ادائیگیاں بھی زر کی مدد سے فریقین کی تسلی کی حد تک کی جاسکتی ہیں ۔ لیکن براہِ راست مبادلہ کے دور میں ادھار اشیا کی شکل میں حاصل کیا جاتا تھا اور شے کی شکل میں ہی واپس کیا جاتا تھا ۔ لیکن چونکہ اشیاء کی مختلف اکائیوں کا معیار مختلف ہو سکتا ہے اس لیے اگر اُدھار لوٹانے والا گھٹیا درجے کی شے لوٹاتا تو قرض خواہ کو شکایت ہوتی کہ اُسکا دیا گیا اُدھار پوری طرح واپس نہیں کیا گیا اور اگر قرضدار کو باعث امر مجبوری بہتر درجے کی شے لوٹانا پڑتی تو اسے یہ شکایت ہوتی کہ اُدھار کے سودے میں اُسے خسارہ ہوا ہے ۔ لیکن زر نے مستقبل کی تمام قسم کی ادائیگیوں کا ایک قبول عام معیار فراہم کیا ہے ۔ جس سے اُدھار کے تمام سودے قطعیّت کی حد تک چکائے جاسکتے ہیں ۔ درحقیقت زر کا یہ فریضہ بہت اہم ہے اور اسی فریضے کی انجام دہی کے ناطے تجارت میں سرعت سے توسیع و ترقی واقع ہوئی ہے ۔

(v) انتقالِ قدر (Transfer of Value): زری نظام میں افراد اپنی دولت کو زر کی شکل میں رکھتے ہیں زر کا حجم کم ہوتا ہے ۔ لیکن اس کی مالیت زیادہ ہوتی ہے ۔ اس لیے دولت کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنا آسان ہوتا ہے چنانچہ زر انتقال قدر کا فریضہ بھی احسن طور پر سرانجام دیتا ہے ۔

براہِ راست مبادلہ کے زمانے میں افراد کی دولت بھاری بھر کم اور زیادہ حجم رکھنے والی اشیاء پر مشتمل ہوتی تھی ۔ اس شکل میں موجود دولت کی نقل مکانی بہت مشکل ہوتی ہے ۔ اب تصور کیجیے کہ اگر ایک متمول شخص کی دولت دو سو من غلّہ ، تین سو بھیڑوں ، پانچ سو مرغیوں ، ایک ہزار کھالوں اور بڑی مقدار میں بھوسے پر مشتمل ہو تو اس دولت کو دور واقع کسی مقام پر منتقل کرنا کس قدر محال ہوگا ۔ لیکن آج ہم اپنی نقد دولت کو باآسانی دوسرے مقامات پر منتقل کر سکتے ہیں ۔ نہ صرف یہ بلکہ ہم اپنی زرعی زمین اور مکانات کو بھی زر کے عوض فروخت کرکے دوسرے مقامات پر جاکر اس زر کے عوض زرعی زمین اور مکانات خرید سکتے ہیں گویا زر کی وساطت سے ہم ناقابلِ انتقال اثاثوں (Immovable Assets) کو بھی ملکیت کے لحاظ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل کر سکتے ہیں ۔

4.6 زر کی اقسام (Kinds of Money)

زر کی مختلف اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) دھاتی زر (Metallic Money) دھات سے بنائے گئے زر کو دھاتی زر کہتے ہیں دھاتی زر کا استعمال قبل از مسیح کے دور سے شروع ہو گیا تھا۔ ابتداء میں دھاتی زر قیمتی دھاتوں کے مخصوص اوزان کے ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں جب مستحکم ریاستیں وجود میں آئیں تو حکمرانوں نے باقاعدہ ٹیکسالیں قائم کیں۔ اور سکوں پر ان کی مالیت حکمرانوں کی شکل اور ان کے نام نقش کیے جانے لگے۔ تاہم اب قیمتی دھاتوں کے سکوں کا رواج نہیں ہے۔ البتہ سکّے معمولی دھاتوں کے آمیزے سے تیار کیے جاتے ہیں۔ دھاتی زر کی دو اقسام ہیں۔

(الف) معیاری زر (Standard Money) ایسا دھاتی زر جس کی ظاہری قدر (Face Value) اس کی حقیقی قدر (Real Value) کے برابر ہو معیاری زر کہلاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر ایک معیاری سکے پر جتنی قدر درج ہوتی ہے اُتنی ہی قدر و مالیت کی قیمتی دھات اُس سکّے میں موجود ہوتی ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں قیمتی دھاتوں کی قلت کے باعث معیاری سکّوں کا اجراء بند کرنا پڑا اب کسی بھی ملک میں معیاری سکّے نہیں بنائے جاتے۔

(ب) علامتی سکّے (وضعی سکّے) (Token Coins): یہ ایسے سکّے ہوتے ہیں جن کی ظاہری قدر اُن کی حقیقی قدر سے (یعنی اندرونی قدر) کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً اس وقت پاکستان میں ایک روپے کے سکّے کی ظاہری قدر تو ایک سو پیسے کے برابر ہے۔ لیکن اس میں استعمال کی گئی دھات کی مالیت کم ہے۔ تمام دیگر پاکستانی سکّے بھی علامتی سکّے ہیں۔ زمانۂ حال میں دُنیا بھر کے ممالک میں صرف علامتی سکّے ہی استعمال ہوتے ہیں۔ اور انھیں حکومت کی ٹیکسال تیار کرتی ہے۔

(ii) کاغذی زر (Paper Money): اس سے مراد کاغذ سے تیار کردہ ایسا زر ہے جسے حکومت یا ملک کا مرکزی بنک جاری کرتے ہیں۔ کاغذی زر کرنسی نوٹوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جسے حکومتی قانون کی حمائت حاصل ہوتی ہے۔ اور جسے عام لین دین میں بطرِ آلۂ مبادلہ کے قبول کرنا پڑتا ہے۔ پاکستان میں ایک روپے کا کرنسی نوٹ حکومت

پاکستان جاری کرتی ہے ۔ جبکہ تمام بڑی مالیت کے کرنسی نوٹ حکومت کی اجازت سے مرکزی بنک یعنی سٹیٹ بنک آف پاکستان (State Bank of Pakistan) جاری کرتا ہے ۔

کاغذی زر کے اجراء کے لیے سٹیٹ بنک متناسب محفوظات کے نظام (Proportional Reserve System) کو اپناتے ہوئے جاری کردہ کاغذی کرنسی کی مالیت کے 33 فیصد کے برابر سونا یا منظور شدہ زرمبادلہ ضمانت کے طور پر رکھتا ہے کاغذی زر کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں ۔

(الف) بدل پذیر کاغذی زر (Convertible Paper Money): یہ ایسا کاغذی زر ہوتا ہے جس کے عوض مطالبہ کرنے پر مرکزی بنک اتنی ہی مالیت کا سونا یا معیاری زر دینے کی ذمہ داری لیتا ہے ۔ لیکن واضح رہے کہ کوئی مرکزی بنک نوٹوں کی بدل پذیری تب برقرار رکھ سکتا ہے ۔ جب وہ جاری کردہ نوٹوں کی ضمانت کے طور پر ان کی مالیت کے سو فیصد کے برابر سونا یا زرمبادلہ رکھے کاغذی زر کے اجراء کے اس نظام کو اصطلاحاً معینہ ضمانت کی حد کا نظام (Fixed Fiduciary System) کہتے ہیں ۔ برطانیہ میں نوٹوں کی بدل پذیری کا نظام ایک طویل عرصہ تک رائج رہا ۔ لیکن جنگ عظیم دوئم سے قبل اسے خیرباد کہہ دیا گیا ۔ اس وقت کسی ملک میں بھی بدل پذیر کاغذی زر کا نظام رائج نہیں ہے ۔

(ب) غیر بدل پذیر کاغذی زر (Inconvertible Paper Money):

ایسا کاغذی زر ہوتا ہے جس کے عوض مطالبہ کرنے پر مرکزی بنک سونا یا معیاری زر دینے کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا ۔ پاکستان اور دنیا بھر کے تمام ممالک میں اس وقت غیر بدل پذیر کاغذی زر کا نظام رائج ہے ۔ پاکستان میں جاری کردہ کرنسی نوٹ حکومت کے جاری کردہ روپوں کے عوض تو بدل پذیر ہیں لیکن مرکزی بنک اِن کے بدلے سونا یا کوئی معیاری زر نہیں دیتا۔ حکومت غیر بدل پذیر کاغذی زر کو لامحالا طور پر قانونی زر (Legel Tender) قرار دیتی ہے اور اسے آلہ مبادلہ کے طور پر قبول کرنا پڑتا ہے ۔

(اس باب میں آگے چل کر ہم کاغذی زر کے فوائد اور نقصانات کا مطالعہ کریں گے)

(iii) قانونی زر (Legal Tander): قانونی زر ایسا زر ہوتا ہے جسے قرضوں کی ادائیگی میں اور عام لین دین میں قانوناً قبول کرنا پڑتا ہے ۔ گویا ایسے زر کو حکومت کی

تائید حاصل ہوتی ہے ۔ قانونی زر کی قبولیت کی تین بڑی وجوہات یہ ہیں ۔ (الف) قانونی زر کو لین دین میں اس لیے قبول کرنا پڑتا ہے ۔ کیونکہ حکومت کہتی ہے کہ یہ آلۂ مبادلہ ہے نیز حکومت حکم دیتی ہے کہ اسے آلۂ مبادلہ کے طور پر قبول کیا جائے (ب) اگر کوئی قرض خواہ (Creditor) اپنے قرضدار (Debtor) کی ادا کردہ قانونی زر پر مشتمل رقم کو قبول کرنے سے انکار کردے تو وہ رقم کے حقوق سے محروم ہو جاتا ہے ۔ ایک تو یہ کہ وہ قرضدار کی جانب سے واجب الادا سود کا مطالبہ نہیں کر سکتا دوسرے یہ کہ وہ اصل زر کی واپسی کے لیے قرضدار پر مقدمہ دائر نہیں کر سکتا ۔ (ج) حکومت قانونی زر کی شکل میں تمام تر ٹیکس وصول کرتی ہے اور اس زر کی شکل میں تمام تر ادائیگیاں مثلاً سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کی ادائیگی، سرکاری قرضہ پر سود کی ادائیگی، ریٹائرڈ ملازمین کی پنشنوں کی ادائیگی ۔ تعمیرات عامہ کے سلسلے میں خریدی گئی اشیا و خدمات کی قیمت کی ادائیگی وغیرہ کرتی ہے ۔

قانونی زر کو حکومت کا حکمی زر (Fiat Money) بھی کہتے ہیں ۔ پاکستان میں مرکزی حکومت کے جاری کردہ تمام سکّے اور ایک روپے کا کرنسی نوٹ نیز سٹیٹ بنک آف پاکستان کے جاری کردہ تمام نوٹ قانونی زر ہیں ۔ قانونی زر کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں ۔

(الف) محدود قانونی زر (Limited Legal Tander): یہ ایسا زر ہوتا ہے جسے ایک خاص مالیت کی حد تک قبول کرنا قانوناً لازم ہوتا ہے ۔ لیکن اگر اس زر کی صورت میں مقررہ حد سے زیادہ مالیت کی ادائیگی کی جائے تو وصول کنندہ اسے قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے۔ پاکستان میں پچیس پیسے کا سکہ اور اس کی مالیت کے تمام سکے محدود قانونی زر ہیں اور انھیں زیادہ سے زیادہ دس روپے تک کی ادائیگی کے لیے قبول کرنا قانونی طور پر لازم ہوتا ہے ۔ البتہ مقررہ حد سے بڑی ادائیگی کو قبول کرنے سے انکار کیا جاسکتا ہے ۔ مثلاً اگر ایک شخص دوسرے شخص کو دس روپے کی ادائیگی پچیس پیسے کے سکوں میں یا دیگر کمتر مالیت کے سکوں میں کرتا ہے تو اسے بہر حال یہ سکے قبول کرنے پڑیں گے ۔ لیکن اگر کوئی شخص ان سکوں میں 100 روپے (یا دس روپے سے زیادہ کوئی بھی رقم) کی ادائیگی کرنا چاہیے تو وصول کنندہ ان سکوں کو بوجہ زحمت قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے ۔

(ب) غیر محدود قانونی زر (Unlimited Legal Tender)

غیر محدود قانونی زر کی صورت میں کتنی ہی چھوٹی یا بڑی ادائیگی کی جاسکتی ہے ۔ اور وصول کنندہ اس زر کو قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتا ۔ پاکستان میں پچاس پیسے کا سکہ ۔ ایک روپے کا سکہ ، ایک روپے کا نوٹ اور بڑی مالیت کے سب نوٹ غیر محدود قانونی زر ہیں ۔ اگر آپ کی طرف سے کسی شخص کو کوئی ادائیگی واجب ہے تو آپ حساب چکانے کے غیر محدود قانونی زر کی صورت میں کتنی ہی بڑی یا چھوٹی ادائیگی کر سکتے ہیں ۔

(iv) اعتباری زر یا زر بنک (Credit Money or Bank Money):

تجارتی بنکوں کے امانت دار اپنی امانتوں کی بنیاد پر ان کے نام برائے ادائیگی جو چیک جاری کرتے ہیں اُنھیں زر اعتباری یا زر بنک کہتے ہیں ۔ چیک کے علاوہ اعتباری زر کی اور کچھ شکلیں ہو سکتی ہیں مثلاً ڈرافٹ اور کریڈٹ کارڈ ۔ اعتباری زر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لین دین چکانے کے لیے اگر وصول کنندہ کو ادا کرنے والے شخص پر اعتبار یا بھروسہ ہو تو وہ اس کا پیش کردہ چیک قبول کر لے گا ۔ بصورتِ دیگر وصول کنندہ چیک کی شکل میں رقم قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے ۔ اعتبار کے معنیاتی عناصر کردار اور مال استطاعت ہیں ۔ اگر چیک پیش کرنے والے شخص یا ادارے کا کردار اچھا ہو اور اُس نے ماضی میں اپنے واجبات ادا کرنے میں کبھی تاخیر یا خیانت نہ کی ہو نیز وہ اتنی مالی استطاعت کا حامل ہو کہ وہ حسبِ وعدہ واجب ادائیگیاں کر سکتا ہو تو ایسا فرد یا ادارہ قابلِ اعتماد ہو گا ۔ چونکہ وصول کنندہ کو اعتباری زر یعنی چیک وغیرہ کی صورت میں رقم قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے ۔ چنانچہ اعتباری زر کو اختیاری زر بھی کہتے ہیں ۔

کسی معیشت میں گردش میں موجود زر کی کل مقدار قانونی زر اور اعتباری زر کے مجموعے پر مشتمل ہوتی ہے ۔ عموماً چھوٹی مالیت کی ادائیگیوں کے لیے قانونی زر استعمال کیا جاتا ہے ۔ جبکہ بڑی مالیت کی تجارتی و غیر تجارتی ادائیگیاں اعتباری زر کے ذریعے کی جاتی ہیں ۔ چنانچہ اعتباری زر کی مقدار کل زر کا بیشتر حصہ ہوتی ہے ۔ اگر تجارتی بنک جاری کردہ قرضوں کا حجم بڑھا دیں تو زر اعتباری کی مقدار بڑھ جاتی ہے اور دیگر حالات بدستور قائم رہتے ہوئے اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس زر اعتباری کے حجم میں کمی کے نتیجے میں قیمتوں میں کمی کا رجحان پایا جاتا ہے ۔

(v) قریبی زر (Near Money): قریبی زر وہ ہوتا ہے جسے سردست آلہ مبادلہ کے طور پر استعمال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ نقد حالت میں نہیں ہوتا ۔ تاہم قریبی زر کو تھوڑی سی کوشش کے بعد نقد حالت میں تبدیل کرایا جا سکتا ہے ۔ بنکوں میں رکھی گئی معیادی امانتیں (Time deposits) اور بچت کے حساب میں لکھی گئی امانتیں سرکاری کفالتیں (Government Securities) اور کاروباری اداروں کے حصص قریبی زر ہوتے ہیں ۔ اگرچہ معیادی امانتیں مقررہ مدت گزرنے سے پیشتر نہیں نکلوائی جاسکتیں تاہم امانت دار کے نوٹس دینے پر ان امانتوں کو کیش کرایا جاسکتا ہے ۔ اس طرح سرکاری کفالتیں (مثلاً پاکستان میں ڈیفنس بیونگ سرٹیفکیٹس ، این آئی ٹی یونٹس (NITS) اور خاص ڈیپازٹ اکاونٹس کو بھی معمولی سے نقصان پر نقد زر میں تبدیل کرایا جاسکتا ہے ۔ کاروباری اداروں کے حصص بھی ضرورت پڑنے پر فروخت کیے جاسکتے ہیں ۔ تاہم ضرورت مند فروخت کنندہ کی قوت سودا بازی نسبتاً کم ہوتی ہے اور اسے ایسے حصوں کی قدر سے کم قیمت قبول کرنی پڑتی ہے ۔

(vi) حسابی زر (Money of Account): کسی ملک میں قدر کی بنیادی اکائی حسابی زر کہلاتی ہے ۔ کیونکہ اس کے حوالے سے تمام اشیاء و خدمات کی قدر و مالیت کا اظہار کیا جاتا ہے ۔ پاکستان میں زر کی حسابی اکائی روپیہ ہے کسی شے کی مالیت کتنی بھی کم یا زیادہ کیوں نہ ہو اس کا اظہار روپے کے حوالے سے کیا جاتا ہے مثلاً ہم کہتے ہیں کہ یہ موٹر سائیکل بیس ہزار روپے کی ہے ۔ یہ دکان چار لاکھ روپے کی ہے یہ پنسل 0.75 روپے کی ہے ۔ امریکی زر کی حسابی اکائی ڈالر (Dollor) برطانیہ کا پاونڈ اور یونان کا ڈریکما (Drachma) ہے ۔

(vii) غیر ملکی زر مبادلہ Foreign Exchange: بعض ممالک کی قومی کرنسیاں مستحکم قدر کی حامل ہونے کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر قبولیت رکھتی ہیں اور اُنھیں درآمدات و برآمدات کی قیمت چکانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ۔ ایسی سب کرنسیاں جنھیں بین الاقوامی تجارت میں آلہ مبادلہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے ۔

غیر ملکی زرمبادلہ کہلاتی ہیں ۔ تجارت خارجہ میں یہ کرنسیاں اپنی عالمی قبولیت کے ناطے سونے کی ہم پلہ قرار دی جاسکتی ہیں ۔ امریکی ڈالر ، برطانیہ کا پاونڈ ، مغربی جرمنی کا مارک ، جاپان کا ین ، سوئٹزر لینڈ کا سیوس فرانک (Swiss Franc) اور کویت کا دینار وغیرہ غیر ملکی زر مبادلہ ہیں ۔

4.7 زر کی طلب و رسد (Demand for and Supply of Money)

منڈیاتی نظام (Market System) میں کسی بھی شے کی قدر و قیمت کا تعین اس کی طلب اور رسد کے توازن سے ہوتا ہے ۔ چنانچہ دیگر اشیاء کی طرح زر کی قدر (یعنی اس کی قوت خرید) کا تعین بھی زر کی مجموعی طلب و رسد کے توازن سے ہوتا ہے ۔ قیمتوں اور قدرِ زر میں معکوس تعلق پایا جاتا ہے ۔ اگر زر کی طلب و رسد میں کمی بیشی ہونے سے اشیاء کی قیمتوں میں بڑھنے کا عمومی رجحان پیدا ہو جائے تو قدر زر گرتی جاتی ہے ۔ لیکن اگر قیمتوں میں گرنے کا رجحان پیدا ہو جائے تو قدر زر بڑھ رہی ہوتی ہے ۔ قیمتوں اور قدر زر کی تبدیلیاں معیشت کے تمام شعبوں کو متاثر کرتی ہیں ۔ اس لیے زر کی طلب و رسد کا تجزیہ اہمیت کا حامل ہے ۔

4.7.1 زر کی طلب (Demand for Money)

زر کی طلب کے بارے میں روایتی نظریہ یہ ہے کہ زر اس لیے طلب کیا جاتا ہے تاکہ روزمرہ کے لین دین اور کاروباری و تجارتی سودوں میں اس سے آلہ مبادلہ کا کام لیا جاسکے ۔ لیکن جے ۔ ایم کینز نے زر کی طلب کا جدید نظریہ پیش کیا جس کے مطابق لوگ تین مختلف محرکات (Motives) کے پیش نظر زر طلب کرتے ہیں ۔ کینز نے زر کی طلب کے لیے زر نقد کی ترجیح (Liguidity Preference) کی اصطلاح استعمال کی چنانچہ کینزی نکتہ نگاہ (Keynesian view) سے زر کی طلب سے مُراد زر کی وہ مجموعی مقدار ہے ۔ جو ایک خاص وقت پر تمام افراد اور ادارے مختلف مقاصد یعنی محرکات کے لیے نقد حالت میں اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں ۔ زر کی طلب کے محرکات مندرجہ ذیل ہیں ۔

(الف) محرک روزمرہ کی ضروریات (Transactions Motive) روز مرہ کی ضروریات کے لیے زر کی طلب افراد خانہ (Households) بھی کرتے ہیں اور آجرین

میں اشیائے ضرورت کی خرید کے لیے کچھ نقد رقم رکھنی پڑتی ہے ۔اس رقم کے حجم کا انحصار گھرانے کی آمدنی پر اور آمدنی کی وصول میں حائل وقفہ پر ہوتا ہے ۔ اگر آمدنی کا معیار بلند ہو تو روزمرہ کی گھریلو ضروریات کو پورا کرنے کے لیے نسبتاً زیادہ رقم درکار ہوگی ۔ لیکن اگر آمدنی کا معیار پست ہو تو کم رقم رکھی جاسکے گی اگر آمدنی کی وصول میں زیادہ وقفہ حائل ہو تو آتے دن کی گھریلو ضروریات کے لیے نسبتاً زیادہ رقم طلب کی جائے گی اور اگر یہ عرصہ کم ہو تو نسبتاً کم نقد رقم سے کام چلایا جاسکے گا ۔ افراد خانہ روزمرہ کی ضروریات کی تسکین کے لیے جو نقد رقم اپنے پاس رکھتے ہیں ۔ اس کی طلب شرح سود سے متاثر نہیں ہوتی ۔ مثلاً ایک گھرانے نے مبتذکرہ مقصد کے لیے دو ہزار روپے نقد رکھے ہوئے ہوں اور اس دوران قرضوں پر ملنے والے سود کی شرح بھی بلند ہو جائے تو گھرانہ اس رقم کی نقدیت سے دستبردار ہونے اور اسے قرض پر دینے کے لیے تیار نہ ہوگا ۔

آجرین بھی اپنے کاروبار کی روزمرہ کی ضروریات کے لیے کچھ نقد رقم طلب کرتے ہیں ۔ اس رقم سے مزدوروں کو اجرتیں ادا کی جاتی ہیں ۔ خام مال خریدا جاتا ہے بلڈنگ کا کرایہ دیا جاتا ہے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ روزمرہ ضروریات کے لیے آجرین کی زرنقد کی طلب کا انحصار کاروبار کے حجم پر ہوتا ہے ۔ اگر کاروبار محدود پیمانے پر ہو تو مقصد ہذا کے لیے نسبتاً کم نقد روپیہ طلب کیا جائے گا لیکن اگر کاروبار وسیع پیمانے پر کیا گیا ہو تو نسبتاً زیادہ نقد روپیہ درکار ہوگا ۔ اس مقصد کے لیے آجرین جو روپیہ اپنے پاس رکھتے ہیں ۔ اس کی طلب بھی شرح سود سے متاثر نہیں ہوتی ۔

(ب) ناگہاں ضروریات کے لیے (محرک پیش بندی) (Precautionary Motive)

گھرانوں اور آجروں کو بعض غیر متوقع ضروریات در پیش آسکتی ہیں ۔ ایسی ضروریات سے نمٹنے کے لیے اُنھیں کچھ نقد رقم علیحدہ اپنے پاس رکھنی پڑتی ہے ۔ مثلاً گھرانے کا کوئی شخص طویل عرصہ کے لیے بیمار ہو سکتا ہے ۔ جس کے علاج کے لیے ہزاروں روپے خرچ ہو سکتے ہیں یا پھر یہ بھی ہے کہ گھرانے کے سربراہ کو کچھ عرصہ کے لیے بیروزگار رہنا پڑے ۔ بیروزگاری کے عرصہ میں آمدنی کا ذریعہ تو ختم ہو جاتا ہے لیکن گھرانے کی ضروریات بدستور پوری کرنی ہوتی ہیں ۔ گھرانوں کو اس نوعیت کی دیگر

ناگہانی ضروریات بھی درپیش آسکتی ہیں ۔ ایسی ضروریات کے لیے ایک گھرانے کو کتنا روپیہ درکار ہوگا ۔ اس کا انحصار بھی گھرانے کی معمول کی آمدنی پر ہوتا ہے ۔ زیادہ آمدنی پانے والا گھرانہ ناگہانی ضروریات کے لیے پیش بینی کی خاطر نسبتاً زیادہ روپیہ طلب کرے گا ۔ بصورت دیگر پیش بینی کی خاطر نسبتاً کم نقد روپیہ درکار ہوگا ۔ محرک پیش بینی کی خاطر رکھے گئے زر کی طلب بھی شرح سود سے متاثر نہیں ہوتی ۔

ناگہانی ضروریات آجرین کو بھی پیش آسکتی ہیں۔ مثلاً کارخانے کی عمارت کا کوئی حصہ اچانک گر سکتا ہے ۔ کوئی نہایت قیمتی مشینیں ٹوٹ سکتی ہیں یا کوئی مزدور مشین کی زد میں آکر ہلاک ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ عمارات کی تعمیر کے لیے زمین کی خرید کے لیے اور ہلاک ہونے والے مزدور کے پسماندگان کو ادا کرنے کے لیے آجرین کو خاصی بڑی رقم نقد حالت میں اپنے پاس یا اپنی دسترس میں رکھنی پڑتی ہے ۔ اس رقم کے حجم کا انحصار بھی کاروبار کے پیمانے پر ہوتا ہے ۔ محرک پیش بینی کے تحت رکھی گئی رقم کی طلب بھی شرح سود سے متاثر نہیں ہوتی ۔

غرضِ تخمینی (Speculative Motive)

اداروں کی کفالتوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں تاکہ منافع کمایا جاسکے ۔ کفالتوں کی مستقبل کی متوقع قیمت کے پیش نظر حال میں ان کفالتوں کی خرید و فروخت کو تخمینہ بازی کہتے ہیں ۔ جن کاروباری اداروں کی کفالتوں کی قیمت مستقبل میں بڑھ جانے کی توقع ہو تخمینہ باز (Speculators) ایسی کفالتیں حال میں خرید لیتے ہیں ۔ اس مقصد کے لیے تخمینہ بازوں کو نقد روپیہ درکار ہوتا ہے ۔

تخمینہ بازی کے لیے زر نقد کی طلب براہِ راست شرح سود سے متاثر ہوتی ہے ۔ اگر کفالتوں کی امکانی بلند ترین شرح منافع کے مقابلے میں دیئے گئے قرضوں پر ملنے والے سود کی شرح بلند ہو تو تخمینہ باز کفالتیں خریدنے کی بجائے اپنے روپے کو بنکوں میں رکھنا پسند کرتے ہیں ۔ چنانچہ تخمینہ بازی کے لیے ان کی زر کی طلب کم ہو جاتی ہے ۔ لیکن اگر شرح سود کے مقابلے میں کفالتوں کی خرید پر حاصل ہونے والے منافع کی شرح بلند ہو تو تخمینہ باز بنکوں سے روپیہ نکلوا کر اپنے پاس رکھتے ہیں تاکہ کسی موزوں وقت پر منافع بخش کفالتیں خریدی جاسکیں ۔

ایک خاص عرصہ کے دوران متذکرہ بالا مقاصد کے لیے افراد اور اداروں کو جتنا زر نقد مطلوب ہوتا ہے ۔ اس کے مجموعے کو زر کی طلب کہتے ہیں ۔

4.7.2 زر کی رسد (Supply of Money):

ایک خاص وقت پر جس قدر زر معیشت میں گردش کر رہا ہوتا ہے اُسے زر کی رسد کہا جاتا ہے ۔ زر کی مجموعی رسد سکوں ، کاغذی زر اور تجارتی بنکوں کے پاس موجود طلبی اماتنوں (Demand Deposits) پر مشتمل ہوتی ہے ۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ زر بہر صورت کسی نہ کسی فرد یا ادارے کی تحویل میں ہوتا ہے ۔ چنانچہ یہ کہنا درست ہو گا کہ ایک خاص وقت پر تمام افراد اور اداروں کی تحویل میں جتنا زر ہوتا ہے اس کا مجموعہ زر کی رسد کہلاتا ہے ۔ اشیاء کی رسد اور زر کی رسد میں فنی نوعیت کا فرق ہوتا ہے ۔ اشیا کی رسد بہاو کی مانند ہوتی ہے ۔ کیونکہ اشیا کی پیداوار اور رسد مسلسل جاری رہتا ہے ۔ اور ان کے خریدار اُنھیں صرف کرتے رہتے ہیں اور مزید اشیاء طلب کرتے رہتے ہیں جس کے نتیجے میں اشیاء کی پیداوار اور رسد بھی مسلسل جاری رہتی ہے ۔ لیکن زر کی رسد معینہ ذخیرے کے مترادف ہوتی ہے ۔ زر کو صرف نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ صرفی شے نہیں ہوتی اس لیے اس کی رسد میں بھی مسلسل اضافے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔

1- زیر گردش زر (Money in Circulation): گردش میں موجود کرنسی ، بنکوں اور کاغذی نوٹوں پر مشتمل ہوتی ہے تمام سکے اور حسابی اکائی کا کرنسی نوٹ عموماً حکومت جاری کرتی ہے ۔ جب کہ بڑی مالیت کے نوٹ مرکزی بنک جاری کرتا ہے ۔ پاکستان میں تمام سکے اور ایک روپے کا نوٹ مرکزی حکومت جاری کرتی ہے ۔ جبکہ ایک روپے سے زیادہ مالیت کے نوٹ ملک کا مرکزی بنک یعنی سٹیٹ بنک آف پاکستان جاری کرتا ہے ۔ ملکی کرنسی کا بیشتر حصہ کاغذی زر پر مشتمل ہوتا ہے ۔ ایک خاص وقت پر جس قدر کرنسی گردش میں موجود ہوتی ہے اُسے کرنسی کی مجموعی رسد کہا جاتا ہے ۔

کرنسی کے حجم کا انحصار مرکزی بنک کے پاس موجود سونے اور زر مبادلہ کے ذخائر پر ہوتا ہے ۔ اکثر مرکزی بنک کاغذی نوٹوں کی ضمانت کے طور پر ان کی مالیت کے ایک خاص تناسب کے برابر سونا رکھتے ہیں اسٹیٹ بنک آف پاکستان جاری کردہ

نوٹوں کی ضمانت کے طور ان کی مالیت کے 33 فیصد کے برابر سونا یا زر مبادلہ رکھتا ہے اس لیے اگر کسی ملک کے پاس سونے کی مقدار زیادہ ہو تو وہاں کا مرکزی بنک زیادہ کرنسی جاری کر سکتا ہے ۔ اور اگر سونے کی مقدار کم ہو تو کرنسی کی رسد بھی کم ہوتی ہے ۔

حکومت کی آمدنی و خرچ کی پالیسی بھی کرنسی کی رسد کو کم و بیش کرتی ہے ۔ افراطِ زر کے حالات میں حکومت اشیاء و خدمات کی مجموعی طلب میں کمی کرنے کے لیے ٹیکسوں کا بار بڑھا دیتی ہے ۔ ٹیکسوں کے طور پر ادا کی گئی رقوم وقتی طور پر گردش سے خارج ہو جاتی ہیں ۔ اس طرح کرنسی کی رسد کم ہو جاتی ہے ۔ اس کے برعکس سرد بازاری اور تفریطِ زر (جب قیمتوں میں کرنے کا رحجان پایا جاتا ہے) کے حالات میں جب معیشت روبہ زوال ہوتی ہے اس لیے اصلاح احوال کے لیے حکومت ٹیکسوں میں کمی اور اخراجات میں غیر معمولی اضافہ کر دیتی ہے ۔ جب حکومت کی خرچ کردہ رقوم گردش میں شامل ہوتی ہیں تو کرنسی کی رسد بڑھ جاتی ہے ۔

2- زر اعتباری (Credit Money) تجارتی بنک ضرورت مند تاجروں اور صنعتکاروں قرضے جاری کرتے ہیں لیکن یہ قرضے نقدی میں نہیں دیے جاتے بلکہ جاری کردہ قرضوں کی رقوم قرضہ پانے والوں کے نام کھولے گئے کھاتوں میں جمع کر دی جاتی ہیں چنانچہ جاری کردہ ہر قرضہ بنک میں ایک نئی امانت کی تخلیق کرتا ہے ۔ اس طرح ہر قرضدار بنک کا امانتدار بن جاتا ہے ۔ ایسی امانتیں کسی وقت بھی بنک سے نکلوائی جا سکتی ہیں ۔ چنانچہ انھیں طلبی امانتیں کہتے ہیں ۔ ہر امانت دار کو بنک سے چیک بک ملتی ہے ۔ جس میں سے وہ حسب ضرورت چیک جاری کرتا ہے ۔ امانت دار کے جاری کردہ چیکوں کی مالیت بہر حال امانت کی مالیت کی حد تک ہی ہوتی ہے ۔ چنانچہ بنکوں کے پاس جس قدر طلبی امانتیں ہوتی ہیں اتنی ہی مالیت کے چیک گردش کر رہے ہوتے ہیں اور یہ زر بنک زر کی مجموعی رسد کا ایک بہت بڑا حصہ ہوتا ہے ۔

مرکزی بنک کی زری پالیسی زر بنک کی مقدار کو متاثر کرتی ہے اگر مرکزی بنک زر بنک کی مقدار بڑھانا چاہیے تو وہ شرح بنک (Bank Rate) میں کمی کر دیتا ہے ۔ شرح بنک سود کی وہ شرح ہوتی ہے ۔ جس پر تجارتی بنک مرکزی بنک سے تھوک قرضے حاصل کر سکتے ہیں ۔ جبکہ شرح سود سے مراد سود کی وہ شرح ہوتی ہے جس پر تجارتی بنک تاجروں

اور آجروں کو پرچون قرضے جاری کرتے ہیں ۔ شرح سود شرح بنک کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے تاکہ تجارتی بنک قرضوں کے کاروبار میں منافع کما سکیں ۔ جب مرکزی بنک شرح بنک میں کمی کرتا ہے تو شرح سود بھی گر جاتی ہے ۔ اس لیے تجارتی بنک پہلے سے زیادہ قرضے جاری کر سکتے ہیں گویا طلبی اماتنوں کی مقدار بڑھ جاتی ہے ۔ اور ساتھ ہی چیکوں یعنی زر بنک کی رسد میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے ۔ اس کے برعکس مرکزیٔ بنک شرح بنک کو بڑھا کر زر بنک کی رسد میں کمی کر سکتا ہے ۔ زر بنک کی رسد کو متاثر کرنے کے لیے مرکزی بنک اس سلسلے میں اپنی زری پالیسی کے جو آلات کار استعمال کرتا ہے ، ان میں شرح بنک کی پالیسی (Bank Rate Policy) کھلے بازار میں کفالتوں کی خرید و فروخت (Open Market Operations) زر محفوظ کے تناسب میں تبدیلیاں (Changes in Reserve Rates) وغیرہ شامل ہیں ۔ (زر اعتباری کی مقدار کو منضبط اکرتے کے ان طریقوں پر باب نمبر 5 میں بحث کی جائیگی ۔)

3- بچتیں (Savings) آمدنی میں سے سردست نہ خرچ کردہ رقوم بچتیں کہلاتی ہیں ۔ بچتیں زر کی رسد کا ذریعہ ثابت ہوتی ہیں ۔ ملک میں بچتوں کے تین ذرائع ہوتے ہیں ۔

(الف) انفرادی بچتیں (Personal Savings): افراد اپنی آمدنی کا جو حصہ سردست خرچ نہیں کرتے وہ ان کی انفرادی بچت ہوتی ہے ۔ اگر ایسی بچتیں تجارتی بنکوں میں جمع کرائی جائیں تو بنک ان کی بنیاد پر کئی گنا زیادہ مالیت کے قرضے جاری کر دیتے ہیں ۔ جس سے زر بنک کی رسد بڑھ جاتی ہے ۔ چنانچہ اگر بنکوں میں جمع کرائی گئی انفرادی بچتیں زیادہ ہوں گی تو زر بنک کی رسد بڑھ جائے گی اور اگر ایسی بچتیں کم ہو جائیں تو زر بنک کی رسد میں بھی کمی آ جاتی ہے۔ انفرادی بچتوں کے حجم کے معیناتی عوامل بچت کرنے کا ارادہ (Willtice Save) اور بچت کرنے کی قوت (Power of Save) ہیں ۔

(ب) کاروباری بچتیں (Corporate Savings): کاروباری ادارے اپنے سالانہ منافع کا ایک حصہ مستقبل میں کاروبار پھیلانے کے لیے بچا لیتے ہیں ۔ منافع کا یہ حصہ جو کاروبار کے حصہ داروں میں تقسیم نہیں کیا جاتا اسے غیر منقسم منافع (Undistributed Profit) کہتے ہیں ۔ غیر منقسم منافع جات درحقیقت کاروباری بچت ہوتے ہیں ۔ جسے سردست

بنکوں میں رکھا جاتا ہے ۔ تجارتی بنک ان اماتنوں کی بنیاد پر بھی قرضے جاری کرتے ہیں ۔ جس سے زر کی رسد بڑھ جاتی ہے ۔ اگر کاروباری حالات اچھے ہوں اور ادارے خوب منافع کما رہے ہوں تو کاروباری بچتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں ۔ بصورتِ دیگر کاروباری بچتیں کم ہوتی ہیں ۔

(ج) سرکاری بچتیں **(Public Savings)** ہر حکومت مختلف ٹیکسوں کے ذریعے آمدنی حاصل کرتی ہے اور آمدنی کو مختلف مدوں پر خرچ کرتی ہے ۔ حکومت کی آمدہ مالی سال کی متوقع آمدنی اور خرچ کے حسابات کو سرکاری بجٹ کہتے ہیں ۔ اگر سرکاری بجٹ فاضل ہو تو اس کے معانی یہ ہوتے ہیں کہ حکومت نئے ٹیکسوں کے ذریعے زیادہ رقوم خزانے میں وصول پائی ہیں ۔ جبکہ اخراجات نسبتاً کم کیے ہیں ۔ اس صورت میں گردش میں موجود زر کی رسد کم ہو جاتی ہے لیکن اگر حکومت اپنی فاضل آمدنی یعنی سرکاری بچت کو بنکوں میں جمع کرادے تو بنک اس امانت کی بنیاد پر کئی گنا زیادہ قرضے جاری کرتے ہیں اور زر بنک کی رسد میں اضافہ ہونے سے زر کی مجموعی رسد بھی بڑھ جاتی ہے ۔ اگر سرکاری بجٹ خسارے میں اضافہ ہونے سے زر کی مجموعی رسد بھی بڑھ جاتی ہے ۔ اگر سرکاری بجٹ خسارے والا ہو تو حکومت ٹیکسوں کی معرفت نسبتاً کم رقوم خزانے میں وصول پاتی ہے لیکن اخراجات کی معرفت نسبتاً زیادہ رقوم گردش میں شامل کر دیتی ہے ۔ دریں حالات سرکاری بچت منفی ہوتی ہے اور زر کی رسد بڑھ جاتی ہے ۔

4- بیمہ کمپنیاں **(Insurance Companies)** بیمہ کمپنیاں افراد اور اداروں کو مختلف قسم کے متوقع نقصانات کی تلافی کے لیے اپنی بیمہ پالیسیاں فروخت کرتی ہیں ۔ بیمہ کی کئی اقسام ہیں ۔ مثلاً زندگی کا بیمہ ، عمارات کا بیمہ ، بحری جہازوں میں لادے گئے سازوسامان کا بیمہ ، آتش زدگی کا بیمہ وغیرہ ۔ بیمہ پالیسیاں خریدنے والے افراد حسب معاہدہ بیمہ کی رقم کا پریمیم **(Premium)** ادا کرتے ہیں ۔ بیمہ کمپنیاں پریمیم کی شکل میں کروڑوں روپے وصول کرتی ہیں ۔ جب کمپنیاں رقوم کو کاروبار میں لگاتی ہیں ۔ تو زر کی مجموعی رسد میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔

4.8 کاغذی زر کے فوائد اور نقصانات
(Merits and Demerits of Paper Money)

کاغذی زر کے متعدد فوائد اور نقصانات ہیں ۔ یہاں ہم اس کے فوائد اور

نقصانات پر روشنی ڈالتے ہیں ۔

کاغذی زر کے فوائد (Merits of Paper Money) کاغذی زر مندرجہ ذیل فوائد یا خوبیوں کا حامل ہوتا ہے ۔

1- کفایت پذیری (Economy) کاغذی زر کے نظام کی موجودگی میں قیمتی دھاتوں کی بچت ہوتی ہے ۔ اگرچہ اج کل کے دور میں سکّے محض علامتی ہوتے ہیں تاہم ان میں استعمال ہونے والی دھاتیں بہر صورت کاغذ کے مقابلے میں مہنگی ہوتی ہیں ۔ کاغذی زر کا اجراء کرنے سے بہت سی خرید و فروخت کے لیے آلۂ مبادلہ فراہم ہو جاتا ہے اور سکّے بہت کم مقدار میں تیار کرنے پڑتے ہیں ۔ اس طرح بچائی گئی دھاتیں صنعتی مقاصد کے لیے استعمال کی جا سکتی ہیں۔ کاغذی زر اس لیے بھی کفایت پذیر ہوتا ہے کہ اس کی گھسن قومی نقصان کا باعث نہیں بنتی۔

2- انتقال پذیری کی سہولت (Convenience of Transferability)

کاغذی زر دھاتی زر کے مقابلے میں کم وزن رکھتا ہے اور کم جگہ گھیرتا ہے اس لیے کثیر مالیّت کا کاغذی زر باآسانی ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کیا جاسکتا ہے ۔

3- تجارت کی توسیع اور زر کی رسد (Expansion of Trade and Supply of Money)

کسی بھی ملک میں امن کے حالات میں تجارت میں توسیع واقع ہوتی رہتی ہے ۔ جس کے لیے مزید آلہ مبادلہ کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اگر کاغذی زر کا رواج نہ ہو تو تجارت کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ سکوں کی تعداد میں بھی اضافہ ناگزیر ہوگا ۔ جس کے لیے مزید دھاتیں درکار ہوتی ہیں ۔ اگر مطلوبہ دھاتوں کی قلت ہو تو یا تو سکّوں کی مقدار میں حسبِ ضرورت اضافہ کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں ۔ کاغذی زر نے یہ مشکلات حل کر دی ہیں ۔ حکومت اور مرکزی بنک سال بہ سال کاغذی زر کی رسد میں اضافہ کرتے رہتے ہیں تاکہ بڑھتی ہوئی تجارت کے لیے آلہ مبادلہ مہیا کیا جاسکے ۔

4- ہنگامی حالات اور زر کی رسد (Emergencies and Supply of Money)

جب کسی ملک کو جنگ اندرونی خانہ جنگی اور سیلاب جیسے ہنگامی حالات درپیش

ہوتے ہیں تو معاشی نظام میں گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے اور ٹیکسوں کی وصولی محال ہو جاتی ہے لیکن عین اُنھی حالات میں حکومت کو بھاری اخراجات کرنے کے لیے مالی وسائل درکار ہوتے ہیں۔ چنانچہ مرکزی بنک فوراً کاغذی زر کا اجراء کرکے حکومت کو وسائل مہیا کر سکتا ہے۔ اگر تمام کرنسی سکوں پر مشتمل ہو تو ہنگامی حالات میں زر کی رسد کو بڑھانے میں بہت مشکلات پیش آسکتی ہیں۔

5- زر گننے کی سہولت (Convenience of Counting): کاغذی زر چھوٹی بڑی مالیت کے نوٹوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ چنانچہ نوٹوں کی شکل میں موجود بھاری رقوم کو گننے میں سہولت رہتی ہے۔ لیکن اگر زر سکوں پر مشتمل ہو تو اُنھیں گننے اور ان میں سے کھوٹے کھرے کی تمیز کرنے میں کافی وقت صرف ہوتا ہے۔

6- عمدہ زر کے اوصاف کا حامل (Bearer of Qualities of Good Money Material) ایک عمدہ زر وہ ہوتا ہے جو خصوصاً قبولیت عامہ شناخت پذیری، یکسانیت اور تشکیل پذیری کے اوصاف کا حامل ہو۔ زر کی تمام شکلوں کے مقابلے میں یہ اوصاف (Qualities) کاغذی زر میں بخوبی پائے جاتے ہیں۔

1- کاغذی زر کے نقصانات (Demerits of Paper Money): اگرچہ کاغذی زر کی کئی ایک خوبیاں ہیں تاہم اس کے چند نقصانات بھی ہیں۔ ذیل میں ہم ان نقصانات یا خامیوں کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

1- زائد اجرائے زر (Overissue of Money): حکومت کے ترقیاتی وغیر ترقیاتی اخراجات میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن اس مقصد کے لیے جس قدر مالی وسائل درکار ہوئے ہیں وہ ٹیکسوں کے ذریعے فراہم نہیں کیے جاسکتے اور نہ ہی حکومت اس قدر قرضے حاصل کر سکتی ہے۔ دریں حالات حکومت اپنے بجٹ کے خسارے کو پر کرنے کے لیے مرکزی بنک سے زائد کرنسی چھپوا لیتی ہے۔ اس کرنسی کی پشت پر خلاف معمول سونا یا زر مبادلہ بطور ضمانت نہیں رکھا جاتا جب حکومت ایسی کرنسی کو خرچ کرتی ہے تو گردش میں موجود زر کی مقدار بڑھ جاتی ہے اور قیمتیں چڑھنے لگتی ہیں۔ جسے افراطِ زر (Inflation) کی کیفیت کہتے ہیں۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں افراطِ زر کا ایک بہت بڑا سبب زائد کرنسی کا اجراء ہے۔

2- قدر میں عدم استحکام (Lack of Stability of Value): قبل ازیں پوائنٹ نمبر ایک میں اس بات کا ذکر کیا جاچکا ہے ۔ کہ حکومت عموماً کاغذی زر کا زائد اجراء کرتی رہتی ہے ۔ اس کا براہِ راست نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کاغذی زر کی قدر میں عدم استحکام پایا جاتا ہے ۔ ترقی پذیر ممالک میں چونکہ سال بہ سال کثیر مقدار میں زائد کرنسی کا اجراء کیا جاتا ہے ۔ اس لیے ان ممالک کی کرنسی کی قوتِ خرید اندرونِ ملک اور بیرون ملک گرتی جاتی ہے ۔ ان کی درآمدات سستی اور برآمدات مہنگی ہوتی جاتی ہیں ۔ اور انھیں لا محالہ طور پر توازنِ تجارت کی مشکلات درپیش رہتی ہیں ۔ علاوہ ازیں قدر زر میں ہونے والی کمی بچتوں کی حوصلہ شکنی کا باعث ہوتی ہے ۔[1]

3- بین الاقوامی ادائیگیوں میں دشواری (Difficulty in International Payments): کاغذی زر کی قبولیت اندرونِ ملک تک ہی محدود ہوتی ہے ۔ اکثر ممالک اپنی درآمدات کی قیمت قومی کاغذی کرنسی سے چکا نہیں سکتے ۔ دنیا میں صرف چند ممالک کی کرنسی کو زر مبادلہ کا مقام حاصل ہے ۔ لیکن طلائی نظام زر کے زمانے میں جب ہر معیشت میں سونا یا چاندی کا بنا ہوا کم از کم ایک معیاری سکہ ضرور گردش کرتا تھا ۔ بین الاقوامی ادائیگیاں کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی ۔ ہر ملک اپنے معیاری سکے کے ذریعے یہ ادائیگیاں چکا سکتا تھا ۔ دنیا کے اکثر ممالک اپنے کاغذی زر کے ذریعے بین الاقوامی ادائیگیاں نہیں کر سکتے اس مقصد کے لیے پہلے تو کاغذی زر کو کسی غیر ملکی زرمبادلہ کے عوض تبدیل کرنا پڑتا ہے ۔ اور پھر کہیں واجبات چکائے جاسکتے ہیں ۔ پھر دقت یہ ہے کہ قیمتوں کے تغیرات کے باعث آئے دن کاغذی کرنسیوں کی شرح تبادلہ (Rate of Exchange) میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں ۔ اور پاکستان جیسے ممالک کے لیے اکثر اوقات یہ تبدیلیاں غیر موافق ہوتی ہیں ۔

تاہم کاغذی زر کے فوائد اس کے نقصانات سے کہیں زیادہ ہیں اگر کاغذی زر کے نظام کو قرینے سے چلایا جائے اور اس کے زائد اجراء کی محتاط حد بندی کر دی جائے تو اس کی قدر میں استحکام پیدا کیا جاسکتا ہے ۔

4.9 زر کی قدر (Value of Money) اشیاء کی قدر و مالیت کی پیمائش زر سے کی جاتی ہے لیکن خود زر کی قدر کی پیمائش اشیاء کی مدد سے کی جاتی ہے ۔ زر کی ایک

خاص مقدار کے عوض اشیاء کی جتنی مقدار حاصل کی جاسکتی ہے ۔ وہی اُس زر کی قدر ہوتی ہے ۔ مثلاً اگر ایک روپے کے عوض ایک کلو آٹا حاصل کیاجاسکتا ہو تو اُس کے معانی یہ ہوں گے کہ ایک روپے کی قدر ایک کلو آٹے کے برابر ہے ۔ اب اگر آٹے کی قیمت بڑھ جانے سے ایک روپے کا نصف کلو آٹا خریدا جاسکتا ہو تو ہم کہیں گے کہ زر کی قدر یعنی اس کی قوتِ خرید گر گئی ہے اور اگر آٹے کی قیمت گر جائے اور ایک روپے کا دو کلو آٹا مل سکے تو اس صورت میں کہا جائے گا کہ زر کی قدر بڑھ گئی ہے ۔ اس تذکرے سے ایک اہم نتیجہ یہ برآمد ہوتاہے کہ قیمتوں اور قدر زر میں معکوس تفاعلی تعلق (Inverse Functional Relation) موجود ہے۔ بقولِ اروِنگ فشر (Irving Fisher) "زر کی قوت خرید قیمتوں کے معیار کا معکوس ہوتی ہے اس لیے زر کی قوتِ خرید کا مطالعہ قیمتوں کے معیار کے مطالعہ کا متماثل (Identical) ہے ۔"

4.10 زر کی قدر میں تبدیلیاں پیدا کرنے والے عوامل
Factors Causing Changes in Value of Money)

مندرجہ ذیل عوامل قیمتوں اور قدر زر میں تبدیلیوں کا باعث بنتے ہیں۔

1- مقدارِ زر (Quantity of Money): مقدار زر میں تبدیلی قیمتوں کو مثبت انداز میں اور قدر زر کو منفی انداز میں متاثر کرتی ہے ۔ اگر مقدار زر میں اضافہ ہو جائے تو قیمتیں بھی بڑھ جاتی ہیں اور قدرِ زر گر جاتی ہے جبکہ مقدارِ زر میں کمی قیمتوں میں کمی کا باعث ہوتی ہے اور قدرِ زر بڑھ جاتی ہے ۔

پاکستان میں 76-1975ء میں تمام شکلوں میں زر کی مقدار 47.91 بلین روپے تھی جو کہ 86-1985ء میں بڑھ کر 277.63 بلین روپے ہو چکی تھی ۔ گویااسی عشرے میں زر کی مقدار میں اوسطاً سالانہ 19.2 فیصد کی شرح سے اضافہ ہوا ۔ لیکن اس کے مقابلے میں پیداوار کی افزائش کی شرح بہت پست رہی ہے چنانچہ 76-1975 کی قیمتوں کے اوسط اشاری عدد کو 100 فرض کرتے ہوئے 87-1986 میں یہ بڑھ کر 232.11 ہو چکا تھا ۔

2- پیداوار کی مقدار (Quantity of Production): مقدارِ زر ساکن رہتے ہوئے پیداوار میں اضافہ قیمتوں میں کمی کا باعث ہوتا ہے۔ جبکہ پیداوار میں کمی قیمتوں کے اضافے پر منتج ہوتی ہے ۔ لیکن ماسوائے بہت ناسازگار حالات کے ملک کی مجموعی

پیداوار میں کمی نہیں ہوتی اس میں اضافے کی رفتار سست یا تیز ہو سکتی ہے اگر مقدارِ زر کے اضافے کے مقابلے میں پیداوار میں اضافے کی شرح سست ہو تو کہا جاتا ہے ۔ کہ پیداوار میں نسبتی کمی ہوئی ہے ۔ دریں حالات قیمتیں بڑھنے لگتی ہیں اور قدر زر گر جاتی ہے۔ اس کے برعکس پیداوار میں نسبتی اضافہ قیمتوں میں کمی کا رجحان پیدا کرتا ہے اور قدر زر بڑھتی جاتی ہے ۔ پاکستان میں افراطِ زر یا مہنگائی کا اصل سبب پیداوار کی نسبتی کمی ہے ۔

3- زر کی گردش کی رفتار (Velocity of Circulation of Money):

زر کی ایک خاص مقدار ایک خاص عرصہ وقت میں جتنی بار قیمت چکانے کا کام سرانجام دیتی ہے اُسے زر کی گردش کی رفتار کہتے ہیں ۔ مقدارِ زر کو اس کی گردش کی رفتار سے ضرب دی جائے تو حقیقی مقدارِ زر معلوم ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ اگر بظاہر مقدارِ زر ساکن بھی رہے لیکن اس کی گردش کی رفتار بڑھ جائے تو حقیقی مقدارِ زر بڑھ جاتی ہے۔ قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور قدرِ زر گر جاتی ہے اس کے برعکس زر کی گردش کی رفتار کم ہو جائے تو حقیقی مقدارِ زر کم ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ قیمتیں گرتی ہیں اور قدر زر بڑھ جاتی ہے ۔

4- آبادی کی شرح افزائش (Rate of Population Growth): اگر ملک میں شرح افزائش آبادی تیز ہو تو اشیائے ضرورت مثلاً خوراک ، لباس ، رہائش اور دواؤں وغیرہ کی طلب میں تیزی سے اضافہ ہوتا ہے اور قیمتیں چڑھنے لگتی ہیں ۔ پاکستان میں شرح افزائش آبادی 3 فیصد سالانہ ہے ۔ نیز افغانستان بنگلہ دیش اور حال ہی میں ایران سے آبادی کے انتقال کے نتیجے میں ہماری آبادی میں تقریباً تیس تا چالیس لاکھ افراد کا اضافہ ہوا ہے ۔ چنانچہ قیمتوں میں عمومی اضافے کا رجحان پایا گیا ہے ۔

5- سرکاری بجٹ (Government Budget): آئندہ مالی سال کے لیے حکومت کی آمدنی اور اخراجات کی تفصیل کو سرکاری بجٹ کہتے ہیں ۔ سرکاری بجٹ میں ٹیکسوں کے ذریعے حاصل ہونے والی اور خرچ کی جانے والی رقوم کا حجم بہت زیادہ ہوتا ہے اس لیے حکومتی آمدنی و خرچ معیشت پر گہرے (Deep) اثرات ڈالتے ہیں ۔ اگر بجٹ خسارے والا ہو تو حکومت محصولاتی آمدنی سے بڑھ کر اخراجات کرتی ہے ۔ جس سے

مقدارِ زر بڑھتی ہے اور اشیا و خدمات کی طلب بڑھ جاتی ہے ۔ اس کا براہِ راست نتیجہ افراطِ زر ہوتا ہے ۔ چنانچہ قیمتیں بڑھتی ہیں ۔ اور قدر زر گر جاتی ہے ۔ لیکن اگر سرکاری بجٹ فاضل ہو تو گردش میں موجود زر کی مقدار کم ہو جاتی ہے ۔ لہذا قیمتیں گرتی ہیں اور قدرِ زر بڑھ جاتی ہے ۔

6- ہنگامی حالات (Emergencies): اگر ملک میں سیلابوں اندرونی خانہ جنگی اور جنگ جیسی ہنگامی صورت پیدا ہو جائے تو پیداوار کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے ۔ اور جو بھی پیداوار ممکن ہوتی ہے اُس کی تقسیم میں مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں ۔ ویسے بھی ان حالات میں افراد اشیائے خوردنی وغیرہ زیادہ مقدار میں طلب کرتے ہیں ۔ اس لیے اشیاء کی قلت پیدا ہو جاتی ہے۔ قیمتوں میں تیزی سے اضافہ ہوتا ہے اور قدرِ زر گر جاتی ہے اس کے برعکس امن کے حالات میں پیداواری عمل جوبن پر ہوتا ہے اور پیداوار کی تقسیم سُبک رفتار ہوتی ہے ۔ اس لیے دیگر حالات ساکن رہتے ہوئے قیمتیں گرتی ہیں یا کم از کم مستحکم ضرور رہتی ہیں ۔ ان حالات میں قدر زر بھی یا تو بڑھ رہی ہوتی ہے یا مستحکم ہوتی ہے ۔

7- محصولات (Taxes): اگر حکومت تمام قسم کی پیداوار اور درآمدات پر ٹیکس بڑھادے تو اشیاء کی قیمت چڑھ جاتی ہے ۔، ساتھ ہی آجروں اور دکانداروں کو منافع بڑھانے کا موقع ہاتھ آتا ہے ۔ اس لیے قیمتوں میں تزائد اضافہ ہو جاتا ہے ۔ اور قدر زر گر جاتی ہے ۔ لیکن اگر حکومت ٹیکسوں کا بار کم کر دے تو اشیا سستی ہو جاتی ہیں اور قدرِ زر بڑھ جاتی ہے ۔

4.11 قدرِ زر میں تبدیلیوں کے اثرات
(Effects of Changes in the Value of Money)

مختلف معاشرتی طبقات پر قیمتوں اور قدرِ زر کے تغیرات کے اثرات ایک جیسے نہیں ہوتے ۔ ذیل میں ہم ان اثرات کا تجزیہ پیش کرتے ہیں ۔

1- کاشتکار (Farmers): جب معیشت میں عام اشیا کی قیمت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے چونکہ زرعی شعبے کی پیداوار اور رسد میں فوری طور پر اضافہ ممکن نہیں ہوتا اس لیے ان پیداواروں کی قیمت میں نسبتاً زیادہ تیزی سے اضافہ ہوتا ہے ۔ کاشتکاروں اور

زمینداروں کی آمدنی کا ذریعہ زرعی پیداوار میں ہوتی ہیں اس لیے وہ اُنھیں بلند قیمت پر فروخت کر سکتے ہیں اور اس طرح ان کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوجاتا ہے ۔ چونکہ دیگر اشیاء کی قیمتوں میں نسبتاً کم اضافہ ہوتا ہے اس لیے کسان اور زمیندار اپنی بلند آمدنیوں سے ان اشیا کی زیادہ مقدار خرید سکتے ہیں اور وہ خوشحال ہو جاتے ہیں ۔ گویا جب قیمتیں بڑھ رہی ہوتی ہیں ۔ یعنی جب قدر زر گر رہی ہوتی ہے تو کاشتکاروں اور زمینداروں کی مالی حالت بہتر ہو رہی ہوتی ہے ۔ لیکن جب قیمتیں گر رہی ہوتی ہیں اور قدر زر بڑھ رہی ہوتی ہے تو کاشتکاروں اور زمینداروں کی مالی حالت مخدوش ہوتی ہے ۔

2- صنعت کار اور تاجر (Industrialist and Traders): افراطِ زر کے حالات میں صنعتکار اور تاجر بہت خوشحال ہوتے ہیں ۔ صنعتکار ماضی میں خام مال کی بھاری مقدار پست قیمت پر خرید چکے ہوتے ہیں اور جب وہ اس کی مصنوعات منڈی میں فروخت کے لیے پیش کرتے ہیں تو ان کی قیمت میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہوتا ہے ۔ دریں حالات صنعتکار تیزی سے امیر تر ہو رہے ہوتے ہیں ۔ یہی حال تاجر طبقے کا ہوتا ہے ۔ اسی طرح جب قیمتوں میں اضافے کا رجحان پایا جاتا ہے تو تاجر تجارتی مال خرید کر کچھ عرصہ ذخیرہ کرنے کے بعد اسے باآسانی بلند قیمت پر بیچ کر خوب منافع کما سکتے ہیں ۔ اس کے برعکس جب قیمتیں گر رہی ہوتی ہیں اور قدر زر بڑھ رہی ہوتی ہے تو صنعتکاروں اور تاجروں کو بھاری نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں ۔

3- قرضخواہ اور مقروض (Creditors and Debtors): جب قیمتوں میں اضافے کا رجحان پایا جاتا ہے تو قرض کی واپسی تک اُدھار پر دی گئی رقم کی قوتِ خرید گر چکی ہوتی ہے ۔ اس لیے قرض خواہ نقصان میں رہتے ہیں اور مقروض فائدے میں ۔ لیکن اگر قیمتوں میں گرنے کا رجحان ہو تو رقم کی واپسی تک اس کی قدر بڑھ چکی ہوتی ہے اس لیے قرض خواہ فائدے میں رہتے ہیں اور مقروض نقصان میں

4- صنعتی مزدور (Industrial Labourers): جب اشیاء کی قیمتیں بڑھتی ہیں تو صنعتی مزدوروں کی اُجرتوں میں اسی نسبت سے اضافہ نہیں ہوتا ۔ چنانچہ وہ پہلے سے کسی قدر زیادہ اجرتیں پانے کے باوجود اشیاء و خدمات کی کم مقدار خرید سکتے ہیں ۔ اس لیے وہ غریب تر ہو جاتے ہیں ۔ لیکن جب اشیاء کی قیمتیں گر رہی ہوتی ہیں ۔

بر سر روزگار مزدور خوشحال ہو جاتے ہیں۔

5- معینہ آمدنی پانے والے افراد (Persons Getting Fixed Income)

کچھ افراد کی آمدنی مقررہ اور معینہ ہوتی ہے اور وقت کے گزرنے کے باوجود ان کی آمدنی میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی افراطِ زر ہو یا تفریطِ زر سودی آمدنی پانے والے افراد نیز پ پنشین اور وظیفہ پانے والے افراد کی زری آمدنی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ۔ مہنگائی کے دور میں ان افراد کی معینہ آمدنی کی قوتِ خرید گر جاتی ہے ۔ اس لیے یہ اپنی آمدنی سے اشیا کی کم مقدار خرید سکتے ہیں ۔ لیکن تفریطِ زر کے حالات میں ان کی معینہ آمدنی کے عوض اشیا کی زیادہ مقدار مل سکتی ہے ۔ چنانچہ ان افراد کی مالی حالت بہتر ہو جاتی ہے ۔

4.12 نظریہ مقدارِ زر (Quantity Theory of Money)

معیشت میں تین کل معاشی متغیرات کے مابین مخصوص تفاعلی تعلق پایا جاتا ہے ۔ یہ متغیرات ہیں ۔ مقدارِ زر اوسط قیمتوں کا معیار اور قدرِ زر چونکہ قیمت سرمایہ دارانہ معیشت کا محور ہوتی ہے ۔ اس لیے اس کی تبدیلیاں شروع سے ہی معیشت دانوں کی دلچسپی کا باعث رہی ہیں ۔ واضح رہے کہ مقدار زر میں ہونے والی تبدیلیاں اوسط قیمتوں کو مثبت طور پر متاثر کرتی ہیں ۔ جبکہ اوسط قیمت کی تبدیلیاں قدر زر کو منفی طور پر متاثر کرتی ہیں ۔ نہ صرف یہ بلکہ مقدار زر قیمتوں اور قدر زر کی یہ تفاعلی تبدیلی ریاضیاتی طور پر متناسب بھی ہوتی ہے ۔ ان متغیرات کے تفاعلی تعلق کو نظریہ مقدار زر کہتے ہیں ۔

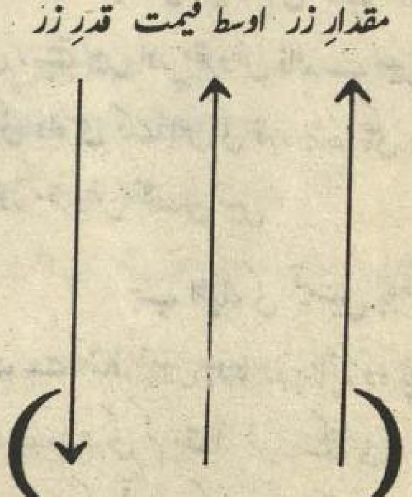

(Three) سہہ متغیراتی تفاعلی تعلق کی ایک صورت

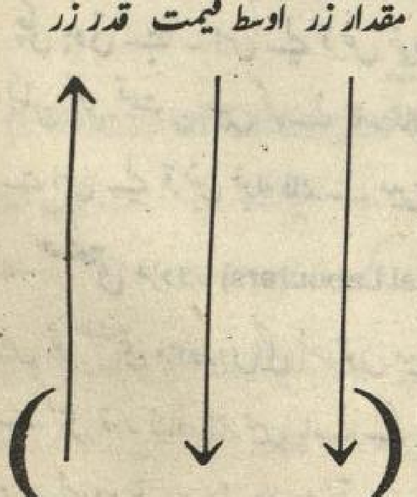

(Three) سہہ متغیراتی تفاعلی تعلق کی دوسری صورت

تعریف :

کلاسیکل معیشت دان جے ایس مل (J.S.Mill) نے نظریہ مقدارِ زر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے ۔

"مقدارِ زر کی تبدیلی کے نتیجے میں (قیمتوں کی تبدیلی کی وساطت سے) قدر زر میں تناسب معکوس سے تبدیلی واقع ہوتی ہے ۔ چانچہ مقدارِ زر میں ہر اضافہ قدر زر میں متناسب کمی پر منتج ہوتا ہے ۔ جبکہ مقدار زر میں ہر کمی قدر زر میں متناسب اضافے کا باعث ہوتی ہے ۔ بشرطیکہ دیگر حالات بدستور قائم رہیں ۔"

ٹازگ (Taussig) کی پیش کردہ تعریف بہت مقبول ہے ۔ یہ تعریف اس طرح ہے "اگر کسی معیشت میں مقدارِ زر دوگنی کر دی جائے تو قیمتیں بھی دوگنی ہوجاتی ہیں ۔ اور قدر زر نصف رہ جاتی ہے ۔ بشرطیکہ دیگر حالات بدستور قائم رہیں ۔ اور اگر زر کی مقدار نصف کر دی جائے تو قمتیں بھی نصف ہو جاتی ہیں ۔ اور قدر زر دوگنی ہو جاتی ہے بشرطیکہ دیگر حالات بدستور قائم رہیں ۔"

متذکرہ بالا دونوں تعریفوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے ۔ کہ اس نظریہ کے (Three) سہہ متغیراتی تفاعلی تعلق کے قائم رہنے کی شرط یہ ہے کہ چند دیگر حالات بدستور قائم رہیں ۔ یہ حالات درحقیقت قانون کے مفروضات ہیں جن کا ذکر آگے چل کر کریں گے ۔

فشر کی مساواتِ مبادلہ (Fishers Equation of Exchange)

امریکی معیشت دان اروِنگ فشر (Irving Fisher) نے 1911 ء میں مقدار زر کو مندرجہ ذیل مساوات کی شکل میں پیش کیا ۔ اسے فشر کی مساواتِ مبادلہ کہتے ہیں ۔

گ ز + گ ز = ق ت یعنی $PJ = MV + M'V'$

علامات کی وضاحت : اس مساوات میں استعمال کی گئی علامات کی وضاحت اس طرح ہے

P: (Average Price Level) اوسط قیمت کا معیار جسے اردو حروف پر مشتمل مساوات میں

"ق" کی علامت سے ظاہر کیا گیا ہے۔

T: (Total Transactions) ایک خاص عرصہ میں ہونے والی تمام تجارت کا حجم جسے ت سے ظاہر کیا گیا ہے۔

M: (Currency Part of Money) گردش میں موجود کرنسی کی مقدا جس کے لیے 'ز' کی علامت استعمال کی گئی ہے۔

V: (Velocity of Circulation of Currency) کرنسی کی گردش کی رفتار زر کی ایک خاص مقدار ایک خاص عرصہ وقت میں جتنی بار آلہ مبادلہ (یعنی قیمت کی ادائیگی) کا کردار ادا کرتی ہے۔ اسے اس کی گردش کی رفتار کہتے ہیں۔ اس کے لیے اردو حرف 'گ' کو بطور علامت استعمال کیا گیا ہے۔

M': (Credit Money) زر اعتباری کی مقدار تجارتی بنک موصول اماتنوں کی بنیاد پر قرضے دے کر زر اعتباری کی تخلیق کرتے ہیں۔ عموماً گردش میں موجود زر کا بشتر حصہ زر اعتباری پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے لیے 'ز' کی علامت استعمال کی گئی ہے۔

V': (Velocity of Circulation of Credit Money) زر اعتباری کی گردش کی رفتار زر اعتباری کی ایک خاص مقدار ایک خاص عرصہ وقت میں جتنی بار آلہ مبادلہ کا کام دیتی ہے۔ اسے زر اعتباری کی گردش کی رفتار کہتے ہیں۔ مساوات میں اس کے لیے 'گ' کی علامت استعمال کی گئی ہے۔

فشر کی مساوات مبادلہ کے بائیں جانب واقع PxT درحقیقت زر کی مجموعی طلب ہے۔ اگر ایک شخص دس (10) بال پوائنٹ پنسلیں خریدنا چاہتا ہو اور ایک پنسل کی قیمت 1.50 روپے ہو تو اُسے پنسلیں خریدنے کے لیے 15 روپے درکار ہوں گے۔ چنانچہ ایک خاص عرصہ میں معیشت میں جتنی اشیاء کی فروخت ہوتی ہے ان کی مقدارِ (T) کو قیمت فی شے (P) سے ضرب دے دی جائے تو زر کی مجموعی طلب PxT کے برابر ہوگی۔ مساوات کے دائیں جانب زر کی مجموعی رسد درج کی گئی ہے۔ زر دو قسم کا ہوتا ہے یعنی کرنسی اور زرِ اعتباری فشر کی رائے میں کرنسی کی حقیقی مقدار معلوم کرنے کے لیے اس کی زری مقدار (M) کو اس کی گردش کر رفتار (V) سے ضرب دی جانی چاہیے۔ اسی طرح زر اعتباری کی ظاہری مقدار (M) کو اس کی گردش کی رفتار (V) سے ضرب دے کر اس کی حقیقی مقدار معلوم کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ زر کی مجموعی رسد MxV + MxV کے

برابر ہوگی ۔

فشر کی مساواتِ مبادلہ نظریہ مقدارِ زر کی اوپر بیان کردہ تعریفوں کی ریاضیاتی تاویل پیش کرتی ہے ۔ اگر مساوات کے بائیں جانب سے T کی علامت کو دائیں جانب منتقل کر دیا جائے تو اس کی یہ صورت برآمد ہوتی ہے ۔

$$P = \frac{MV + M'V'}{T}$$

اب اگر دیگر حالات یعنی V,V' اور T ساکن رہتے ہوئے مقدارِ زر کو دوگنا کر دیا جائے تو اوسط قیمت کا معیار P بھی دوگنا ہو جائے گا اور چونکہ قیمتوں اور قدرِ زر میں متناسب معکوس تعلق پایا جاتا ہے ۔ اس لیے قدر زر نصف رہ جائے گی ۔ لیکن اگر مقدارِ زر نصف کر دی جائے تو قیمتیں بھی نصف ہو جائیں گی اور قدرِ زر دوگنی ہو جائے گی ۔

اب ہم فشر کی مساوات میں دائیں جانب کی علامات کے لیے فرضی مقدار۔یں درج کر کے اوسط قیمت کے معیار کا تعین کرتے ہیں ۔

(ابتدائی مساوات) $P = \dfrac{400\text{x}3 \text{ روپے} + (600\text{x}4) \text{ روپے}}{900}$

$$P = \frac{2400+1200}{900} = \frac{3600}{900} = 4$$

$$\boxed{P = 4 \text{ روپے}}$$

اگر M اور M' زر کی مقدار دوگنی کر دی جائے تو دیکھنا یہ ہے کہ کیا اوسط قیمت کا معیار بھی دوگنا ہوگا ۔

$$P = -\frac{1200\text{x}4 + 800\text{x}3}{900}$$

$$P = \frac{4800+2400}{900} = \frac{7200}{900} = 8$$

$$\boxed{P = 8}$$

مقدارِ زر دوگنی کر دینے سے اوسط قیمت کا معیار 4 روپے سے بڑھ کر 8 روپے ہو گیا ہے ۔ اور یہ بات خود بخود عیاں ہے کہ اگر قیمتیں دوگنی ہو جائیں تو قدرِ زر نصف رہ جاتی ہے ۔

لیکن اگر ابتدائی مساوات میں مقدارِ زر نصف کردی جائے تو

$$P = \frac{300x4 + 200x3}{900}$$

$$P = \frac{1200 + 600}{900} = \frac{1800}{900} = 2$$

P = 2 روپے

اس لیے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اوسط قیمت کا معیار بھی ابتدائی معیار کے مقابلے میں نصف ہوگیا ہے ۔ اس لیے قدر زر دوگنی ہوگئی ہے ۔

دریں حالات ثابت ہوا کہ مقدار زر میں اضافہ ہونے سے قیمتوں میں متناسب اضافہ اور قدر زر میں اسی نسبت سے کمی ہوتی ہے ۔ جبکہ مقدارِ زر میں کمی کرنے سے قیمتوں میں متناسب کمی اور قدر زر میں اسی نسبت سے اضافہ ہوتا ہے ۔

مفروضات :

نظریہ مقدارِ زر کی متذکرہ تعریفوں میں مقدارِ زر ، قیمت اور قدرِ زر کے سہہ متغیراتی تفاعلی تعلق کے درست ثابت ہونے کے لیے چند دیگر امور کو ساکن فرض کیا جاتا ہے ۔ یہ مفروضات مندرجہ ذیل ہیں :

(i) زر کی گردش کی رفتار میں تبدیلی نہ ہو : اگر مقدار زر کی تبدیلیوں کے ساتھ ہی زر کی گردش کی رفتار بھی بدل جائے تو مقدار زر اور اوسط قیمت کے معیار کا متناسب تعلق برقرار نہ رہ سکے گا ۔ نظریے کی وضاحت کے لیے V اور V کو ساکن فرض کرنا ضروری ہے۔

(ii) تجارت کے حجم میں تبدیلی نہ ہو : مقدار زر اور اوسط قیمت کے معیار کے متناسب تعلق کے لیے ہم یہ بھی فرض کرتے ہیں کہ تجارت کے حجم (T) میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ۔

(iii) دفینوں کی مقدار نہ بدلے : معیشت میں دفینوں کی ایک خاص مقدار موجود ہو سکتی ہے ۔ نظریہ مقدارِ زر کے درست ثابت ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ

دفینوں کی مقدار ساکن رہے ۔ کیونکہ اگر حکومت اور مرکزی بنک مقدار زر میں تو اضافہ کریں اور اتنی مقدارِ زر دفینوں کی نذر ہو جائے تو قیمت میں کوئی اضافہ رونما نہ ہوگا ۔

(iv) غیر زری شعبے میں تبدیلی واقع نہ ہو : اگر ملک ، کے کسی حصے میں براہِ راست مبادلہ کا نظاج رائج ہو گویا وہاں اشیا کے لین دین میں زر استعمال نہ ہو رہا ہو تو وہ معیشت کا غیر زری شعبہ قرار دیا جاتا ہے ۔ اگر معیشت میں مقدار زر کی تبدیلیوں کے ساتھ ہی یہ غیر زری شعبہ پہلے سے کم یا زیادہ ہو جائے تو قیمتوں میں متوقع متناسب اثرات مرتب نہ ہوں گے ۔ غیر زری شعبہ کے کم ہو جانے یا اس کے ختم ہو جانے کے معانی یہ ہوتے ہیں کہ اب اس شعبے کے اشیائی لین دین کے لیے بطور آلہ مبادلہ زر مطلوب ہے ۔ چنانچہ زر کی مقدار میں ہونے والا اضافہ اس شعبے میں کھپ جائے گا ۔ اور قیمتوں میں متناسب اضافہ نہ ہوگا ۔

4.12 نظریۂ مقدارِ زر پر تنقید
(Criticism of Quantity Theory of Money)

بہت سے ماہرین معاشیات نے نظریہ مقدارِ زر میں خامیوں کی نشاندہی کی ہے ۔ اس نظریے پر مندرجہ ذیل زاویوں سے تنقید کی گئی ہے ۔

1- نظریے کے مفروضات حقیقت سے بعید ہیں : اس نظریے میں متعدد عوامل ساکن فرض کیے جاتے ہیں جو درحقیقت متغیر رہتے ہیں ۔ مثلاً زر کی گردش کی رفتار کبھی ساکن نہیں رہتی ۔ معاشی پھیلاو کے دوران زر کی گردش تیز تر ہو جاتی ہے ۔ جبکہ سرد بازاری کے حالات میں زر کی گردش سست پڑ جاتی ہے ۔ علاوہ ازیں معاشی حالات کے تغیرات کے ساتھ ساتھ تجارت کے حجم میں دفینوں کی مقدار میں اور غیر زری شعبے میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے ۔

2- آزاد متغیرات : فشر نے مساواتِ زر تشکیل دیتے ہوئے یہ فرض کر لیا کہ مقدار زر میں اضافہ کرنے سے صرف قیمتیں متاثر ہوتی ہیں لیکن m, ḿ, v, v́ اور T کے عناصر اس کا کوئی اثر قبول نہیں کرتے گویا فشر نے یہ فرض کیا یہ متغیرات آزاد ہیں اور مقدارِ زر کے تغیر کے تابع نہیں ہیں ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مساوات میں متذکرہ تمام عناصر میں باہمی تعلق پایا جاتا ہے ۔ مثلاً مقدار زر میں اضافہ ہو جائے تو کرنسی کی گردش کی

رفتار (v) زر اعتباری کی گردش کی رفتار (v) اور تجارت کا حجم بھی بڑھ جاتے ہیں جبکہ مقدارِ زر میں کمی v اور (v) کی رفتار میں کمی پیدا کرتی ہے ۔ اور تجارت کا حجم گھٹ جاتا ہے ۔ دریں حالت مقدارِ زر میں اضافہ ہونے سے قیمتوں پر مبینہ متناسب اثر مرتب نہیں ہو سکتا ۔

3- اکثر حالات میں قیمتیں آزاد متغیر ہوتی ہیں نہ کہ تابع : فشر نے اپنی مساواتِ زر کی جس طرح توضیح پیش کی ہے اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مقدار زر ہمیشہ آزاد متغیر اور قیمتوں کا معیار تابع متغیر ہوتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر حالات میں قیمتیں آزاد متغیر ہوتی ہیں اور وہ مقدار زر میں تبدیلیوں پر منتج ہوتی ہیں مثلاً جب قیمتوں میں بڑھنے کا رجحان پایا جاتا ہے ۔ تو آجروں اور تاجروں کے منافع جات بڑھتے ہیں۔ تجارت چمکتی ہے اور خرید و فروخت کا عمل تیز تر ہوتا ہے ۔ دریں حالات زر کی گردش کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور مقدارِ زر میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ مقدار زر = VxM

4- بیکار پڑے ہوئے وسائل : اگر معیشت میں بیروزگاری کے حالات میں کچھ مادی وسائل مثلاً زرخیز زمینیں ، معدنیات ، آبی ذرائع اور افرادی وسائل بیکار پڑے ہوئے ہوں تو مقدارِ زر میں ہونے والا اضافہ ان وسائل کو بروئے کار لانے میں کام آتا ہے ۔ جس سے پیداوار بڑھ جاتی ہے ۔ چنانچہ قیمتوں میں اضافہ رونما نہیں ہوتا ۔

5- معاشی بحران : اس نظریے کا اطلاق شدید سرد بازاری اور معاشی بحران کے حالات پر بھی نہیں ہوتا ۔ کیونکہ ان حالات میں قمتیں گر رہی ہوتی ہیں ۔ کاروباری حالات مایوس کن ہوتے ہیں ۔ اور آجرین نقصانات کی تاب نہ لاکر کاروبار بند کررہے ہوتے ہیں ۔ چنانچہ اگر مقدارِ زر میں اضافہ کر دیاجائے نیز شرح سود بھی گرا دی جائے تو اس کے باوجود آجرین بنکوں سے سرمایہ قرض لے کر کاروبار میں لگانا پسند نہیں کرتے ۔ گویا زائد مقدارِ زر کو گردش میں آنے کا موقع نہیں ملتا ۔ اس لیے قیمتوں میں اضافہ نہیں ہوتا ۔ عظیم عالمی بحران (33-1929) کے دوران مغربی ممالک کی معیشتوں میں بالکل ایسی کیفیت پائی جاتی تھی ۔ البتہ اگر حکومت تعمیرات عامہ کے کاموں پر نیا زر خرچ کرے تو وہ گردش میں آتا ہے لیکن پھر بھی قیمتوں میں متناسب اضافہ نہیں ہوتا ۔

6- گردش زر کا تصور : الفریڈ مارشل معترض ہیں کہ فشر کی مساواتِ زر میں گردش زر کا تصور حد درجہ مختصر بلکہ مُبہم ہے موصوف لکھتے ہیں کہ نظریہ مقدارِ زر ان عوامل پر حاوی نہیں ہے جو گردش زر پر اثرانداز ہوتے ہیں ۔ بعض دیگر ماہرینِ معاشیات زر کی گردش کے مقابلے میں زر کی طلب کی اصطلاح کو بہتر قرار دیتے ہیں ۔

7- اوسط قیمت کا معیار : فشر کی مساوات کے ذریعے اوسط قیمت کے معیار کا پتہ تو چل جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب قیمتوں میں اضافے کی روش پیدا ہوتی ہے تو تمام اشیاء کی قیمتیں ایک ہی نسبت سے نہیں بڑھتیں ۔ چنانچہ جن افراد کی مطلوبہ اشیا میں نسبتاً زیادہ اضافہ ہوتا ہے وہ نقصان میں رہتے ہیں جبکہ ایسے افراد جن کے زیر استعمال آنے والی اشیا کی قیمت میں نسبتاً کم اضافہ ہوتا ہے وہ مقابلتاً فائدے میں رہتے ہیں ۔ اسی طرح جب اوسط قیمت میں کمی ہوتی ہے تو یہ بھی تمام اشیا کے حوالے سے ایک جیسی نہیں ہوتی ۔ چانچہ مختلف افراد کے لیے قیمتوں کی تبدیلی کا درجہ اثر بھی مختلف ہوتا ہے ۔ اس لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ فشر کی مساوات سے مؤخذہ نتائج کا اطلاق تمام افراد پر ایک جیسا نہیں ہوتا ۔

8- ساکن نظریہ : جے ۔ ایم کینز نے نظریہ مقدارِ زر کو ساکن متماثلہ (Static Identity) قرار دیا کیونکہ مقدار زر کی تبدیلی اور قیمتوں کی تبدیلی کے درمیان حائل متعدد دیگر عوامل کو فشر نے ساکن فرض کر لیا ہے ۔ جے ۔ ایم کینز کی رائے کے مطابق مقدارِ زر اور قیمتوں کی تبدیلی میں کوئی براہِ راست تعلق موجود نہیں ہے ۔ موصوف رقم طراز ہیں کہ جب مقدارِ زر بڑھتی ہے تو اس کا فوری اثر یہ ہوتا ہے کہ شرح سود گر جاتی ہے جس سے سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے پھر قومی آمدنی بڑھتی ہے اور اشیا و خدمات کے لیے موثر طلب میں اضافہ ہوتا ہے اور بالآخر قیمتوں میں اضافہ رونما ہوتا ہے۔

9- عناصر کی نوعیت میں فرق : جارج ہام (George Halm) نے فشر کی مساوات میں ایک فنی خرابی (Technical Defect) کی نشاندہی کی ہے وہ یہ کہ اوسط قیمت کے معیار (P) اور مقدارِ زر (M) کا تعلق ایک خاص وقت سے ہوتا ہے۔ جبکہ زر کی گردش کی رفتار (v) اور تجارت کے حجم (T) کا تعلق ایک عرصے سے ہے ۔ چنانچہ M اور V جیسے غیر مترادف عناصر کو ضرب نہیں دی جاسکتی ۔ بالکل اسی طرح جیسے گھوڑوں کی تعداد میں

گدھوں کی تعداد کو جمع نہیں کیا جاسکتا ۔ نہ صرف یہ کہ M کو V سے ضرب نہیں دی جاسکتی بلکہ MV کے حاصل ضرب کو T پر تقسیم بھی نہیں کیا جاسکتا ۔

4.13 افراطِ زر (Inflation)

اشیاء کی قدر کی پیمائش زر سے کی جاتی ہے ۔ لیکن خود زر قابلِ اعتماد پیمانہ نہیں ہے ۔ کیونکہ یہ دیگر پیمانوں مثلاً میٹر ۔ درجہ حرارت اور کلوگرام کی طرح اثبات (Stability) کا حامل نہیں ہے ۔ اشیا کی قیمتوں کے تغیرات زر کی قدر یعنی اس کی قوتِ خرید میں تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں ۔ افراطِ زر کے حالات میں قیمتیں بڑھ رہی ہوتی ہیں اور قدرِ زر گر رہی ہوتی ہے اور جب تفریطِ زر کا دور آتا ہے ۔ تو قیمتیں گر رہی ہوتی ہیں اور قدرِ زر بڑھ رہی ہوتی ہے ۔

افراطِ زر کی نوعیت کیا ہے اس کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ معیشت میں موجود مقدارِ زر اور مقدارِ اشیا کے درمیان ایک مضبوط تفاعلی رشتہ پایا جاتا ہے جس کے نتیجے میں اوسط قیمت کے معیار کا تعین کیا جاسکتا ہے اگر آسانی کی خاطر یہ فرض کر لیا جائے کہ اشیا کی کل مقدار 200 ہے جبکہ زر کی کل مقدار 800 روپے ہے تو گویا 200 اشیا کی خرید و فروخت کے عمل سے 800 روپے کا زر آلہ مبادلہ کا کام دے گا ۔ چنانچہ ایک شے کی اوسط قیمت $\frac{800}{200}$ = 4 روپے ہوگی ۔ جب بھی مقدار زر بمقابلہ مقدار اشیا زیادہ ہو جاتی ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ جب مقدارِ اشیاء بمقابلہ مقدارِ زر کم ہو جاتی ہے تو قیمتوں میں اضافہ رونما ہوتا ہے جسے اصطلاحاً افراطِ زر کہتے ہیں ۔

اوپر دی گئی مثال میں قیمت میں اضافے کی صورتیں یہ ہو سکتی ہیں:

(الف) جب اشیاء کی مقدار ساکن رہتے ہوئے زر کی مقدار بڑھ جائے مثلاً

$$\frac{\text{1000 روپے}}{\text{200 اشیاء}} = \text{5 روپے}$$

(ب) جب زر کی مقدار ساکن رہتے ہوئے اشیا کی مقدار کم ہو جائے مثلاً

$$\frac{\text{800 روپے}}{\text{160 اشیا}} = \text{5 روپے}$$

(ج) جب زر اور اشیا دونوں کی مقدار بڑھ جائے لیکن زر کی مقدار نسبتاً زیادہ بڑھے

$$\frac{1250}{250} = \text{5 روپے}$$

چنانچہ جب اشیاء کی مقدار کے مقابلے میں زر کی مقدار بڑھ جانے سے قیمتوں میں اضافہ واقع ہو رہا ہو تو ایسی کیفیت افراطِ زر کہلاتی ہے ۔

4.13.1 افراطِ زر کے نتائج (Consequences of Inflation)

معیشت کے مختلف شعبوں کے حوالے سے افراطِ زر کے نتائج یہ ہوتے ہیں ۔

1- **سرمایہ کاری اور پیداوار (Investment and Production)** اگر معیشت میں کچھ پیداواری وسائل بشمول افرادی قوت بیکار پڑے ہوئے ہوں تو افراطِ زر کے نتیجے میں سرمایہ کاری ، پیداوار اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے ۔ پیداوار کے بڑھ جانے سے افراطِ زر کی شدت میں کمی واقع ہوتی ہے ۔ افراطِ زر کے دور میں آجروں اور تاجروں کے منافع جات تیزی سے بڑھ رہے ہوتے ہیں ۔ اس لیے وہ حالات سے فائدہ اٹھانے کے لیے سرمایہ کاری میں کثیر قدر اضافے کرتے ہیں جس سے پیداوار اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے ۔ لیکن اگر معیشت میں پہلے ہی کامل روزگار قائم ہو چکا ہو تو پیداوار میں حقیقی اضافہ ممکن نہیں ہوتا ۔ اس لیے اشیا کی قیمت اور عاملین کے معاوضے بڑھتے جاتے ہیں ۔ اور اگر افراطِ زر پر بروقت قابو نہ پایا جائے تو یہ خود تقویتی اثر (Self accumulating effect) کے تحت بے لگام افراط زر (Runaway Inflation) کی شدت اختیار کر سکتا ہے ۔

2- **معاشی افزائش (Economic Growth)** ترقی پذیر ممالک میں وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ معاشی افزائش کی رفتار میں اضافہ کیا جائے تاکہ ترقی کے مراحل جلد از جلد طے کیے جاسکیں ۔ ان ممالک میں بڑھتی ہوئی قیمتیں پیداواری وسائل کو بروئے کار لانے کاذریعہ ثابت ہوتی ہیں ۔ قومی پیداوار اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے نیز جب تعمیرات عامہ کے بڑے بڑے پراجیکٹ مکمل ہوتے ہیں تو زراعت ، صنعت اور تجارت کے شعبوں میں توسیع واقع ہوتی ہے ۔ اور پیداوار میں ہونے والا اضافہ کسی حد تک افراط زر کی تلافی کر دیتا ہے ۔

3- **مصارفِ زندگی (Cost of Living)** جب اشیا کی قیمتیں بڑھتی ہیں تو کارکنوں کی اجرتوں میں اسی شرح سے اضافہ نہیں ہوتا ۔ چنانچہ صنعتی کارکن اور سرکاری ملازمین اپنی اُجرتوں سے اشیا و خدمات کی کم تر مقدار خرید سکتے ہیں ۔ ان کے مصارف

زندگی بڑھ جاتے ہیں اور ان کے کنبے کے افراد کا معیار زندگی گر جاتا ہے۔ افراطِ زر کے حالات میں محدود آمدنیاں پانے والے طبقات کی معاشی حالت ابتر ہوتی ہے۔

4- بچتوں کی حوصلہ شکنی (Discouragement of Saving) اکثر افراد بچتیں اس لیے کرتے ہیں کہ وہ مستقبل میں کوئی کاروبار کر سکیں یا صرفی اشیاء خرید سکیں۔ اگر قیمتیں بڑھ رہی ہوں تو بچتوں کی قوتِ خرید گرتی جاتی ہے۔ اور بچتکاروں کے منصوبے ناکام ہونے لگتے ہیں۔ اس لیے وہ حال ہی میں اپنی بچائی گئی رقوم سے اشیا خرید لینا پسند کرتے ہیں۔ نیز وہ مزید بچت کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ چنانچہ ماہرین اقتصادیات یہ رائے دیتے ہیں کہ اگرچہ سرمایہ کاری، پیداوار اور روزگار پر افراطِ زر کے قلیل المیعادی اثرات مثبت ہو سکتے ہیں۔ لیکن بچتوں کا فقدان عرصہ طویل میں سرمایہ کاری کی سطح میں یقیناً کمی کا باعث بنتا ہے۔

5- برآمدات میں کمی (Decline in Exports) جو معیشت افراطِ زر کا شکار ہوتی ہے اس میں پیداوار کی قیمتوں میں رز افزوں اضافہ ہوتا ہے اس لیے مہنگی اشیا کو برآمد کرنا محال ہوتا ہے چنانچہ توازنِ تجارت غیر موافق ہو جاتا ہے اور ملک کی کرنسی کی بیرونی قدر گر جاتی ہے۔ اگر افراطِ زر کی حالت کئی سالوں تک برقرار رہے تو توازنِ تجارت کا مسلسل خسارہ ملک کے بیرونی قرضوں میں اس قدر اضافے کا باعث بنتا ہے کہ ان قرضوں کی واپسی محال ہو جاتی ہے۔

6- سرکاری پراجیکٹوں کے مصارف میں اضافہ (Increase in Cost of Public Projects): ترقی پذیر معیشتوں میں ترقیاتی منصوبہ بندی پر عمل کیا جارہا ہوتا ہے اور اس سلسلے میں ذرائع نقل و حمل و مواصلات، ڈیموں اور بجلی گھروں وغیرہ جیسے بڑے بڑے پراجیکٹوں پر بھاری اخراجات کیے جارہے ہوتے ہیں۔ افراطِ زر کے حالات میں ان پراجیکٹوں کے مصارف ان کے تخمینوں سے تجاوز کر جاتے ہیں اور مزید وسائل فراہم کرنے کے لیے حکومت کو اندرونی اور بیرونی ذرائع سے مزید قرضوں کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ اور ٹیکسوں میں اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ گویا افراطِ زر سرکاری اخراجات میں حد درجہ اضافے اور حکومت کے لیے مالی مشکلات پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ نیز افراطِ زر کی موجودگی میں ترقیاتی منصوبوں کے متوقع اخراجات کے پیشگی تخمینے

تیار کرنا محال ہوتا ہے۔

7- آمدنی کی تقسیم میں بے اعتدالی (Unevenness in Distribution of Income): سرمایہ دارانہ معیشت میں آمدنی کی معاشرتی تقسیم پہلے ہی غیر منصفانہ ہوتی ہے۔ آبادی کا یک مختصر طبقہ جو تاجروں، بڑے بڑے زمینداروں اور صنعتکاروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پہلے ہی بہت امیر ہوتا ہے۔ جبکہ آبادی کا بیشتر حصہ جو کارکنوں اور ان کے منحصرین پر مشتمل ہوتا ہے بمشکل اپنی بنیادی ضروریات پوری کر رہا ہوتا ہے۔ افراطِ زر کے حالات میں تاجروں اور صنعتکارون کے منافع جات میں تزائد اضافہ ہوتا ہے۔ اور زمینداروں کی زرعی پیداوارس بلند قیمتوں پر بک رہی ہوتی ہیں اسی لیے ان کی آمدنی میں سرعت سے اضافہ ہو رہا ہوتا ہے گویا افراطِ زر متمول افراد کو امیر تر بنا دیتا ہے لیکن دوسری جانب مزدوروں اور سرکاری ملازمین کی حقیقی آمدیناں گر رہی ہوتی ہیں اور وہ غریب تر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ افراطِ زر آمدنی کی معاشرتی تقسیم میں مزید بے اعتدالی پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔

4.13.2 افراطِ زر کا علاج (Remidies for Inflation)

افراطِ زر کے متعدد ناگوار اثرات ہوتے ہیں۔ افراطِ زر کا سب سے بڑا دھچکا آبادی کے اس طبقے پر پڑتا ہے۔ جو خود اس کے نقصانات سے بچنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ یہ طبقہ فیکٹری مزدور، کارکنوں، پنشن خواروں اور محدود آمدنی پانے والے سرکاری ملازمین پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہ افراد ملک کی افرادی جمعیت (Manpower) کا بہت بڑا حصہ ہوتے ہیں۔ اس لیے معاشرتی انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ افراطِ زر پر قابو پانے کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔

افراطِ زر کے علاج کے لیے جو اقدامات کیے جاسکتے ہیں انھیں تین زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1- براہِ راست اقدامات (Direct Measures) افراطِ زر کا ایک بہت بڑا سبب پیداوار کی مجموعی طلب میں اضافہ ہوتا ہے۔ جسے کم کرنے کے لیے یہ اقدامات کیے جاسکتے ہیں۔

اوّل: حکومت رضاکارانہ بچتیں (Voluntary Savings) کرنے کی اپیل کرے۔ اگر

شہریوں میں معاشی شعور اور احساسِ ذمہ داری پایا جاتا اور وہ وطن کی محبت کے جذبے سے سرشار ہوں تو حکومت کی اپیل کامیاب ہو سکتی ہے ۔ اس طرح اگر افراد اپنی آمدنیوں میں سے زیادہ رقوم بچانے لگیں اور کمتر صرفی اخراجات کریں تو اشیاء و خدمات کی زائد طلب کو کم کیا جاسکتا ہے ۔

پاکستان میں قومی بچت کی سکیمیں بہت کامیاب ثابت ہوتی ہیں ۔ ان سکیموں کے ذریعے عوام کو ترغیب دی جاتی ہے اور وہ اپنی بچتوں سے سرکاری کفالتیں مثلاً ڈیفنس سیونگ سرٹفیکیٹس ، خاص ڈیپازٹ سرٹیفیکیٹ اور پوسٹل لائف انشورنش کی پالیسیاں خریدیں ۔ ان سکیموں کی وساطت سے ایک طرف تو زائد صرفی اخراجات کم کرنے میں امداد ملی ہے ۔ دوسری جانب حکومت کی ترقیاتی ۔ تعمیراتی اور دفاعی ضروریات کے لیے کثیر مالی وسائل فراہم کیے جاسکتے ہیں ۔

دوم : اگر افراد اپنی مرضی سے صرفی اخراجات گھٹانے اور بچت بڑھانے کے لیے تیار نہ ہوں تو حکومت لازمی بچتوں (Compulsory Savings) کی سکیمیں نافذ کر سکتی ہے ۔ برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک میں بعد از جنگِ عظیم دوم کی افراطِ زر پر قابو پانے کے لیے ماہر معاشیات جے ۔ ایم ۔ کینز (J.M.Keyens) نے ان ممالک کی حکومتوں کو مشورہ دیا کہ کارکنوں کے لیے تاخیری اجرت سکیم (Deferred Pay Scheme) نافذ کی جائے ۔ اس سکیم پر عمل کیا گیا اور کارکنوں کی اجرت کا ایک حصہ ان کے سیونگ اکاونٹ میں جمع کرا دیا جاتا تھا ۔ اس اکاونٹ میں جمع کرائی گئی رقوم افراطِ زر کے دور تک منجمد کر دی گئیں البتہ سرد بازاری کے رونما ہونے پر کارکن اس اکاونٹ میں جمع شدہ رقوم نکلوا سکتے تھے ۔ اس سکیم سے افراطِ زر کے حالات میں اشیاء و خدمات کی طلب کم کرنے میں مدد ملی ۔

سوم : مہنگائی کو روکنے کے لیے حکومت بنیادی ضرورت کی اشیاء کی راشن بندی کر سکتی ہے ۔ اگر آٹا ، دالیں ، چاول ، گھی ، چینی اور کپڑے جیسی اشیا مقررہ نرخوں پر مہیا کرنے کا بندوبست کر دیا جائے تو عام شہریوں کے لیے افراطِ زر کا ازالہ کیا جاسکتا ہے

2- زری اقدامات (Monetary Measures)

افراطِ زر ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے جس میں زر کی رسد پیداوار کی مقدار کے مقابلے میں بڑھ جاتی ہے ۔ درس

حالات افراطِ زر پر قابو پانے کے لیے زر کی رسد پر کنٹرول کرنے کے لیے اقدامات کیے جانے چاہییں ۔ اسی ضمن میں مرکزی بنک کے مندرجہ ذیل زری اقدامات مفید ثابت ہو سکتے ہیں ۔

(الف) سرکاری کفالتوں کی فروخت (Sale of Govt Securities)

مرکزی بنک حکومت کا ایجنٹ ہوتا ہے اور وہ افراطِ زر کے حالات میں تجارتی بنکوں اور عوام الناس کو سرکاری کفالتیں فروخت کر کے گردش میں موجود زر کی مقدار کو کم کر سکتا ہے۔

(ب) شرح بنک میں اضافہ (Increase in Bank Rate) مرکزی بنک معاوضے کی جس شرح پر تجارتی بنکوں کو تھوک قرضے (Bulk Loans) جاری کرتا ہے ۔ اُسے شرح بنک کہتے ہیں اور تجارتی بنک معاوضے کی جس شرح پر اپنے گاہکوں کو پرچون قرضے (Retail Loans) دیتے ہیں اُسے شرح سود کہتے ہیں شرح بنک شرح سود سے کم ہوتی ہے تاکہ تجارتی بنک قرضوں پر منافع کما سکیں ۔

افراطِ زر سے نمٹنے کے لیے مرکزی بنک شرح بنک بڑھا دیتا ہے۔ اس کی تقلید میں تجارتی بنک بھی شرح سود بڑھا دیتے ہیں ۔ چنانچہ بنکوں کے قرضے مہنگے ہو جاتے ہیں اور تاجر و آجر پہلے سے کم قرضے طلب کرتے ہیں ۔ لہذا زر اعتباری کی مقدار میں کمی ہو جاتی ہے اور بڑھتی ہوئی قیمتوں پر قابو پایا جاسکتا ہے ۔

(ج) زر محفوظ کے تناسب میں اضافہ (Increase in Reserve Ratio)

بنکاری کے ضوابط کے تحت تمام فہرستی بنکوں (Scheduled Banks) پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنی موصولہ امانتوں کا ایک خاص فیصد حصہ زر محفوظ کے طور پر مرکزی بنک کے پاس بطور ضمانت جمع کرائیں ۔ گویا تجارتی بنک امانت کے اس حصے میں سے قرض جاری نہیں کر سکتے ۔

افراطِ زر کے حالات میں مرکزی بنک زر محفوظ کا تناسب بڑھا دیتا ہے ۔ چنانچہ اب تجارتی بنک امانتوں کے نسبتاً کم فیصد حصے میں سے قرضے جاری کر سکتے ہیں اور اس

---

(1) فہرستی بنک وہ ہوتے ہیں جنھوں نے بنکاری کے کاروبار کے لیے مرکزی بنک سے باقاعدہ لائسنس حاصل کیا ہوا ہوتا ہے ۔ یہ بنک مرکزی بنک کے زیر اختیار ہوتے ہیں ۔

طرح قرضوں یعنی زر اعتباری کا حجم کم ہو جاتا ہے ۔

متذکرہ بالا اقدامات کے علاوہ مرکزی بنک چند دیگر تدابیر بھی اختیار کرنے کا مجاز ہوتا ہے ۔

3- مالیاتی اقدامات (Fiscal Measures) افراطِ زر کے علاج کے لیے حکومت مخصوص مالیاتی اقدامات کرتی ہے جن کا تعلق سرکاری آمدنی اور سرکاری اخراجات سے ہوتا ہے ۔ معاشی مقاصد کے حصول میں کامیابی پانے کے لیے حکومت کی مالیاتی پالیسی اور مرکزی بنک کی زری پالیسی کا آپس میں متعارف ہونا ضروری ہوتا ہے۔ افراطِ زر کے انسداد کے لیے حکومت مندرجہ ذیل اقدامات کرتی ہے ۔

اول : اشیاء و خدمات کی زائد طلب کو کم کرنے کے لیے حکومت براہِ راست ٹیکسوں میں اضافہ کر دیتی ہے ۔ جب انکم ٹیکس اور کاروباری اداروں کا منافع ٹیکس بڑھ جاتے ہیں تو قابلِ تصرف شخصی آمدنیاں کم ہو جاتی ہیں ۔ دریں حالات صرفی اشیاء و خدمات کی طلب کم ہو جاتی ہے ۔ منافع ٹیکس کے بڑھنے کا ایک اور اثر یہ پڑتا ہے کہ سرمایہ کاری کے اخراجات میں بھی کمی واقع ہوتی ہے۔

دوم : افراطِ زر کے دور میں حکومت فاضل بجٹ (Surplus Budgets) تیار کرتی ہے یعنی حکومت ٹیکسوں کے ذریعے نسبتاً زیادہ روپیہ گردش سے نکال لیتی ہے لیکن اخراجات میں تخفیف کرکے نسبتاً کم روپیہ گردش میں شامل کرتی ہے ۔ دریں حالات گردش میں موجود زر کی مقدار کم ہو جاتی ہے ۔ جس سے اشیاء و خدمات کی مجموعی طلب کم کی جاسکتی ہے ۔

4.14 افراطِ زر (Deflation)

تفریطِ زر ایسی صورتحال کو کہتے ہیں جب معیشت میں اشیاء و خدمات کی تعداد کے مقابلے میں زر کی مقدار کم ہو جانے سے اشیاء و خدمات کی قیمتیں گر رہی ہوتی ہیں ۔ اور بیروزگاری بڑھ رہی ہوتی ہے ۔ آزاد کاروباری معیشت (Free Enterprise) اور سرمایہ دارانہ معیشت (Capitalistic Economy) میں مخصوص وقفوں کے بعد پھیلاؤ اور سکڑاو کے ادوار آتے ہیں ۔ ان ادوار کے وقوع کو تجارتی چکر (Trade cycle) کہتے ہیں ۔ جب سکڑاؤ کا دور واقع ہوتا ہے تو قومی پیداوار کی مجموعی طلب اس کی رسد کے

مقابلے میں کم ہوجاتی ہے ۔ قیمتیں گرنے لگتی ہیں۔ آجروں کے منافع جات کم ہوتے جاتے ہیں اور بعض آجر نقصانات کی تاب نہ لاکر کاروبار بند کر جاتے ہیں ۔ کاروباری شعبوں میں قنوطیت اور مایوسی کی فضا پائی جاتی ہے ۔ سرمایہ کاری میں تیزی سے کمی واقع ہوتی ہے اور پیداوار اور روزگار کے معیار گرتے جاتے ہیں ۔ سکڑاو کے دور میں جب قیمتیں اور روزگار دونوں بیک وقت گرتے ہیں تو معیشت تفریطِ زر کاشکار ہوتی ہے ۔

4.14.1 تفریط زر کی وجوہات (causes of Deflation)

تفریط زر کی وجوہات مندرجہ ذیل ہو سکتی ہیں ۔

(i) بچتوں میں اضافہ اور اخراجات میں کمی : کسی بھی فرد کی آمدنی اس کی بچت اور اس کے صرفی خرچ کے مجموعے کے برابر ہوتی ہے ۔ اگر ملک کے افراد معقول حد سے زیادہ بچتیں کرنے لگیں تو ان کے صرفی اخراجات میں کمی ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ ضرورت کی عام اشیاء کی طلب گرنے لگتی ہے اور ان کی قیمت میں کمی کا رجحان پیدا ہوجاتا ہے ۔ جسے تفریطِ زر کہتے ہیں ۔

(ii) برآمدات میں کمی : اگر ایک ملک اپنی پیداوار کا خطیر حصہ برآمد کرتا ہو لیکن پھر کسی وجہ سے اس کی برآمدات کی طلب گر جائے تو درون ملک اشیاء کی رسد بڑھ جاتی ہے ۔ دریں حالات قیمتیں گرنے لگتی ہیں ۔

(iii) بیروزگاری : بیروزگاری تفریط زر کا نتیجہ بھی ہوتی ہے اور اس کی شدت میں اضافے کا سبب بھی ہے ۔ جب بہت سے افراد روزگار سے محروم ہوجاتے ہیں ۔ تو وہ آمدنیوں یعنی قوتِ خرید سے بھی محروم ہو جاتے ہیں ۔ چنانچہ وہ اشیاء طلب کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اس طرح پیداوار کی طلب گر جانے سے قیمتیں بھی گرنے لگ جاتی ہیں ۔

(iv) بہتر ٹیکنالوجی کا استعمال : جب کسی معیشت میں پیداواری ٹیکنالوجی میں ترقی واقع ہوتی ہے تو بہتر فنونِ پیدائش اپنائے جاسکتے ہیں ۔ جس کے نتیجے میں پیداوار کی لاگت اور قیمت گِر جاتی ہے ۔

(v) فاضل بجٹ : جب حکومت فاضل بجٹ تیار کرتی ہے تو وہ ٹیکسوں کے ذریعے زیادہ زرگردش سے نکال لیتی ہے ۔ لیکن چونکہ حکومت کے اخراجات نسبتاً کم ہوتے ہیں اس لیے مقدار زرکم ہو جاتی ہے اور قیمتوں میں کمی واقع ہونے لگتی ہے ۔

(vi) زر اعتباری کی مقدار میں کمی : اگر شرح سود میں اضافے کے باعث یا منافع کی توقعات گر جانے کے باعث آجرین بنکوں سے کم قرضے طلب کرنے لگیں تو گردش میں موجود زر اعتباری کی مقدار کم ہو جاتی ہے ۔ اور اشیاء کی قیمتوں میں بھی تخفیف ہونے لگتی ہے ۔

(vii) پیداواری لاگتوں میں کمی : اگر پیداواری لاگتیں مثلاً شرح سود ، شرح اُجرت ، مشینوں اور آلات کی قیمت اور خام مال کی قیمت میں کمی ہو جائے تو آجرین کے مصارفِ پیدائش گر جاتے ہیں ۔ چنانچہ پیداوار کی قیمت میں بھی کمی ہوجاتی ہے ۔

4.14.2 تفریطِ زر کے نتائج (Consequences of Deflation)

تفریطِ زر کے مندرجہ ذیل سنگین نتائج برآمد ہوتے ہیں ۔

(i) پیداوار میں کمی : جب آجرین کی پیداوار کی قیمت کم ہوتی جاتی ہے تو ان کے منافع کی شرح بھی گر رہی ہوتی ہے ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منافع کے امکانات بالکل ختم ہو رہے ہوں بلکہ نقصانات واقع ہو رہے ہوں ۔ چنانچہ آجرین پیداوار میں کمی کرنے یا پیداوار بند کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔ لہذا تفریطِ زر کے دَور میں قومی پیداوار کا حجم گِر رہا ہوتا ہے ۔ اور قومی آمدنی کم ہوتی جاتی ہے ۔

(ii) بیروزگاری : پیداوار اور روزگار ایک ہی شے کے دو نام ہوتے ہیں ۔اگر پیداوار بڑھ رہی ہو تو زیادہ سے زیادہ عاملین پیدائش طلب کیے جارہے ہوتے ہیں ۔ لیکن چونکہ تفریطِ زر کے زمانے میں پیداوار میں کمی ہو رہی ہوتی ہے اس لیے لامحالہ طور پر بیروزگاری بھی پھیل رہی ہوتی ہے ۔

(iii) معاشی ترقی کی رفتار میں کمی : کسی معیشت میں معاشی ترقی اس صورت میں واقع ہوتی ہے جب وہاں سال بہ سال قومی پیداوار ، قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں معقول شرح سے اضافہ ہو رہا ہو ۔ لیکن جب معیشت تفریطِ زر کا شکار ہوتی ہے تو

قومی پیداوار اور قومی آمدنی میں کمی ہوتی جاتی ہے ۔ لیکن چونکہ آبادی کا اضافہ جاری رہتا ہے ۔ اس لیے فی کس آمدنی بھی گرتی جاتی ہے ۔ باالفاظ دیگر تفریطِ زر کی کیفیت معاشی ترقی کی رفتار میں کمی پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے ۔

(iv) اخلاقی انحطاط : معاشی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب کسی معیشت میں تفریطِ زر کادَور آتا ہے تو وہاں اخلاقی انحطاط واقع ہونے لگتا ہے ۔ چونکہ روزگار کے مواقع میں کمی ہو رہی ہوتی ہے ۔ اس لیے افراد اپنے جسم و جان کا ناطہ قائم رکھنے کے لیے دھوکہ ، فریب چوری اورڈاکہ زنی وغیرہ کا راستہ اختیار کرنے کی ترغیب پاتے ہیں ۔ اور معاشرت اخلاقی انحطاط کا شکار ہو جاتی ہے ۔

4.14.3 تفریطِ زر کا علاج (Remedis for Deflation)

تفریطِ زر کے علاج کے لیے یہ طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں ۔

(i) تعمیراتِ عامہ پر سرکاری اخراجات میں اضافہ : تفریطِ زر سے نمٹنے کا مؤثر ترین طریقہ یہ ہے کہ حکومت بڑے بڑے تعمیراتی پراجیکٹوں پر بھاری اخراجات شروع کردے ۔ اس طرح ایسے پراجیکٹوں میں لامحدود افراد کو روزگار ملے گا یہ افراد اپنی آمدنیوں کے ذریعے اشیائے ضرورت طلب کریں گے ۔ اشیاء کی طلب میں اضافہ ہوگا ۔ اور قیمتوں میں کمی کا رجحان ختم ہو جائیگا ۔

(ii) سرکاری انتقالی ادائیگیوں میں اضافہ : تفریطِ زر پر قابو پانے کے لیے حکومت کو چاہیے کہ انتقالی ادائیگیوں کی مدات پر اخراجات میں اضافہ کر دے ۔ انتقالی ادائیگیوں میں بیروزگاری الاؤنس اور اعانے وغیرہ شامل ہوتے ہیں ۔ جب ان ذرائع سے افراد کو قوتِ خرید میسر آتی ہے ۔ تو اشیاء و خدمات کی طلب بڑھتی ہے اور گرتی ہوئی قیمتوں پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے ۔

(iii) نجی سرمایہ کاری کے لیے ترغیبات : جب اشیاء کی قیمتیں گِر رہی ہوں تو آجرین نقصانات سے بچنے کے لیے سرمایہ کاری بند کر دیتے ہیں یا اس میں کمی کر دیتے ہیں ۔ لیکن اگر حکومت آجرین کو ان کی پیداوار پر اعانے دینے کا فیصلہ کرلے نیز مرکزی زری پالیسی کے ذریعے شرح سود میں کمی کا اہتمام کرے تو اوّل الذکر اقدام کے

نتیجے میں آجرین کی کل وصولی بڑھ جائیگی جبکہ ثانی الذکر اقدام سے مصارفِ پیدائش میں کمی واقع ہوگی ۔ لہٰذا پست قیمت فروخت کے باوجود آجرین کچھ نہ کچھ منافع کما سکیں گے اور وہ سرمایہ کاری کرنے کی ترغیب پائیں گے ۔ دریں حالات روزگار بڑھے گا اور اشیاء کی طلب میں اضافہ ہوگا ۔ جس سے قیمتوں میں کمی کا میلان ختم ہو جائے گا ۔

(iv) انکم ٹیکس میں کمی : اگر تفریطِ زر کے دوران حکومت انکم ٹیکس میں کمی کردے تو افراد کی قابلِ تصرف آمدنی آمدنیاں بڑھ جاتی ہیں اور وہ پہلے سے زیادہ مقدار میں اشیاء طلب کر سکتے ہیں ۔ اس سے قومی پیداوار کی مجموعی طلب بڑھانے میں امداد ملتی ہے ۔ اور گرتی ہوئی قیمتوں پر قابو پایا جا سکتا ہے ۔

(v) خسارے کے بجٹ : جب کسی معیشت میں تفریط زر کی کیفیت پائی جاتی ہے تو حکومت خسارے کے بجٹ تیار کرتی ہے ۔ گویا حکومت کی محصولاتی آمدنی تو کم ہوتی ہے ۔ لیکن حکومت آمدنی کے مقابلے میں اخراجات زیادہ کرتی ہے ۔ فاضل اخراجات کو پورا کرنے کے لیے حکومت اندرون ملک یا بیرون ملک سے قرضے حاصل کر سکتی ہے یا مرکزی بنک سے زائد کرنسی چھپوا سکتی ہے ۔ جب حکومتی اخراجات آمدنی سے زیادہ ہوتے ہیں تو گردش میں موجود مقدار زر بڑھ جاتی ہے اور قیمتوں کی کمی کی روش ختم ہو جاتی ہے ۔

اعادہ

زر کی ایجاد سے قبل براہ راست مبادلہ کا زمانہ تھا جب اشیاء کا تبادلہ براہ راست اشیاء کے عوض کیا جاتا تھا ۔ لیکن اس نظام میں معاشی لین دین میں کئی مشکلات پیش آتی تھیں اور انہی مشکلات کے نتیجے میں اس نظام کو خیر باد کہا گیا ۔ براہ راست مبادلہ میں یہ دقتیں در پیش تھیں :

(i) ضروریات کی دوطرفہ مطابقت کا فقدان (ii) مشترک پیمانہ قدر کا فقدان (iii) اشیاء کی عدم تقسیم پذیری (iv) ادھار لین دین میں دقت (v) دولت کی نقل مکانی میں دقت (vi) ذخیرہ قدر کی دقت

چنانچہ زر کی ایجاد ناگزیر ہوئی ۔ انسان نے مختلف ادوار میں مختلف اشیاء سے زر کا کام لیا ۔ ابتدائی دور میں عدم ضرورت کی کسی شے کو ہی زر کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا ۔ اسے اشیائی زر کادور کہتے ہیں ۔ پھر دھاتی زر ، کاغذی زر اور اعتباری زر مرّوج ہوا ۔ ہر دَور کا زر اور اس کے اجراء کا نظام اُس زمانے کی تہذیب کے مدارج اور صنعت و تجارت کے مروجہ طریقہ کا مظہر ہے ۔

ایک زر یافتہ معیشت (Monetized Economy) میں زر کی مقدار قیمتوں کے اوسط معیار کو متاثر کرتی ہے جبکہ قیمت کا معیار تمام کل معاشی متغیرات مثلاً پیداوار ، روزگار ، صرف بچت اور سرمایہ کاری کو متعین کرتا ہے ۔ چنانچہ جدید دور کی معیشت میں زر کی اہمیت بہت زیادہ ہے ۔ جے ایم کینز نے زر کی تعریف اس طرح کی ہے ۔ زر وہ شے ہے ”جس کے ذریعے ادھار کے معاہدوں اور قیمت کے معاہدوں کی ادائیگیاں چکائی جاتی ہیں اور جس کی شکل میں عام قوت خرید کا ذخیرہ کیا جاتا ہے۔“

زر یہ فرائض سرانجام دیتا ہے : (i) آلہ مبادلہ (ii) مشترک پیمانہ قدر (iii) ذخیرہ قدر (iv) اُدھار کی ادائیگیوں کا معیار اور (v) انتقال قدر

زر کی اقسام یہ ہیں ۔

(i) دھاتی زر : یہ زر دھات کے سکوں کی صورت میں ہوتا ہے ۔ جس سکے کی ظاہری اور حقیقی قدر برابر ہو اُسے معیاری زر کہتے ہیں ۔ لیکن جس سکے کی ظاہری قدر اس کی حقیقی قدر سے زیادہ ہو اسے علامتی زر کہتے ہیں ۔

(ii) کاغذی زر : یہ زر کاغذی نوٹوں کی شکل میں ہوتا ہے جنہیں مرکزی بنک یا حکومت جاری کرتی ہے ۔

(iii) قانونی زر : یہ وہ زر ہوتا ہے جسے حکومت کی تائید حاصل ہوتی ہے ۔ اسی زر کو آلہ مبادلہ کے طور پر قبول کرنا قانوناً لازم ہوتا ہے ۔

(iv) اعتباری زر : یہ زر چیک ، ڈرافٹ اور کریڈٹ کارڈ وغیرہ کی شکل میں ہوتا ہے ۔ اس زر کی قبولیت کا انحصار زر ادا کرنے والے فرد یا ادارے کی ساکھ پر ہوتا ہے ۔

(v) قریبی زر : یہ ایسا زر ہوتا ہے جسے سردست آلہ مبادلہ کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا تاہم اسے زر نقد کے عوض تبدیل کرایا جاسکتا ہے ۔

(vi) حسابی زر : قدر کی بنیادی اکائی کو حسابی زر کہتے ہیں مثلاً پاکستان میں روپیہ

(vii) غیر ملکی زر مبادلہ : زرمبادلہ سے مراد چند ممالک کی وہ کرنسیاں ہیں جنہیں بین الاقوامی سطح پر قبولیت حاصل ہوتی ہے ۔ مثلاً امریکہ کا ڈالر برطانیہ کا پاونڈ وغیرہ ۔

زر کی قدر کا انحصار اس کی طلب و رسد پر ہوتا ہے ۔ زر کی طلب کے محرکات یہ ہوتے ہیں : (i) روزمرہ کی ادائیگیوں کی ضرورت (ii) محرک پیش بینی (iii) غرض تخمینی جبکہ زر کی رسد کے ذرائع یہ ہوتے ہیں : (i) گردش میں موجود کرنسی کی مقدار (ii) تجارتی بنکوں کا جاری کردہ زر اعتباری (iii) افراد کاروباری اداروں ، اور حکومت کی بچتیں (iv) بیمہ کمپنیاں

کاغذی زر کے فوائد یہ ہیں : (i) کفائت پذیری (ii) انتقال پذیری کی سہولت (iii) تجارت کی توسیع و ترقی کے لیے مالی وسائل کی فراہمی (iv) ہنگامی حالات میں مطلوبہ قوتِ خرید کی فراہمی (v) زر شماری کی سہولت

کاغذی زر کے نقصانات یہ ہوتے ہیں : (i) زر کا زائد اجراء (ii) قدر میں عدم استحکام (iii) بین الاقوامی ادائیگیوں میں دشواری ۔

زر کی قدر کی پیمائش اشیاء کی مدد سے کی جاتی ہے ۔ زر کی قدر سے مراد اشیاء کی وہ خاص مقدار ہے ۔ جو زر کی ایک مخصوص مقدار کے عوض حاصل کی جاسکتی ہے ۔ زر کی قدر میں تبدیلیوں کا باعث بننے والے عوامل یہ ہیں : (i) مقدار زر (ii) پیداوار

کی مقدار (iii) زر کی گردش کی رفتار (iv) آبادی کی شرح افزائش (v) سرکاری بجٹ کی نوعیت (vi) ہنگامی حالات (vii) محصولات

مختلف معاشرتی طبقات اور معاشی شعبوں پر قدر زر کی تبدیلیوں کے یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں : (i) جب قدر زر گر رہی ہوتی ہے یعنی قیمتیں بڑھ رہی ہوتی ہیں تو زرعی اجناس کی قیمتوں میں بہت تیزی سے اضافہ واقع ہوتا ہے ۔ اس لیے کاشتکار اپنی پیداوار کے بلند معاوضے پاتے ہیں ۔ اور وہ بہت خوشحال ہوتے ہیں ۔ لیکن جب قدر زر بڑھ رہی ہوتی ہے اور قیمتیں گر رہی ہوتی ہیں تو زرعی اجناس کی قیمتوں میں بہت تیزی سے کمی ہو رہی ہوتی ہے ۔ چنانچہ کاشتکاروں کی آمدنیوں میں بھی بہت کمی ہو رہی ہوتی ہے اور وہ تمام دیگر طبقات کے مقابلے میں بدحال ہوتے ہیں ۔ (ii) بڑھتی ہوئی قیمتوں (یعنی افراطِ زر یا قدر زر کی تخفیف) کے دَور میں صنعتکاروں اور تاجروں کے منافع جات بڑھ جاتے ہیں ۔ جبکہ گرتی ہوئی قیمتوں (یعنی تفریط زر یا افزائش قدر زر) کے حالات میں اُنھیں نقصانات ہو رہے ہوتے ہیں ۔ (iii) افراط زر کے حالات میں قرضخواہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ جبکہ قرضدار فائدے میں رہتے ہیں ۔ لیکن تفریط زر کے دوران قرضخواہوں کو فائدہ پہنچتا ہے جبکہ مقروض گھاٹے میں رہتے ہیں ۔ (iv) افراط زر کے حالات میں صنعتی مزدور گھاٹے میں رہتے ہیں جبکہ تفریطِ زر کے دَور میں اُنھیں فائدہ پہنچتا ہے ۔ (v) معینہ آمدنی پانے والوں کا معیار زندگی افراط زر کے دَور میں گِر جاتا ہے جبکہ تفریطِ زر کے دَور میں فائدے میں رہتے ہیں ۔

معیشت میں تین کل معاشی متغیّرات یعنی مقدار زر قیمتوں کا اوسط معیار اور قدر زر کے درمیان مخصوص تفاعلی تعلق پایا جاتا ہے ۔ نظریہ مقدارزر اسی سہہ تفاعلی تعلق پر مبنی ہے ۔ ٹازگ (Taussig) نے اسی نظریے کی تعریف اس طرح کی ہے : ”اگر کسی معیشت میں مقدار زر دوگنی کر دی جائے تو قیمتیں بھی دوگنی ہو جاتی ہیں اور قدر زر نصف رہ جاتی ہے ۔ بشرطیکہ دیگر حالات بدستور قائم رہیں ۔ اور اگر زر کی مقدار نصف کر دی جائے تو قیمتیں بھی نصف ہو جاتی ہیں ۔ اور قدر زر دوگنی ہو جاتی ہے بشرطیکہ دیگر حالات بدستور قائم رہیں ۔“

اروِنگ فشر (Irving Fisher) نے اس نظریے میں بیان کردہ مقدار زر اور قیمتوں

کے معیار کے تعلق کو ایک ریاضیاتی مساوات کے ذریعے پیش کیا جسے فشر کی مساواتِ مبادلہ کہتے ہیں ۔ یہ مساوات اس طرح ہے ۔

$$PT = \frac{mv + m'v'}{T}$$

جب اشیاء کی مقدار کے مقابلے میں زر کی مقدار بڑھ جانے سے قیمتوں میں اضافہ واقع ہو رہا ہو تو ایسی کیفیت کو افراط زر کہتے ہیں ۔

افراط زر کے نتائج یہ ہوتے ہیں : سرمایہ کاری اور پیداوار کا حجم بڑھ جاتا ہے ۔ معاشی افزائش کی شرح بڑھ جاتی ہے مصارفِ زندگی میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔ بچتوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے ۔ برآمدات کم ہو جاتی ہیں ۔ سرکاری پراجیکٹوں کے مصارف بڑھ جاتے ہیں ۔ آمدنی کی تقسیم میں بے اعتدالی پیدا ہوتی ہے ۔

افراط زر کے علاج کے طریقے یہ ہیں : (i) رضاکارانہ بچتوں اور لازمی بچتوں میں اضافہ کیا جاتا ہے ۔ (ii) مرکزی بنک سرکاری کفالتیں بیچنا شروع کر دیتا ہے ۔ (iii) شرح بنک بڑھا دی جاتی ہے ۔ (iv) تجارتی بنکوں کے زر محفوظ کے تناسب میں اضافہ کیا جاتا ہے ۔ (v) حکومت ٹیکس بڑھا دیتی ہے اور (vi) سرکاری اخراجات میں کمی کی جاتی ہے ۔

تفریطِ زر ایسی صورت حال کا نام ہے جب معیشت میں اشیاء و خدمات کی تعداد کے مقابلے میں زر کی مقدار کم ہو جانے سے اشیاء خدمات کی قیمتیں گر رہی ہوتی ہیں ۔ اور بیروزگاری بڑھ رہی ہوتی ہے ۔ تفریط زر کی وجوہات یہ ہیں : (i) بچتوں میں اضافہ اور اخراجات میں کمی (ii) برآمدات میں کمی (iii) بیروزگاری (iv) بہتر ٹیکنالوجی کا استعمال (v) فاضل بجٹ (vi) زر اعتباری کی مقدار میں کمی (vii) پیداواری لاگتوں میں کمی ۔

تفریطِ زر پر قابو پانے کے لیے یہ طریقے اختیار کیے جاتے ہیں ۔ (i) تعمیرات عامہ پر سرکاری اخراجات میں اضافہ (ii) سرکاری انتقالی ادائیگیوں میں اضافہ (iii) نجی سرمایہ کاری کے لیے ترغیبات (iv) ٹیکسوں میں کمی اور (v) خسارے کے بجٹ ۔

اہم سوالات

1- براہِ راست مبادلہ سے کیا مراد ہے ؟ براہِ راست مبادلہ کے نظام میں کون کون سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا ۔

2- زر کے ارتقاء پر ایک مفصّل نوٹ لکھیے ۔ اور بتائیے کہ جدید دور میں کس قسم کا زر رائج ہے ۔

3- زر کی جامع تعریف پیش کیجیے اور تعریف کے اہم نکات پر روشنی ڈالیے ۔

4- زر کے فرائض شمار کیجیے اور ان کی وضاحت کیجیے ۔

5- زر کی درج ذیل اقسام کی وضاحت کیجیے ۔

ا — معیاری زر

ب — علامتی سکے ۔

ج — بدل پذیر کاغذی زر

د — غیر بدل پذیر کاغذی زر

ر — اعتباری زر

س — محدود قانونی زر اور غیر محدود قانونی زر

6- زر کی طلب سے کیا مراد ہے ۔؟ زر کی طلب کے مختلف محرکات پر روشنی ڈالیے ۔

7- زر کی رسد سے کیا مراد ہے؟ زر کی رسد کے مختلف ذرائع کو تفصیل سے بیان کریں ۔

8- کاغذی زر کے فوائد اور نقصانات تحریر کیجیے ۔

9- زر کی قدر کا مفہوم بیان کیجیے ۔ زر کی قدر میں تبدیلیاں پیدا کرنے والے عوامل کو تفصیل سے بیان کریں ۔

10- زر کی قدر میں تبدیلی مختلف طبقات اور پیشوں پر کیا اثرات ڈالتی ہے ؟

11- نظریہ مقدار کو بمعہ خصوصیات بیان کریں نیز اس نظریہ کا تنقیدی جائزہ لیں ۔

12- افراطِ زر سے کیا مُراد ہے ۔؟ افراط زر کے نتائج پر مفصل مضمون تحریر کریں ۔

13- افراط زر سے پیدا ہونے والے مسائل کے علاج کے لیے اقدامات تحریر کیجیے ۔

14- تفریطِ زر سے کیا مراد ہے؟ تفریط زر کے اسباب اور اس کے نتائج پر نوٹ لکھیے ۔

☆ ☆ ☆

باب 5

بنک (BANK)

5.1	ابتدائیہ
5.2	بنک کی تعریف
5.3	بنکوں کی اقسام
5.4	تجارتی بنک کے فرائض
5.5	زر اعتباری کی تخلیق
5.5.1	زرِ اعتباری کی تخلیق کا طریقہ
5.5.2	ایک بنک کے زرِ اعتباری کی تخلیق کا ریاضیاتی ماڈل
5.5.3	زرِ اعتباری کی تخلیق کی حدود بندیاں
5.6	پاکستان میں بنکوں کا قومیانہ
5.6.1	بنکوں کو قومیانے کی وجوہات اور فوائد
5.6.2	بنکوں کو قومیانے کے نقصانات
5.7	مرکزی بنک
5.7.1	مرکزی بنک کی تعریف
5.7.2	مرکزی بنکاری اور تجارتی بینکاری کا موازنہ
5.7.3	مرکزی بنک کے فرائض
5.8	زرِ اعتباری پر کنٹرول کرنے کے طریقے (زری پالیسی کے آلات کار)
5.9	سٹیٹ بنک آف پاکستان اور زر اعتباری پر کنٹرول
5.10	قومی معیشت میں سٹیٹ بنک آف پاکستان کا ترقیاتی کردار
5.11	پاکستان میں بلا سود بینکاری

5.1 ابتدائیہ (Introduction)

بنک ایک ایسا ادار ہوتا ہے جو قرضوں کے لین دین کا کاروبار کرتا ہے ۔ جن افراد کے پاس اپنی موجودہ ضروریات سے زائد رقوم ہوتی ہیں وہ بنکوں میں امانت کے طور پر جمع کروا دیتے ہیں ۔ جب ایک بنک کسی شخص سے اس کی رقم بطور امانت قبول کرتا ہے تو گویا وہ امانت دار سے قرض حاصل کرتا ہے اور اسے اس رقم پر مروّجہ اصولوں کے مطابق ایک خاص شرح سے سُود (یا منافع) ادا کرتا ہے ۔ بنک موصولہ امانت کا ایک کثیر حصہ ضرورت مند تاجروں اور آجروں کو قرضے پر دے دیتا ہے اور اس طرح بنک خود قرضخواہ بن جاتا ہے ۔ بنک اپنے قرضداروں سے نسبتاً زیادہ شرح سود وصول کرتا ہے ۔ امانت داروں کو واجب الادا شرح سود اور قرضداروں سے واجب الوصول شرح سود کا فرق بنک کا منافع ہوتا ہے ۔ بنک کاروباری ادارہ ہوتا ہے اور اس کے کاروبار کی غرض و غائت منافع کمانا ہوتی ہے ۔

بنک جدید معاشی زندگی میں نہایت مفید کردار ادا کرتے ہیں ۔ ان کی موجودگی سے لوگوں کو بچت کرنے کی ترغیب ملتی ہے ۔ بنکوں میں رکھی گئی امانتیں محفوظ ہوتی ہیں ۔ نیز وقت گزرنے سے امانت کی مرکب رقم بڑھتی رہتی ہے۔ چنانچہ لوگ اپنی بچتوں کو گھر میں رکھنے کی بجائے بنک کے حوالے کر دیتے ہیں ۔ بنک جائیداد یا دیگر اثاثوں کی ضمانت پر قرضے جاری کرتے ہیں ۔ گویا وہ غیر زری اثاثوں کو زری اثاثوں میں بدل دیتے ہیں ۔ تاجر و آجر بنکوں سے قرض لے کر سرمایہ کاری کرتے ہیں ، جس سے ملک میں پیداوار اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے ۔

5.2 بنک کی تعریف (Definition of a Bank)

مختلف ماہرین زر و بنکاری نے بنک کی تعریف اپنے اپنے انداز میں پیش کی ہے ۔ یہاں ہم بنک کی ایک مقبول عام تعریف کا مطالعہ کرتے ہیں ۔

"بنک اپنے اور دوسروں کے قرضوں کا کاروبار کرتا ہے ۔ اس ادارے کی کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ بنکوں کے جاری کردہ قرضوں (یعنی رسیدوں) کو عام افراد بغیر کسی گریز کے قبول کر لیتے ہیں اور انھیں بطور زر استعمال کرتے ہیں ۔ (جیوفری کراوتھر (G.Crowther

5.3 بنکوں کی اقسام (Kinds of Banks)

متذکرہ بالا تعریف خصوصی طور پر تجارتی بنک کے حوالے سے پیش کی گئی ہے۔ تاہم بنکوں کی متعدد اقسام ہیں۔ ذیل میں ہم بنکوں کی مختلف اقسام (بشمول تجارتی بنک کے) کا تعارف کراتے ہیں۔

(i) مرکزی بنک (Central Bank) مرکزی بنک کسی ملک کے تمام نظامِ بنکاری کا مرکز اور راہبر ہوتا ہے۔ ملک کا اقتصادی حالت کو مستحکم بنانا اور اس مقصد کے لیے نظامِ زر بنکاری کو مخصوص خطوط پر استوار کرنا مرکزی بنک کا اولین فرض ہوتا ہے۔ "منافع کمانا" مرکزی بنک کے لیے محض ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔

مرکزی بنک ملک کی پیداوار اور اس کی تجارت کے لیے ضروری مقدار میں آلۂ مبادلہ (کرنسی) کا اجراء کرتا ہے۔ قومی پیداوار کی مقدار میں اضافہ کرنے، قومی وسائل کا بھرپور استعمال کرنے، زر کی قدر میں استحکام پیدا کرنے اور بچت و سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے موافق حالات پیدا کرنے کی غرض سے مرکزی بنک اپنی زری پالیسی وضع کرتا ہے اور اپنے زیرنگرانی بنکاری کے اداروں سے اس پالیسی پر عمل کرواتا ہے۔

تجارتی بنک اپنے نقد محفوظات مرکزی بنک میں جمع کراتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر اس رقم سے قرضے حاصل کر سکتے ہیں۔ مرکزی بنک، مرکزی حکومت کے لیے بھی بنکاری کی خدمات سرانجام دیتا ہے۔

پاکستان کا مرکزی بنک سٹیٹ بنک آف پاکستان ہے۔ یہ بنک 1948ء میں قائم کیا گیا تھا۔

(ii) تجارتی بنک (Commercial Banks) تجارتی بنک قرضوں کی تجارت کرتے ہیں۔ یہ بنک کم شرح سود پر قرضے حاصل کرتے ہیں اور زیادہ شرح سود پر قرض دیتے ہیں۔ ماضی بعید میں تجارتی بنک صرف تجارت کے لیے قلیل المیعاد قرضے جاری کرتے تھے لیکن موجودہ دور میں تجارتی بنک کے کاروبار میں تنوع (Diversification) پیدا ہوا ہے۔ اب یہ بنک تجارت کے علاوہ صنعت، زراعت،

مکانات کی تعمیر اور صرفی ضروریات کے لیے بھی قرضے جاری کرتے ہیں اور قرضے قلیل مدت کے لیے یا نسبتاً زیادہ مدت کے لیے ہو سکتے ہیں ۔

تجارتی بنک اپنے جاری کردہ قرضوں سے بھی نئی اماتنوں کی تخلیق کرتے ہیں اور ہر امانت میں سے کچھ رقم زر نقد کے طور پر رکھ کر بقیہ رقم کا نیا قرضہ جاری کر دیتے ہیں اور ہر اگلا قرضہ نئی امانت بن جاتا ہے ۔ چنانچہ تجارتی بنک ایک ابتدائی حقیقی امانت کی بنیاد پر کئی گنا زیادہ مالیت کے قرضے جاری کر دیتے ہیں ۔

تجارتی بنک ایسی امانتیں قبول کرتے ہیں ، جنھیں چیکوں کے ذریعے نکلوایا جاسکتا ہے ۔ ان چیکوں کی مالیت بہت زیادہ ہو سکتی ہے اور چونکہ یہ چیک کاروباری طبقات میں آلۂ مبادلہ کے طور پر قبول کیے جاتے ہیں ، اس لیے چیکوں کے ذریعے بڑی بڑی مالیت کی ادائیگیاں کرنا آسان ہو جاتا ہے ۔ بنک کے جاری کردہ ڈرافٹوں کے ذریعے رقوم ایک جگہ سے دوسری جگہ پر آسانی سے منتقل کی جاسکتی ہیں ۔

پاکستان میں پانچ تجارتی بنک ہیں ، جن کے نام نیشنل بنک آف پاکستان ، جبیب بنک ، یونائیٹڈ بنک ، مسلم کمرشل بنک اور الائیڈ بنک ہیں۔ یہ تمام بنک یکم جولائی 1974 ء سے قومی تحویل میں ہیں ۔

(iii) زرعی بنک (Agricultural Banks) زرعی بنک کی تخصیص کار (Specialization) یہ ہوتی ہے کہ یہ صرف کاشتکاری اور زراعت سے متعلقہ ضروریات کے لیے قرضے دیتا ہے ۔ تمام تجارتی بنک عموماً قلیل المیعاد قرضے جاری کرتے ہیں ۔ لیکن چونکہ زراعت کے شعبے کی ضروریات کے لیے طویل المیعاد قرضے بھی درکار ہوتے ہیں ۔ اس لیے زرعی بنک ، شعبہ زراعت کی ہر قسم کی ضروریات کے لیے قلیل المیعاد اوسط المیعاد اور طویل المیعاد قرضے جاری کرتے ہیں ۔ جن ممالک میں زراعت ، معیشت کا سب سے بڑا اور نہایت اہم شعبہ ہے ، وہاں پیداوار بڑھانے میں زرعی بنک نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں ۔ یہ بنک زمین ہموار کرنے ، ٹیوب ویل لگوانے ، زرعی مشینیں خریدنے ، کھاد اور بیج وغیرہ خریدنے کے لیے زمینداروں اور کسانوں کو نسبتاً آسان شرائط پر قرضے مہیا کرتے ہیں۔

پاکستان میں ایک ہی زرعی بنک ہے، جس کا نام زرعی ترقیاتی بنک آف پاکستان (Agricultural Development Bank of Pakistan) ہے۔

(iv) صنعتی بنک (Industrial Banks) صنعتکاروں کو مشینیں اور آلات خریدنے، عمارات تعمیر کرانے، ورکشاپیں قائم کرنے اور دیگر صنعتی ضروریات کی تکمیل کے لیے طویل عرصے کے لیے بھاری قرضوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ صنعتی بنک، موجودہ صنعتی یونٹوں کی توسیع کے لیے اور نئے صنعتی یونٹوں کے قیام کے لیے کثیر رقوم کے طویل المیعادی قرضے جاری کرتے ہیں۔ چنانچہ ان بنکوں کے قیام کا مقصد صنعت افروزی ہوتا ہے۔ البتہ انھیں اپنے کاروبار میں معقول منافع بھی حاصل ہوتا ہے۔

پاکستان میں صنعتی بنکاری کی خدمات سرانجام دینے والے دو ادارے ہیں۔ یعنی صنعتی ترقیاتی بنک آف پاکستان (Industrial Development Bank of Pakistan) اور پاکستان صنعتی قرضہ و سرمایہ کاری کارپوریشن (Pakistan Industrial Credit and Investment Corporation)

(v) تعاونی بنک (Cooperative Banks) یہ بنک زرعی اور غیر زرعی پیداواری شعبوں میں تعاونی کاروبار کے فروغ کے لیے قرضے مہیا کرتا ہے۔ پاکستان جیسے زرعی ملک میں جہاں اکثر کسانوں کے رقبے بہت چھوٹے ہیں اور وہ جدید مداخل خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے، وہاں کسانوں کو تعاونی انجمنیں قائم کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ان انجمنوں کے اراکین مشترکہ قرضوں سے ٹریکٹر، ویٹ تھریشر اور دیگر مداخل خریدتے ہیں۔ انجمنیں تعاونی بنکوں سے بھاری مالیت کے قرضے بہت ہی آسان شرائط پر حاصل کر سکتی ہیں۔

پاکستان میں تحصیل کی سطح پر تعاونی بنک قائم کیے گیے ہیں یہ بنک اپنے مالی وسائل، صوبائی تعاونی بنکوں سے حاصل کرتے ہیں، جبکہ صوبائی تعاونی بنک، وفاقی تعاونی بنک سے مالی وسائل حاصل کرتے ہیں۔

(vi) بچت کے بنک (Savings Banks) یہ بنک عوام کو بچت کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان بنکوں میں عموماً محدود آمدنی پانے والے افراد اپنی چھوٹی چھوٹی

بچتیں باقاعدگی سے جمع کراتے ہیں ۔ خالصتاً بچت کے بنک وہ ہوتے ہیں جو بچتیں قبول تو کرتے ہیں ، لیکن قرضے جاری نہیں کرتے ۔ مثلاً پاکستان میں ڈاکخانہ کے بچت بنک اور قومی بچت کے مراکز ، تجارتی بنک ، بچت کے بنک کی حیثیت سے بھی کاروبار کرتے ہیں ۔ لیکن چونکہ ان کا کاروبار متنوع ہوتا ہے ، اس لیے یہ بنک امانتیں قبول کرنے کے علاوہ قرضے بھی جاری کرتے ہیں ۔ بچت کے بنک موصولہ امانتوں پر معقول شرح سے سود ادا کرتے ہیں ۔

(vii) مبادلے کے بنک (Exchang@Banks) یہ بنک مختلف کرنسیوں کے تبادلے کا کاروبار کرتے ہیں اور کمیشن وصول کرتے ہیں ۔ نیز یہ بنک درآمدی و برآمدی تاجروں کی پیش کردہ غیر ملکی ہنڈیوں پر بٹہ لگا کر انھیں مالی وسائل مہیا کرتے ہیں ۔ علاوہ ازیں یہ بنک غیر ملکی ادائیگیوں کے لیے ڈرافٹ بھی جاری کرتے ہیں ۔ پاکستان میں زرِ مبادلہ کے کاروبار پر کنٹرول نافذ ہے ۔ چنانچہ پاکستان کے تجارتی بنک اور غیر ملکی بنک سٹیٹ بنک آف پاکستان کی اجازت سے اور اس کے ایجنٹ کی حیثیت سے زرِ مبادلہ کا کاروبار کرتے ہیں ۔

5.4 تجارتی بنک کے فرائض (Functions of a Commercial Bank)

تجارتی بنک چند اہم فرائض سرانجام دیتے ہیں ۔ یہ فرائض مندرجہ ذیل ہیں ۔

(i) امانتیں قبول کرنا (Accepting Deposits) تجارتی بنک لوگوں کی امانتیں قبول کرتے ہیں ۔ یہ امانتیں نہ صرف محفوظ ہوتی ہیں ، بلکہ بڑھتی بھی رہتی ہیں ۔ لوگ اپنی امانتیں مندرجہ ذیل کھاتوں میں جمع کرا سکتے ہیں ۔

(الف) طلبی امانتیں (Demand Deposits) یہ ایسی امانتیں ہوتی ہیں جو کسی وقت بھی واپس طلب کی جاسکتی ہیں ۔ عموماً کاروباری لوگ اپنی رقوم طلبی امانتوں کے کھاتے میں جمع کرواتے ہیں ، تاکہ جب بھی کاروباری امور کے سلسلے میں انھیں رقم کی ضرورت پیش آئے ، وہ بنک سے نکلوا کر فوراً ادائیگی کر سکیں ۔ چونکہ بنک ایسی

امانتوں کو قرضوں کے اجراء کے لیے استعمال نہیں کر سکتا ، اس لیے وہ ان امانتوں پر سود ادا نہیں کرتا ۔

طلبی امانتوں کو چلنت یا رواں امانتیں (Current Doposits) بھی کہتے ہیں ۔

(ب) میعادی امانتیں (Time Deposits) کچھ لوگوں کے پاس ایسی رقوم ہوتی ہیں ، جنھیں وہ ایک خاص عرصہ تک استعمال نہیں کرنا چاہتے ۔ چنانچہ وہ ایسی رقوم میعادی امانتوں کے کھاتے میں جمع کراتے ہیں ۔ واپسی کی میعاد جس قدر طویل ہوتی ہے ، بنک اس قدر زیادہ شرح سود یا (منافع) ادا کرتا ہے ۔ بنک میعادی امانتوں کو مقررہ میعاد تک اپنے کاروبار میں استعمال کر سکتا ہے ، اس لیے وہ ایسی امانتوں پر نسبتاً زیادہ شرح سود ادا کرتا ہے ۔ تاہم اگر امانت دار کو غیر متوقع طور پر رقم کی اشد ضرورت پیش آجائے تو وہ بنک کو پیشگی نوٹس دے کر رقم یا اس کا کچھ حصہ نکلوا سکتا ہے ۔ میعادی امانتوں کو معینہ امانتیں (Fixed Deposits) بھی کہتے ہیں ۔

(ج) بچت کی امانتیں (Saving Deposits) بچت کی امانتوں کے کھاتے عموماً وہ افراد کھُلواتے ہیں جو چھوٹی چھوٹی بچتیں بنک میں باقاعدگی سے جمع کروانا چاہتے ہیں ۔ ایسے کھاتے نہ صرف بچت کی ترغیب دیتے ہیں ، بلکہ بنک کو کاروبار میں لگانے کے لیے کافی وسائل بھی مہیا کرتے ہیں ۔ ایسی امانتوں پر بنک ایک خاص شرح سے سود یا منافع ادا کرتا ہے ۔

بچت کی امانت کے کھاتے سے ہفتہ میں دوبار رقوم نکلوائی جاسکتی ہیں ، لیکن شرط یہ ہے کہ چیک پندرہ ہزار روپے سے زیادہ مالیت کا نہ ہو۔ اگر امانت دار کو اس سے زیادہ رقم درکار ہو تو اسے اس بارے میں بنک کو پیشگی نوٹس دینا پڑتا ہے ۔

(د) نفع و نقصان کی شراکتی امانتیں (Profit and Loss Sharing Deposits) نفع اور نقصان کے شراکتی کھاتے (P.L.S Account) مرّوجہ مغربی نظام بنکاری میں ایک نیا اضافہ ہے اور یہ کھاتے اسلامی نظام معیشت کی تخلیق ہیں ۔ چونکہ اسلام میں سود کا لین دین حرام ہے ، اس لیے ان اسلامی ممالک میں جہاں بلا سود بنکاری نظام رائج ہو چکا ہے ، بنک نفع اور نقصان کی شراکتی امانتیں قبول کرتے ہیں ۔ بنک ایسی امانتوں پر پیشگی طے

شدہ شرح سود کی بجائے متحرک شرح سے منافع ادا کرتا ہے ۔ اگر بنک کو قرضوں کے کاروبار میں نقصان ہوجائے تو لازمی طور پر امانت دار بھی اس نقصان میں شریک ہوتا ہے ۔

پاکستان میں یکم جنوری 1981 سے تمام بنک نفع اور نقصان کی شراکتی امانتیں قبول کر رہے ہیں ۔

(ii) قرضے جاری کرنا (Advancing Loans) تجارتی بنک حسب معاہدہ سود ادا کرنے اور خود منافع کمانے کے لیے امانتوں کے ذخائر میں سے قرضے جاری کرتا ہے ۔ قرضوں کے اجراء کا عمل حد درجہ احتیاط طلب ہوتا ہے ۔ ہر تجارتی بنک کو اپنے نقد ذخائر اور قرضوں کے درمیان ایک خاص توازن رکھنا پڑتا ہے ۔ بنک امانتوں کا عموماً 20 سے 25 فیصد حصہ نقدی میں اپنے پاس رکھتا ہے ۔ زر نقد کے تناسب کا تعین مرکزی بنک کرتا ہے ۔ اور حسبِ ضرورت اس تناسب میں کمی بیشی کی جاتی ہے اور باقی رقم میں سے قرضے دیے جاتے ہیں ۔ اگر بنک کے پاس نقدی کم ہو تو وہ اپنے امانت داروں کے مطالبات پورے نہ کر سکے گا اور اس کی ساکھ خطرے میں پڑ جائیگی اور اگر وہ زیادہ رقوم نقد حالت میں اپنے پاس رکھے تو وہ کم قرضے جاری کر سکے گا اور اس کا منافع کم ہو جائے گا ۔

بنک مندرجہ ذیل تین مختلف طریقوں سے قرضوں کا اجراء کرتا ہے ۔

(الف) قرضوں کا حساب کھولنا (Opening Loan Account) جب کوئی گاہک بنک سے قرضہ طلب کرتا ہے تو بنک قرضے کی رقم سے زیادہ مالیت کی جائیداد کی ضمانت طلب کرتا ہے ۔ اگر گاہک یہ مطالبہ پورا کر دے تو بنک اسے قرضہ جاری کر دیتا ہے ، لیکن قرض کی رقم سردست گاہک کے حوالے نہیں کر دی جاتی ۔ بلکہ یہ رقم اس گاہک کے نام پر ایک نیا کھاتہ کھول کر اس میں جمع کر دی جاتی ہے اور قرضدار کو ایک چیک بک دے دی جاتی ہے ، جس میں سے وہ حسبِ ضرورت چیک کاٹ کر اپنے کھاتے سے منظور کیے گیے قرضے کی حد تک رقم نکلوا سکتا ہے ۔ تاہم قرضدار اپنے کھاتے سے پوری رقم نکلوائے یا اس کا کوئی حصہ اسے بہرحال ساری رقم کا سود ادا کرنا پڑتا ہے ۔

اس تذکرے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بنک قرضے جاری کرکے نئی امانتوں کی تخلیق کرتے ہیں جنھیں فرضی امانتیں کہتے ہیں ۔

(ب) اوور ڈرافٹ کی اجازت دینا (Sanctioning Limits of Overdraft)

جن کاروباری لوگوں کے اکاونٹ بنک میں کھولے جا چکے ہوتے ہیں اور بنک سے ان کے لین دین کا ریکارڈ بھی اچھا ہوتا ہے ، وہ اوور ڈرافٹ کے ذریعے بھی قرضے حاصل کر سکتے ہیں ۔ جب کوئی ایسا کاروباری آدمی قرضے کا مطالبہ کرتا ہے تو بنک اسے اس کے کھاتے میں موجود رقم سے زیادہ مالیت کی رقم نکلوانے کی اجازت دے دیتا ہے ۔ اس زائد رقم کی ایک خاص حد ہوتی ہے ، جسے اوور ڈرافٹ کی حد کہتے ہیں ۔ عام طور پر کاروباری حضرات اوور ڈرافٹ کے ذریعے ہی قرضے لینا پسند کرتے ہیں ، کیونکہ انھیں صرف اس رقم کا سود ادا کرنا پڑتا ہے جو انھوں نے اوور ڈرافٹ کی حد میں سے نکلوائی ہو ۔

(ج) ہنڈیوں پر بٹہ لگانا (Discounting the Bills of Exchange)

چھوٹے بڑے پرچون فروش تاجر عام طور پر تھوک فروش فرموں سے تجارتی مال قرض پر خریدتے ہیں ۔ تھوک فروش فرم ادھار کے ایسے سودے کے بارے میں جو دستاویز تیار کرتی ہے ، اسے ہنڈی کہتے ہیں ۔ ہنڈی ایک ایسی دستاویز ہوتی ہے جس پر ادھار پر لیے گیے تجارتی مال اور اس کی مالیت ، سودے کی تاریخ ، رقم کی ادائیگی کی مدت جو کہ ایک ماہ ، دو ماہ ، یا تین ماہ ہو سکتی ہے اور واجب الادا سود کی شرح کا ذکر ہوتا ہے ۔ نیز اس پر قرضدار کی دستخط شدہ یہ تحریر ہوتی ہے کہ وہ متذکرہ بالا رقم مع سُود قرضخواہ کو ادا کرے گا ۔ اب تھوک فروش فرم ادھار دیے گیے سودے کی رقم قرضدار سے ہنڈی کی مدت ختم ہونے سے قبل طلب نہیں کر سکتی ۔ لیکن اگر تھوک فروش فرم کو مقررہ مدت کے ختم ہونے سے قبل رقم کی ضرورت پڑ جائے تو وہ اس ہنڈی کو تجارتی بنک کے پاس فروخت کر سکتی ہے اور ہنڈی کی رقم نیز گزرے ہوئے عرصہ کا سود حاصل کر سکتی ہے ۔ جب بنک ہنڈی خرید کر رقم ادا کر دیتا ہے تو اس کے اس عمل کو ہنڈی پر بٹہ لگانا کہتے ہیں ۔ گویا ہنڈی پر بٹہ لگا کر بنک تھوک فروش فرم کو قرضہ ادا کرتا ہے ، جسے وہ حسبِ معاہدہ پرچون فروش قرضدار فرم سے وصول کرتا ہے ۔ اس

سے بنک کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ قرضدار سے ہنڈی کی بقیہ مدت کا سُود وصول کر سکتا ہے ۔ اگر بنک کو بھی ہنڈی کی مدت ختم ہونے سے قبل رقم کی ضرورت پیش آجائے تو وہ اس ہنڈی پر مرکزی بنک سے دوبارہ بٹہ لگوا کر رقم حاصل کر سکتا ہے ۔

(iii) سہل آلہ مبادلہ فراہم کرنا (Providing Convenient Medium of Exchange) بڑے بڑے کاروباری سودوں میں چیک کے ذریعے رقم کی ادائیگی کرنا سہل ہوتا ہے ۔ اگر یہ ادائیگی کرنسی نوٹوں کے ذریعے کی جائے تو رقم گننے اور اصلی اور جعلی نوٹوں کی شناخت کرنے میں بہت مشکل پیش آتی ہے اور اس کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے ۔ چنانچہ بڑی مالیت کی ادائیگیوں میں کرنسی کے مقابلے میں چیک نسبتاً آسان اور سہل آلۂ مبادلہ ہوتے ہیں ۔ چیک اس لیے آلۂ مبادلہ کے طور پر قبول کیے جاتے ہیں کہ بنک چیک کے عوض اس کی رقم دینے کے لیے تیار ہوتا ہے ۔

(iv) انتقال زر (Transfer of Money) بنک کے جاری کردہ ڈرافٹ ایک مقام سے دوسرے مقام پر زر کو منتقل کرنے کا ایک محفوظ ترین ذریعہ ہوتے ہیں ۔ رقم ارسال کرنے والا شخص اپنے شہر کے کسی بھی بنک میں رقم جمع کرا کر اتنی مالیت کا ڈرافٹ حاصل کر لیتا ہے ۔ اس ڈرافٹ پر رقم کی مالیت ، رقم وصول کرنے والے کا نام اور اس کے شہر میں موجود اس بنک کی شاخ کا نام درج ہوتا ہے ، جہاں سے رقم وصول کی جاتی ہے ۔ ارسال کنندہ یہ ڈرافٹ ڈاک کے ذریعے وصول کنندہ کو ارسال کر دیتا ہے ، جو اسے بنک کی متذکرہ شاخ میں پیش کرکے وصول کر لیتا ہے ۔

ڈرافٹ جاری کرنے پر بنک رقم کی مالیت کے تناسب سے معمولی سا معاوضہ پاتا ہے ۔

(v) ایجنسی کی خدمات (Agency Services) تجارتی بنک اپنے گاہکوں کے لیے ایجنٹ کی خدمات بھی سرانجام دیتے ہیں ۔ اس حیثیت میں بنک اپنے گاہکوں کی مختلف ذرائع سے واجب الوصول رقوم لے کر ان کے کھاتوں میں جمع کرتے ہیں ۔ جبکہ ان کی واجب الادا رقوم ان کے کھاتوں سے نکال کر متعلقہ افراد یا اداروں کو ادا کر دیتے

ہیں ۔ ایسی وصولیوں اور ادائیگیوں میں عموماً بیمہ کے پریمیم کی ادائیگی ، تنخواہ اور چندے کی رقوم ، کاروباری اداروں کے حصص پر منافع وغیرہ کی رقوم شامل ہوتی ہیں ۔

(vi) براہِ راست سرمایہ کاری (Direct Investment) تجارتی بنک نہ صرف سرمایہ کاری کے لیے اپنے گاہکوں کو قرضے دیتے ہیں ، بلکہ وہ اپنے نقد اثاثوں سے براہِ راست سرمایہ کاری بھی کرتے ہیں ۔ مثلاً بنک ، حکومت کی کفالتیں اور کاروباری اداروں کے حصص اور تمسکات وغیرہ خرید لیتے ہیں ۔ ایسی براہِ راست سرمایہ کاری سے انھیں منافع حاصل ہوتا ہے ۔ نیز ملکی سطح پر سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے ۔

(vii) گاہکوں کی قیمتی اشیاء کی حفاظت (Custody of Precious Articles of the Clients) تجارتی بنک اپنے گاہکوں کی قیمتی اشیاء مثلاً زیورات ، ہیرے ، جواہرات اور جائیداد کی ملکیت کی دستاویزات کی حفاظت کے لیے لاکرز (Lockers) مہیا کرتے ہیں ۔ بنک ان لاکرز کا کرایہ وصول کرتے ہیں ۔

5.5 زر اعتباری کی تخلیق (The Creation of Credit)

تجارتی بنک موصولہ امانتوں کی بنیاد پر کئی گنا زیادہ مالیت کے قرضے جاری کرتا ہے ۔ چنانچہ اسے امانتوں کی نسبتاً کم مقدار پر سود ادا کرنا پڑتا ہے ، لیکن وہ قرضوں کی زیادہ مقدار پر سُود وصول کرتا ہے ۔ یہی بنک کی کامیابی اور خوشحالی کا راز ہے ۔ بنک دو طریقوں سے فرضی امانتیں تخلیق کرتا ہے ۔ یعنی قرضے کا حساب کھول کر اور ہنڈیاں (یا کفالتیں) خرید کر ۔ جب کوئی گاہک بنک سے قرض لیتا ہے تو قرض کی رقم سردست اسے نقد نہیں دے دی جاتی ، بلکہ اس کے نام پر کھولے گئے کھاتے میں جمع کردی جاتی ہے ۔ البتہ بنک اسے ایک چیک بک دے دیتا ہے تاکہ وہ ضرورت پڑنے پر چیک پیش کرکے رقم نکلوالے ۔ اس طرح دیا گیا قرضہ بنک میں ایک نئی فرضی امانت بن جاتا ہے ۔ بنک اس امانت کا کچھ حصہ (جو کہ عموماً 20 تا 25 فیصد ہوتا ہے) زر نقد کے طور پر رکھ کر باقی رقم کسی اور گاہک کو قرض پر دے دیتا ہے ۔ پہلے کی طرح یہ قرضہ بھی ایک نئی فرضی امانت کی شکل اختیار کرتا ہے ۔ بنک مروّجہ تناسب کے مطابق اس کا بھی

ایک حصہ زر نقد کے طور پر رکھ لیتا ہے اور باقی رقم کسی اور گاہک کو قرضے کے طور پر دے دیتا ہے۔ اس طرح ہر قرضہ نئی فرضی امانت بن جاتا ہے۔ اور ہر اگلی نئی امانت نئے قرضے کی تخلیق کا باعث بنتی ہے۔ ہر اگلی فرضی امانت سابقہ فرضی امانت سے کم ہوتی ہے۔ تاہم امانتوں کی تخلیق کا یہ عمل جاری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ آخری امانت صفر تک پہنچ جاتی ہے۔ اگر جاری کردہ قرضوں یعنی تخلیق کردہ فرضی امانتوں کا میزان تیار کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ بنک ابتدائی فرضی امانت کی بنیاد پر نسبتاً زیادہ مالیت کے قرضے جاری کر دیتا ہے۔ چونکہ ہر قرضے کی مالیت کے برابر قرضدار چیک جاری کر دیتا ہے اور یہ چیک بطور آلۂ مبادلہ گردش کرتے ہیں، اس لیے ان تمام چیکوں کی مالیت، بنکوں میں پڑے ہوئے نقد زر سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اگر بنک میں موجود زرِ نقد ایک کروڑ روپیہ ہو اور قرضوں پر مبنی چیکوں کی مالیت چار کروڑ روپے ہو تو گویا گردش میں موجود تین کروڑ روپے کے چیک ایسے ہیں جو محض بنک کی ساکھ کی بنیاد پر آلۂ مبادلہ کے طور پر گردش کرتے رہتے ہیں اور شاذو نادر ہی بنک میں کیش ہونے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں، لیکن ان چیکوں کی پشت پر بنک کے پاس کوئی روپیہ موجود نہیں ہوتا۔ چنانچہ موجودہ مثال میں تین کروڑ روپے کے چیک زر اعتباری کہلائیں گے۔ قرضوں کی تخلیق کا یہ سلسلہ کسی ابتدائی حقیقی امانت کی بنیاد پر بھی جاری کیا جاسکتا ہے۔

بنک جب کفالتیں خریدتا ہے یا ہنڈیوں پر بٹہ لگاتا ہے تو اس صورت میں بھی کفالتیں یا ہنڈیاں پیش کرنے والوں کو نقد رقم نہیں دی جاتی، بلکہ یہ رقم ان کے اکاونٹ میں جمع کر دی جاتی ہے۔ یہ قرضدار بھی ان قرضوں کی بنیاد پر چیکوں کے ذریعے اپنی کاروباری ادائیگیاں کر دیتے ہیں۔ ان کے جاری کردہ چیک بھی گردش کرتے رہتے ہیں اور عموماً کیش ہونے کے لیے پیش نہیں کیے جاتے۔ چنانچہ اس صورت میں بھی جاری کردہ قرضے نئی فرضی امانتیں بن جاتے ہیں اور پھر بنک کے قرضوں اور فرضی امانتوں کی تخلیق کا متذکرہ بالا عمل جاری رہتا ہے۔

تجارتی بنک ایک امانت کی بنا پر کس قدر زر اعتباری کی تخلیق کر سکتا ہے، اس کا انحصار زرِ نقد کے تناسب پر ہے۔ اگر یہ تناسب کم ہوگا تو ہر امانت میں سے نسبتاً زیادہ رقم قرضوں میں دی جاسکے گی اور زر اعتباری کا حجم زیادہ ہوگا، لیکن اگر زرِ نقد کا

تناسب زیادہ ہو تو زرِ اعتباری کا حجم کم ہو گا ۔

5.5.1 زراعتباری کی تخلیق کا طریقہ (Method of Credit Creation)

ایک تجارتی بنک امانتوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ قرضے جاری کر کے زرِ اعتباری کی تخلیق کس طرح کرتا ہے اس کی وضاحت کے لیے ہم یہاں چند مفروضات قائم کرتے ہیں ۔

مفروضات

(i) کوئی امانت دار مسٹر زید ایک ہزار روپے کی حقیقی امانت بنک میں جمع کراتا ہے ۔

(ii) مرکزی بنک کے قانون کے مطابق تمام تجارتی بنک ہر امانت کا 20 فیصد یعنی $\frac{1}{5}$ حصہ زر نقد کے طور پر رکھتے ہیں۔ گویا بنک ہر امانت کا $\frac{4}{5}$ حصہ (یعنی 80 فیصد) قرضوں کے اجراء کے لیے استعمال کرتا ہے ۔

(iii) ملک میں چیکوں کو قبولیت عامہ حاصل ہے اور بنکوں کے کھاتہ دار (Account Holders) تمام تر ادائیگیاں چیکوں کے ذریعے کرتے ہیں ۔

(iv) تمام تجارتی بنکوں کے زرِ نقد اور قرضوں کے اجراء کی پالیسی ایک جیسی ہے ۔

جب مسٹر زید بنک میں نقد ایک ہزار روپے کی نقد امانت جمع کراتا ہے تو بنک کے ریکارڈ میں دو تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں ۔ ایک یہ کہ ایک ہزار روپے بنک کی طرف سے مسٹر زید کو واجب الادا (Liability) ہو جاتے ہیں ۔ دوسری جانب بنک کے اثاثوں (Assets) میں ایک ہزار روپے کا اضافہ ہوجاتا ہے ۔ اس رقم کا $\frac{1}{5}$ حصہ (روپے $200 = 1000x\frac{1}{5}$) یعنی دو سو روپے بنک کے پاس زر نقد کے طور پر موجود رہتے ہیں ۔ جبکہ اسی رقم کا $\frac{4}{5}$ حصہ ($800=1000x\frac{4}{5}$ روپے) یعنی آٹھ سو روپے کسی اور شخص مسٹر بکر کو قرضے میں دے دیے جاتے ہیں ۔ قرض کی یہ رقم مسٹر بکر کے نام پر کھولے گئے کھاتے میں جمع کر دی جاتی ہے ۔ چنانچہ اس پہلے مرحلے پر بنک کی بیلنس شیٹ اس طرح ہوگی ۔

پہلا مرحلہ

واجبات	اثاثے
مسٹر زید کی امانت = 1000 روپے	زر نقد = 200 روپے مسٹر بکر کو جاری کردہ قرضہ = 800
میزان = 1000	میزان = 1000

دوسرے مرحلے پر مسٹر بکر کے نام ایک نئی فرضی امانت پیدا ہو جائے گی ۔ بنک اس امانت کا $\frac{1}{5}$ حصہ ($800x\frac{1}{5} = 160$ روپے) یعنی 160 روپے زر نقد کے طور پر رکھ لے گا ۔ جبکہ اس کا $\frac{4}{5}$ حصہ ($800x\frac{4}{5} = 640$ روپے) یعنی 640 روپے کسی اور شخص مسٹر رحیم کو قرض میں دے دیتا ہے ، لیکن اب بھی بنک کے واجبات اور اثاثے برابر ہو گے ۔ لہٰذا دوسرے مرحلے پر بنک بیلنس[1] شیٹ یوں بھی متذکرہ بالا اسلوب کے مطابق تیار کی جائے گی ۔

دوسرا مرحلہ

واجبات	اثاثے
مسٹر بکر کی فرضی امانت = 800 روپے	زر نقد = 160 روپے مسٹر رحیم کو جاری کردہ قرضہ = 640
میزان = 800	میزان = 800

قرضوں اور ان کے نتیجے میں نئی فرضی امانتوں کی تخلیق کا سلسلہ جاری رہتا ہے تاوقتیکہ اگلے مرحلے پر قرض کی رقم صفر ہو جائے ۔ تمام ادوار کی بیلنس شیٹوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ بنک نے ایک ہزار روپے کی نقد امانت پاکر کئی گنا زیادہ مالیت کے قرضے جاری کیے ہیں ۔ ان قرضوں کی مجموعی مالیت اور اس میں سے زر اعتباری کی

مقدار کیا ہوگی ، اس سلسلے میں ہم ذیل میں ایک تجارتی بنک کی زرِ اعتباری کی تخلیق کی میکانیت کی وضاحت کے لیے ایک ریاضیاتی ماڈل پیش کر رہے ہیں ۔

5.5.2 ایک بنک کے زر اعتباری کی تخلیق کا ریاضیاتی ماڈل
(Mathematical Model of a Single Bank's Credit Creation)

یہاں ہم ایک تجارتی بنک کے زر اعتباری کی تخلیق کے انفرادی عمل کی وضاحت کے لیے جو ریاضیاتی ماڈل پیش کر رہے ہیں ، اس کے مفروضات وہی ہیں جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے ۔

واجبات			اثاثے	
(1)	(2)	(3)	(4)	(5)
امانت دار	امانت	امانت کی رقم کا جبری[1] متبادل	زر نقد	جاری کردہ قرضے (زر اعتباری)
مسٹر A	1000 روپے	1000x1	200 روپے	800 روپے
مسٹر B	800	$1000\times(\frac{4}{5})^1$	160	640
مسٹر C	640	$1000\times(\frac{4}{5})^2$	128	512
مسٹر D	512	$1000\times(\frac{4}{5})^3$	102.40	409.60
....	....	....	....	....
مسٹر N	....	$1000\times(\frac{4}{5})^n$	....	....
میزان تمام امانت دار	5000	$1000\times\frac{1}{1-\frac{4}{5}}$	1000	4000

$$1000\times\frac{1}{\frac{1}{5}}$$

1000x5

5000

1- بنک کی بیلنس شیٹ میں امانت داروں یا قرضہ داروں کے نام درج نہیں کیے جاتے۔ یہاں مفروضہ بیلنس شیٹ میں مسٹر زید ، بکر اور رحیم کے نام سہل فہمی کی خاطر دیے گئے ہیں ۔

وضاحت اِس ماڈل میں (دائیں سے بائیں) پہلے کالم میں امانت داروں کے نام درج کیے گیے ہیں ۔ دوسرے کالم میں امانت کی رقوم اور تیسرے کالم میں مرحلہ وار اماتنیں مقداروں کے جبری متبادل (Algebraic Equivalants) درج کیے گیے ہیں ۔ چنانچہ دوسرے اور تیسرے کالموں میں آمنے سامنے درج کردہ رقوم کی مالیت برابر ہے ۔ اس لیے ان کالموں کے میزان بھی برابر ہیں ۔ پہلے تین کالم بنک کے واجبات کی تفصیل ہیں ۔ چوتھے کالم میں مرحلہ وار امانت میں سے رکھے گئے زر نقد کی مقداریں (x1/5 امانت) درج کی گئی ہیں ۔ چوتھا اور پانچواں کالم بنک کے اثاثوں کی تفصیل ہیں ۔

جب پہلا امانت دار مسٹر A ایک ہزار روپے کی ابتدائی حقیقی امانت بنک میں جمع کراتا ہے تو بنک اس کا $\frac{1}{5}$ یعنی 200 روپے زر نقد کے طور پر رکھ لیتا ہے اور اس کا $\frac{4}{5}$ یعنی 800 روپے کا قرض مسٹر B کو جاری کر دیتا ہے ۔ اس مرحلے پر 1000 روپے کی امانت کا جبرئ متبادل 1000x1 ہے ۔

دوسرے مرحلے پر 800 روپے کی نئی فرضی امانت مسٹر B کے کھاتے میں جمع ہو چکی ہے ۔ اس رقم کا $\frac{1}{5}$ یعنی 160 روپے زر نقد رکھے جاتے ہیں جبکہ اس کا $\frac{4}{5}$ یعنی 640 روپے قرضے کی شکل میں مسٹر C کو دے دیے جاتے ہیں ۔ اس مرحلے پر 800 روپے کی اماتنی مقدار کا جبرئ متبادل $1000\times(\frac{4}{5})^1$ ہے ۔

تیسرے مرحلے پر 640 روپے کی نئی فرضی امانت مسٹر C کے کھاتے میں جمع کی جاچکی ہے ۔ اس کا $\frac{1}{5}$ یعنی 128 روپے زرنقد رکھے جاتے ہیں جبکہ اس کا $\frac{4}{5}$ یعنی 512 روپے مسٹر D کو قرض کے طور پر دے دیے جاتے ہیں ۔ موجودہ مرحلے پر 640 روپے کی نئی فرضی امانت کا جبری متبادل $1000\times(\frac{4}{5})^2$ ہے ۔

1- جبری اصول کے مطابق اگر مرحلہ وار مقداروں کا سلسلہ اس طرح ہو: $1+(\frac{4}{5})^1+(\frac{4}{5})^2+(\frac{4}{5})^3+.....+(\frac{4}{5})^n$ جبکہ قوت نما n کوئی بھی مقدار ہو تو ان مقداروں کا مجموعہ $\frac{1}{1-\frac{4}{5}}$ کے برابر ہو گا ۔ چنانچہ اس ماڈل کے کالم نمبر 3 کا مجموعہ $1000\times\frac{1}{1-\frac{4}{5}} = 1000\times\frac{1}{\frac{1}{5}} = 1000\times5 = 1000 = 5000$ روپے ہو گا ۔

یہ سلسلہ جاری رہتا ہے ۔ ہم فرض کرتے ہیں کہ آخری گاہک مسٹر N جو چھوٹی سے چھوٹی رقم قرض پا سکتا ہے ۔ یہی اس کی فرضی امانت ہوتی ہے ۔ اس امانت کا جبری متبادل $1000\times(\frac{4}{5})^n$ ہے جبکہ n کوئی بھی مقدار ہو سکتی ہے ۔ تیسرے کالم میں تمام امانت داروں کی رقوم ترتیب وار درج ہیں ۔ انہیں جمع کرنے سے تمام امانتوں کا میزان حاصل ہوتا ہے ۔ چنانچہ

(بائیں سے دائیں پڑھیے)

تمام امانتوں کا میزان = $1000\times1+1000\times(\frac{4}{5})^1 + 1000\times(\frac{4}{5})^2+ 1000\times(\frac{4}{5})^3+....+1000\times(\frac{4}{5})^n$

$$= 1000\left[1 +(\frac{4}{5})^1 + (\frac{4}{5})^2 + (\frac{4}{5})^3 + ... + (\frac{4}{5})^n\right]$$

$$= 1000\times \frac{1}{1-\frac{4}{5}}$$

= 5000 روپے

اس لیے دوسرے کالم کا مجموعہ بھی 5000 روپے ہونا چاہیے۔

گویا ایک ہزار روپے کی ابتدائی حقیقی امانت کی بنا پر بنک کے پاس تمام امانتوں کا مجموعہ 5000 روپے ہو چکا ہے ۔ اب کالم نمبر 2 اور کالم نمبر 3 کا میزان معلوم ہو چکا ہے ۔ کالم نمبر 4 اور 5 کا میزان یہ ہوگا ۔ (بائیں سے دائیں پڑھیے)

تمام امانتوں میں سے رکھے گیے زر نقد کا میزان = $5000\times\frac{1}{5}$ = 1000 روپے

اسی طرح

تمام امانتوں میں سے جاری کیے گیے قرضوں کا میزان = $5000\times\frac{4}{5}$ = 4000 روپے

ابتدائی حقیقی امانت = تمام امانتوں کا مجموعہ = زر اعتباری کا میزان

روپے = 5000 − 1000

روپے = 4000

چنانچہ 4000 روپے کا زر اعتباری چیکوں کی شکل میں گردش تو کر رہا ہوگا ، لیکن ان چیکوں کی پشت پر بنک کے پاس کوئی حقیقی رقم نہیں ہے ۔ نوٹ کیجیے کہ زرِ اعتباری کی تخلیق کے عمل کی تکمیل پر بنک کے پاس ابتدائی حقیقی امانت کے برابر نقد روپیہ

موجود ہے ، جبکہ تمام اماتنوں (بشمول ابتدائی امانت کے) کا مجموعہ 5000 روپے اور جاری کردہ قرضوں (یعنی زرِ اعتباری) کا مجموعہ 4000 روپے ہے ۔

5.5.3 زرِاعتباری کی تخلیق کی حد بندیاں
(Limitations of Credit Creation)

اگر تجارتی بنک کی زرِ اعتباری کی تخلیق کی میکانیت کا مطالعہ کیا جائے تو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ تجارتی بنک معمولی سے اماتنی روپے کے ذریعے بہت زیادہ قرضے جاری کر کے ڈھیروں منافع کما سکتا ہے ۔ گویا "تجارتی بنک وہ فصلیں کاٹتا ہے جو اس نے بوئی نہیں ہوتیں" ، لیکن یہ تاثر درست نہیں ، کیونکہ حقیقت میں کوئی بنک حسبِ منشاء قرضے جاری نہیں کر سکتا ۔ بنک کے زرِ اعتباری کی تخلیق یعنی قرضوں کے اجراء کی کچھ حدود ہیں ، جن کو نیچے بیان کیا گیا ہے ۔

(i) کرنسی کی مقدارِ رسد (The Quantity of Currency in Circulation)

معیشت میں زرِ اعتباری کی مقدار کا براہِ راست انحصار کرنسی کی مقدارِ رسد پر ہوتا ہے ، جسے مرکزی بنک جاری کرتا ہے ۔ تجارتی بنک صرف اس صورت میں قرضے دے سکتا ہے ، جب کوئی شخص اپنی حقیقی نقد امانت اس کے حوالے کرے ۔ اگر معیشت میں زر کی مقدار زیادہ ہو گی ، تو لوگوں کے پاس زیادہ نقد روپیہ ہو گا اور بنکوں میں زیادہ نقد رقوم جمع کرائی جائیں گی ۔ چنانچہ بنک بھی زیادہ قرضے جاری کر سکیں گے ۔ گویا زرِ اعتباری کی تخلیق زیادہ ہوگی ۔ لیکن اگر معیشت میں زر کی مقدار میں کمی ہو تو لوگ کم نقد اماتنیں بنکوں میں جمع کرا سکیں گے اور بنک بھی زرِ اعتباری کی کم مقدار پیدا کر سکیں گے ۔

(ii) عوام کی زرِ نقد کی طلب (People's Demand for Cash Money)

زرِ اعتباری کے حجم کا انحصار اس بات پر بھی ہے کہ لوگ اپنے پاس کس قدر نقد رکھنا چاہتے ہیں ۔ اگر لوگ زیادہ تر ادائیگیاں اور وصولیاں نقد زر کی شکل میں چاہتے ہیں تو معیشت میں چیکوں کا استعمال کم ہو گا ۔ چیک درحقیقت بنک کے حاصل کردہ اور جاری کردہ قرضوں کا نتیجہ ہوتے ہیں ۔ چنانچہ اگر نقد کی طلب زیادہ ہوگی تو نہ

صرف بنکوں کے ہاں امانتیں کم آئیں گی ، بلکہ وہ قرضے بھی کم مقدار میں جاری کر سکیں گے اور زرِ اعتباری کی مقدار کم ہوگی ۔ گویا زرِ اعتباری کی تخلیق اس بات کے تابع بھی ہے کہ عوام کا رویہ نقد زر اور چیکوں کے استعمال کے بارے میں کیا ہے ۔

(iii) قرض خواہوں کی موجودگی (Existence of Borrowers) اگر تجارتی بنک کے پاس کافی نقد ذخائر ہوں ، لیکن قرضہ طلب کرنے کوئی نہ آئے تو بنک قرض جاری نہ کر سکے گا ۔ جب کوئی معیشت سردبازاری کا شکار ہوتی ہے تو کاروبار مندا پڑ جاتا ہے ۔ اشیاء کی قیمتیں گر رہی ہوتی ہیں اور کاروبار میں منافع کی شرح کم ہو رہی ہوتی ہے ۔ اگر سردبازاری شدت اختیار کر جائے تو کاروباری لوگوں کو نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں ۔ دریں حالات وہ کوئی نئی سرمایہ کاری نہیں کرنا چاہتے ۔ چنانچہ بنکوں سے قرضوں کی طلب گر جاتی ہے اور ساتھ ہی زر اعتباری کی مقدار بھی کم ہو جاتی ہے ۔

(iv) ضمانتی اثاثوں ی موجودگی (Availability of Assets as Securities)

تجارتی بنک ، جائیداد اور دیگر اثاثوں کی ضمانت پر قرض جاری کرتے ہیں ۔ اگر بنک کے پاس قرضہ دینے کے لیے روپیہ موجود ہو اور قرضوں کے طلب گار بھی موجود ہوں لیکن ان کے پاس ضمانت کے طور پر پیش کرنے کے لیے اثاثے موجود نہ ہوں تو بنک قرضے جاری نہ کر سکے گا ۔

(v) زر نقد کا تناسب (Cash Reserve Ratio)

تجارتی بنک قانونی طور پر اس بات کے پابند ہوتے ہیں کہ وہ ہر امانت میں سے مرکزی بنک کے مقرر کردہ تناسب کے برابر زر نقد اپنے پاس رکھیں ، تاکہ وہ امانت داروں کے پیش کردہ چیکوں کی ادائیگی کر کے اپنی ساکھ برقرار رکھ سکیں ۔ چنانچہ موصولہ امانتوں کی تمام رقم میں سے قرضے جاری نہیں کیے جاسکتے ۔ اگر مرکزی بنک زر نقد کے تناسب میں اضافہ کردے تو قرضوں کے اجراء کا تناسب خود بخود گر جاتا ہے ۔

(vi) بنکوں کا تعاون (Cooperation among Banks) اگر ملک میں تجارتی بنک ایک دوسرے سے تعاون کریں تو زرِ اعتباری کی مجموعی مقدار بڑھ سکتی ہے ۔ بصورت دیگر زر اعتباری کا حجم کم ہو جاتا ہے ۔ مثلاً اگر کوئی ایک بنک تو قرضے

جاری کر رہا ہو ، لیکن دوسرے بنک قرضے جاری نہ کر رہے ہوں تو کاروباری لین دین میں اُس بنک کی رقوم چیکوں کی معرفت دوسرے بنکوں میں منتقل ہوجائیں گی لیکن دوسرے بنکوں سے رقوم اس بنک میں منتقل نہ ہوں گی ۔ چنانچہ تنہا قرضے جاری کرنے والے بنک کے نقد ذخائر اس حد تک کم ہو جائیں گے کہ وہ امانت داروں کے پیش کردہ مطالبات زر پورے نہ کر سکے گا اور وہ دیوالیہ ہو جائے گا ۔

(vii) مرکزی بنک کی پالیسی (Policy of the Central Bank) مرکزی بنک کی زری پالیسی بھی زر اعتباری کی مقدار کو کم کر سکتی ہے ۔ مثلاً جب مرکزی بنک ، تجارتی بنکوں کو دیے جانے والے تھوک قرضوں پر شرح بنک (Bank Rate)[1] بڑھا دیتا ہے تو تجارتی بنک بھی شرح سود میں اضافہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں ۔ بلند شرح سود پر کم قرضے طلب کیے جاتے ہیں اس لیے زر اعتباری کی مقدار گھٹ جاتی ہے ۔

مرکزی بنک ، تجارتی بنکوں کے پاس حکومت کی کفالتیں فروخت کر کے بھی ان کے نقد ذخائر میں کمی کر سکتا ہے ۔ ایسی صورت میں بھی تجارتی بنک کم قرضے جاری کر سکتے ہیں اور ملک میں زر اعتباری کی مقدار کم ہو جاتی ہے ۔

5.6 پاکستان میں بنکوں کا قومیانا (Nationalization of Banks in Pakistan)

پاکستان میں 1973ء تک نظام بنکاری کے اکثر ادارے نجی ملکیت میں تھے ۔ اگرچہ نجی شعبے کے بنک اپنے منافع جات کی خاطر سرمایہ کاری کے لیے قرضوں کا اجراء کرتے تھے اور اس سے معیشت کو فائدہ پہنچتا تھا ۔ تاہم ان کی کارکردگی میں متعدد خامیاں پائی جاتی تھیں ۔ نجی مالی اداروں کی معرفت چند خاندانوں میں دولت کا ارتکاز ہو چکا تھا ۔ قرضوں کی شعبہ وار (Sector-Wise) اور علاقہ وار (Region-Wise) تقسیم میں بے اعتدالی پائی جاتی تھی ۔ اقرباپروری عروج پر تھی اور نجی بنک کالے دھن (Black Money) کی پناہ گاہ بن چکے تھے ۔ چنانچہ عوامی حکومت نے نظام بنکاری کی اصلاحات کرنے کا فیصلہ کیا ۔ یکم جنوری 1974ء کو حکومت نے ایک ایکٹ (Nationalization

---

1- شرح بنک وہ فیصد (٪) شرح معاوضہ ہوتی ہے ۔ جس پر مرکزی بنک ، تجارتی بنکوں کو قرضے جاری کرتے ہے۔

of Banks Act 1974) کے ذریعے سٹیٹ بنک آف پاکستان اور نجی شعبے کے تمام بنکوں کو قومی ملکیت میں لے لیا ۔ اب پاکستان میں تجارتی بنکاری کے مندرجہ ذیل پانچ ادارے ہیں ۔ نیشنل بنک آف پاکستان ، جبیب بنک ، یونائیٹیڈ بنک ، مسلم کمرشل بنک اور الائیڈ بنک آف پاکستان ۔ اب جبکہ بنک قومیائے جا چکے ہیں ، ان کے منافع جات حکومت کی ملکیت ہیں اور مرکزی بنک کو نظام بنکاری کی کارکردگی پر بہتر کنٹرول حاصل ہے ۔

5.6.1 بنکوں کو قومیانے کی وجوہات اور فوائد (Causes and Advantages of Nationalization of Banks)

پاکستان میں بنکوں کو قومی تحویل میں لینے کی وجوہات اور اس کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں ۔

(i) دولت کی معاشرتی تقسیم (Social Distribution of Wealth)

قومیانے سے قبل تجارتی بنک بڑے بڑے سرمایہ داروں اور صنعتکاروں کی ملکیت تھے ۔ یہی لوگ ملک بھر کے عوام اور اداروں کی بچتوں کے ذخائر سے ترجیحی بنیادوں پر بھاری قرضے حاصل کرتے تھے اور صنعتیں قائم کرتے تھے ۔ چونکہ صنعتکاری میں بھی حکومت نے بہت مراعات دے رکھی تھیں ، اس لیے ان خاندانوں نے خوب نفع کمایا اور اپنے اثاثوں میں اضافہ کیا ۔ دیکھتے ہی دیکھتے بنکاری ، تجارت اور صنعتکاری کے شعبوں پر چند خاندانوں کی اجارہ داریاں قائم ہونے لگیں ۔ عوامی حکومت کے جائزے کے مطابق بنکوں کو قومیانے سے قبل ملک کی 60% سے زیادہ دولت 200 خاندانوں میں مرتکز ہو چکی تھی ۔ مجموعی دولت کی یہ حد درجہ غیر منصفانہ تقسیم قومی مفادات کے منافی تھی ، اس لیے حکومت نے بنکوں کو قومیانے کا فیصلہ کیا ۔

قومیانے کے بعد بنکوں کی انتظامیہ ، سرمایہ داروں کی بجائے مستعد افراد کے ہاتھ میں دی گئی جو نظام بنکاری کو چلانے کی بہتر فنی صلاحیت رکھتے ہیں ۔ ترجیحی قرضوں کے ذرائع ختم ہونے کے ساتھ ہی تجارت اور صنعت میں مطلق اجارہ داریاں ختم ہوگئیں یا پھر ان کی قوت میں بہت کمی آگئی ہے اور اب قومی دولت میں ارتکاز کے بجائے پھیلاؤ کا رجحان پایا جاتا ہے۔

(ii) قرضوں کی شعبہ وار تقسیم (Sector Wise Distribution of Credit)

قومیانے سے قبل تجارتی بنک زیادہ تر تجارت اور صنعت کے شعبوں میں قرضے دینا پسند کرتے تھے ، کیونکہ ان شعبوں میں قرضوں کی واپسی آسان ہوتی ہے اور بنکوں کو بھاری منافع جات ملتے ہیں ، لیکن اس کے باوجود کہ زراعت ملکی معیشت کا سب سے بڑا شعبہ ہے ، یہ بنک اس شعبے کے لیے کل قرضوں کا نہایت معمولی حصہ فراہم کرتے تھے ۔ چنانچہ زراعت پسماندگی کا شکار رہی اور عام کسان کی حالت ناگفتہ بہ تھی ۔

بنکوں کے قومیائے جانے کے بعد مرکزی بنک کو تجارتی بنکوں کے کاروبار پر پوری گرفت حاصل ہوئی ہے اور وہ کریڈٹ پلان (Credit Plan) کے ذریعے تجارتی بنکوں کو بطور فریضہ مخصوص ہدف (Mandatory Target) دیتا ہے کہ وہ مجموعی قرضوں میں سے کتنے کتنے فیصد حصہ مختلف شعبوں کے لیے مختص کریں۔ اب تمام تجارتی بنک اپنے قرضوں کا ایک مقررہ حصہ زراعت کے شعبوں کو دیتے ہیں ۔ چنانچہ اب شعبہ زراعت میں تجارتی بنکوں اور زرعی ترقیاتی بنک کے ذریعے پہلے سے کہیں زیادہ سرمایہ کاری کی جاتی ہے۔

(iii) قرضوں کی علاقہ وار تقسیم (Region-Wise Distribution of Credit)

قومی تحویل میں آنے سے قبل تجارتی بنک ، ملک کے پسماندہ علاقوں میں سرمایہ کاری کے لیے قرضے جاری نہ کرتے تھے ۔ یا پھر ایسے قرضوں کی مجموعی مقدار بہت کم ہوتی تھی ۔ سرکاری جائزے کے مطابق یہ بنک مجموعی قرضوں کا تقریباً نصف صرف کراچی میں قائم کردہ کاروباروں کو دیتے تھے ۔ وجہ یہ تھی کہ بنکوں کے مالکان نے اپنی ملیں اور کارخانے زیادہ تر کراچی ہی میں قائم کیے ہوئے تھے اور وہ اپنے مفادات کی خاطر کراچی کو نوازتے تھے ، لیکن اب جبکہ تمام بنک قومی تحویل میں آچکے ہیں ، ان پر واجب قرار دیا گیا ہے کہ وہ بلوچستان اور دیگر صوبوں میں خصوصاً پسماندہ علاقوں کی ترقی کے لیے بھی قرضے جاری کریں ۔

(iv) چھوٹے کاروباروں کے لیے قرضے Credit for Small Business)

یکم جنوری 1974ء سے قبل تجارتی بنک چھوٹے کاروباری لوگوں مثلاً دکانداروں اور چھوٹے تاجروں کو قرضے نہیں دیتے تھے۔ جبکہ بڑے بڑے کاروباری لوگوں کی دسترس میں کثیر حجم کے قرضے تھے۔ چنانچہ اس عرصہ میں چھوٹے کاروباروں کو پنپنے کا موقع نہ ملا۔ لیکن اب قومیائے جانے کے بعد تمام تجارتی بنکوں کو مجموعی قرضوں کا ایک حصہ چھوٹے کاروباروں کی ترقی کے لیے دینا پڑتا ہے۔

(v) کاروباری غلط کاریاں (Business Irregularities) جب تجارتی بنک نجی شعبے میں تھے تو وہ اپنی کاروباری غلط کاریوں سے قومی معیشت کو اور قومی خزانے کو نقصان پہنچاتے تھے۔ وہ غیر قانونی کاروباروں کے لیے مثلاً ذخیرہ اندوزی اور تخمینہ بازی وغیرہ کے لیے مختلف طریقوں سے بھاری قرضے دیتے تھے۔ یہ اقدامات معیشت کے لیے نقصان دہ تھے۔ مزید برآں یہ بنک ٹیکس گریزی (Tax Evasion) کرتے تھے اور زرِ مبادلہ چھپاتے تھے۔ اس سے قومی خزانے کو نقصان پہنچتا تھا لیکن اب جبکہ تجارتی بنک قومی تحویل میں ہیں، یہ ادارے مرکزی بنک کی ہدایات پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ چنانچہ ممنوعہ کاروباروں کے لیے قرضے نہیں دیے جاتے۔ نیز حکومت کو بنکوں کے کاروبار سے خطیر مقدار میں ٹیکس وصول ہوتے ہیں۔

(vi) بچتوں کا حجم (Volume of Savings) قومی تحویل میں آجانے کے بعد بنکوں کی ساکھ میں بہت اضافہ ہوا ہے اور اب لوگ اعتماد کے ساتھ اپنی بچتیں اور نقد اثاثے بنکوں کے حوالے کرسکتے ہیں۔ چنانچہ یکم جنوری 1974ء کے بعد عام لوگوں کی جمع کرائی گئی بچتوں کے حجم میں اضافہ ہوا ہے۔ مثلاً 1975ء میں بنکوں کے پاس 25734 ملین روپے کی طلبی اور معیاری امانتیں تھیں۔ جبکہ 1978 میں امانتوں کا حجم بڑھ کر 87974 ملین روپے ہو چکا تھا۔

(vii) قیمتوں کے تغیرات (Changes in Prices) نجی بنکوں کو اپنے منافع سے غرض ہوتی ہے۔ اس لیے وہ بڑھ چڑھ کر قرضے جاری کرتے ہیں۔ زرِ اعتباری کی بہتات افراطِ زر کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ بنکوں کے قومی تحویل میں آنے سے

قبل افراطِ زر کی شرح عموماً بلند ہوتی تھی ۔ لیکن اب تجارتی بنکوں کو مرکزی بنک کی وضع کردہ حدود کے اندر قرضے جاری کرنے پڑتے ہیں۔ اس لیے ملک میں افراطِ زر کی شرح ماضی کے مقابلے میں بہت کم ہے ۔

(viii) کالا دھن (Black Money) جب تجارتی بنک نجی شعبے میں تھے تو سمگلر ، ذخیرہ اندوزی کرنے والے تاجر اور ٹیکس چوری کرنے والے بڑے بڑے صنعتکار اپنے کالے دھن کو ان بنکوں میں رکھتے تھے ۔ بنک اس وقت ناجائز دولت کی پناہ گاہ بنے ہوئے تھے ۔ یہ لوگ اسی ناجائز دولت کو ضمانت کے طور رکھ کر بڑے بڑے قرضے حاصل کرتے اور اپنا کاروبار بڑھاتے ۔ اب جبکہ تمام تجارتی بنک قومی تحویل میں ہیں کسی بھی فرد کے لیے ناجائز دولت کو بنکوں میں رکھنا محال ہے ۔

(xi) حکومت کے مالی وسائل (Financial Resources of Govt)

بنکوں کے قومیائے جانے سے پیشتر حکومت تجارتی بنکوں سے محدود قرضے حاصل کر سکتی تھی ، لیکن اب حکومت نظام بنکاری سے کثیر مقدار میں وسائل حاصل کر سکتی ہے ۔ اس کی دو وجوہات ہیں : ایک تو یہ کہ بنکوں پر مرکزی بنک کا موثر کنٹرول ہے اور وہ حسبِ ضرورت ان کے پاس سرکاری کفالتیں بیچ کر حکومت کے لیے قرضہ حاصل کر سکتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ اب بنکوں کے نقد ذخائر میں بہت اضافہ ہوگیا ہے ، اس لیے وہ حکومت کو ترقیاتی اخراجات کے لیے زیادہ وسائل مہیا کر سکتے ہیں ۔

5.6.2 بنکوں کو قومیانے کے نقصانات (Disadvantages of Nationalization of Banks)

بلاشبہ پاکستان میں بنکوں کو قومی تحویل میں لینے سے بہت فوائد حاصل ہوئے ہیں ۔ تاہم اس فیصلے سے کچھ نقصانات بھی ہوئے ہیں ۔ ذیل میں ہم ان کا جائزہ لیتے ہیں ۔

(i) ملازمین کی پست استعداد کار (Low Efficiency of Employees)

کے قومی ملکیت میں آجانے سے ان کے عملہ کے افراد کو ملازمت کا تحفظ تو مل گیا ، لیکن ان کی استعدادِ کار پست ہوگئی ہے ۔ اب بنکوں کے ملازمین گاہکوں کو خوش رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور نہ ہی وہ امانتیں حاصل کرنے کے لیے جدوجہد

کرتے ہیں ۔ چنانچہ بنکوں کے ملازمین کی استعدادِ کار میں کمی واقع ہوئی ہے ۔

(ii) تاخیری فیصلے (Delayed Decisions) بنکوں کے قومی تحویل میں آنے کے بعد قرضے دینے کا اختیار زونل دفاتر اور صوبائی دفاتر میں منتقل ہوگیا ہے ۔ چنانچہ اب اگر کسی کاروباری آدمی کو قرضے کی ضرورت پیش آئے تو اس کی درخواست برائے منظوری برانچ آفس سے مرحلہ بہ مرحلہ صوبائی دفتر میں بھیجی جاتی ہے ۔ جہاں قرضہ کی منظوری دینے یا نہ دینے کا فیصلہ ہوتا ہے ۔ اس کاروائی میں کافی دیر ہو جاتی ہے اور اکثر کاروباری حضرات کو یہ شکایت ہے کہ انھیں قرضے تاخیر سے ملتے ہیں ۔

(iii) صحت بخش مقابلے کا خاتمہ (Elimination of Constructive Competition) قومیانے سے قبل تجارتی بنکوں کے درمیان ایک صحت بخش مقابلہ پایا جاتا تھا ۔ ہر بنک اپنی استعداد کو بہتر بنانے کی سر توڑ کوشش کرتا تاکہ سال کے آخر میں زیادہ سے زیادہ منافع کا اعلان کر سکے ۔ اماتتیں وصول کرنے اور قرضوں کا اجراء کرنے کے لیے نئی سے نئی سکیمیں جاری کی جاتی تھیں اور ہر بنک اپنے گاہکوں کی بہتر خدمت گزاری میں سبقت لینے کا خواہشمند ہوتا تھا ، لیکن اب جبکہ تمام بنک حکومت کے ہیں ، ان کے درمیان اس صحت بخش مقابلے کا خاتمہ ہوگیا ہے اور نئی سکیموں کے اجراء کا کام سست پڑگیا ہے ۔

(iv) کاروباری آزادی کو نقصان پہنچا ہے (Freedom of Enterprise Damaged) : پاکستان میں مخلوط معاشی نظام رائج ہے ۔ چنانچہ کئی شعبوں میں نجی اور سرکاری کاروبار شانہ بشانہ موجود ہے ۔ ان شعبوں کا مقابلہ معاشی ترقی کی رفتار بڑھانے کا موجب ہوتا ہے ۔ بعض ناقدین یہ رائے دیتے ہیں کہ بنکوں کو قومیائے جانے کا فیصلہ کرکے حکومت نے بنکاری کے شعبے کو ہڑپ کر لیا ہے ، جس سے کاروباری آزادی کو ذک پہنچی ہے ۔ چنانچہ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ قومیانے کے بعد بڑے بڑے سرمایہ داروں نے اپنا روپیہ بنکوں سے نکال کر یا تو اسے زمین دوز کر دیا ہے ۔ یا پھر اسے ملک سے باہر منتقل کر دیا ہے ، جس سے معیشت کو نقصان پہنچا ہے ۔

5.7 مرکزی بنک (Central Bank)

کسی ملک کا نظام زر و بنکاری وہاں کی معاشی کارکردگی کو بہت حد تک متاثر کرتا ہے ۔ قیمتوں کے معیار ، بچتوں ، سرمایہ کاری ، روزگار ، صرفِ دولت اور درآمدات و برآمدات کے حجم کو متاثر کرنے میں یہ نظام نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے ۔ چنانچہ معیشت میں ایک ایسے ذمہ دار ادارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ، جو ملک کے نظام زر و بنکاری کو بہتر خطوط پر استوار کرے ، تاکہ معیشت مستحکم ہو اور معاشی ترقی کی رفتار بڑھ جائے ۔ یہ ذمہ دار ادارہ مرکزی بنک ہوتا ہے ۔

5.7.1 مرکزی بنک کی تعریف (Definition of Central Bank)

دنیا کے معروف ماہرِ معاشیات و بنکاری ڈی کاک (De Kock)[1] کی رائے میں مرکزی بنک ملک کے زری اور بنکاری نظام کا راہبر اور خیر اندیش ہوتا ہے ۔ اُس نے مرکزی بنک کی تعریف اس طرح کی ہے ۔ "مرکزی بنک ایسا بنک ہوتا ہے جو زری اور بنکاری نظام کے ڈھانچے کا اَوج (Apex) ہوتا ہے ۔ مرکزی بنک کا بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ مفاد عامہ کے لیے کام کرے ۔ پوری معیشت کی بہتری کو پیش نظر رکھے اور منافع کمانے کو اپنا اولین مقصد نہ بنائے ۔"

دنیا میں پہلا مرکزی بنک ، بنک آف انگلینڈ (Bank of England) تھا جو 1694 ء میں قائم ہوا ۔ اُنیسویں صدی کے اختتام تک یورپ کے تمام ممالک میں مرکزی بنک قائم ہو چکے تھے ۔ تاہم بیشتر ممالک کے مرکزی بنک 1920 ء کے بعد قائم ہوئے ۔ پاکستان کا مرکزی بنک سٹیٹ بنک آف پاکستان ہے جو یکم جولائی 1948 ء کو قائم کیا گیا ۔

5.7.2 مرکزی بنکاری اور تجارتی بنکاری کا موازنہ (Comparison of the Principles of Central Banking and Commercial Banking)

مرکزی بنک اور تجارتی بنک کے اصولوں کا موازنہ اس طرح کیا جاسکتا ہے ۔

کوئی بھی تجارتی بنک محض منافع کمانے کی خاطر کام کرتا ہے ۔ چنانچہ وہ منافع بڑھانے کے لیے محدود اماتتی سرمائے کی بنا پر بیش از بیش قرضے جاری کرکے

1– M.H.De Kock: 'Central Banking'

سود کمانا چاہتا ہے ، لیکن مرکزی بنک کا اہم ترین مقصد معیشت کا استحکام اور اس کی ترقی ہوتا ہے ۔

مرکزی بنک زر اور زرِاعتباری کا سرچشمہ ہوتا ہے ۔ حکومت اور تجارتی بنک اس سے فیض یاب ہوتے ہیں ۔ تجارتی بنک اور حکومت ضرورت پڑنے پر مرکزی بنک سے قرضے حاصل کر سکتے ہیں گویا مرکزی بنک وسائل دہندہ ہوتا ہے جبکہ تجارتی بنک ان وسائل کے وصول کنندہ ہوتے ہیں ۔

تجارتی بنکوں کو اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ ان کے جاری کردہ قرضوں یعنی زرِ اعتباری کی بہتات کے نتیجے میں کس قدر افراطِ زر اور مہنگائی پیدا ہو رہی ہے ، لیکن مرکزی بنک زر اعتباری کی مقدار کو معقول حد کے اندر رکھنے اور معیشت کو افراطِ زر سے بچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے ۔

مرکزی بنک ، تجارتی بنکوں کا حریف نہیں ہوتا ہے ، بلکہ ان سے حتی الوسیع تعاون کرتا ہے اور ان کی سرپرستی کرتا ہے ۔ لیکن کوئی تجارتی بنک مسلمہ ضوابط کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پھر قومی مفاد کی خاطر مرکزی بنک اس کے خلاف کاروائی کرتا ہے ۔

تجارتی بنکوں کا لین دین عوام سے ہوتا ہے ، لیکن مرکزی بنک کا کاروباری تعلق حکومت اور تجارتی بنلوں سے ہوتا ہے ۔

5.7.3 مرکزی بنک کے فرائض (Functions of Central Bank)

جدید دور کا مرکزی بنک مندرجہ ذیل فرائض سر انجام دیتا ہے ۔

(i) کاغذی زر کا اجرا (Issue of Paper Currency) تجارت اور دیگر معاشی لین دین کے لیے آلہ مبادلہ مہیا کرنے کی خاطر مرکزی بنک کاغذی زر کا اجراء کرتا ہے اور اسے حکومت کی اجازت سے نوٹ جاری کرنے کی اجارہ داری حاصل ہوتی ہے ۔ مرکزی بنک کا جاری کردہ زر قانونی زر ہوتا ہے ۔ اس وقت دنیا میں کاغذی زر جاری کرنے کے دو اصول رائج ہیں ۔

(الف) معینہ ضمانت کی حد کا نظام (Fixed Fiduciary System) اس نظام کے تحت حکومت یا پارلیمنٹ مرکزی بنک کو ایک خاص حد تک ایسے کرنسی نوٹ

جاری کرنے کی اجازت دیتی ہے ، جن کی پشت پر ضمانت کے طور پر سونا ، چاندی یا زرِ مبادلہ جیسے محفوظات موجود نہیں ہوتے ۔ البتہ اس معینہ حد تک جاری کردہ نوٹوں کی ضمانت حکومت دیتی ہے ، لیکن اس حد کے بعد جتنے بھی نوٹ جاری کیے جاتے ہیں ، اُن کی پشت پر ان کی 100% مالیت کے برابر سونا ، چاندی بطورِ ضمانت رکھے جاتے ہیں ۔ تاہم اگر معاشی حالات متقاضی ہوں تو حکومت معینہ حد میں اضافہ کر دیتی ہے ۔ نیز معینہ حد سے زائد جاری کیے جانے والے نوٹوں کی پشت پر زرِ مبادلہ اور سرکاری کفالتیں بھی رکھ لی جاتی ہیں ، لیکن عام حالات میں ایسا ممکن نہیں ہوتا ۔ یہ نظام برطانیہ اور جاپان میں اور کچھ ترامیم کے ساتھ سویڈن اور ناروے میں رائج ہے ۔

اس نظام کی خامی یہ ہے کہ یہ غیر لچکدار ہے ۔ اگر حکومت کو ترقیاتی منصوبوں کے لیے زیادہ وسائل درکار ہوں تو سونا موجود نہ ہونے کے باعث مرکزی بنک کرنسی کی مقدار بڑھا کر اس کی یہ ضرورت پوری نہیں کر سکتا ۔ چنانچہ یہ نظام صرف ایسی معیشتیں اپنا سکتی ہیں ، جن کے پاس قیمتی دھاتوں کے کافی ذخائر موجود ہوں ۔ تاہم اس نظام کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں کرنسی کی بہتات اور افراطِ زر پیدا نہیں ہوتے ۔ اس نظام کی حامل معیشتوں میں قیمتیں مستحکم رہتی ہیں ۔

(ب) متناسب محفوظات کا نظام (Proportional Reserve System)

اس نظام کے تحت حکومت نوٹوں کی ضمانت کے لیے محفوظات کا ایک خاص تناسب مقرر کر دیتی ہے ۔ چنانچہ مرکزی بنک جتنا کاغذی زر جاری کرتا ہے ، اس کی پشت پر مقررہ تناسب کے مطابق سونا یا زرِ مبادلہ رکھتا ہے ۔ نوٹوں کی بقیہ مالیت کے برابر ضمانت کے طور پر حکومت کی کفالتیں رکھی جاتی ہیں ۔ مختلف ممالک میں محفوظ سرمائے کا تناسب عموماً 30 فیصد تا 40 فیصد ہوتا ہے ۔ ہنگامی حالات میں محفوظ سرمائے کا تناسب کم کیا جاسکتا ہے ۔

یہ نظام پاکستان کے علاوہ بھارت ، امریکہ ، مغربی جرمنی اور دنیا کے اکثر ممالک میں رائج ہے ۔ پاکستان میں زرِ محفوظ کا تناسب 33 فیصد ہے ۔ سٹیٹ بنک آف پاکستان ، دو روپے ، پانچ روپے ، دس روپے ، پچاس روپے ، سو روپے ، پانچ سو روپے اور ہزار روپے کی مالیت کے کرنسی نوٹ جاری کرتا ہے ۔

متناسب محفوظات کے نظام کی خامی یہ ہے کہ حکومت ہر سال طویل المیعادی ترقیاتی پراجیکٹوں کے لیے مرکزی بنک سے کثیر مقدار میں زر جاری کروالیتی ہے ۔ چنانچہ معیشت میں افراطِ زر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ۔ تاہم اس نظام کی خوبی یہ ہے کہ یہ لچکدار ہوتا ہے اور حسبِ ضرورت کرنسی کی مقدار میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے ۔

(ii) حکومت کا بنک (Banker to the State) مرکزی بنک کا ایک فرض یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ حکومت کے بنک کا کردار ادا کرتا ہے ۔ اس حیثیت میں سٹیٹ بنک آف پاکستان :

(الف) وفاقی حکومت اور صوبائی حکومتوں کی امانتیں اپنی تحویل میں رکھتا ہے ۔

(ب) وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو عرصہ قلیل اور عرصہ طویل کے لیے قرضے دیتا ہے ۔ 88-1987 میں سٹیٹ بنک نے سرکاری بجٹ کے خسارے کو پر کرنے کے لیے 7644 ملین روپے کے مالی وسائل مہیا کیے ۔

(ج) وفاقی حکومت اور صوبائی حکومتوں کی تمام تر وصولیاں اور ادائیگیاں کرتا ہے ۔ مثلاً افراد اور ادارے سرکاری ٹیکس کی رقوم سٹیٹ بنک میں جمع کراتے ہیں ، جبکہ یہ بنک حکومت کے ایجنٹ کی حیثیت سے سرکاری ملازمین کو تنخواہیں دیتا ہے ، ریٹائیرڈ ملازمین کو پنشن ادا کرتا ہے ۔ نیز حکومت کی جانب سے واجب تمام دیگر ادائیگیاں کرتا ہے ۔

(د) وفاقی حکومت کے لیے ملکی اور غیر ملکی ذرائع سے قرضے وصول کرتا ہے اور حسبِ معاہدہ ان قرضوں پر سود ادا کرتا ہے ۔

(ہ) وفاقی حکومت کو درآمدات کی ادائیگی کے لیے زر مبادلہ مہیا کرتا ہے ۔

(و) حکومت کے مالی مشیر کا کام سرانجام دیتا ہے ۔ سٹیٹ بنک حکومت کو اس کے ترقیاتی منصوبوں کے لیے متوقع مالی وسائل کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے ۔ توازنِ ادائیگی کی خرابی کے پیشِ نظر حکومت کو روپے کی بیرونی قدر میں تبدیلیاں کرنے کا مشورہ دیتا ہے ۔ حکومت پاکستان نے سٹیٹ بنک کے مشورے پر 1955 میں اور پھر 1972 میں روپے کی بیرونی قدر میں تخفیف کا اعلان کیا ۔

(iii) بنکوں کا بنک (Banker to the Banks) مرکزی بنک ملک کے بنکوں کا بنک بھی ہوتا ہے ۔ گویا جس طرح ایک عام تجارتی بنک اپنے گاہکوں کے لیے مختلف خدمات فراہم کرتا ہے ، اسی طرح کی خدمات مرکزی بنک عام بنکوں کے لیے سرانجام دیتا ہے ۔ اس حیثیت میں مرکزی بنک تجارتی بنکوں کے لیے مندرجہ ذیل تین اہم فرائض ادا کرتا ہے ۔

(الف) بنکوں کے محفوظ سرمائے کا محافظ (Custodian of Cash Reserves)

تجارتی بنکوں کو موصولہ امانتوں کا ایک خاص فیصد حصہ (جو کہ عموماً پانچ فیصد ہوتا ہے) مرکزی بنک میں بطورِ ضمانت جمع کرانا پڑتا ہے ۔ اسے بنکوں کا محفوظ سرمایہ کہتے ہیں ۔ مرکزی بنک حسب ضرورت محفوظ سرمائے کے تناسب میں کمی بیشی کرکے تجارتی بنکوں کی زر اعتباری کے اجراء کی صلاحیت کو متاثر کر سکتا ہے ۔

پاکستان میں 1986-87 (جولائی تا مارچ) کے عرصہ میں تجارتی بنکوں نے اپنی طلبی اور میعادی امانتوں میں سے سٹیٹ بنک آف پاکستان میں 9603 ملین روپے جمع کرائے ۔

(ب) بنکوں کے آخری پناہ گاہ (Lender of the Last Resort) تجارتی بنک موصولہ امانتوں کا 20 تا 25 فیصد حصہ زرِ نقد کے طور پر رکھتے ہیں اور باقی رقم کاروبار میں لگا دیتے ہیں ۔ اگر کسی وقت بڑے بڑے امانت دار اپنی تمام رقوم واپس طلب کر لیں تو تجارتی بنک کو ادائیگی کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں اور اس کی ساکھ خطرے میں پڑ جاتی ہے ۔ اس صورت میں تجارتی بنک اپنے ہاں موجود ہنڈیوں پر مرکزی بنک سے دوبارہ بٹہ لگوا کر قرضہ حاصل کر سکتا ہے اور گاہکوں کے مطالبات زر پورے کر سکتا ہے ۔ چنانچہ مرکزی بنک تجارتی بنکوں کی آخری پناہ گاہ کا فریضہ بھی ادا کرتا ہے ۔

سٹیٹ بنک آف پاکستان ، تمام فہرستی تجارتی بنکوں کو ان کی پیش کردہ ہنڈیوں پر دوبارہ بٹہ لگا کر قرضے دیتا ہے اور اِن قرضوں پر 10 فیصد شرح بنک وصول کرتا ہے ۔

(ج) بنکوں کا دالالتصفیہ (Clearing House for the Banks) عام کاروباری لین دین میں ہر بنک کے پاس دیگر بنکوں پر جاری کردہ چیک آتے ہیں ۔

چنانچہ وہ ایک دوسرے کے قرضدار اور قرضخواہ ہوتے ہیں ۔ ایسے دو طرفہ واجبات کا تصفیہ مرکزی بنک کرتا ہے ۔ مرکزی بنک کی تحویل میں تمام بنکوں کا محفوظ سرمایہ ہوتا ہے ۔ بوقت تصفیہ مرکزی بنک ، قرضدار بنک کے کھاتے سے واجب الادا خالص رقم نکال کر قرضخواہ کے کھاتے میں جمع کر دیتا ہے ۔ بنکوں کے باہمی تصفیہ کا یہ طریقہ نہ صرف سہل ہوتا ہے ، بلکہ اس سے زر کے استعمال میں بچت بھی ہوتی ہے ۔

(iii) دھاتی سرمائے اور زرِمبادلہ کا محافظ (Custodian of Metallic Reserves and Foriegn Exchange) مرکزی بنک کو جاری کردہ کرنسی کی پشت پر بطورِ ضمانت رکھنے کے لیے نیز غیر ملکی ادائیگیاں چکانے کے لیے سونے اور زرِ مبادلہ کی ضرورت ہوتی ہے ۔ چنانچہ پاکستان سمیت اکثر ممالک میں یہ قانون رائج ہے کہ برآمدی تاجروں کو برآمدات کے عوض جتنا سونا اور زرِ مبادلہ وصول ہو ، وہ مرکزی بنک میں جمع کرادیا جائے ۔ البتہ مرکزی بنک انھیں اس کے عوض ملکی کرنسی دے دیتا ہے ۔ حکومت بھی سونے اور زرِ مبادلہ کے ذخائر مرکزی بنک کے سُپرد کر دیتی ہے ۔ مرکزی بنک اس دھاتی سرمائے اور زرِ مبادلہ کا محافظ ہوتا ہے اور وہ اسے نہایت دانشمندی سے استعمال کرتا ہے ۔

(iv) بازارِ زر کا ناظم (Controller of the Money Market) قیمتوں کا معیار نجی کاروبار والی معیشت کے پہیے کا محور ہوتا ہے ، جبکہ قیمتیں مقدارِ زر پر منحصر ہوتی ہیں ۔ معیشت میں مجموعی مقدارِ زر کا بیشتر حصہ زرِ اعتباری پر مشتمل ہوتا ہے ۔ چنانچہ اگر زر اعتباری کی مقدار میں کمی بیشی ہو جائے تو ملک میں صرف ، بچت ، سرمایہ کاری ، شرح سود ، روزگار اور درآمدات و برآمدات متاثر ہوتے ہیں ۔ قلیل المیعادی قرضوں کا کاروبار کرنے والے اداروں کو بازارِ زر کہا جاتا ہے ۔ قیمتوں میں استحکام پیدا کرنے کے لیے مرکزی بنک بازارِ زر کے اداروں کے جاری کردہ قرضوں کے حجم پر کنٹرول کرتا ہے ۔ اس حیثیت میں وہ بازارِ زر کا ناظم کہلاتا ہے ۔

5.8 زر اعتباری پر کنٹرول کرنے کے طریقے (یا زری پالیسی کے آلاتِ کار) (Methods of Controlling Credit Money or Tools of Monetary Policy):

زری پالیسی سے مراد مرکزی بنک کا وہ لائحہ عمل ہے جس کے ذریعے طے شدہ مقاصد کے

حصول کے لیے زر اعتباری کی مقدار کو منضبط (Control) کرتا ہے ۔ اس سلسلے میں وہ زرِ اعتباری کی مقدار میں کمی بیشی کرنے کے لیے جو طریقے اختیار کرتا ہے ، اُنھیں زری پالیسی کے آلاتِ کار کہتے ہیں ۔ زری پالیسی کے مقاصد کئی ہو سکتے ہیں ۔ ان میں سے کوئی بھی مقصد زر اعتباری کی مقدار کو متاثر کرکے حاصل کیا جاسکتا ہے ۔ یہاں ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ قیمتوں میں استحکام پیدا کرنے یعنی افراطِ زر و تفریطِ زر پر قابو پانے کے لیے مرکزی بنک کونسے طریقے اختیار کرتا ہے ۔ واضح رہے کہ مستحکم قیمتوں (Stable Prices) سے مراد یہ ہے کہ عام اشیاء کی قیمتوں میں گرنے یا تیزی سے بڑھنے کا رجحان نہ ہو ۔ بلکہ قیمتوں میں دھیرے دھیرے اضافہ ہوتا رہے تاکہ تاجر صنعتکار اور کسان معقول منافع کما سکیں اور سرمایہ کاری و پیداوار میں اضافہ ہو ۔

مرکزی بنک افراطِ زر اور تفریطِ زر پر قابو پانے کے لیے زر اعتباری کے حجم میں کمی بیشی کرتا ہے ۔ جس کے لیے وہ مندرجہ ذیل طریقے اختیار کرتا ہے ۔ پاکستان میں سٹیٹ بنک آف پاکستان بھی انہی طریقوں کو بروئے کار لاتا ہے ۔

(i) شرح بنک کی پالیسی (Bank Rate Policy)

تجارتی بنک ضرورت پڑنے پر مرکزی بنک سے تھوک قرضے طلب کرتے رہتے ہیں ۔ مرکزی بنک یہ قرضے تجارتی بنکوں کی پیش کردہ ہنڈیوں پر دوبارہ بٹہ لگا کر دیتا ہے ۔ ایسے قرضوں پر مرکزی بنک جو فیصد شرح معاوضہ وصول کرتا ہے ، اسے شرح بنک (Bank Rate) کہتے ہیں ۔ بالفاظِ دیگر مرکزی بنک کی طرف سے تجارتی بنکوں کو دیے جانے والی قرضوں کی تھوک قیمت ، شرح بنک ہوتی ہے ۔ تجارتی بنک یہ قرضے پرچون قیمت پر اپنے گاہکوں کو دیتے ہیں ۔ یہ قیمت ، یعنی شرح معاوضہ جو تجارتی بنک اپنے قرضداروں سے وصول کرتے ہیں ، شرح سود (Rate of Interest) کہلاتی ہے ۔ شرح بنک شرح سود سے کم ہوتی ہے ۔ پہ تجارتی بنک پرچون قرضے دے کر منافع کما سکتے ہیں ۔ مرکزی بنک شرح بنک میں تبدیلیاں لاکر تجارتی بنکوں کے زر اعتباری کی تخلیق کو متاثر کرتا ہے ۔

اگر ملک میں افراطِ زر کی حالت ہو تو مرکزی بنک شرح بنک بڑھا دیتا ہے ۔ چنانچہ تجارتی بنک بھی شرح سود بڑھا دیتے ہیں ۔ جب بنکوں کے قرضے مہنگے ہوتے ہیں تو ان کی طلب گر جاتی ہے ۔ لہٰذا تجارتی بنک کم قرضے جاری کر سکتے ہیں ۔ اس طرح

زر اعتباری کے حجم میں کمی آجانے سے تیزی سے بڑھتی ہوئی قیمتوں پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے ۔ لیکن اگر معیشت تفریطِ زر یعنی سرد بازاری کا شکار ہو تو مرکزی بنک شرح بنک کم کر دیتا ہے ۔

شرح بنک کی پالیسی کی کامیابی کی کچھ شرائط ہیں ۔ مثلاً یہ کہ ملک میں بازار زر منظم ہو اور شرح بنک کی تبدیلی کے نتیجے میں شرح سود بھی متاثر ہو ۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ بچتوں ، سرمایہ کاری ، پیداوار اور روزگار پر شرح سود کی تبدیلی کا اثر پڑنا چاہیے ۔

(ii) کھلے بازار کا عمل (Open Market Operations) مرکزی بنک تجارتی بنکوں کے قرضوں کی اجراء کی صلاحیت میں کمی بیشی کرنے کے لیے عوام ، کاروباری اداروں اور تجارتی بنکوں کو سرکاری کفالتیں بیچتا ہے یا ان سے واپس خرید تا ہے ۔ مرکزی بنک کے اس فعل کو کھلے بازار کا عمل کہا جاتا ہے ۔

اگر معیشت میں افراطِ زر کا مسئلہ پیدا ہو جائے تو مرکزی بنک سرکاری کفالتیں بیچنے لگتا ہے ۔ جب بنک یہ کفالتیں خرید کر ان کی قیمت ادا کرتے ہیں تو ان کے نقد ذخائر کم ہوجاتے ہیں ۔ عوام اور کاروباری ادارے بھی سرکاری کفالتیں خریدنے کے لیے بنکوں سے رقوم نکلوا کر مرکزی بنک کو ادا کرتے ہیں ۔ اس صورت میں بھی تجارتی بنکوں کے نقد ذخائر کم ہوجاتے ہیں ۔ چنانچہ وہ پہلے سے کم قرضے جاری کر سکتے ہیں ۔ دریں حالات زرِ اعتباری کا حجم کم ہو جاتا ہے اور بڑھتی ہوئی قیمتوں پر کنٹرول کرنے میں مدد ملتی ہے ۔

تفریطِ زر کے حالات میں مرکزی بنک فروخت کی گئی کفالتیں واپس خرید تا ہے ۔

شرح بنک کی پالیسی قرضوں کی طلب کو متاثر کرتی ہے ، جبکہ کھلے بازار کا عمل قرضوں کی رسد کو متاثر کرتا ہے ۔

کھلے بازار کے عمل کی کامیابی کی شرائط یہ ہیں کہ ملک میں بازار زر منظم ہو ۔ دفن شدہ زر کی مقدار میں کمی بیشی نہ ہو ۔ کرنسی اور آلات مبادلہ کی گردش کی رفتار میں تبدیلی نہ ہو ۔

(iii) زر محفوظ کے تناسب میں تبدیلیاں **(Changes in Reserve Rates)**

تجارتی بنکوں کو طلبی اور میعادی امانتوں کا ایک حصہ (جو کہ عموماً 5 فیصد ہوتا ہے) مرکزی بنک میں جمع کرانا پڑتا ہے ۔ اسے زرِ محفوظ کہتے ہیں ۔ زر محفوظ ایک قانونی ضمانت ہوتی ہے ۔ نیز زر محفوظ میں سے تجارتی بنکوں کو قرضے دیے جاسکتے ہیں ۔

افراطِ زر کے حالات میں مرکزی بنک زرِ محفوظ کا تناسب بڑھا دیتا ہے ۔ چنانچہ بنکوں کو ہر نئی امانت کا نسبتاً زیادہ فیصد حصہ مرکزی بنک میں جمع کرانا پڑتا ہے ۔ دریں حالات اب وہ ہر امانت کے نسبتاً کم فیصد حصے کو قرضوں کے اجراء کے لیے استعمال کر سکتے ہیں ۔ اس طرح زرِ اعتباری کی تخلیق میں کمی ہوتی ہے اور افراطِ زر کو روکا جاسکتا ہے ۔ تفریطِ زر کے حالات میں مرکزی بنک زرِ محفوظ کے تناسب میں کمی کر دیتا ہے ۔ زر محفوظ کے تناسب میں تبدیلیوں کا طریقہ قرضوں کی رسد کو متاثر کرتا ہے ۔

(iv) قرضوں کی راشن بندی **(Credit Rationing)** مرکزی بنک تجارتی بنک تجارتی بنکوں کی پیش کردہ ہنڈیوں پر دوبارہ بٹہ لگا کر انھیں مالی مشکلات میں امداد مہیا کرتا ہے ۔ اسی لیے مرکزی بنک کو بنکوں کی آخری پناہ گاہ بھی کہتے ہیں ۔ اگر مرکزی بنک یہ محسوس کرے کہ تجارتی بنکوں کے زرِ اعتباری کی بہتات کے باعث افراطِ زر پیدا ہو رہا ہے تو وہ یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ مختلف تجارتی بنکوں کو ایک خاص حد سے زیادہ قرضے نہ دے ۔ بالفاظِ دیگر مرکزی بنک انھیں مطلع کر دیتا ہے کہ وہ ہنڈیوں پر دوبارہ بٹہ لگوا کر زیادہ سے زیادہ کتنا قرضہ حاصل کر سکتے ہیں ۔ اسے قرضوں کی راشن بندی کہتے ہیں ۔

قرضوں کی راشن بندی کا طریقہ افراطِ زر کے حالات میں اختیار کیا جاتا ہے ، لیکن چونکہ اس سے بنکوں کے جاری کردہ قرضوں کے حجم پر براہِ راست ضرب لگتی ہے ، اس لیے بعض ناقدین اسے زرِ اعتباری پر کنٹرول کرنے کا "آمرانہ طریقہ" کہتے ہیں ۔ جب مرکزی بنک ، تجارتی بنکوں کو دیے جانے والے قرضوں کی حد مقرر کر دیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس حد سے بڑھ کر مرکزی بنک ، تجارتی بنکوں کے لیے آخری پناہ گاہ بننے کے لیے تیار نہیں ، اس لیے عام طور پر مرکزی بنک یہ طریقہ اختیار نہیں

کرتا ۔ البتہ ہنگامی حالات میں اسے اختیار کرنا ناگزیر ہوتا ہے ۔

(v) اخلاقی ترغیب (Moral Pursuation) مرکزی بنک وقتاً فوقتاً تجارتی بنکوں کو اخلاقی ترغیب دیتا ہے کہ وہ غیر پیدا آور یا سٹہ بازی (Speculation)[1] کے لیے قرضے جاری نہ کریں ۔ اخلاقی ترغیب دراصل وطن کی معیشت کی خیر خواہی کے پیش نظر کی جاتی ہے اور اکثر حالات میں تجارتی بنک اس پر عمل کرتے ہیں ۔ افراطِ زر کے حالات میں مرکزی بنک تجارتی بنکوں کو کم قرضے جاری کرنے کے بارے میں اخلاقی ترغیب دے سکتا ہے ۔

(vi) راست اقدام (Direct Action) اگر مرکزی بنک یہ محسوس کرے کہ کوئی خاص بنک اس کی ہدایات ، مروّجہ قواعد اور اخلاقی ترغیب کو پس پشت ڈال کر من مانی کر رہا ہے اور منافع کمانے کی دُھن میں معقول حد سے بہت بڑھ کر قرضے جاری کر رہا ہے تو مرکزی بنک اسے سزا دینے کے لیے اس کے خلاف راست اقدام کرتا ہے ۔ راست اقدام کے تحت مرکزی بنک اس تجارتی بنک کی ہنڈیوں پر دوبارہ بٹہ لگانے سے انکار کر سکتا ہے ۔ اس کی کچھ برانچوں کو بند کرنے کا حکم دے سکتا ہے ۔ یا اس کے لیے سخت قواعد و ضوابط بنا سکتا ہے ۔

(vii) مختتم مطلوبات کی شرح میں تبدیلی (Changes in Marginal Requirements) قرضے کے حصول کے لیے تجارتی بنک کے پاس ضمانت کے طور پر رکھی گئی کفالتوں کی مالیت کا وہ حصہ جس کے بدلے بنک قرض نہیں دیتا ، مختتم مطلوبات کی شرح کہلاتا ہے ۔ مرکزی بنک اس شرح کو بدلنے کا حق رکھتا ہے ۔

ویسے تو قرضوں کے اجراء کو متاثر کرنے والا یہ طریقہ خاصا پیچیدہ ہے ۔ تاہم سہل انداز میں اسے یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ جب کوئی سٹہ باز (Speculator) بانڈوں (Bonds) یا حصص (Shares) کو بنک کے پاس ضمانت کے طور پر رکھ کر قرضہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو بنک اسے ان کفالتوں کی پوری مالیت کے برابر قرضہ نہیں دیتا ۔

[1] مستقبل کے متوقع بھاؤ کے پیش نظر حال میں کفالتوں کی خرید و فروخت کے کاروبار کو سٹہ بازی کہتے ہیں اور یہ کاروبار کرنے والے سٹہ باز ، تخمینہ باز (Speculators) کہلاتے ہیں ۔

ہو سکتا ہے کہ تجارتی بنک مروجہ قانون کے مطابق ضمانت کے طور پر رکھی گئی کفالتوں کی مالیت کے 60 فیصد کے برابر قرضے دینے کے لیے تیار ہو ۔ دریں حالات کہا جائے گا کہ مختتم مطالبے کی شرح 40 فیصد ہے ۔

افراطِ زر کے حالات میں سٹہ بازی جیسے غیر پیدا آور کاروبار کی حوصلہ شکنی مطلوب ہوتی ہے ۔ چنانچہ مرکزی بنک مختتم مطالبے کی شرح بڑھا دیتا ہے ۔ اگر یہ شرح 40 فیصد سے بڑھ کر 50 فیصد ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اب تجارتی بنک اتنی ہی مالیت کی ضمانت پر کم قرضے جاری کر سکیں گے ۔ چنانچہ زرِ اعتباری کے حجم میں کمی واقع ہوتی ہے اور افراطِ زر کی شدت گھٹائی جاسکتی ہے ۔

مختتم مطلوبات کی شرح کا تعلق صرف ضمانتی کفالتوں سے ہی نہیں ، بلکہ ضمانت کے طور پر رکھے جانے والے اجناس اور تجارتی مال کے ذخیروں سے بھی ہے ۔ تفریطِ زر کے حالات میں بنک مختتم مطالبے کی شرح کم کر دیتا ہے ۔

(viii) صرفی قرضوں پر کنٹرول (Consumer's Credit Control)

بڑے شہروں میں کاروباری ادارے گھر میں استعمال ہونے والی اشیاء مثلاً سلائی مشینیں ، فریج اور ٹیلی ویژن وغیرہ قسطوں پر فروخت کرتے ہیں ۔ یہ بھی صرفی قرضے کی ایک شکل ہے ۔ جب ایک شخص اس قسم کی کوئی شے قسطوں پر خریدتا ہے تو اسے شے کی مالیت کا ایک خاص فیصد حصہ زر نقد میں اُسی وقت ادا کرنا پڑتا ہے ۔ اسے فوری ادائیگی (Down Payment) کہتے ہیں ۔ شے کی مالیت کا باقی فیصد حصہ ماہوار قسطوں میں ادا کیا جاتا ہے ۔ فوری ادائیگی کے تناسب اور اقساط کی کُل مدت میں تبدیلی کرنا بھی مرکزی بنک کے دائرہ اختیار میں ہوتا ہے ۔

افراطِ زر کے حالات میں مرکزی بنک صرفی قرضوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے ۔ چنانچہ وہ مذکورہ بالا قسم کے سودوں میں فوری ادائیگی کا تناسب بڑھا دیتا ہے اور اقساط کی کُل مدت گھٹا دیتا ہے ۔ اس صورت میں قسطوں پر بکنے والی اشیا کی طلب کم ہو جاتی ہے ۔ گویا صرفی قرضوں کا حجم گھٹ جاتا ہے اور تیزی سے بڑھتی ہوئی قیمتوں کو روکا جاسکتا ہے ۔ تفریطِ زر کے حالات میں مرکزی بنک صرفی قرضوں پر کنٹرول ختم کر دیتا ہے ۔

(ix) نشر و اشاعت (Publicity) مرکزی بنک ملک کے مجموعی معاشی حالات اور مختلف شعبوں میں سرمایہ کاری اور نفع و نقصان کے بارے میں معلومات شائع کرتا رہتا ہے ۔ اس نشر و اشاعت کے لیے جائزہ رپورٹیں اور مضامین شائع کیے جاتے ہیں ۔ اخبارات ، ریڈیو اور ٹیلی ویژن جیسے ابلاغ عامہ کو استعمال کیا جاتا ہے ، تاکہ کاروباری لوگ سرمایہ کاری اور متوقع منافع جات کے حالات سے باخبر رہیں ۔ نشر و اشاعت کے ذریعے مرکزی بنک حسبِ ضرورت ، قرضوں کی طلب اور رسد میں کمی بیشی کے میلانات پیدا کر سکتا ہے ۔

زر اعتباری کو منضبط کرنے کے لیے متذکرہ بالا آلات نمبر v تا ix کو اصطلاحاً وصفی طریقے (Qualitative Measures) کہتے ہیں ۔

5.9 سٹیٹ بنک آف پاکستان اور زرِ اعتباری پر کنٹرول (State Bank of Pakistan and Credit Control)

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے ۔ چنانچہ حکومت بڑے بڑے اور طویل المیعادی پراجیکٹوں پر اربوں روپے کے اخراجات کے منصوبوں پر عمل کرتی ہے ۔ تحتی ڈھانچے (Infra Structure) کی تعمیر کے سلسلے میں سینکڑوں میل لمبی سڑکیں تعمیر کرنی پڑتی ہیں ۔ ریلوے لائنیں بچھانی پڑتی ہیں ۔ نہریں کھدوانی پڑتی ہیں ۔ بڑے بڑے پل ، ڈیم اور بجلی گھر تعمیر کیے جاتے ہیں ۔ ہسپتال اور تعلیم و فنی تربیت کے ادارے قائم کیے جاتے ہیں ۔ ایسے تعمیراتی کاموں پر جس قدر رقوم خرچ کرنی پڑتی ہیں ، وہ سرکاری ٹیکسوں کے ذریعے فراہم نہیں کی جاسکتیں ۔ چنانچہ حکومتِ پاکستان کو مرکزی بنک کی وساطت سے بھاری قرضے حاصل کرنے پڑتے ہیں اور بجٹوں کے خسارے کو پورا کرنے کیلئے مرکزی بنک سے اضافی کرنسی حاصل کرنا پڑتی ہے ۔ طویل المیعادی پراجیکٹوں پر کئی سالوں تک اخراجات ہوتے رہتے ہیں ، جس سے گردش میں موجود مقدارِ زر بڑھ جاتی ہے ، لیکن چونکہ پیداوار کا اضافہ تو پراجیکٹوں کی تکمیل کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے ، اس لیے پاکستان میں ہمیشہ کسی نہ کسی شرح سے افراطِ زر پایا گیا ہے ۔

مقدارِ زر میں اضافے کے ساتھ ہی آمدنیاں بڑھتی ہیں ۔ صرفی اشیا کی طلب میں اضافہ ہوتا ہے اور بنکوں کے اماناتی سرمائے میں اور قرضوں کے حجم میں اضافہ ہوتا

ہے ۔ یہ تمام عوامل قیمتوں میں مزید اضافے کا باعث بنتے ہیں ۔ 1973 تا 1980 ء کے عرصے کے دوران افراطِ زر کی شرح اوسطاً 15 فیصد سالانہ تھی۔ جبکہ 1981 تا 1987 ء کے عرصہ میں یہ شرح 6.5 فیصد سالانہ تھی صرفی اشیا کی قیمتوں کے اشاری عدد کے مطابق 88-1987 ء میں افراط زر کی شرح تقریباً 6 فیصد تھی ۔ اول الذکر عرصے میں افراطِ زر کی بلند شرح کے اسباب زیادہ تر غیر زری (Non-Money) نوعیت کے تھے ۔ تاہم چونکہ سٹیٹ بنک افراطِ زر کا دباؤ کم کرنے کے لیے بروقت اقدامات کرتا ہے ، اس لیے عموماً پاکستان میں افراطِ زر کی شرح بہت سے دیگر ممالک کے مقابلے میں پست رہی ہے ۔

سٹیٹ بنک ملک میں افراطِ زر پر قابو پانے کی خاطر زر اعتباری کے حجم میں کمی کرنے کے لیے جو طریقے اختیار کرتا ہے ، ذیل میں بیان کیے گئے ہیں ۔

(i) شرح بنک میں اضافہ : سٹیٹ بنک آف پاکستان نے ملک میں زرِ اعتباری کے حجم کو محفوظ حدود میں رکھنے کے لیے کئی مرتبہ شرح بنک میں اضافہ کیا ہے ۔ 1948 میں شرح بنک 3 فیصد تھی ، جسے بڑھا کر 1959 میں 4 فیصد ، 1965 میں 5 فیصد ، 1972 میں 6 فیصد ، 1973 میں 8 فیصد ، 1974 میں 9 فیصد اور 1977 میں 10 فیصد کر دیا گیا ۔ ظاہر ہے کہ شرح بنک کے اضافوں کے نتیجے میں شرح سود بھی بڑھتی رہی ہے ۔ چنانچہ صرفی قرضوں اور کم پیدا آور قرضوں کی طلب میں کمی ہوئی ہے ۔ اس طرح ملک میں افراطِ زر کی شرح کو بڑھنے سے روکا گیا ہے ۔

(ii) کھلے بازار کا عمل : مرکزی بنک حسبِ ضرورت سرکاری کفالتیں فروخت کرتا رہتا ہے ۔ یہ کفالتیں تجارتی بنکوں کو اور عوام و کاروباری اداروں کو فروخت کی جاتی ہیں ۔ اس عمل کے نتیجے میں زر اعتباری پر کنٹرول کرنے اور افراطِ زر کی شرح کو پست رکھنے میں بہت امداد ملتی ہے ۔

1981 میں فہرستی بنکوں نے اپنی مرضی سے یا حسبِ ہدایت مرکزی بنک نے مجموعی طور پر 15144.2 ملین روپے کی مرکزی حکومت کی کفالتیں خریدیں ۔ جبکہ 1986 میں ان کفالتوں کی خرید کی مالیت 16223.8 ملین روپے تھی ۔

(iii) زر محفوظ کے تناسب میں اضافہ : ملک میں افراطِ زر کا دباؤ کم کرنے کے

لیے سٹیٹ بنک زرِ محفوظ کے تناسب میں اضافے کا طریقہ بھی استعمال کرتا ہے۔ 1948 میں زرِ محفوظ کا تناسب 2 فیصد تھا، لیکن 1982 میں یہ تناسب بڑھ کر 5 فیصد ہو چکا تھا۔ زرِ محفوظ کے تناسب میں اضافہ ہونے سے تجارتی بنکوں کے زرِ اعتباری کے اجراء کی گنجائش میں کمی ہوئی ہے۔

(iv) زرِ نقد کی شرح میں اضافہ : پاکستان میں افراطِ زر کی شرح میں ممکنہ اضافے کی پیش بندی کے لیے 1972 میں زرِ نقد کا تناسب 20 فیصد سے بڑھا کر 30 فیصد کر دیا گیا، جبکہ 1973 میں اسے مزید بڑھا کر 35 فیصد کر دیا گیا۔

(v) تجارتی بنکوں کے جاری کردہ قرضوں کی تقسیم : غیر پیداآور مقاصد کے لیے قرضوں کے حجم کو کم کرنے اور مختلف پیداآور شعبوں کے لیے قرضوں کی تقسیم کو بہتر بنانے کے لیے سٹیٹ بنک ہر سال ایک کریڈٹ پلان (Credit Plan) کا اعلان کرتا ہے۔ یہ پلان جامع منصوبہ بندی کا حصہ ہوتا ہے۔ اس پلان کے ذریعے تجارتی بنکوں کو مختلف مقاصد کے لیے جاری کردہ قرضوں کے اہداف (Targets) دے دیے جاتے ہیں۔ ان اہداف کی روشنی میں تجارتی بنک زراعت، صنعت، تجارت، تعمیر مکانات اور دیگر صرفی مقاصد کے لیے مجموعی قرضوں کو مقررہ تناسب سے تقسیم کرتے ہیں۔ قرضوں کی تقسیم کا یہ لائحہ عمل افراطِ زر پر قابو پانے میں بہت معاون ثابت ہوا ہے۔

(vi) اخلاقی ترغیب : سٹیٹ بنک آف پاکستان اپنی زری پالیسی کے مقاصد کے حصول کے لیے ملکی معیشت کی سالانہ جائزہ رپورٹ شائع کرتا ہے۔ نیز اخبارات اور کتابچوں کے ذریعے تجارتی بنکوں اور کاروباری لوگوں کو معاشی صورتِ حال سے باخبر رکھتا ہے اور انھیں اخلاقی ترغیب دیتا ہے کہ قومی معیشت کے تقاضوں کے پیش نظر انھیں کس وقت، کن شعبوں میں کتنی سرمایہ کاری کرنی چاہیے۔ سٹیٹ بنک کی اخلاقی ترغیب زرِ اعتباری اور افراطِ زر پر قابو پانے میں کسی حد تک مارگر ثابت ہوئی ہے۔

(vii) راست اقدام: جو تجارتی بنک سٹیٹ بنک کی ہدایات، مروّجہ ضوابط اور اخلاقی ترغیب کی پروا نہ کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ قرضے جاری کر کے منافع بڑھانا چاہتے ہیں، سٹیٹ بنک اُن کے خلاف راست اقدام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ سٹیٹ بنک ایسے تجارتی بنکوں کی ہنڈیوں پر دوبارہ بٹہ لگانے سے انکار کر دیتا ہے یا ان کا زرِ نقد کا

تناسب بڑھا دیتا ہے ۔ یا پھر ان کے مجموعی قرضوں کی منظور شدہ بالائی حدِ کم کر دیتا ہے ۔

5.10 قومی معیشت میں سٹیٹ بنک آف پاکستان کا ترقیاتی کردار :(Developmental Role of State Bank of Pakistan in National Economy)

جدید دور میں کسی بھی مرکزی بنک کے روایتی کردار کے مقابلے میں اس کا ترقیاتی کردار زیادہ اہم ہوتا ہے اور پھر ترقی پذیر ملک میں تو مرکزی بنک کا ترقیاتی عمل اور بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے ۔

پاکستانی معیشت کی تعمیر و ترقی کے لیے سٹیٹ بنک آف پاکستان نے کئی اقدامات کیے ہیں۔ ذیل میں ان اقدامات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(i) نظام بنکاری کی توسیع و ترقی : حصول آزادی کے وقت پاکستان میں بنکاری کا نظام نہ ہونے کے برابر تھا ۔ اس وقت ملک میں بنکوں کی صرف 70 برانچیں تھیں اور تمام دیہی آبادی بنکاری کی خدمات سے محروم تھی ۔ سٹیٹ بنک نے تجارتی بنکوں کے قیام کی حوصلہ افزائی کی اور ان کے لیے لائسنس جاری کیے ۔ اب ملک بھر میں تجارتی بنکوں اور خصوصی مالی اداروں کا ایک جال بچھا ہوا ہے اور بنکوں کی شاخوں کی تعداد 7700 کے لگ بھگ ہے ۔ پاکستان میں نظام بنکاری کی توسیع و ترقی کا سہرا سٹیٹ بنک آف پاکستان کے سر ہے ۔

(ii) بنکاروں کی فنی تربیت : بنکوں کی استعداد اور حسنِ کارکردگی کا انحصار اُن کے عملے کی فنی صلاحیت پر ہوتا ہے ۔ بنک کے ملازمین کے تربیتی کورسز کا اہتمام سٹیٹ بنک ہی کرتا ہے ۔ اگرچہ بڑے بڑے تجارتی بنک اب اپنے تربیتی ادارے قائم کرنے لگے ہیں ۔ تاہم زرمبادلہ اور بنکاری کے بارے میں فنی امور سے واقف کرانے کے لیے افسران کی تربیت کا انتظام اب بھی سٹیٹ بنک ہی کرتا ہے ۔

(iii) بازارِ سرمایہ کی تشکیل : طویل مدت کے لیے مالیات فراہم کرنے کے لیے بازارِ سرمایہ کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے ۔ جہاں کمپنیوں کے حصص کی خرید و فروخت کی جاسکے ۔ حصولِ آزادی کے وقت پاکستان میں بازارِ سرمایہ کا کوئی ادارہ برائے نام

لیے سٹیٹ بنک زرِ محفوظ کے تناسب میں اضافے کا طریقہ بھی استعمال کرتا ہے ۔ 1948 میں زرِ محفوظ کا تناسب 2 فیصد تھا ، لیکن 1982 میں یہ تناسب بڑھ کر 5 فیصد ہو چکا تھا ۔ زرِ محفوظ کے تناسب میں اضافہ ہونے سے تجارتی بنکوں کے زرِ اعتباری کے اجراء کی گنجائش میں کمی ہوئی ہے ۔

(iv) **زرِ نقد کی شرح میں اضافہ :** پاکستان میں افراطِ زر کی شرح میں ممکنہ اضافے کی پیش بندی کے لیے 1972 میں زرِ نقد کا تناسب 20 فیصد سے بڑھا کر 30 فیصد کر دیا گیا ، جبکہ 1973 میں اسے مزید بڑھا کر 35 فیصد کر دیا گیا ۔

(v) **تجارتی بنکوں کے جاری کردہ قرضوں کی تقسیم :** غیر پیداآور مقاصد کے لیے قرضوں کے حجم کو کم کرنے اور مختلف پیداآور شعبوں کے لیے قرضوں کی تقسیم کو بہتر بنانے کے لیے سٹیٹ بنک ہر سال ایک کریڈٹ پلان (Credit Plan) کا اعلان کرتا ہے ۔ یہ پلان جامع منصوبہ بندی کا حصہ ہوتا ہے ۔ اس پلان کے ذریعے تجارتی بنکوں کو مختلف مقاصد کے لیے جاری کردہ قرضوں کے اہداف (Targets) دے دیے جاتے ہیں ۔ ان اہداف کی روشنی میں تجارتی بنک زراعت ، صنعت ، تجارت ، تعمیر مکانات اور دیگر صرفی مقاصد کے لیے مجموعی قرضوں کو مقررہ تناسب سے تقسیم کرتے ہیں ۔ قرضوں کی تقسیم کا یہ لائحہ عمل افراطِ زر پر قابو پانے میں بہت معاون ثابت ہوا ہے ۔

(vi) **اخلاقی ترغیب :** سٹیٹ بنک آف پاکستان اپنی زری پالیسی کے مقاصد کے حصول کے لیے ملکی معیشت کی سالانہ جائزہ رپورٹ شائع کرتا ہے ۔ نیز اخبارات اور کتابچوں کے ذریعے تجارتی بنکوں اور کاروباری لوگوں کو معاشی صورتِ حال سے باخبر رکھتا ہے اور انھیں اخلاقی ترغیب دیتا ہے کہ قومی معیشت کے تقاضوں کے پیش نظر انھیں کس وقت ، کن شعبوں میں کتنی سرمایہ کاری کرنی چاہیے ۔ سٹیٹ بنک کی اخلاقی ترغیب زرِ اعتباری اور افراطِ زر پر قابو پانے میں کسی حد تک کارگر ثابت ہوئی ہے ۔

(vii) **راست اقدام :** جو تجارتی بنک سٹیٹ بنک کی ہدایات ، مروجہ ضوابط اور اخلاقی ترغیب کی پروا نہ کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ قرضے جاری کر کے منافع بڑھانا چاہتے ہیں ، سٹیٹ بنک اُن کے خلاف راست اقدام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے ۔ سٹیٹ بنک ایسے تجارتی بنکوں کی ہنڈیوں پر دوبارہ بٹہ لگانے سے انکار کر دیتا ہے یا ان کا زرِ نقد کا

تناسب بڑھا دیتا ہے ۔ یا پھر ان کے مجموعی قرضوں کی منظور شدہ بالائی حدِ کم کر دیتا ہے ۔

5.10 قومی معیشت میں سٹیٹ بنک آف پاکستان کا ترقیاتی کردار :(Developmental Role of State Bank of Pakistan in National Economy)

جدید دور میں کسی بھی مرکزی بنک کے روایتی کردار کے مقابلے میں اس کا ترقیاتی کردار زیادہ اہم ہوتا ہے اور پھر ترقی پذیر ملک میں تو مرکزی بنک کا ترقیاتی عمل اور بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے ۔

پاکستانی معیشت کی تعمیر و ترقی کے لیے سٹیٹ بنک آف پاکستان نے کئی اقدامات کیے ہیں۔ ذیل میں ان اقدامات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(i) نظام بنکاری کی توسیع و ترقی : حصول آزادی کے وقت پاکستان میں بنکاری کا نظام نہ ہونے کے برابر تھا ۔ اس وقت ملک میں بنکوں کی صرف 70 برانچیں تھیں اور تمام دیہی آبادی بنکاری کی خدمات سے محروم تھی ۔ سٹیٹ بنک نے تجارتی بنکوں کے قیام کی حوصلہ افزائی کی اور ان کے لیے لائسنس جاری کیے ۔ اب ملک بھر میں تجارتی بنکوں اور خصوصی مالی اداروں کا ایک جال بچھا ہوا ہے اور بنکوں کی شاخوں کی تعداد 7700 کے لگ بھگ ہے ۔ پاکستان میں نظام بنکاری کی توسیع و ترقی کا سہرا سٹیٹ بنک آف پاکستان کے سر ہے ۔

(ii) بنکاروں کی فنی تربیت : بنکوں کی استعداد اور حسنِ کارکردگی کا انحصار اُن کے عملے کی فنی صلاحیت پر ہوتا ہے ۔ بنک کے ملازمین کے تربیتی کورسز کا اہتمام سٹیٹ بنک ہی کرتا ہے ۔ اگرچہ بڑے بڑے تجارتی بنک اب اپنے تربیتی ادارے قائم کرنے لگے ہیں ۔ تاہم زرمبادلہ اور بنکاری کے بارے میں فنی امور سے واقف کرانے کے لیے افسران کی تربیت کا انتظام اب بھی سٹیٹ بنک ہی کرتا ہے ۔

(iii) بازارِ سرمایہ کی تشکیل : طویل مدت کے لیے مالیات فراہم کرنے کے لیے بازارِ سرمایہ کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے ۔ جہاں کمپنیوں کے حصص کی خرید و فروخت کی جاسکے ۔ حصولِ آزادی کے وقت پاکستان میں بازارِ سرمایہ کا کوئی ادارہ برائے نام

بھی نہیں تھا ۔ سٹیٹ بنک کی کاوش کے نتیجے میں 1949 ء میں کراچی میں سٹاک ایکسچینج (Stock Exchange) قائم ہوا ۔ اس بازارِ سرمایہ میں قومی بچتوں کو پیداآور استعمالات میں لایا جاتا ہے اور اس طرح تشکیل سرمایہ کا عمل تیز ہوتا ہے ۔ 1971ء میں ایک اور سٹاک ایکسچینج لاہور میں قائم کیا گیا ۔

(iv) زراعت کے لیے قرضوں کی فراہمی : زرعی شعبے میں زرعی مداخل وغیرہ کی خرید کے لیے کسانوں کو قرضوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اس مقصد کے لیے سٹیٹ بنک نے تمام تجارتی بنکوں کو ہدایت دے رکھی ہے کہ وہ زرعی شعبوں کے لیے ایک خاص حد تک قرضے جاری کریں ۔ زراعت کے لیے ترقیاتی وسائل زرعی ترقیاتی بنک آف پاکستان اور تعاونی بنکوں سے بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ سٹیٹ بنک نے ان بنکوں کے نظام کو وسعت دی ہے اور ان کے مالی وسائل بڑھا دیے ہیں ۔ ان اداروں نے 88-1987 میں مجموعی طور پر 15159 ملین روپے کے قرضے کسانوں اور زمینداروں کو دیے ۔

(v) خصوصی مالی اداروں کا قیام : معیشت کے بعض شعبوں کی ضروریات کی نوعیت کے پیش نظر خصوصی مالی اداروں کا قیام لازم ہوتا ہے ۔ سٹیٹ بنک نے زرعی شعبے کے لیے زرعی ترقیاتی بنک آف پاکستان (A.D.B.P) صنعتی شعبے کے لیے صنعتی ترقیاتی بنک آف پاکستان (I.D.B.P) پاکستان صنعتی قرضہ و سرمایہ کاری کارپوریشن (P.I.C.I.C) اور قومی ترقیاتی مالی کارپوریشن (N.D.F.C) کے ادارے قائم کئے جبکہ تعمیر مکانات کے لیے ہاوس بلڈنگ فنانس کارپوریشن (H.B.F.C) قائم کی ۔ علاوہ ازیں مرکزی بنک نجی شعبے میں سرمایہ کاری کے لیے وسائل مہیا کرنے والے اداروں کے قیام کی حوصلہ افزائی کرتا ہے ۔

(vi) بچت کی ترغیب : عوام میں فضول خرچی کی حوصلہ شکنی کرنے اور انھیں بچتوں کی ترغیب دینے کے لیے سٹیٹ بنک وسیع پیمانے پر اشتہاربازی کرتا ہے ۔ نیز اس سلسلے میں وہ سیمیناروں ، تقاریر اور کتابچوں کی اشاعت کا اہتمام کرتا ہے ۔ اس مقصد کے لیے سٹیٹ بنک نے ایک پبلسٹی بورڈ (Publicity Board) قائم کیا ہے جو قومی بچت کی سکیموں کو متعارف کراتا ہے اور عوام کو ان سکیموں میں روپیہ لگانے کی

ترغیب دیتا ہے ۔

(vii) قرضوں کی بہتر تقسیم : سٹیٹ بنک آف پاکستان اپنے سالانہ کریڈٹ پلان کے ذریعے زراعت ، صنعت ، تجارت اور چھوٹے کاروباروں وغیرہ کے لیے ان کے مجموعی قرضوں کا حجم اور شعبہ وار قرضوں کی تقسیم کا تعین کر دیتا ہے ۔ جو شعبے ماضی میں وسائل سے محروم رہے ہیں ، انھیں اب خطیر مقدار میں قرضے مل سکتے ہیں ۔

(viii) افراطِ زر پر کنٹرول : سٹیٹ بنک نے پاکستان میں افراطِ زر کی شرح پست رکھنے میں قیمتی خدمات سرانجام دی ہیں ۔ سٹیٹ بنک احکامات اور ہدایات کے ذریعے تجارتی بنکوں کو صرفی اور غیر پیداآور مقاصد کے لیے قرضے جاری نہ کرنے پر مجبور کرتا ہے ، جبکہ وہ پیداآور اور منافع بخش کاروباروں کے لیے قرضوں کے اجراء کی حوصلہ افزائی کرتا ہے ۔ سٹیٹ بنک نے افراطِ زر کی شرح کو پست رکھنے میں شرح بنک میں اضافہ ، زر نقد کے تناسب میں اضافہ ، سرکاری کفالتوں کی فروخت اور صرفی قرضوں کی بندش وغیرہ جیسے اقدامات کیے ہیں ۔

(ix) برآمدات کی افزائش کے لیے مالی سہولیات کی فراہمی : سٹیٹ بنک نے برآمدات کی افزائش کے لیے ایکسپورٹ فنانس سکیم (Export Finance Scheme) اور ری فنانس سکیم (Re-Finance Scheme) کا اجراء کیا ہے ۔ ان سکیموں کے تحت برآمد کنندگان (Exporters) کو نہایت سستے قرضے مل سکتے ہیں ۔ ان سہولتوں کے نتیجے میں برآمدات کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے ۔

(x) حکومت کے لیے مالیات کی فراہمی : سٹیٹ بنک حکومت کو اس کی کفالتیں بیچ کر بھاری قرضے فراہم کرتا ہے ، جنھیں ترقیاتی اور دیگر قسم کے مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے ۔ نیز یہ بنک حکومت کے بجٹوں کے خسارہ جات کو پُر کرنے کے لیے فاضل کرنسی جاری کرتا ہے ۔ سٹیٹ بنک کی ترغیب اور ہدایت پر نظامِ بنکاری کے اداروں نے 1986 ء میں مرکزی حکومت کو 16224 ملین روپے کا قرضہ مہیا کیا ۔

5.11 پاکستان میں بلاسود بنکاری
(Interest Free Banking in Pakistan)

سرمایہ دارانہ نظام میں پیداواری عمل نجی آجرین کے ہاتھ میں ہوتا ہے ۔ چنانچہ

پیداواری اثاثے مثلاً زرعی زمینیں ، تجارت ، صنعت وغیرہ کے کاروبار نجی ملکیت میں ہوتے ہیں اور ان کے مالکان انھیں بیش از بیش آمدنی اور منافع کے حصول کے لیے استعمال کرتے ہیں ۔ گویا زیادہ سے زیادہ دولت کا حصول و ارتکاز سرمایہ داری کا مقصد ہوتا ہے اور اس مقصد کو پانے کے لیے راہ ہموار کرنے میں سودی نظام اہم کردار ادا کرتا ہے ۔ ارتکازِ دولت اور سودی نظام لازم و ملزوم ہیں اور یہ ادارے سرمایہ دارانہ معیشت کے اہم ترین ستون ہیں ۔ ان میں سے کوئی ایک ادارہ دوسرے کے بغیر موجود نہیں رہ سکتا ۔ سرمایہ دارانہ نظام میں عوام الناس پیداواری اثاثوں سے محروم ہوتے ہیں ۔ وہ پست اُجرتوں پر اپنی خدمات فروخت کرتے ہیں اور اِن کا معیارِ زندگی غیر تسلی بخش ہوتا ہے اور زندگی کی رعنائیوں اور لذتوں سے یکسر محروم ہوتے ہیں ۔ اسلامی نظام معیشت میں حکومت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ معیشت کے تمام شعبوں کو اسلامی اصولوں کے مطابق اس طرح ڈھالے کہ ملک میں کوئی فرد بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے ۔ نیز حکومت پر یہ بھی واجب ہوتا ہے کہ پیداواری وسائل پر چند خاندانوں کا اجارہ دارانہ تسلّط توڑ دے ، تاکہ خدا کی عطا کردہ نعمتوں کو خدا کے بندوں تک پہنچایا جا سکے ۔

ماضی میں حکومت نے ملکی معیشت کو اسلامیانے کا عمل شروع کیا ۔ زکوٰۃ اور عُشر کے نظام کو رائج کیا گیا ، جبکہ سودی نظام کو ختم کرنے اور اس کی جگہ مالیات کے اسلامی نظام کو اپنانے کے لیے اقدامات کیے گیے ۔ اسلام میں سُود حرام ہے اور اس کی وصولی اور ادائیگی ممنوع ہے ۔

ذیل میں پاکستان میں بلاسود بنکاری کے نظام کی ترویج کے لیے کیے گئے اقدامات کا جائزہ لیا گیا ہے ۔

1980ء میں حکومت نے اسلامی طرز کی سرمایہ کاری کے لیے راستہ استوار کرنے کے لیے مضاربت (Modaraba) کا قانون (Modaraba Companies and Modarba Floation and Control ordinance 1980) نافذ کیا ۔ مضاربت میں سرمایہ کے مالکان سرمایہ کاری کرتے ہیں اور معینہ شرح سے سود حاصل کرنے کے بجائے منافع کا حصہ حاصل کرتے ہیں ، لیکن نقصان کی صورت میں وہ اپنے سرمائے کے حصے کے تناسب

سے خسارہ بھی برداشت کرتے ہیں ۔ ابتدائی مرحلے پر جن تین قومی اداروں کے کاروبار کو غیر سودی بنایا گیا وہ ہاوس بلڈنگ فنانس کارپوریشن (H.B.F.C) نیشنل انوسمنٹ یونٹ) ٹرسٹ (.N.I.T) اور انوسمنٹ کارپوریشن آف پاکستان (I.C.P) تھے ۔ ثانی الذکر اداروں کے غیر سودی کاروبار کی کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان کے سرمائے کو صرف سرکاری شعبے میں استعمال کیا جائے گا ۔

یکم جولائی 1981 ء سے تمام قومی بنکوں میں نفع اور نقصان کی شراکت کی بنیاد پر امانتیں قبول کی جاری ہیں ۔ اس سلسلے میں امانت داروں کے لیے نفع و نقصان کے شراکتی کھاتے (.Profit and loss Sharing Accounts (P.L.S) کھولے جاتے ہیں ۔ اور یکم جولائی 1981 ء (یعنی نفع و نقصان کی شراکتی امانتوں کی سکیم کے اجراء کے پہلے ہی دن) کو P.L.S کھاتوں میں 92.7 ملین روپے جمع کرائے گئے ۔ 25 مارچ 1982 ء تک ان امانتوں کی مجموعی مالیت 8231 ملین روپے ہو چکی تھی ۔ تجارتی بنک موصولہ امانتوں کو منافع بخش کاروبار میں لگاتے ہیں اور کمائے گیے منافع کا اعلان سال میں دو بار کرتے ہیں ۔ چنانچہ P.L.S کھاتوں کا حساب بھی سال میں دوبار (یعنی 30 جون اور 31 دسمبر کو) کیا جاتا ہے ۔ اگر بچت کے کھاتے میں امانت دار کا کم از کم ایک سو روپیہ ہو تو وہ منافع کا حق دار ہو جاتا ہے ۔ P.L.S کھاتوں میں جمع کرائی گئی رقم سے مندرجہ ذیل قسم کے کاروباروں میں سرمایہ کاری کی جاتی ہے ۔

(i) مرکزی حکومت ، صوبائی حکومت اور ان کے زیر انتظام ایجنسیوں کی غذائی اجناس کی خریداری کے لیے ۔

(ii) برآمدی ہنڈیاں خریدنے اور ان کی ضمانت دینے کے لیے ۔

(iii) درآمدی ہنڈیاں خریدنے کے لیے ۔

(iv) ملکی ہنڈیوں پر بٹہ لگانے کے لیے ۔

(v) ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان ، کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن اور رائس کارپوریشن کے کاروبار کے لیے ۔

یکم جولائی 1985 ء سے تمام بنکوں کے کاروبار کو سودی نظام سے بالکل پاک کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ملک میں بنکاری اور مالیات کے نظام میں تبدیلیاں واقع ہو چکی

ہیں ۔ اب کاروباری شعبے کی مالی ضروریات درج ذیل اسلامی سرمایہ کاری کے طریقوں سے پوری کی جاتی ہیں ۔

(الف) مشارکہ (Musharika) مشارکہ کے تحت بنک یا دیگر مالی ادارے کاروباری فرموں کو نفع اور نقصان میں شراکتی بنیاد پر روپیہ فراہم کرتے ہیں ۔

(ب) حصصی شراکت (Equity Participation) سرمایہ کاری کے اس اسلوب میں بنک فہرستی کارپوریشنوں (Listed Corporations) کے حصص خرید لیتے ہیں ۔

(ج) مضاربہ سرٹیفکیٹس (Modaraba Certificates) یہ سرٹیفکیٹس مالیات کا کاروبار کرنے والی نجی کمپنیاں فروخت کرتی ہیں ۔ ان کی میعاد کا تعین حکومت کرتی ہے اور ان کے خریداروں اور کمپنی کے درمیان نفع اور نقصان کی شراکت اور رقم کی واپسی کے بارے میں تمام امور پہلے ہی طے کر لیے جاتے ہیں۔

(د) خریداری پر مبنی کرایہ (Hire Purchase) سرمایہ کاری کے اس طریقے کے مطابق مالی ادارہ کسی گاہک فرم کے لیے ضرورت کا کوئی اثاثہ خریدتا ہے اور اسے کرایہ پر دے دیتا ہے ۔ وہ فرم نہ صرف کرایہ ادا کرتی ہے ، بلکہ اثاثے پر لگایا گیا روپیہ بھی ایک خاص عرصہ وقت میں مالی ادارے کو واپس کرتی ہے ۔ رقم کی واپسی کے بعد اثاثے کی ملکیت اس فرم کو منتقل کر دی جاتی ہے ۔

(ہ) کرایہ داری کی شراکت (Rental Sharing) سرمایہ کاری کے اس طریقے کے مطابق بنک یا دیگر مالی ادارے (مثلاً پاکستان میں ہاوس بلڈنگ فنانس کارپوریشن) پراپرٹی کی خرید میں اپنے گاہکوں سے ایک معاہدہ طے کرتے ہیں ، جس کے تحت اس پراپرٹی کے کرائے اور اس کی دیگر آمدنی میں ان کی شراکت قائم ہو جاتی ہے۔

سرمایہ کاری کے متذکرہ بالا اصولوں کو ممکن اور مقبول بنانے کے لیے سٹیٹ بنک آف پاکستان نے بنکاری کے سابقہ مروجہ قوانین میں ترامیم کی ہیں ۔ ان ترامیم کے تحت سٹیٹ بنک کسی پبلک کمپنی یا کارپوریشن کے جاری کردہ شراکت مدّتی سرٹیفکیٹس (Term Participation Certificates) خرید سکتا ہے ۔ انھیں فروخت کر سکتا ہے ۔ ان پر دوبارہ بٹہ لگا سکتا ہے ۔ نیز سٹیٹ بنک غیر سودی بنیادوں پر مالی اداروں

کو گرانٹ دے سکتا ہے ۔ یکم جولائی 1985ء سے تجارتی بنکوں اور حکومت سے سٹیٹ بنک کا تمام لین دین مالیات کے اسلامی اصولوں کے مطابق ہو رہا ہے۔ نیز ملکی سطح پر بنکوں ، حکومت اور سٹیٹ بنک کی کاروباری اور اقتصادی کارکردگی اپنے اپنے حدود میں اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھال دی گئی ہے ۔

سٹیٹ بنک کی ہدایت پر تجارتی بنک نے قرض حسنہ کا اجراء بھی شروع کیا ہے ۔ ایسا قرضہ نہ صرف غیر سودی ہوتا ہے ، بلکہ بنک اس پر سروس چارج بھی وصول نہیں کرتے ۔ قرضدار یہ قرض اس وقت واپس کر سکتا ہے ۔ جب وہ اتنی مالی استطاعت کا حامل ہو جائے ۔ اس قسم کا قرض مخصوص نوعیت کا طبّی یا جراحی علاج کرانے والوں کو ، غریب افراد کو بیٹیوں کی شادی کے لیے اور ہونہار طالب علموں کو تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لیے دیا جاتا ہے ۔

اعادہ

تجارتی بنک ایک ایسا ادارہ ہوتا ہے جو قرضوں کی تجارت کرتا ہے ۔ بنک کم شرح سود پر امانت داروں سے قرضے حاصل کرتا ہے جبکہ وہ زیادہ شرح سود پر قرضے جاری کرتا ہے اور اس طرح وہ منافع کما سکتا ہے ۔ جدید معاشی زندگی میں تجارتی بنک نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے ۔ بنک کے قیام اور اِن کے فروغ سے لوگوں کو بچت کرنے کی ترغیب ملتی ہے ۔ جب انفرادی بچتیں بنکوں میں اکٹھی ہوتی ہیں تو وہ نقد سرمائے کے بڑے بڑے ذخیروں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں ۔ آجرین اس سرمائے سے قرض لے کر سرمایہ کاری کرتے ہیں ، جس سے پیداوار اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے ۔

بنک کی تعریف جیوفرے کراؤتھر نے اس طرح کی ہے۔ "بنک اپنے اور دوسروں کے قرضوں کا کاروبار کرتا ہے۔ اس ادارے کی کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ بنکوں کے جاری کردہ قرضوں (یعنی رسیدوں) کو عام افراد بغیر کسی گریز کے قبول کر لیتے ہیں اور انھیں بطور زر استعمال کرتے ہیں ۔"

بنکوں کی اقسام یہ ہیں ۔

(i) مرکزی بنک

یہ بنک ملک کے نظامِ زر کا مرکز اور راہبر ہوتا ہے ۔ اس کا اولین فریضہ ملک کے اقتصادی حالات کو مستحکم بنانا ہوتا ہے ۔ نفع کمانا اِس بنک کے لیے ثانوی حیثیت رکھتا ہے ۔

(ii) تجارتی بنک

یہ بنک منافع کی غرض سے قرضوں کی خرید و فروخت کرتا ہے ۔ قرضوں کے اجراء میں زرِ اعتباری کی تخلیق کرتا ہے ، جس سے سرمایہ کاری کا حجم بڑھتا ہے اور روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں ۔

(iii) زرعی بنک

یہ بنک شعبہ زراعت کی ترقی کے لیے خصوصی قرضے جاری کرتے ہیں ۔ کسان زراعت سے متعلقہ ضروریات کے لیے اس بنک سے نسبتاً آسان شرائط پر قرضے حاصل کر سکتے ہیں ۔

(iv) صنعتی بنک

یہ بنک شعبہ صنعت کی مالی ضروریات کو پورا کرتا ہے ۔ صنعتکار اس بنک سے طویل المیعاد اور اوسط المیعاد قرضے حاصل کر سکتے ہیں ۔ صنعتی شعبے کی ترقی میں یہ بنک اہم رول ادا کرتا ہے ۔

(v) تعاونی بنک

یہ بنک تعاونی کاروباروں کے لیے قرضے مہیا کرتے ہیں ۔ زراعت کے شعبے میں چھوٹے رقبوں والے کسان اپنی تعاونی انجمنوں کی وساطت سے اس بنک سے سستے قرضے حاصل کر سکتے ہیں ۔ ایسے قرضے زیادہ تر زرعی آلات ، کھاد اور دیگر مداخل کی خرید کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں ۔

(vi) بچت کے بنک

یہ بنک بچت کی امانتیں قبول کرتے ہیں ، لیکن یہ قرضے جاری نہیں کرتے ۔

(vii) مبادلہ کے بنک

یہ بنک درآمدات و برآمدات کی ادائیگیاں چکانے کے لیے زرِ مبادلہ مہیا کرتے ہیں ۔ تجارتی بنک یہ فرائض انجام دیتا ہے ۔ امانتیں قبول کرنا ، قرضے جاری کرنا ، سہل آلہ مبادلہ فراہم کرنا ، انتقالِ زر میں مدد دینا ، ایجنسی کی خدمات سرانجام دینا ، براہِ راست سرمایہ کاری کرنا اور قیمتی اشیاء کی حفاظت کرنا ۔

تجارتی بنک امانتوں سے بڑھ کر قرضے جاری کر سکتا ہے ۔ اسے زرِ اعتباری کی تخلیق کہتے ہیں ۔ زرِ اعتباری کی تخلیق میں دو عوامل اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تجارتی بنک امانتوں کے تقریبا 20 تا 25 فیصد حصہ زرِ نقد کے طور پر رکھ کر اپنے امانت داروں کی وقتاً فوقتاً ضروریات کو پورا کر سکتا ہے اور باقی رقم وہ قرضوں کے طور پر دے سکتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ بنک جب قرض دیتا ہے تو سرِ دست نقدی کی صورت میں دیتا ہے بلکہ قرضدار کے نام کھاتہ کھول کر قرضے کی رقم اس کی امانت کے طور پر رکھ لی جاتی ہے ۔ چنانچہ ہر قرضہ نئی فرضی امانت کی تخلیق کا باعث ہوتا ہے۔ زرِ اعتباری کی تخلیق کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ لوگ بنک کے نام جاری کردہ چیکوں کو کس حد تک آلہ مبادلہ کے طور پر قبول کرتے ہیں ۔ کسی ایک حقیقی ابتدائی امانت کی بنیاد پر بنک مجموعی طور پر کس قدر امانتیں پیدا کر سکتا ہے ، اس کا میزان مندرجہ ذیل

فارمولے کے ذریعے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

تمام امانتوں کا مجموعہ = ابتدائی حقیقی امانت/ قرضے کا تناسب

پاکستان میں حکومت نے 1974 میں نجی شعبے کے تمام بنکوں کو نیز مرکزی بنک کو قومی تحویل میں لے لیا ہے۔ چھوٹے بنکوں کو بڑے بنکوں میں ضم کر دیا گیا۔ اس وقت پاکستان میں حکومت کے زیر انتظام پانچ تجارتی بنک ہیں۔ اِن کے نام یہ ہیں: نیشنل بنک آف پاکستان، حبیب بنک، یونائیٹڈ بنک، مسلم کمرشل بنک اور الائیڈ بنک آف پاکستان ہیں۔ بنکوں کو قومی تحویل میں لینے سے متعدد فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ مثلاً دولت کی معاشرتی تقسیم کو بہتر بنایا گیا ہے۔ قرضوں کی شعبہ وار اور علاقہ وار تقسیم کی اصلاح کی گئی ہے۔ چھوٹے کاروباروں کے لیے نسبتاً زیادہ قرضے مہیا کیے جا رہے ہیں۔ تجارتی بنکوں کی سابقہ کاروباری غلط کاریوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔ بچتوں کے حجم میں اضافہ واقع ہوا۔ افراطِ زر پر قابو پانے میں امداد ملی، کالے دھن کی پناہ گاہیں ختم ہوئیں اور حکومت کے لیے زیادہ مالی وسائل میسر آرہے ہیں۔ تاہم بنکوں کے قومیانے سے کچھ نقصانات بھی ہوئے ہیں۔

کسی ملک میں نظام زر و بنکاری کو بہتر خطوط پر استوار کرنے کے لیے بچت اور سرمایہ کاری میں اضافہ کرنے اور معیشت کو مستحکم بنانے میں مرکزی بنک کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ڈی کاک (De Kock) نے مرکزی بنک کی تعریف اس طرح کی ہے۔ "یہ ایک ایسا بنک ہوتا ہے جو زری اور بینکاری نظام کی ڈھانچے میں چوٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مرکزی بنک کا بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ مفادِ عامہ کے لیے کام کرے۔ پوری معیشت کی بہتری کو پیشِ نظر رکھے اور منافع کمانے کو اپنا اولین مقصد نہ بنائے۔ چنانچہ مرکزی بنکاری اور تجارتی بینکاری کے اصولوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ مرکزی بنک کے فرائض یہ ہیں۔ کاغذی زر کا اجراء، حکومت کا بنک، بنکوں کا بنک (اِس حیثیت میں مرکزی بنک یہ فرائض سرانجام دیتا ہے۔ بنکوں کے محفوظ سرمائے کا محافظ، بنکوں کی آخری پناہ گاہ، بنکوں کا دارالتصفیہ) دھاتی سرمائے اور زرِ مبادلہ کا محافظ اور بازارِ زر کا ناظم۔

معیشت کو درپیش مسائل کے حل کے لیے مرکزی بنک ایک خاص زری پالیسی

وضع کرتا ہے۔ زری پالیسی کے آلاتِ کار یہ ہوتے ہیں ۔ شرح بنک کی پالیسی ۔ کھلے بازار کا عمل ۔ زرِ محفوظ کے تناسب میں تبدیلیاں ، قرضوں کی راشن بندی ، اخلاقی ترغیب راست اقدام ، مختتم مطلوبات کی شرح میں تبدیلی ، صرفی قرضوں پر کنٹرول اور نشرواشاعت ۔

پاکستان کا مرکزی بنک سٹیٹ بنک آف پاکستان ہے ۔ اس بنک نے پاکستان کی معاشی ترقی میں بہت مفید کردار ادا کیا ہے ۔ اس بنک نے ملکی معیشت کی ترقی کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے ہیں۔ (i) نظامِ بنکاری کی توسیع و ترقی (ii) بینکاری کی فنی تربیت (iii) بازارِ سرمایہ کی تشکیل (iv) زری ترقی کے لیے خصوصی قرضوں کی فراہمی (v) دیگر خصوصی مالی اداروں کا قیام (vi) بچت کی ترغیب کے لیے اقدامات (vii) قرضوں کی بہتر تقسیم (viii) افراطِ زر پر کنٹرول (ix) برآمدات کی افزائش کے لیے مالی سہولتوں کی فراہمی اور (x) حکومت کے لیے مالیات کی فراہمی ۔

پاکستان میں نظام بنکاری کو اسلامیایا گیا ہے اور بلا سود بینکاری کا نظام قائم کیا گیا ہے ۔ اس اصلاح کا آغاز 1980 ء میں ہوا ۔ جب حکومت نے مضاربت کا قانون وضع کیا اور اسے نافذ کیا ۔ ابتدائی مرحلے پر ہاوس بلڈنگ فنانس کارپوریشن ، نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ اور انوسٹمنٹ کارپوریشن آف پاکستان کو سودی کاروبار سے پاک کیا گیا ۔ یکم جولائی 1981 ء سے قومی تحویل میں لیے گیے تمام بنکوں میں نفع اور نقصان کی بناء پر امانتیں قبول کی جارہی ہیں ۔ یکم جولائی 1985 سے تمام بنکوں میں غیر سودی نظام رائج کر دیا گیا ہے ۔

اہم سوالات

1- بنک سے کیا مُراد ہے ؟ اس کی مختلف اقسام بیان کیجیے ۔

2- تجارتی بنک کے فرائض پر نوٹ لکھیے ۔

3- ایک تجارتی بنک زر اعتباری کی تخلیق کس طرح کرتا ہے ، اپنے جواب میں ایک ریاضیاتی ماڈل پیش کیجیے ۔

4- ایک تجارتی بنک زراعتبار کیسے تخلیق کرتا ہے ۔ کیا اس سلسلہ میں کچھ حدود بندیاں بھی ہیں ؟

5- پاکستان میں بنکوں کو قومیانے سے کیا فوائد اور نقصانات مرتب ہوئے ۔ تفصیل سے بیان کیجیے۔

6- جدید دور میں ایک مرکزی بنک کیا فرائض سر انجام دیتا ہے ۔ وضاحت کیجیے ۔

7- بازار زر کے ناظم کی حیثیت سے مرکزی بنک زر اعتباری کے حجم پر کس طرح کنٹرول کرتا ہے ؟

8- سٹیٹ بنک آف پاکستان ملک میں زراعتباری پر کنٹرول کرنے کے لیے کیا کیا اقدامات کرتا ہے ؟

9- پاکستان کی معیشت میں سٹیٹ بنک آف پاکستان کے ترقیاتی کردار پر تفصیلی نوٹ لکھیے ۔

10- پاکستان میں بلا سود بنکاری نظام کی ترویج کے لیے کی گئی پیش قدمی پر روشنی ڈالیے ۔

☆ ☆ ☆

باب 6

بین الاقوامی تجارت

(INTERNATIONAL TRADE)

نمبر شمار	عنوان
6.1	ابتدائیہ
6.2	ملکی تجارت اور بین الاقوامی تجارت
6.3	ملکی اور بین الاقوامی تجارت کا فرق
6.4	بین الاقوامی تجارت کے فوائد
6.5	بین الاقوامی تجارت کے نقصانات
6.6	بین الاقوامی تجارت کا کلاسیکی نظریہ
6.6.1	کُلّی برتری
6.6.2	یکساں برتری
6.6.3	تقابلی برتری
6.6.4	قانونِ تقابلی مصارف
6.6.5	قانونِ تقابلی مصارف پر تنقید
6.7	آزاد تجارت اور تامین
6.7.1	آزاد تجارت کے حق میں دلائل
6.7.2	تامین کے حق میں دلائل
6.8	توازنِ تجارت بمقابلہ توازنِ ادائیگی

6.8.1 توازنِ ادائیگی کی مدّات

6.8.2 توازن تجارت اور توازن ادائیگی کا گوشوارہ

6.8.3 توازنِ ادائیگی کے خسارے کو دُور کرنے کے طریقے

6.9 شرح مبادلہ

6.9.1 معیّن شرح مبادلہ اور لچک پذیر شرح مبادلہ

6.9.2 معیّن شرح مبادلہ کی میکانیت

6.9.3 لچک پذیر شرح مبادلہ کی میکانیت

بین الاقوامی تجارت (International Trade)

6.1 ابتدائیہ (Introduction)

موجودہ دور کے کسی بھی منظم معاشرے میں کوئی فرد اپنی ضرورت کی تمام اشیاء خود تیار نہیں کرتا ۔ افراد نے اپنی ذہنی، جسمانی اور موروثی صلاحیتوں کی بناء پر مختلف پیشے اختیار کر رکھے ہیں ۔ اور ہر فرد وہ پیشہ (Occupation) منتخب کرتا ہے جس کی پیداوار میں اس کی متذکرہ صلاحیتیں بہترین طور پر استعمال کی جاسکتی ہیں ۔ اسے محنت کی پیشہ ورانہ تقسیم (Occupational Division of Labour) کہتے ہیں ۔ پیشہ ورانہ تقسیم کار کے ذریعے معاشرے میں مختلف النوع اشیاء و خدمات کی پیداوار ممکن ہوتی ہے افراد کی مہارت میں اضافہ ہوتا ہے ۔ فنونِ پیداوار میں جدّت پیدا ہوتی ہے ۔ اور معاشرے کی مجموعی پیداوار بڑھ جاتی ہے ۔ افراد اپنی حاجات کی تسکین کے لیے بہت حد تک دوسرے افراد کی پیداوارں پر انحصار کرتے ہیں ۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ انحصار بڑھتا جارہا ہے ۔ اور اس طرح معاشرے کے افراد کے درمیان لین دین اور تجارت میں اضافہ ہو رہا ہے ۔

جس طرح ایک منظم معاشرے کے افراد کو اپنی ضروریات کی تسکین کے لیے دوسرے افراد کی پیشہ ورانہ پیداواروں سے استفادہ کرنا پڑتا ہے ۔ اسی طرح کوئی بھی ملک اپنے باشندوں کی تمام ضروریات کی تکمیل کے لیے خود کفیل نہیں ہو سکتا ۔ مختلف ممالک میں عاملین پیدائش کی قدرتی دستیابی میں فرق پایا جاتا ہے ۔ بعض ممالک میں زرخیز زمین کے وسیع و عریض رقبے موجود ہیں ۔ آبی وسائل کی فراوانی ہے اور موسمی حالات موافق ہیں ۔ یہ ممالک دیگر ممالک کے مقابلے میں فصلیں کم لاگت سے اور زیادہ مقدار میں پیدا کر سکتے ہیں ۔ ایسے ممالک زرعی پیداواروں میں تخصیص (Specialization) حاصل کرتے ہیں ۔ بعض دوسرے ممالک میں معدنی وسائل کی فراوانی ہے ۔ صنعتی ٹیکنالوجی موجود ہے اور افراد کے رویّے میں جدّت پسندی پائی جاتی ہے۔ یہ ممالک مصنوعات کم لاگت پر اور زیادہ مقدار میں پیدا کر سکتے ہیں ۔ چنانچہ ایسے ممالک صنعتی پیداواروں میں تخصیص حاصل کرتے ہیں ۔ تخصیصی کار کے باعث قومی پیداواری وسائل کا بہترین استعمال عمل میں آتا ہے ۔ معاشرتی پیداوار بڑھتی ہے اور

خوشحالی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ہر ملک اپنی تخصیص کی پیدا کردہ اشیاء سے نہ صرف اپنے باشندوں کی ضروریات کو پوری کرتا ہے ۔ بلکہ فاضل (Surplus) پیداوار کو برآمد کرکے دیگر ممالک کی تخصیصی پیداواریں (Specialized Products) حاصل کر سکتا ہے ۔ اور اس طرح مختلف ممالک کے درمیان تجارت اور منحصرئیت بڑھتی ہے ۔

موجودہ باب میں ہمارے موضوعات ایک ہی ملک کے افراد کے درمیان ہونے والی تجارت اور مختلف ممالک کے درمیان ہونے والا معاشی لین دین اور اس سے متعلقہ دیگر اُمور ہیں ۔

6.2 ملکی تجارت اور بین الاقوامی تجارت
(Domestic and International Trade)

ایک ہی ملک کے مختلف افراد اداروں اور علاقوں کے درمیان جو تجارت ہوتی ہے ۔ اُسے ملکی تجارت یا داخلی تجارت (Domistic Trade) کہتے ہیں ۔ ملکی تجارت میں خریدار اور فروخت کار ایک ہی ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ اس لین دین میں تجارتی مال فروختکار سے خریدار کو منتقل ہو جاتا ہے ۔ جبکہ قیمت کی رقم خریدار سے فروخت کار کو منتقل ہو جاتی ہے ۔ تاہم سودے کی تکمیل ہو جانے پر بھی تجارتی مال اور قیمت بدستور قومی دولت میں شامل ہوتے ہیں ۔ جو تجارت مختلف ممالک کے افراد اور اداروں کے درمیان ہوتی ہے اُسے بین الاقوامی تجارت یا بیرونی تجارت یا تجارت خارجہ (Foreign Trade) کہتے ہیں ۔ اس تجارت میں خریدار اور فروختکار مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اور اس تجارت میں مال کی قیمت سونے یا زرِ مبادلہ کی شکل میں خریدار ملک کی قومی دولت سے خارج ہوکر فروختکار ملک کی قومی دولت کا حصہ بن جاتی ہے ۔

ملکی تجارت ہو یا بین الاقوامی تجارت دونوں کی بُنیاد تخصیص کار پر ہے ۔ نیز دونوں کا مقصد منافع کمانا ہوتا ہے۔

6.3 ملکی تجارت اور بین الاقوامی تجارت کا فرق
(Difference between Domestic and International Trade)

ملکی تجارت ہو یا بین الاقوامی تجارت ان میں ہر ایک کی بنیاد تخصیص کار اور برتری

بالحاظ مصارف ہوتی ہے ۔ نیز دونوں قسم کی تجارت کا مقصد منافع کمانا ہوتا ہے ۔ تاہم ملکی تجارت اور بین الاقوامی تجارت میں بعض زاویوں کے لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے ۔ ذیل میں ہم اس فرق کا مطالعہ کرتے ہیں ۔

(i) محنت اور سرمائے کی نقل پذیری : ایک ملک کے مختلف حصوں میں محنت اور سرمائے کی نقل پذیری نہایت آسان ہوتی ہے ۔ اس نقل پذیری کے نتیجے میں ایک ہی ملک کے مختلف علاقوں میں محنت کی شرح اُجرت اور سرمائے کی شرح سود بالآخر یکساں ہو جاتی ہے ۔ لیکن بین الاقوامی سطح پر محنت اور سرمائے کی نقل پذیری میں کئی رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں ۔ مثلاً مزدور بہ آسانی اپنے ملک سے غیر ملک میں اس لیے نہیں منتقل ہو سکتے کہ وہاں کی زبان ، رسم و رواج ، مذہب اور موسم کا فرق پایا جاتا ہے ۔ نیز اُن کی اس نقل مکانی میں پاسپورٹ (Passport) اور ویزا (Visa) وغیرہ کی رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں ۔ انہی وجوہات کی بنا پر سرمائے کے مالکان بھی اپنے ملک سے دوسرے ملک میں جاکر کاروبار نہیں کرنا چاہتے نیز حکومت سرمائے کے آزادانہ انتقال کی اجازت بھی نہیں دیتی ۔ محنت اور سرمائے کی ملک پار منتقلی سہل (Easy) نہ ہونے کے باعث مختلف ممالک میں ان عاملین کے معاوضوں کی شرح میں فرق برقرار رہتا ہے ۔

(ii) کرنسیوں کا فرق : ملکی تجارت میں ایک ہی قسم کی کرنسی استعمال کی جاتی ہے ۔ کیونکہ خریدار اور فروخت کار ایک ہی ملک سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اور اُنہیں خرید و فروخت میں ملکی کرنسی قبول ہوتی ہے ۔ لیکن مختلف ممالک کی کرنسی مختلف ہوتی ہے ۔ اس لیے بین الاقوامی تجارت میں درآمدی ملک کے تاجروں کو خریدے گئے مال کی قیمت چکانے کے لیے اپنی ملکی کرنسی کو برآمدی ملک کی کرنسی کے عوض (یا جس غیر ملکی کرنسی میں برآمدی ملک کے تاجر قیمت وصول کرنا چاہتے ہوں) مروجہ شرح پر تبدیل کرانا پڑتا ہے۔

(iii) سرکاری پابندیوں کا فرق : ایک ہی ملک کے مختلف حصّوں کے درمیان تجارتی مال کی نقل و حرکت پر کوئی خاص پابندیاں نہیں ہوتی ۔ لیکن مختلف ممالک کے درمیان تجارتی مال کی منتقلی پر متعدد پابندیاں عائد ہوتی ہیں ۔ مثلاً درآمدی و برآمدی

لائسنس (Licence) حاصل کرنے پڑتے ہیں ۔ تجارتی محصوت ادا کرنے پڑتے ہیں ۔ یا پھر تجارتی مال کی مقدار کو منظور شدہ سرکاری کوٹہ کی حد میں رکھنا پڑتا ہے ۔ مختلف ممالک میں بیرونی تجارت پر عائد کردہ سرکاری پابندیاں نوعیت اور درجے کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں ۔

(iv) **سرکاری سہولتوں کو فرق :** ملکی تجارت میں خریدار اور فروخت کار ایک جیسی سہولتوں (مثلاً ٹیکس کی رعایت یا اعانہ جات یا رعایتی قرضے) سے مستفیض ہوتے ہیں لیکن مختلف ممالک میں اِن سہولتوں میں فرق پایا جاتا ہے ۔

(v) **عالمی منڈی میں معاشی تغیرات :** کسی ملک کے اندر اکثر اشیاء کی تجارت عالمی منڈی کے معاشی تغیرات کا زیادہ اثر قبول نہیں کرتی مثلاً افریقہ کے ممالک میں قحط سالی کا پاکستان میں ڈبل روٹی (Bread) کی قیمت پر کوئی اثر نہیں پڑا ۔ اس کے برعکس عالمی منڈی کے معاشی تغیرات کا اثر کسی بھی ملک کی درآد و برآمد پ ضرور پڑتا ہے ۔

6.4 بین الاقوامی تجارت کے فوائد

(Advantages of International Trade)

بین الاقوامی سطح پر تجارت میں توسیع و ترقی واقع ہونے پر تمام ممالک کی معیشتوں پر مثبت اور صحت بخش اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔ اور تمام ممالک میں قومی آمدنی اور روزگار کی سطح بلند ہوتی ہے ۔ بین الاقوامی تجارت کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں ۔ یہ فوائد بین الاقوامی تجارت کے جواز اور اس کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہیں ۔

(i) **ضروری اشیاء کا حصول :** کوئی بھی ملک ضرورت کی تمام اشیاء خود تیار نہیں کر سکتا ۔ چنانچہ کوئی بھی ملک وہ اشیاء دیگر ممالک سے درآمد کرکے اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے ۔ جنہیں خود بنانے کے لیے اُس کے پاس مطلوبہ موسمی حالات ، عاملین اور ٹیکنالوجی (Technology) نہیں ہے ۔ پاکستان جدید جنگی طیارے تیار کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ۔ لیکن تجارت کے ذریعے ہم یہ طیارے اور دفاعی سازوسامان ترقی یافتہ ممالک سے خریدتے ہیں ۔ اسی طرح پاکستان اپنی کئی صنعتوں کے لیے خام مال اور پیچیدہ مشینیں و آلات درآمد کرتا ہے ۔

(ii) **سستی اشیاء کا حصول :** اگر ایک ملک کوئی ایک شے تیار تو کر سکتا ہے ۔ لیکن

اس پر اسے نسبتاً زیادہ لاگت برداشت کرنی پڑتی ہے ۔ تو وہ ملک ایسی اشیاء کی تیاری پر اپنے وسائل ضائع کرنے کی بجائے انہیں کم قیمت پر دوسرے ملکوں سے خرید کر اپنی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے ۔

(iii) تخصیص کار کے فوائد : جب ایک ملک صرف وہ اشیاء پیدا کرنے میں تخصیص حاصل کرتا ہے ۔ جن کے بنانے میں اُسے نسبتاً کم مصارف برداشت کرنے پڑتے ہیں ۔ تو وہ اپنے پیداواری وسائل مثلاً زمینوں ، مشینوں ، عمارات ، افرادی قوت ، آبی وسائل اور معدنیات کا بہترین استعمال عمل میں لاتا ہے ۔ اس طرح قومی پیداوار میں بیش از بیش اضافہ ہوتا ہے ۔ روزگار بڑھتا ہے ۔ پیداواری طریقے بہتر سے بہتر ہوتے جاتے ہیں ۔ اور ٹیکنالوجی میں ترقی واقع ہوتی ہے ۔ گویا وہ ملک تخصیص کار کے متذکرہ تمام فوائد سے استفادہ کرتا ہے ۔

(iv) پیدائش بر پیمانہ کبیر کے فوائد : تخصیص کار کے نتیجے میں ملک میں ایک ہی قسم کی صنعت کے ہزاروں یونٹ قائم ہو جاتے ہیں ۔ ہر کارخانے کی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور دورانِ توسیع ہر کاروبار کو بڑے پیمانے کی گوناگوں کفائتیں (Advantages) حاصل ہوتی جاتی ہیں ۔

مثلاً ٹیکنیکی کفائتیں (Technical Advantages) ، خرید و فروخت کی کفائتیں ، انتظامی کفائتیں نقل و حمل کی کفائتیں وغیرہ نیز تخصیصی صنعت کے پھیلاؤ کی وجہ سے بیرونی کفائتیں بھی حاصل ہوتی ہیں ۔ مثلاً ذرائع نقل و حمل ترقی کرتے ہیں ۔ حکومت مالی ادارے اور نئی تربیت کے ادارے قائم کرتی ہے ۔ اور تحتی ڈھانچے کے تمام دیگر لوازمات کی تکمیل ہوتی ہے ۔ اندرونی اور بیرونی کفایات و مصارفِ پیدائش کو مزید کم کرتی ہیں ۔ اور بین الاقوامی تجارت سے حاصل ہونے والے منافع کو بڑھاتی ہیں ۔

(v) فاضل پیداواروں کا نکاس : بین الاقوامی تجارت کی موجودگی میں کوئی بھی ملک اپنی فاضل پیداواروں کا نکاس کر سکتا ہے ۔ اور قیمتی زرِ مبادلہ کما سکتا ہے ۔ مثلاً اگر پاکستان کے بین الاقوامی تجارتی تعلقات نہ ہوں تو اس کی کپاس اور چاول کی فاضل پیداواریں برآمد نہ ہو سکیں گی ۔ اندرون ملک ان پیداواروں کی قیمت اس قدر گر جائے گی کہ کاشتکار ان کی پیداواروں میں حد درجہ کمی کر دیں گے ۔ نیز فاضل پیداوار دینے

والے کئی دیگر شعبوں کی پیداوار میں کمی ہو جائے گی ۔ اور قومی آمدنی اور روزگار کی سطح تشویش ناک حد تک گر جائے گی ۔

(vi) قلّت اور قحط سالی کا ازالہ : زرعی ممالک میں فصلوں کی کامیابی کا انحصار ساز گار موسمی حالات پر ہوتا ہے ۔ اگر بارشیں نہ ہوں یا بارشیں ضرورت سے زیادہ ہوں ۔ آندھیاں اور ژالہ باری کھڑی فصلوں کو تباہ کر دیں یا فصلی بیماریاں پڑھ جائیں تو زرعی پیداوار میں کمی ہو جانے سے ان کی قلّت پیدا ہو جاتی ہے ۔ خصوصاً غلّوں کی فصلوں کی ناکامی قحط سالی کا موجب بن سکتی ہے ۔ بین الاقوامی تجارت کے ذریعے ضروری اشیاء اور غلّہ درآمد کرکے قلّت اور قحط سالی کو دور کیا جاسکتا ہے ۔

(vii) عالمی امن : بین الاقوامی تجارت میں مختلف ممالک کے تاجروں آجروں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو آپس میں ملنے کا موقع ملتا ہے ۔ وہ ایک دوسرے کی تہذیب کے قریب آتے ہیں ۔ اُن کے معاشی مفادات میں اشتراک پیدا ہوتا ہے۔ اور اس طرح عالمی سطح پر امن و سلامتی قائم رکھنے میں امداد ملتی ہے ۔

6.5 بین الاقوامی تجارت کے نقصانات
(Disadvantages of International Trade)

بین الاقوامی تجارت کے متعدّد فوائد ہیں تاہم اس کے کئی نقصانات بھی ہیں ۔ یہ نقصانات زیادہ تر ایسے ممالک کے لیے ہیں ۔ جو ترقی پذیر ہیں ۔ اور جن کی قوّت سودا بازی کمزور ہے ۔

ذیل میں ہم بین الاقوامی تجارت کے نقصانات (یا حد بندیاں) کا جائزہ لیتے ہیں ۔

(i) چند اشیاء کی پیداوار پر کُلی انحصار : بین الاقوامی تجارت کی بنیاد تخصیص کار ہے ۔ گویا تجارت کرنے والا ملک اپنے تمام قومی وسائل صرف چند ایسی اشیاء کی پیداوار میں استعمال کرتا ہے ۔ جنہیں بنانے میں اُسے مصارفِ کے لحاظ سے دیگر ممالک کے مقابلے میں برتری حاصل ہے ۔ ان تخصیصی صنعتوں کے علاوہ کسی اور شے کی پیداوار نہیں کی جاسکتی بلکہ یہ پیداواریں درآمد کی جاتی ہیں ۔ چند تخصیصی اشیاء کی پیداوار پر کُلی انحصار قومی معیشت کے لیے بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے ۔ مثلاً اگر کسی وجہ سے تخصیصی شعبوں میں مزدور انجمنوں کی ہڑتالوں، خام مال کی عدم دستیابی ، یا کسی بھی

اور وجہ سے پیداوار بند ہو جائے تو وسیع بے روزگاری پھیل جاتی ہے اور قومی پیداوار تشویشناک حد تک کم ہو جاتی ہے۔

(ii) دوسرے ممالک پر انحصار: تخصیص کار معاشی شعبوں میں تنوّع پیدا کرنے کی بجائے اُن میں محدودیت پیدا کرتی ہے۔ ماسوائے چند تخصیصی شعبوں کے دیگر تمام قسم کی پیداواروں کی درآمد کے لیے غیر ممالک پر انحصار بڑھتا جاتا ہے۔ اب اگر ایک ملک غلہ اور سامانِ دفاع جیسی اشیاء محض اس لیے پیدا نہ کرے کہ اُن کی لاگت زیادہ ہے۔ تو غذائی قلت اور جنگ کے حالات میں ملک کی سالمیت کا تمام تر انحصار دیگر ممالک سے حاصل کردہ درآمدات پر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ممالک تخصیص کار کے اصول کو پس پشت ڈالتے ہوئے ضروری اشیاء خود پیدا کرتے ہیں۔

(iii) نسبتِ تجارت کی خرابی: ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے میں ترقی پذیر ممالک کو تجارت سے نسبتاً کم منافع حاصل ہوتا ہے۔ ترقی پذیر ممالک زیادہ تر زرعی پیداواریں مثلاً چاول، کپاس، چمڑا، پٹ سن، چائے وغیرہ فروخت کرتے ہیں۔ دنیا میں اس قسم کی اشیاء فروخت کرنے والے ممالک کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اور ان کے درمیان سخت مقابلہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے عالمی منڈی میں خام مال کی قیمت پست رہتی ہے۔ اور انہیں اپنی برآمدات سے کم زر مبادلہ وصول ہوتا ہے۔ اس کے برعکس عالمی منڈی میں صنعتی پیداواروں کے فروخت کار ملکوں کی تعداد کم ہے اور وہ اپنے مال کو بلند قیمت پر فروخت کر سکتے ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کو ان اشیاء کی اشد ضرورت ہے اس لیے وہ ان اشیاء کی بلند قیمت ادا کرنے پر مجبور ہیں۔ چونکہ ان ممالک کی درآمدات مہنگی اور برآمدات سستی ہیں۔ اس لیے ان ممالک کی نسبت تجارت غیر موافق رہتی ہے اور یہ توازنِ تجارت کے خسارے کا شکار ہوتے ہیں۔

(iv) خام مال کی منڈیاں: بین الاقوامی تجارت میں تخصیص کار کا اصول اپنایا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر ملک وہی اشیاء پیدا کر سکتا ہے۔ جنہیں تیار کرنے پر اُس کی لاگت (Cost) کم ہو۔ دریں حالات ترقی پذیر ممالک کو زیادہ تر زرعی پیداوروں میں تخصیص حاصل کرنی پڑتی ہے۔ دریں حالات یہ ممالک صنعتی ممالک کے لیے خام مال کی منڈیاں بنے رہتے ہیں۔ اور اُن کے صنعتی شعبے کو ترقی کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

(v) افراطِ زر اور تفریطِ زر کے اثرات : بین الاقوامی تجارت کے ناطے دُنیا ایک معاشی اکائی کی حیثیت اختیار کرتی جارہی ہے ۔ اور کسی ایک خطّے کے معاشی تغیّرات لامحالہ طور پر دوسرے خطّے کی معیشتوں پر اثرانداز ہوتے ہیں عظیم عالمی بحران (1929-1933) کی ابتداء امریکہ سے ہوئی تھی ۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے دُنیا کی تمام معیشتیں اس بُحران کی زد میں آگئیں ۔ اس طرح 1973 میں جب تیل برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم اوپیک (Organization of Petroleum Exporting Countries) (OPEC) نے تیل کی قیمتوں میں ہو شرباء اضافہ کیا تو تمام ممالک میں اشیاء کی قیمتیں چڑھ گئیں ۔ اور ہر سو افراطِ زر کی کیفیت پیدا ہو گئی ۔

(vi) بیرونی منڈیوں کے لیے رقابت : ترقی یافتہ ممالک دُنیا کے پسماندہ ترقی پذیر ممالک کو اپنے تجارتی مال فروخت کی منڈیاں بنانا چاہتے ہیں ۔ اور ان منڈیوں پر قبضہ کرنے کے لیے اُن میں رقابت پیدا ہو جاتی ہے ۔ منڈیوں کے حصول کے لیے طاقتور ممالک کے درمیان یہ رقابت بڑھ کر جنگ کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ ستم یہ ہے کہ اس قسم کی جنگیں ترقی پذیر ممالک کے علاقوں میں لڑی جاتی ہیں ۔ جس سے اُن کے پیداواری وسائل کا نقصان ہوتا ہے ۔

(vii) آزادی کو خطرہ : عالمی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ بین الاقوامی تجارت سے استفادہ کرتے کرتے بہت سے ترقی پذیر ممالک اپنی آزادی بھی کھو بیٹھے ماضی بعید میں ہندوستان (India) کے ناعاقبت اندیش حکمرانوں نے انگریزوں کو تجارتی اور صنعتی مراکز قائم کرنے کی غرض سے فیاضی سے مراعات دیں ۔ اُنہیں کارخانے قائم کرنے کے لیے کُھلی اجازت دی اور اس مقصد کے لیے انگریزوں کو وسیع رقبے الاٹ (Allot) کیے ۔ ہندوستان میں برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی (British East India Company) کی طاقت کینسر (Cancer) کی طرح یوں بڑھی کہ آخر یہ کمپنی ہندوستان کی آزادی اور خودمختاری کو ہڑپ کر گئی ۔

6.6 بین الاقوامی تجارت کا کلاسیکی نظریہ
(Classical Theory of International Trade)

برطانوی معیشت دان بین الاقوامی تجارت کے کلاسیکی نظریے کے موجد آدم سمتھ (Adam Smith) اور ڈیوڈ ریکارڈو (David Ricardo) ہیں ۔ بعدازاں جے ۔ ایس ۔ مل

(J.S.Mill) ، کئیرنز (Cairnes) اور ٹازگ (Taussig) نے اس نظریے میں کچھ ترامیم کر کے اسے موجودہ شکل میں پیش کیا ۔

اس نظریے کے مطابق ہر ملک صرف ان اشیاء کی پیداوار میں تخصیص کار (Specialization) حاصل کرتا ہے ۔ جن کے بنانے میں وہاں کے موسمی حالات دیگر قدرتی وسائل اور افراد کی مہارت بہترین طور پر استعمال کیے جاسکتے ہیں ۔ باالفاظِ دیگر ایک ملک تمام دیگر اشیاء کی پیداوار کو ترک کر کے صرف ان اشیا کی پیداوار کا انتخاب کرتا ہے ۔ جن کے بنانے میں اُسے دیگر ممالک کے مقابلے میں مصارف کے لحاظ سے برتری حاصل ہو۔ برتری بالحاظ مصارف سے مراد یہ ہے ۔ کہ ایک ملک کسی شے کی کوئی خاص مقدار پیداوار دوسرے ممالک کے مقابلے میں کم لاگت سے تیار کر سکتا ہے ۔ یا پھر یوں کہہ لیجیے کہ وہ ملک یکساں لاگت سے دیگر ممالک کے مقابلے میں زیادہ مقدار پیدا کر سکتا ہے ۔ گویا تخصیصی شے کی پیداوار (Specialized Production) میں کسی ملک کو بیک وقت تقابلی برتری بالحاظِ مصارف اور تقابلی برتری بالحاظ پیداواری مقدار حاصل ہوتی ہے ۔ جب ایک ملک تخصیص کار کا فیصلہ کرتا ہے ۔ تو وہ تمام قومی وسائل تخصیصی اشیاء کی پیداوار میں استعمال کرتا ہے ۔ اور وہ ان اشیاء کو اتنی بڑی مقدار میں پیدا کرتا ہے ۔ کہ نہ صرف اپنے باشندوں کی ضرورت کو پورا کرتا ہے ۔ بلکہ اس کی فاضل پیداوار برآمد کر کے منافع کما سکتا ہے ۔ لیکن اس ملک کو وہ اشیاء درآمد کرنی پڑتی ہیں ۔ جن کی پیداوار میں دوسرے ملک تخصیص کار حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں ۔ تخصیص کار کی بنیاد برتری بالحاظ مصارف ہے ۔ بین الاقوامی تجارت کے کلاسیکی نظریہ کا یہ دعویٰ ہے کہ اگر تمام ممالک اپنی درآمدات و برآمدات کا انتخاب تخصیص کار کی

---

1 کسی شے کی پیداوار میں تخصیص (یا تخصیص کار) حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ملک اس شے کے بنانے میں عاملین پیدائش کو نہایت مستعد طریقے سے استعمال کر سکتا ہے ۔ ایسی شے کی پیداوار تخصیصی پیداوار کہلاتی ہے ۔ واضح رہے کہ تخصیص کار کا تعلق تمام عاملین پیدائش یعنی زمین ، محنت ، سرمایہ اور تنظیم سے ہے ۔ جبکہ تقسیم کار کا تعلق صرف محنت کے بہترین استعمال سے ہے ۔ سادہ الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ افراد اپنی محنت کے بہترین استعمال کے لیے تقسیم کار اپناتے ہیں ۔ جبکہ ملک ! قومی وسائل یعنی عاملین پیدائش کے بہترین استعمال کے لیے تخصیصی پیداواروں کا انتخاب کرتے ہیں ۔

بنیاد پر کریں تو تجارت میں شریک ممالک کی قومی پیداوار پہلے سے بڑھ جاتی ہے ۔ اور انہیں تجارت سے کثیر منافع حاصل ہوتا ہے ۔ جسے وہ آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں ۔

تخصیص کار کے معینات (Determinants of Specialization)

ڈیوڈ ریکارڈو نے نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ۔ کہ بین الاقوامی تجارت کی بنیاد تو تخصیص کار ہے ۔ لیکن خود تخصیص کار کے معنیات کچھ اور ہیں ۔ ذیل میں ہم ان معینات کا تجزیہ پیش کرتے ہیں ۔

(الف) بین الاقوامی سطح پر محنت کی عدم نقل پذیری : ایک ملک کے اندر تو محنت میں بہت زیادہ نقل پذیری پائی جاتی ہے ۔ چنانچہ ملک کے تمام علاقوں میں شرح اجرت میں یکساں ہو جانے کا رجحان پایا جاتا ہے ۔ لیکن مختلف ممالک کے درمیان محنت کی نقل پذیری میں متعدد رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں ۔ دریں حالات مختلف ممالک میں شرح اُجرت کا فرق برقرار رہتا ہے ۔ اس لیے ان ممالک میں اشیاء تیار کرنے کی لاگت میں فرق پایا جاتا ہے ۔ اسی فرق کی بنا پر تخصیص کار کا فیصلہ کیا جاتا ہے ۔

(ب) قدر کا نظریہ محنت : آدم سمتھ اور ریکارڈو محنت کو مصارف کے لحاظ سے سب سے اہم عامل قرار دیتے ہیں ان کی رائے میں کسی شے کی لاگت کا بہت بڑا حصہ محنت کی اُجرت پر مشتمل ہوتا ہے ۔ اسے قدر کا نظریہ محنت (Labour Theory of Value) کہتے ہیں ۔ جس ملک میں محنت کی فراوانی ہوتی ہے ۔ وہاں شرح اُجرت پست ہوگی اور وہاں محنت عمیق (Labour Intensive) پیداواروں میں تخصیص کار حاصل کی جاسکتی ہے ۔ تخصیص کار حاصل کرنے والے ممالک میں شرح اُجرت دیگر ممالک کے مقابلے میں جس قدر کم ہوگی ۔ وہ اپنی اسی قدر محنت عمیق پیداواریں زیادہ منافع پر بیچ سکے گا ۔

نظریہ کے مفروضات (Assumptions of the Theory)

بین الاقوامی تجارت کا کلاسیکی نظریہ مندرجہ ذیل مفروضات پر قائم ہے ۔

(i) محنت اور سرمایہ ایک ملک کے اندر تو نقل پذیری کر سکتے ہیں ۔ لیکن وہ مختلف ممالک کے درمیان نقل پذیری نہیں رکھتے ۔

(ii) کسی شے کے مصارفِ پیدائش زیادہ تر محنت کی اُجرت پر مشتمل ہوتے ہیں ۔

(iii) تمام مزدوروں کی پیداواری صلاحیت یکساں ہوتی ہے ۔

(iv) پیداواری عمل قانونِ یکسانی حاصل یعنی قانونِ یکسانی مصارف کے تابع ہوتا ہے ۔

(v) نظریے کو سمجھنے میں آسانی پیدا کرنے کے لیے یہ فرض کیا گیا ہے۔ کہ تجارت اور تخصیص کار کے لیے دو ممالک اور دو اشیاء زیر غور ہیں ۔

(vi) تجارتی اشیاء کی نقل و حمل کے اخراجات اس قدر معمولی ہیں ۔کہ انہیں نظرانداز کیا جاسکتا ہے ۔

(vii) بین الاقوامی تجارت صرف اشیاء کی ہوتی ہے ۔ خدمات کی نہیں ۔

(viii) بین الاقوامی تجارت پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں ۔

(ix) ہر ملک میں طلائی نظامِ زر جیسا کوئی خود کار نظام رائج ہے ۔ چنانچہ بین الاقوامی ادائیگیاں چکانے میں کوئی دِقت پیش نہیں آتی ۔

(x) تجارت کرنے والے ممالک میں مکمل مقابلہ اور کامل روزگار کی کیفیات پائی جاتی ہیں ۔ نیز ان ممالک کی معیشتوں میں معاشی استحکام پایا جاتا ہے ۔

(xi) تجارت کرنے والے ممالک میں صارفین کا اشیاء کے بارے میں ذوق نہیں بدلتا ۔

مصارف کے لحاظ سے برتری کی اقسام
(Kinds of Advantages in Terms of Costs)

بین الاقوامی تجارت کے کلاسیکل نظریے کے مطابق کسی ملک کو مصارف کے لحاظ سے جو برتری حاصل ہو سکتی ہے ۔ اس کی مندرجہ ذیل تین صورتیں ہیں ۔

6.6.1 (الف) کُلی برتری (Absolute Advantage)

بین الاقوامی تجارت کا نظریہ کُلی برتری بالحاظ مصارفِ آدم سمتھ نے پیش کیا ۔ اس نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں ۔ کہ جب دو ممالک اور دو اشیاء کی امکانی پیداوار زیر غور ہو ۔ اور ان میں سے ایک ملک کسی ایک شے کو مطلق کم مصارف (یعنی مطلق زیادہ مقدار میں) پیدا کر سکتا ہو۔ جبکہ دوسرا ملک ، دوسری شے کو مطلق کم مصارفِ پر تیار کر سکتا ہو۔ تو اس صورت میں ہر ایک ملک کو متعلقہ شے کی پیداوار میں مصارف کے لحاظ سے کُلی برتری حاصل ہوگی اور ہر ملک اپنی تخصیصی

پیداوار کا انتخاب بآسانی کر سکے گا۔ تخصیص کار کے نتیجے میں دونوں ملکوں کی مجموعی پیداوار بڑھے گی ۔ اور وہ تجارت سے منافع کم سکیں گے۔ اس کی وضاحت کے لیے ہم ایک ریاضیاتی مثال پیش کرتے ہیں ۔

	کپاس	گھڑیاں
پاکستان	4 من	2 عدد
جاپان	2 من	4 عدد

فرض کیجئے کہ پاکستان میں محنت کی ایک اکائی لگا کر ایک خاص عرصہ وقت میں 4 من کپاس پیدا کی جاسکتی ہے ۔ یا پھر محنت کی ایک اکائی لگا اتنے ہی وقت میں 2 عدد گھڑیاں تیار کی جاسکتی ہیں ۔ لیکن جاپان میں محنت کی اسی قسم کی ایک اکائی سے اتنے ہی وقت میں 2 من کپاس پیدا کی جاسکتی ہے ۔ یا پھر 4 عدد گھڑیاں تیار کی جاسکتی ہیں ۔ ظاہر ہے ۔ کہ پاکستان کو کپاس کی پیداوار میں جاپان پر کُلی برتری حاصل ہے ۔ جبکہ جاپان کو گھڑیوں کی پیداوار میں پاکستان پر کُلی برتری حاصل ہے ۔ لہذا کلاسیکی نظریہ تجارت کے مطابق پاکستان کپاس کی پیداوار میں اور جاپان گھڑیوں کی پیداوار میں تخصیص کار حاصل کرے گا ۔ گویا پاکستان گھڑیاں تیار نہیں کرے گا ۔ اور اس کے ہاں محنت کی ایک اکائی فارغ ہو جائے گی ۔ چنانچہ وہ اکائی بھی کپاس کی پیداوار پر لگا دی جائے گی ۔ اسی طرح جاپان کپاس نہیں اگائے گا ۔ اور اس طرح فارغ ہونے والی اکائی گھڑیوں کے بنانے پر لگا دی جائے گی ۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی ملک تخصیص کار حاصل نہ کرے ۔ تو پھر ہر ملک کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے دونوں اشیاء تیار کرنی پڑیں گی۔

آئیے دیکھیں کہ کیا واقعی تخصیص کار حاصل کرنے اور تجارت کرنے سے دونوں ملکوں کی مجموعی پیداوار بڑھ جاتی ہے ۔

تخصیص کار اور تجارت ہونے کی صورت میں دونوں ملکوں کی کل پیداوار = 8 من کپاس + 8 عدد گھڑیاں

تخصیص کار اور تجارت نہ ہونے کی صورت میں دونوں ملکوں کی کل پیداوار = 6 من کپاس + 6 عدد گھڑیاں

فرق (یعنی منافع) = 2 من کپاس + 2 عدد گھڑیاں

ثابت ہوا۔ کہ اگر تخصیص کار اور تجارت ہو تو دونوں ملکوں کی کُل پیداوار میں 2 من کپاس اور 2 عدد گھڑیوں کا اضافہ ہو جائے گا ۔ یہی ان کی تجارت کا منافع ہے ۔ جسے وہ آپس میں تقسیم کریں گے ۔ اب پاکستان جاپان کو چار من کپاس دے کر دو سے زیادہ گھڑیاں حاصل کر سکتا ہے ۔ جبکہ جاپان، پاکستان کو 4 عدد گھڑیاں دے کر اس کے عوض دو من سے زیادہ کپاس حاصل کر سکے گا ۔ واضح رہے کہ تجارت میں شریک ممالک کی پیداواروں کے تناسب میں جتنا زیادہ فرق ہو گا ۔ انہیں تجارت کرنے سے اسی قدر زیادہ منافع حاصل ہو گا ۔

پاکستان میں کپاس اور گھڑیوں کی پیداواروں کا تناسب = 4 من کپاس : 2 عدد گھڑیاں
یعنی 1 : 1/2

جاپان میں کپاس اور گھڑیوں کی پیداواروں کا تناسب = 2 من کپاس : 4 عدد گھڑیاں
یعنی 1 : 2

(پیداواروں کے تناسب میں فرق موجود ہے ۔)

6.6.2 (ب) یکساں برتری (Equal Advantage)

اگر دو ممالک اور دو اشیاء کی امکانی پیداوار زیر غور ہو ۔ اور ان کی پیداواروں کا تناسب ایک جیسا ہو ۔ تو دونوں ممالک کو دونوں اشیاء تیار کرنے میں یکساں برتری حاصل ہوگی ۔ اس صورت میں تخصیص کار اختیار کرنے اور تجارت کرنے سے دونوں ممالک کی مجموعی پیداوار اتنی ہی رہے گی اور انہیں تجارت کرنے سے کوئی منافع حاصل نہیں ہو گا ۔ یکساں برتری کی صورت میں دونوں ملکوں کی پیداوار میں جو ایک جیسا مناسب پایا جاتا ہے ۔ اس کی ایک عددی مثال نیچے دیے گئے گوشوارے میں دیکھیے ۔

	کپاس	گھڑیاں
پاکستان	4 من	8 عدد
جاپان	2 من	4 عدد

6.6.3 (ج) تقابلی برتری (Comparative Advantage)

اگر ایک ملک دو اشیاء کسی دوسرے ملک کے مقابلے میں زیادہ مقدار میں پیدا

کر سکے لیکن ان کی پیداواروں کا تناسب مختلف ہو تو برتری کا حامل ملک صرف اس شے کی پیداوار میں تخصیص کار حاصل کرے گا ۔ جس کی پیداوار میں اُسے نسبتاً زیادہ تقابلی برتری حاصل ہو ۔ جبکہ وہ کم برتری والی شے کی تخصیص کار وہ دوسرے ملک کے حوالے کر دے گا ۔ اس صورت میں تخصیص کار حاصل کرنے اور تجارت کرنے سے دونوں ملکوں کی مجموعی پیداوار پہلے سے بڑھ جائے گی اور انہیں تجارت کرنے سے منافع حاصل ہوگا ۔

عملی زندگی میں عام طور پر یہی صورت حال مختلف ممالک کو درپیش ہوتی ہے ۔ تقابلی برتری کی اہمیت کے پیش نظر ریکارڈو نے اس کے بارے میں ایک قانون وضع کیا جسے قانون تقابلی مصارف یا قانون نسبتی مصارف کہتے ہیں ۔ اسے نظریہ تقابلی مصارف بھی کہا جاتا ہے ۔ اب ہم اس قانون کی وضاحت پیش کرتے ہیں ۔

6.6.4 قانون تقابلی مصارف (Law of Comparative Costs)

اگر دو ممالک اور دو اشیاء کی امکانی پیداوار زیر غور ہو اور اُن میں سے ایک ملک دوسرے ملک کے مقابلے میں دونوں اشیاء بنانے میں برتری رکھتا ہو تو پھر بھی اسے دونوں اشیاء تیار نہیں کرنی چاہیں ۔ بلکہ اُسے ان میں سے اُس شے کو برائے تخصیص کار منتخب کرنا چاہیے جس کی پیداوار میں اُسے زیادہ تقابلی برتری حاصل ہو ۔ (بشرطیکہ ان ممالک کی پیداواروں کی تناسب میں فرق ہو) ۔ برتری رکھنے والے ملک کو جس شے کی پیداوار میں نسبتاً کم برتری حاصل ہے اُس کی تخصیص دوسرے ملک کے حوالے کر دی جانی چاہیے ۔ ایسا کرنے سے اُن ممالک کی مجموعی پیداوار بڑھ جائے گی اور اُنہیں تجارت کرنے سے منافع حاصل ہوگا ۔

متذکرہ بالا صورت میں تخصیص کار کا فیصلہ بظاہر عجب معلوم ہوتا ہے ۔ اور یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی ملک کو خوش قسمتی (Fortunately) سے دونوں اشیاء کی پیداوار اور مصارف میں برتری حاصل ہے ۔ تو وہ آخر دونوں اشیاء کیوں نہ پیدا کرے ۔ لیکن یہ خیال درست نہیں ہم روزمرہ کی زندگی میں قانونِ تقابلی مصارف پر عمل کرنے کے فائدے کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں ۔ مثلاً ایک ایسا درزی جس کے سلے ہوئے کپڑوں کی طلب زیادہ ہو وہ بٹن لگانے کا کام خود کرنے کی بجائے اس کے لیے

ایک شاگرد ملازم رکھ لیتا ہے اور اُسے اُس کام کا معاوضہ دیتا ہے ۔ اب غور کیجیے کہ وہ درزی خود بٹن لگا کر شاگرد کے معاوضے کی رقم کیوں نہیں بچا لیتا ۔ درزی کپڑوں کی سلائی اور بٹن (Button) ٹانکنے کے کاموں میں سے ہر کام اپنے شاگرد کے مقابلے میں بہتر طور پر سر انجام دے سکتا ہے ۔ پھر اُسے بٹن ٹانکنے والا شاگرد ملازم رکھنے کی کیا ضرورت ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ درزی کو کپڑے سینے اور بٹن ٹانکنے میں سے ہر دو کاموں میں اپنے شاگرد پر تقابلی برتری حاصل ہے ۔ لیکن اُسے سلائی کے کام میں نسبتاً زیادہ تقابلی برتری حاصل ہے ۔ چنانچہ بٹن ٹانکنے کے لیے شاگرد بھرتی کرنے سے درزی کا جو قیمتی وقت بچتا ہے ۔ اس میں وہ سلائی کا کام کر کے اس قدر آمدنی حاصل کر سکتا ہے کہ شاگرد کی تنخواہ ادا کرنے کے بعد اُس کے پاس زائد رقم بچ جاتی اور اس طرح وہ مالی طور پر فائدے میں رہتا ہے ۔

یہی حالت مختلف ممالک کی امکانی پیداواروں میں سامنے آتی ہے ۔ مثلاً امریکہ جاپان کے مقابلے میں موٹر سائیکل سازی اور معدنی کوئلے (Mineralcoal) کی پیداوار میں سے ہر ایک میں تقابلی برتری رکھتا ہے ۔ لیکن چونکہ امریکہ کو معدنی کوئلے کی پیداوار میں نسبتاً برتری حاصل ہے ۔ اس لیے وہ اس کی پیداوار میں تخصیص کار حاصل کر چکا ہے جبکہ وہ ضرورت کے موٹر سائیکل جاپان سے درآمد کرتا ہے ۔ اس تجارت میں دونوں ممالک کو منافع حاصل ہوتا ہے ۔

اب ہم قانون تقابلی مصارف کی توضیح کے لیے ایک ریاضیاتی مثال پیش کرتے ہیں ۔

	چاول	ریشمی کپڑا
تائیوان	12 من	12 میٹر
پاکستان	8 من	4 میٹر

فرض کیجیے کہ تائیوان میں محنت کی ایک اکائی سے ایک خاص عرصہ وقت میں 12 من چاول پیدا کیے جا سکتے ہیں ۔ یا پھر 12 میٹر کپڑا (ریشمی) تیار کیا جا سکتا ہے ۔ جبکہ پاکستان میں محنت کی ایک اکائی اتنے ہی وقت میں 8 من چاول پیدا کر سکتی

ہے یا پھر 4 میٹر کپڑا تیار کر سکتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ تائیوان کو پاکستان کے مقابلے میں دونوں اشیاء پیدا کرنے میں تقابلی برتری حاصل ہے ۔ لیکن قانونِ تقابلی مصارف کی رو سے تائیوان دونوں اشیاء تیار نہیں کرے گا جس میں اُس کی تقابلی برتری زیادہ ہے ۔ جبکہ وہ کم تقابلی برتری والی شے کی پیداوار کی تخصیص پاکستان کے حوالے کر دے گا ۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ تائیوان کو کسی شے کی پیداوار میں نسبتاً زیادہ برتری حاصل ہے ۔ ہم پیداواروں کے تناسب کا طریقہ استعمال کرتے ہیں ۔ تائیوان میں چاول اور ریشمی کپڑے کی پیداواروں کا تناسب = 12 من : 12 میٹر یعنی 1 من : 1 میٹر ہے ۔ جبکہ پاکستان میں چاول اور ریشمی کپڑے کی پیداواروں کا تناسب 8 من = 4 میٹر یعنی 1 من : 1/2 میٹر ہے ۔ پیداواروں کے تناسب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تائیوان میں ایک من کے مقابلے میں ریشمی کپڑے کی پیداوار کا نسبتی عدد بڑا ہے ۔ اس لیے اسے ریشمی کپڑے کی پیداوار کا نسبتی عدد بڑا ہے ۔ اس لیے اسے ریشمی کپڑے کی پیداوار میں نسبتاً زیادہ برتری حاصل ہے ۔ دریں حالات تائیوان ریشمی کپڑے کی پیداوار میں اور پاکستان چاول کی پیداوار میں تخصیص کار حاصل کرے گا ۔

اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ قانونِ تقابلی مصارف پر عمل کرتے ہوئے تجارت کرنے سے ان دونوں ممالک کی مجموعی پیداوار میں کتنا اضافہ ہوگا اور انہیں کس قدر منافع ملے گا ۔

تخصیص کار اور تجارت کی صورت میں دونوں ملکوں کی مجموعی پیداوار = 16 من چاول + 24 میٹر کپڑا

تخصیص کار اور تجارت نہ ہونے کی صورت میں دونوں ملکوں کی مجموعی پیداوار = 20 من چاول + 16 میٹر کپڑا

فرق (منافع) -4 من چاول + 8 میٹر کپڑا

چنانچہ معلوم ہوا کہ تخصیص کار اور تجارت کی صورت میں دونوں ملکوں کی چاول کی پیداوار میں 4 من کی کمی اور کپڑے کی پیداوار میں 8 میٹر کا اضافہ ہوا ہے ۔ چنانچہ سردست یہ نہیں کہا جاسکتا کہ -4 من چاول + 8 میٹر ریشمی کپڑا ایک مثبت مقدار ہے یا

منفی یہ معلوم کرنے کے لیے ہمیں منفی علامت کی پیداوار کی مالیت کو مثبت علامت والی پیداوار میں بدلنا ہوگا ۔ پیداواروں کے تناسب سے ظاہر ہے کہ تائیوان میں ایک من چاول کی مالیّت ایک میٹر کپڑے کے برابر ہے ۔ جبکہ پاکستان میں ایک من چاول کی مالیت 1/2 میٹر کپڑے کے برابر ہے ۔ گویا دونوں ممالک کو مدّنظر رکھتے ہوئے ایک من چاول کی زیادہ سے زیادہ مالیّت ایک میٹر کپڑے کے برابر ہے ۔ اس لیے 4 من چاول کی زیادہ سے زیادہ مالیّت 4 میٹر کپڑے کے برابر ہوگی ۔ ہم مجموعی پیداواروں کے حاصل فرق کی سطر میں 4- من چاول کی بجائے 4 میٹر کپڑا لکھ سکتے ہیں ۔ چنانچہ

فرق = 4- میٹر کپڑا + 8 میٹر کپڑا

فرق (منافع) = 4 میٹر کپڑا

ثابت ہوا کہ قانونِ تقابلی مصارف کے مطابق عمل کرنے سے دونوں ممالک میں محنت کی دو اکائیوں کی مجموعی پیداوار میں چار میٹر کپڑے کا اضافہ ہوا ہے ۔ یہی ان کی تجارت کا منافع ہے ۔ جسے دونوں ممالک آپس میں تقسیم کریں گے ۔ قومی معیشت کی سطح پر جب دونوں ممالک میں محنت کی لاکھوں اکائیاں تخصیصی پیداواروں میں استعمال کی جائیں گی تو انہیں لاکھوں میٹر کپڑے یا اس کی مالیّت کے برابر منافع حاصل ہوگا ۔

6.6.5 قانون تقابلی مصارف پر تنقید
(Criticism on Law of Comparative Cost)

ڈیوڈ ریکارڈو (David Ricardo) نے یہ قانون آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل پیش کیا تھا ۔ اس طویل عرصے میں بین الاقوامی تجارت کی ہئیت منڈی کے حالات اور تجارتی اصولوں میں زبردست تبدیلیاں واقع ہوچکی ہیں ۔ چنانچہ جدید دور میں اس نظریے کی عملیّت (Practicability) کے بارے میں متعدّد اعتراضات کیے جا سکتے ہیں ۔ اس نظریئے کی حدود بندیاں مندرجہ ذیل ہیں ۔

(i) مصارف پیدائش میں اُجرت کا حصّہ : ریکارڈو کا موقف یہ تھا کہ کسی شے کی مصارف میں محنت کی اُجرت کا حصہ نمایاں ہوتا ہے ۔ اس بُنیاد پر موصوف نے قدر کا نظریہ محنت پیش کیا ۔ جسے جدید دور کے ماہرین اقتصادیات مسترد کر چکے ہیں ۔

موجودہ دور صنعتی ترقی کا دور ہے ۔ اور زیادہ تر اشیاء کے مصارف میں سرمائے اور تنظیم کی لاگت نسبتاً زیادہ ہوتی ہے ۔

(ii) محنت کی نقل پذیری : اس نظریے میں یہ بھی فرض کیا گیا ہے کہ ایک ہی ملک کے اندر تو محنت کی حرکت پذیری بہت زیادہ ہوتی ہے ۔ لیکن مختلف ممالک کے درمیان محنت کی حرکت پذیری نہیں ہوتی ۔ سویڈن کے معیشت دان برٹل اوہلن (L ertil Ohlin) نے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ حقیقت میں ایک ہی ملک کے اندر مختلف پیشوں اور مختلف علاقوں کے درمیان محنت میں اس قدر زیادہ حرکت پذیری نہیں پائی جاتی جتنی کہ ریکارڈو نے فرض کی ہے ۔ اور نہ ہی مختلف ممالک کے درمیان محنت کی حرکت پذیری اس قدر کم ہے کہ ریکارڈو کے نظریئے کو درست مان لیا جائے ۔

(iii) مزدوروں کی پیداواری صلاحیت : ریکارڈو نے یہ بھی فرض کر لیا کہ ملک کے تمام مزدوروں کی پیداواری صلاحیت یکساں ہوتی ہے یہ مفروضہ حد درجہ غیر حقیقت پسندانہ ہے ۔

اگر دو جڑواں بھائیوں کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں اور خلوص کار میں فرق ہو سکتا ہے ۔ تو ملک کے تمام مزدوروں کی استعدادِ کار کیسے یکساں ہو سکتی ہے ۔

(iv) قانونِ یکسانی مصارف : یہ نظریہ اس مفروضے پر بھی قائم ہے کہ تمام ممالک میں پیداواری عمل قانونِ یکسانی مصارف کے تابع ہوتا ہے ۔ یہ ناممکن ہے حقیقت یہ ہے کہ مختلف پیداواری شعبوں میں مختلف قوانین مصارف لاگو ہوتے ہیں ۔ بلکہ ایک پیداواری یونٹ کی پیداوار اور توسیع کے مختلف مراحل پر مختلف قوانین مصارف لاگو ہو سکتے ہیں۔

(v) دو ممالک اور دو اشیاء کی پیداوار : ریکارڈو نے یہ نظریہ دو ممالک اور دو اشیاء کی امکانی پیداواروں کے حوالے سے پیش کیا ہے ۔ یہ مفروضہ ضرورت سے زیادہ سادہ ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک ملک کے تجارتی روابط بیک وقت کئی ممالک سے قائم ہوتے ہیں ۔ اور تخصیص کار کے تعین کے لیے تمام ممالک کے پیداواری امکانات کو مدنظر رکھا جائے گا ۔

(vi) نقل و حمل کے اخراجات : ۔ اس نظریئے میں یہ بھی فرض کیا گیا ہے کہ بین

الاقوامی تجارت میں اشیاء کی نقل و حمل پر نہایت معمولی اخراجات آتے ہیں ۔ چنانچہ اِن اخراجات کو مصارف کے لحاظ سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے ۔ جدید دور میں نقل و حمل کے اخراجات اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ اگر انہیں مصارف میں شامل کر لیا جائے تو تخصیص کار اور تجارت کا رخ ہی بدل جائے ۔

(vii) خدمات کی تجارت : اس نظریئے میں صرف اشیاء کی تجارت کا ذکر ہے ۔ لیکن خدمات کے لین دین کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ موجودہ دور میں خدمات کی تجارت حجم مجموعی تجارت کا بھاری بھرکم حصّہ ہوتا ہے ۔ چنانچہ یہ نظریۂ موجودہ حالات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا ۔

(viii) آزادانہ تجارت : یہ نظریہ اشیاء کی آزادانہ تجارت کے مفروضے پر مبنی ہے ۔ لیکن موجودہ زمانے میں کسی ملک کی تجارت سرکاری پابندیوں سے آزاد نہیں ہے ۔ حکومت توازنِ تجارت اور توازنِ ادائیگی کو موافق بنانے کے لیے درآمدات پر کئی قسم کی پابندیاں عائد کرتی ہے ۔ نیز بعض ضروری اشیاء کی برآمد پر بھی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں ۔

(ix) ادائیگیوں کا خود کار نظام : ادائیگیوں کا خود کار نظام صرف اس صورت میں موجود ہو سکتا ہے ۔ جب تمام ممالک میں طلائی معیارِ زر رائج ہو ۔ طلائی معیارِ زر کا زمانہ ماضی بعید میں رائج رہا ہے ۔ اور اب درآمدات و برآمدات کی ادائیگیاں چکانے کے لیے کرنسیوں کا تبادلہ کرنا پڑتا ہے ۔ نیز مرکزی بنک سے زر مبادلہ حاصل کرنے کے لیے کئی شرائط پوری کرنی پڑتی ہیں ۔ چنانچہ اسی نظریے کے لیے قائم کردہ ادائیگیوں کے خود کار نظام کا مفروضہ بھی غلط ہے ۔

(x) مکمل مقابلہ ، کامل روزگار اور معاشی استحکام : اس نظریہ کا اطلاق ایسی معیشتوں پر ہوتا ہے جن میں مکمل مقابلہ اور کاملِ روزگار موجود ہو نیز افراطِ زر اور تفریط زر کی کیفیات نہ پائی جاتی ہوں ۔ایسی مثالی معیشت حقیقی دنیا میں قائم نہیں ہو سکتی ۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اشتراکی معیشتوں میں کاملِ روزگار اور معاشی استحکام تو موجود ہے ۔ لیکن مکمل مقابلہ سرے سے ہی ناپید ہے ۔ جبکہ سرمایہ دارانہ اور مخلوط معاشی نظام کی حامل معیشتوں میں نہ مکمل مقابلہ ہے نہ کامل روزگار اور نہ ہی معاشی استحکام ۔

(xi) **صارفین کا ذوق :** ریکارڈو کا ایک مفروضہ یہ بھی تھا کہ تجارت کرنے والے ممالک میں صارفین کے ذوق میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ۔ حالانکہ ذوض کا تعلق ہمیشہ ایک خاص وقت یا دور کے معاشی اور تہذیبی حالات سے ہوتا ہے ۔ اور چونکہ یہ حالات ساکن نہیں رہ سکتے اس لیے یہ مفروضہ بھی ناقابل قبول ہے ۔

6.7 آزاد تجارت اور تامین (Free Trade and Protection)

آزاد تجارت سے مراد بین الاقوامی تجارت کی وہ پالیسی ہے جس کے تحت درونِ ملک تیار کردہ اور غیر ممالک میں تیار کردہ تجارتی اشیاء میں کوئی تمیز روا نہیں رکھی جاتی ۔ چنانچہ آزاد تجارت کی پالیسی پر عمل کرنے والے ملک کی حکومت نہ تو غیر ملکی اشیاء پر کوئی پابندی عائد کرتی ہے ۔ اور نہ ہی وہ اشیاء تیار کرنے والے ملکی آجروں کو کوئی رعایت دیتی ہے ۔ آزاد تجارت کے سب سے بڑے علمبردار آدم سمتھ اور ڈیوڈ ریکارڈو تھے ۔ جن کی رائے یہ تھی کہ آزاد تجارت تخصیص کار کے مواقع فراہم کرتی ہے ۔ ملک کی برآمدات بڑھتی ہیں ۔ اور بین الاقوامی تجارت سے خوب منافع حاصل ہوتا ہے ۔ ریکارڈو نے اپنے نظریۂ بین الاقوامی تجارت کی بُنیاد آزاد تجارت کے تصور پر رکھی ۔ آج بھی مغرب کی سرمایہ دارانہ معیشتوں کے بہت سے مدبرین اور معیشت دان آزاد تجارت کے نظریئے کے حامی ہیں ۔

تامین کی پالیسی آزاد تجارت کی ضد ہے ۔ تامین سے مراد کسی ملک کی تجارت خارجہ کی وہ پالیسی ہے ، جس کے تحت حکومت اندرونِ ملک بنائی گئی اشیاء کو درآمدی اشیا کے مقابلے سے بچانے کیلیے بھاری درآمدی محصولات (Import Tariffs) عائد کرتی ہے ۔ نیز ایسی اشیاء کے کی محدود مقداروں کے درآمدی کوٹے مقرر کرتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آزاد تجارت کی پالیسی پر عمل کرنے والی حکومتیں درآمدات پر کوئی محصولات عائد نہیں کرتیں ۔ ایسی حکومتیں صرف آمدنیاتی محصولات (Revenue Tariffs) عائد کرتی ہیں ۔ درآمدات پر عائد کیے گیے محصولات ہلکے پھلکے ہوتے ہیں ۔ اور ان کا مقصد صرف سرکاری خزانے کے لیے آمدنی مہیّا کرنا ہوتا ہے ۔ جبکہ تامین کی پالیسی پر عمل کرنے والی حکومتیں درآمدات پر تحفظاتی محصولات (Protective Tariffs) عائد کرتی ہیں ۔ جن کی شرح بلند ہوتی ہے اور مقصد درآمدات کی حوصلہ شکنی کرنا ہوتا

ہے ۔ تامین کے نظریے کے بانی امریکہ کے الیگزنڈر ہیملٹن (Alexander Hamilton) ہنری کیرے (Henry Carey) اور جرمنی کے فریڈرک لسٹ (Fredreck List) تھے ۔ لیکن عظیم عالمی بحران (1933-1929) اور جنگِ عظیم دوئم کے دوران اور بعدازاں پیدا ہونے والے معاشی حالات نے تامین کے مدّاحوں کی تعداد میں بہت اضافہ کیا ۔ حتّٰی کہ جے ۔ ایم ۔ کینز (J.M.Keynes) نے تامین کے جواز کی حمائت کی تاہم یہ سوال کہ آزاد تجارت بہتر ہے یا تامین ؟ سیاستدانوں ، مدبرین اور معیشت دانوں کے درمیان ایک مسلسل اور گرما گرم بحث کا موضوع بنا ہوا ہے ۔ ذیل میں ہم یہ دیکھیں گے کہ آزاد تجارت کے حق میں اور تامین کے حق میں کیا دلائل دیئے جاتے ہیں ۔

6.7.1 آزاد تجارت کے حق میں دلائل
(Arguments in Favour of Free Trade)

آزاد تجارت کے حق میں مندرجہ ذیل دلائل دیے جاتے ہیں ۔

(i) تخصیص کار کے فوائد : کلاسیکی معیشت دانوں کا دعویٰ تھا کہ آزاد تجارت میں ہر ملک کو ایسی اشیاء کی پیداوار میں تخصیص کار حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے ۔ جنہیں وہ دوسرے ممالک کے مقابلے میں کم لاگت سے تیار کر سکتا ہے۔ تخصیص کار کے نتیجے میں معیشت کے برآمدی شعبوں میں ٹیکنالوجی ترقی پاتی ہے ۔ کارکنوں کی مہارت بڑھتی ہے ۔ قومی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے ۔ برآمدات کی طلب بڑھتی ہے ۔ اور بین الاقوامی تجارت سے کثیر منافع حاصل ہوتا ہے ۔

(ii) سستی اشیاء کی فراوانی : اگر تمام ممالک آزاد تجارت کی پالیسی پر عمل کریں تو عالمی منڈی میں مختلف ممالک کی تخصیصی اشیاء فراوانی سے دستیاب ہوں گی اور مزید سستی ہوں گی ۔ چنانچہ ان کی طلب اور اس کے صرف میں اضافہ ہوگا ۔ جس سے ان کی پیداوار میں مزید اضافہ کرنے کی ترغیب ملے گی ۔ دریں حالات تمام ممالک کی پیداوار بڑھ جانے سے ملکی سطح پر اور بین الاقوامی سطح پر پیداوار روزگار اور معیارِ زندگی میں اضافہ ہوتا جائے گا ۔

(iii) اجارہ داریوں کا قیام ناممکن : آزاد تجارت کے حالات میں کسی بھی ملک کی منڈی میں دیگر ممالک کی بنی ہوئی اشیاء فروخت کی جاسکتی ہیں ۔ چنانچہ مقابلے کے حالات

میں کسی ملک میں اجارہ داریاں قائم نہیں ہو سکتیں ۔ اور نہ ہی عوام ایسی اجارہ داریوں کے استحصال کا شکار ہو سکتے ہیں ۔

(iv) خام مال کی سہل دستیابی : آزاد تجارت کی موجودگی میں تمام ممالک کے لیے خام مال کی دستیابی سہل ہوتی ہے ۔ جو ممالک خام مال کی پیداوار میں تخصیص کار حاصل کرتے ہیں ۔ اُن سے کوئی بھی ملک خام مال خرید سکتا ہے ۔ چنانچہ صنعتی ممالک کے کارخانوں کو کثیر مقدار میں اور ارزاں قیمت یا نرخوں پر خام مال میسر آتا ہے۔

(v) توازنِ تجارت کی خودکار درستگی : آزاد تجارت کے حامیوں کی ایک اور دلیل بھی ہے کہ اگر تمام ممالک آزاد تجارت کے نظریے پر صحیح معنوں میں عمل کریں تو کسی ملک کا توازنِ تجارت طویل عرصہ کے لیے خراب نہیں رہ سکتا ۔

6.7.2 تامین کے حق میں دلائل
(Arguments in Favour of Protection)

تامین کی پالیسی کے حق میں یہ دلائل دیئے جاسکتے ہیں ۔

(i) معاشی استحکام : اگر دنیا میں آزاد تجارت کا اصول اپنا لیا جائے تو معیشتوں کا ایک دوسرے پر انحصار بڑھتا جاتا ہے ۔ اور اگر کسی ایک معیشت میں افراطِ زر یا سردبازاری کے مسائل پیدا ہو جائیں تو وہ لامحالہ طور پر دیگر معیشتوں میں بھی منتقل ہو جاتے ہیں ۔ اور اس طرح معاشی عدم استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر تامین کی پالیسی پر عمل کیا جائے تو درآمدات پر بھاری محصولات عائد کیے جاتے ہیں ۔ نیز کوٹے مقرر کرکے درآمدات کی مقدار گھٹا دی جاتی ہے ۔ اس صورت میں معیشت بیرونی دنیا کے معاشی عدم استحکام سے محفوظ ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ کسی ملک میں معاشی استحکام قائم رکھنے کے لیے تامین کی پالیسی پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے ۔

(ii) ملکی معیشت کا مفاد : آزاد تجارت کے حامی صرف وہی ملک ہوتے ہیں جن کی صنعتیں پختہ مراحل پر پہنچ چکی ہوتی ہیں ۔ لہذا وہ اپنی فاضل پیداوار کی برآمد میں کوئی رکاوٹ برداشت نہیں کر سکتیں ۔ کمزور معیشتوں کی صنعتیں ترقی کے ابتدائی

کسی ملک کی ایک سال کی تجارتی درآمدات اور برآمدات کی مالیت کے موازنے کو توازنِ تجارت کہتے ہیں ۔

مراحل پر ہوتی ہیں ۔ آزاد تجارت اور مکمل مقابلہ کے حالات میں یہ صنعتیں اپنی مصنوعات بیرونی منڈیوں میں بیچ نہیں سکتی ۔ اس لیے ترقی پذیر ممالک کے معاشی مفاد کی خاطر یہ ناگزیر ہے کہ ایسی صنعتوں کو بیرونی مقابلہ سے تحفظ دیا جائے ۔

(iii) کامل روزگار : جن ممالک کی مختلف صنعتوں میں بے روزگاری پائی جاتی ہے ۔ وہاں ایسی صنعتوں کی توسیع و ترقی کے لیے ساز گار حالات پیدا کرنے اور روزگار میں اضافہ کرنے کے لیے تامین پر عمل کرنا چاہیے ۔ اگر سستی درآمدی اشیاء کی حوصلہ شکنی کی جائے تو ظاہر ہے ملکی صنعتوں کی پیداوار کی طلب بڑھے گی انہیں ترقی کرنے کا موقع ملے گا ۔ اس پھیلاؤ کے نتیجے میں ملک میں روزگار کا معیار بلند ہوگا ۔

(iv) معیشت کا تنوّع اور نوزائیدہ صنعتوں کا تحفظ : کسی معیشت کی ترقی میں توازن پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں صرف چند تخصیصی پیداواری شعبوں کی پیداوار پر انحصار نہ کیا جائے بلکہ مختلف النوع صنعتیں قائم کی جائیں ۔ تاکہ اگر کسی ایک شعبے میں پیداوار گر جائے تو دیگر شعبوں کی پیداوار بڑھا کر اس کا ازالہ کیا جاسکے ۔ اس مقصد کے لیے متعدّد نئی صنعتوں کا قیام ضروری ہے ۔ لیکن آزاد تجارت کی فضا میں نئی اور نوزائیدہ صنعتیں کبھی پروان نہیں چڑھ سکتیں پختہ معیشتوں کی بہتر اور سستی مصنوعات ترقی پذیر ممالک کی صنعتوں کو نوزائیدگی کے دوران ہی ناکام کر دیتی ہیں ۔ دریں حالات نوزائیدہ صنعتوں کے تحفظ کے لیے بھی تامین ضروری ہوتی ہیں ۔

(v) خود کفالت : کسی ملک کی عافیت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اُسے چند ضروری قسم کی پیداواروں میں خود کفیل ہونا چاہیے خواہ ایسی پیداواروں کی لاگت زیادہ ہی کیوں نہ ہو ۔ ان پیداواروں میں غلّہ تیار کردہ خوراکیں ، خام مال ، سلمان دفاع اور ادویّہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

(vi) تامین کا جواب تامین : جب دُنیا کے مختلف ممالک نے تامین کی پالیسی اپنا رکھی ہو تو دیگر ممالک کے لیے آزاد تجارت کی پالیسی پر عمل درآمد کرنا بے سود ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ ایسے حالات میں آزاد تجارت کی حامی معیشتیں توازنِ تجارت کے خسارے میں مبتلا ہو جاتی ہیں ۔ اور ان پر غیر ملکی قرضداری کا بوجھ بڑھا جاتا ہے ۔ نیز ان معیشتوں کے کچھ نہایت ضروری شعبے تشنہ ترقی رہ جاتے ہیں ۔

6.8 توازنِ تجارت بمقابلہ توازنِ ادائیگی : دنیا کا کوئی ملک ہر لحاظ سے خود کفیل نہیں ہو سکتا ۔ ہر ملک کو بیرونی دنیا سے کچھ نہ کچھ درآمد کرنا پڑتا ہے ۔ اور درآمدات کی قیمت چکانے کے لیے جو زرِ مبادلہ یا (سونا) درکار ہوتا ہے ، اُسے حاصل کرنے کے لیے اُسے کچھ اشیاء برآمد بھی کرنی پڑتی ہیں ۔ ایک ملک کی ہر برآمد اُس کے لیے زرمبادلہ کی آمدنی کا باعث ہوتی ہے جبکہ ہر درآمد زرمبادلہ کے خرچ کا موجب بنتی ہے ۔ معاشی صحت مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ملک کو حتی الامکان یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اُس کی برآمدات درآمدات کا معابلے میں زیادہ ہوں تاکہ ایک خاص عرصہ وقت کے دوران ملک کو زرمبادلہ کی آمدنی تو زیادہ حاصل ہو لیکن اُسے زرمبادلہ کی نسبتاً کم مقدار سے محروم ہونا پڑے ۔ دریں حالات ملک میں زرمبادلہ کے ذخائر بڑھ جاتے ہیں اور معیشت کے تمام شعبوں پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔

درآمد اور برآمد کی جانے والی اشیا دو قسم کی ہوتی ہیں:

اول

مرئی درآمدات و برآمدات : (Visible Imports and Exports)

یہ وہ اشیاء ہوتی ہیں جو تجارتی مال کی شکل میں ہوتی ہیں ۔ جو وجود رکھتی ہیں اور جن کی برآمدی اور درآمدی مقدار کا بندرگاہ پر باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے ۔ مثلاً پاکستان ہر سال بھاری مقدار میں چاول ، کپاس ، سوتی تاگہ ، سوتی کپڑا ، کھیلوں کا سامان اور دیگر مصنوعات برآمد کرتا ہے ۔ اسی طرح پاکستان پٹرولیم ، کیمیائی اشیاء ، مشینیں ، آلات اور گاڑیاں وغیرہ درآمد کرتا ہے ۔ یہ تمام مرئی اشیاء ہیں ۔

دوم

غیر مرئی درآمدات و برآمدات (Invisible Imports and Exports)

بعض درآمدات و برآمدات ایسی ہوتی ہیں جو اشیاء کی طرح نظر آنے والی نہیں ہوتیں ۔ تاہم یہ ایسے لین دین پر مشتمل ہوتی ہیں ۔ جن کی وجہ سے بھاری رقوم کسی ملک سے واجب الادا قرار پاتی ہیں یا اس کے لیے واجب الوصول ہو جاتی ہیں ۔ غیر مرئی مدات (Invisible Items) میں غیر ملکی تجارتی کمپنیوں کی خدمات کے معاوضے بیرونِ ملک سیر و سیاحت کے اخراجات یا بیرونِ ملک تعلیمی اخراجات وغیرہ شامل ہوتے ہیں ۔

توازنِ تجارت (Balance of Trade)

کسی ملک کی ایک سال کے دوران ہونے والی مرئی درآمدات و مرئی برآمدات کی مالیت کے موازنے کو اُس کا توازنِ تجارت کہتے ہیں ۔ اگر سال بھر کی مرئی درآمدات و مرئی برآمدات کی مالیت یکساں ہو تو توازنِ تجارت متوازن ہوتا ہے ۔ اگر سال بھر کی مرئی برآمدات کی مالیت مرئی درآمدات کی مالیت سے زیادہ ہو تو توازن تجارت فاضل ہوتا ہے ۔ اور اگر اِس مدت کے دوران مرئی برآمدات کی مالیت تو کم ہو لیکن مرئی درآمدات کی مالیت زیادہ ہو تو توازنِ تجارت خسارے والا یا غیر موافق ہوتا ہے۔

توازنِ ادائیگی (Balance of Payments)

کسی ملک کی ایک سال کے عرصے میں ہونے والی تمام مرئی و غیر مرئی درآمدات اور تمام مرئی و غیر مرئی برآمدات کی مالیت کے موازنے کو اس ملک کا توازنِ ادائیگی کہتے ہیں ۔

توازنِ تجارت کی طرح توازنِ ادائیگی کی بھی تین صورتیں ہیں ۔ یعنی متوازن توازنِ ادائیگی فاضل توازنِ ادائیگی اور خسارے والا یا غیر موافق توازنِ ادائیگی ۔

جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ توازنِ تجارت میں صرف مرئی درآمدات و برآمدات درج کی جاتی ہیں ۔ جبکہ توازنِ ادائیگی میں مرئی اور غیر مرئی دونوں قسم کی درآمدات و برآمدات شامل کی جاتی ہیں ۔ چنانچہ توازنِ تجارت توازنِ ادائیگی کا ایک حصّہ ہوتا ہے ۔ لیکن دیگر ممالک کے ساتھ کسی ملک کے معاشی لین دین کا جامع اور مکمل ریکارڈ تو توازنِ ادائیگی ہوتا ہے نہ کہ توازنِ تجارت یہ ممکن ہے کہ کسی ملک کا توازنِ تجارت فاضل ہو لیکن اس کے باوجود توازنِ ادائیگی خسارے میں ہو ۔ مرئی مدّات غیری مرئی مدّات کے مقابلے میں کافی زیادہ مالیت کی ہوتی ہیں اس لئے عموماً اگر کسی ملک کا توازن تجارت فاضل ہو تو اِس کا توازن ادائیگی بھی فاضل ہوتا ہے ۔ تاہم تمام حالات میں ایسا ہونا ضروری نہیں ۔

6.8.1 توازنِ ادائیگی کی مدّات (Items of Balance of Payments)

توازن ادائیگی کے حساب میں مندرجہ ذیل مدّات شامل ہوتی ہیں ۔

1- مرئی مدّات (توازن تجارت) : توازنِ ادائیگی کا نمایاں حصہ مرئی درآمدات و برآمدت پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس حصے کو توازنِ تجارت کہتے ہیں ۔

2- غیر مرئی مدّات : غیر مرئی مدّات مندرجہ ذیل ہوتی ہیں ۔ ان مدّات کی بھی تمام تر وصولیاں اور ادائیگیاں زرِمبادلہ میں ہوتی ہیں۔

(الف) غیر ملکی کاروباری اداروں کی خدمات : کسی ملک میں کئی غیر ملکی کاروباری ادارے مثلاً بنک ،بیمہ کمپنیاں ، جہازراں کمپنیاں ، دوا ساز کمپنیاں وغیرہ خدمات سرانجام دیتے ہیں ۔ وہ سال بھر میں بھاری آمدنی کماتے ہیں ۔ یہ ادارے اپنی کمائی گئی رقوم زرمبادلہ کی شکل میں اپنے وطن کوارسال کر دیتے ہیں ۔ جس ملک کے لیے ایسی خدمات سرانجام دی جاتی ہیں ۔ یہ رقوم اُس کے توازنِ ادائیگی کے گوشوارے میں غیر مرئی درآمد کی مد میں لکھی جاتی ہیں ۔ جبکہ وصول کنندہ ملک میں رقوم توازنِ ادائیگی کے حساب میں غیر مرئی برآمد کی مد میں درج کی جاتی ہیں ۔

(ب) سفارتی اخراجات : تمام ممالک میں تمام دیگر ممالک کے سفارت خانے ہوتے ہیں ۔ ہر ملک کی حکومت اپنے سفارت خانوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے زرمبادلہ میں رقوم ارسال کرتی ہے ۔ یہ رقوم متعلقہ ملک کے لیے غیر مرئی درآمد ہوتی ہیں ۔ جبکہ میزبان ملک کے لیے ایسی تمام رقوم اُسکی غیر مرئی برآمد کی مد سے تعلق رکھتی ہیں ۔

(ج) غیر ممالک میں تعلیمی اخراجات : مختلف ممالک کے طالب علم غیر ممالک کے تعلیمی اداروں سے استفادہ کرتے ہیں ۔ اس سلسلے میں اُن کے اخراجات پورے کرنے کے لیے اُن کے ملک کی حکومت یا اُن کے والدین جو رقوم بھیجتے ہیں وہ میزبان ملک کے لیے غیر مرئی برآمد اور رقوم ارسال کرنے والے (Money Sender) ملک کے لیے غیر مرئی درآمد ہوتی ہے۔

(د) سیر وسیاحت کے اخراجات : پاکستان میں ہر سال ہزاروں سیّاح آتے ہیں ۔ یہاں اخراجات کرنے کے لیے یہ سیاح اپنے ملک سے زرمبادلہ کی شکل میں رقوم لے کر چلتے ہیں ۔ پاکستان میں وہ جس قدر رقوم خرچ کرتے ہیں وہ پاکستان کے لیے غیر مرئی برآمد اور سیاحوں کے وطن کے لیے غیر مرئی درآمد ہوتی ہے ۔

(ہ) حج و زیارت کے لیے اخراجات : دنیا کے مختلف ممالک سے ہر سال لاکھوں مسلمان فریضہ حج ادا کرنے کے لیے سعودیہ (Saudia) جاتے ہیں ۔ یا دیگر اسلامی ممالک میں زیارت کرنے کے لیے جاتے ہیں ۔ ان امور پر ہونے والے اخراجات سعودیہ یا وہ ممالک جہاں زیارات موجود ہیں کے لیے غیر مرئی برآمد کے زمرے سے تعلّق رکھتے ہیں ۔ لیکن جن ممالک سے مسلمان حج اور زیارات لیے جاتے ہیں یہ اخراجات اُن کے لیے غیر مرئی درآمد ہوتے ہیں ۔

(و) سیاسی، تجارتی یا ثقافتی وفود کے اخراجات : پاکستان سے ہر سال کئی وفود سیاسی ، تجارتی یا ثقافتی امور کے سلسلے میں دیگر ممالک کا دورہ کرتے ہیں ۔ ان پر ہونے والے (زر مبادلہ کے) اخراجات پاکستان کے لیے غیر مرئی درآمد اور میزبان ملک کے لیے غیر مرئی برآمد ہوتے ہیں ۔

(ز) غیر ممالک میں مقیم کسی ملک کے باشندوں کی ارسال کردہ رقوم : کسی بھی ملک کو غیر ممالک میں مقیم اس کے باشندے بھاری رقوم ارسال کرتے ہیں ۔ اس وقت پاکستان کے لاکھوں افراد محنت مزدوری کے سلسلے میں غیر ممالک میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور وہ ہر سال اربوں روپے وطن کو ارسال کرتے ہیں ۔ یہ وصولیاں پاکستان کے لیے غیر مرئی برآمد ہیں جبکہ ان ممالک کے لیے جہاں پاکستانی باشندے ٹھیرے ہوئے ہیں یہ رقوم غیر مرئی درآمد ہیں ۔

(ح) غیر ملکی سرمایہ کاری اور اُس پر منافع : پاکستان میں بہت سے غیر ممالک کے باشندوں یا اداروں نے سرمایہ کاری کر رکھی ہے ۔ جب وہ سرمایہ کاری کے لیے اپنی رقوم زر مبادلہ کی شکل میں پاکستان میں منتقل کرتے ہیں تو اُس وقت یہ رقوم پاکستان کے لیے توازنِ ادائیگی میں غیر مرئی برآمد کے طور پر درج کی جاتی ہیں ۔ لیکن جب اس سرمایہ کاری کامنافع متعلقہ غیر ممالک کو ارسال کیا جاتا ہے ۔ تو وہ رقوم پاکستان کے توازن ادائیگی میں غیر مرئی درآمد کے زمرے میں درج کی جاتی ہیں ۔

(ط) غیر ملکی قرضہ اور اس پر واجب الادا سود : پاکستان نے ترقیاتی مقاصد کے لیے بہت سے ممالک سے قرضہ حاصل کر رکھا ہے ۔ جب قرضے کی رقوم پاکستان میں

وصول ہوتی ہیں تو یہ وصولی ہمارے لیے غیر مرئی برآمد ہوتی ہے ۔ لیکن جب ہم قرضہ کی قسط اور واجب الادا سود ادا کرتے ہیں ۔ تو یہ ادائیگی ہمارے لیے غیر مرئی درآمد سے تعلق رکھتی ہے۔

6.8.2 توازنِ تجارت اور توازنِ ادائیگی کا گوشوارہ

سال : توازن تجارت اور توازن ادائیگی کا گوشوارہ (ایک فرضی معیشت)

حصہ (I)

واجب الادا	واجب الوصول	توازن
حسابِ روان (ملین روپے)	حسابِ روان (ملین روپے)	(ملین روپے)
مرئی درآمدات : 400	مرئی برآمدات : 360	توازنِ تجارت : 40-
غیر مرئی درآمدات : 280	غیر مرئی برآمدات : 310	
680	670	توازن ادائیگی : 10- (670 منفی 680)

حصہ (II)

حساب سرمایہ	حساب سرمایہ
غیر ممالک میں حکومتی سرمایہ کاری : 25	غیر ملکی حکومتی سرمایہ کاری : 16
غیر ملکی اداروں کے لیے نجی قرضے : 15	غیر ملکی اداروں سے وصول کردہ نجی قرضے : 19
غیر ملکی حکومتوں کو حکومتی قرضے : 14	غیر ملکی حکومتوں سے وصول کردہ قرضے : 24
54	59
	حساب سرمایہ کا توازن : 5 + (59 منفی 54)

وضاحت : ایک فرضی معیشت کے سال بھر کے غیر ملکی لین دین کے اِس گوشوارے کے حصہ I میں حسابِ رواں (Current Account) کا تخمینہ تیار کیا گیا ہے۔ مرئی درآمدات کی مد میں 400 ملین روپے کی رقم واجب الادا ہے جبکہ مرئی

برآمدات کی مد سے 360 ملین روپے کی رقم واجب الوصول ہے ۔ چنانچہ توازن تجارت میں 40 ملین روپے کا خسارہ ہے۔

اسی سال غیر مرئی درآمدات کے لیے 280 ملین روپے کی رقم واجب الادا ہے جبکہ غیر مرئی برآمدات سے 310 ملین روپے حاصل ہوئے ۔ مرئی اور غیر مرئی درآمدات کا میزان 680 روپے اور دونوں قسم کی برآمدات کا میزان 670 ملین روپے بنتا ہے ۔ دریں حالات ملک کی ادائیگیوں کے توازن میں 10 ملین روپے کا خسارہ ہے ۔گوشوارے کے حصہ II میں حساب سرمایہ (Capital Account) کا تخمینہ تیار کیا گیا ہے ۔ اِس سال حکومت نے غیر ممالک میں 25 ملین روپے کی سرمایہ کاری کی نیز غیر ملکی اداروں کو 15 ملین روپے کے نجی قرضے دیے گیے اور حکومت نے غیر ملکی حکومتوں کو 14 ملین روپے کے قرضے جاری کیے ۔ چنانچہ زرمبادلہ کی مجموعی ادائیگی کی مالیت 54 ملین روپے تھی ۔ تاہم اِس دوران غیر ملکی حکومتوں نے ہماری مفروضہ معیشت میں 16 ملین روپے کی سرمایہ کاری کی غیر ملکی اداروں سے 19 ملین روپے کے نجی قرضے وصول ہوئے جبکہ غیر ملکی حکومتوں سے 24 ملین روپے کے قرضے حاصل کیے گیے ۔ اس طرح حسابِ سرمایہ میں زر مبادلہ کی مجموعی وصولی کی مالیت 59 ملین روپے تھی ۔ اس لیے حسابِ سرمایہ 5 ملین روپے کے برابر فاضل تھا ۔ اس رقم کو توازن ادائیگی کا خسارہ پُر کرنے کے لیے بروئے کار لایا جائے گا پھر بھی توازن ادائیگی میں 5 ملین روپے کا خسارہ باقی رہ جائے گا ۔ چنانچہ بین الاقوامی لین دین کے مجموعی حساب کے حتمی تصفیے کے لیے ملک کے محفوظ اثاثوں کے ذخائر میں سے 5 ملین روپے کا زر مبادلہ ادا کیا جائے گا ۔

واضح رہے کہ اگر حسابِ سرمایہ کی فاضل رقم حسابِ رواں کے خسارے کو پُر کرنے کے لیے ناکافی ہو تو ملک کے سونے اور زر مبادلہ کے ذخائر کا کچھ حصہ بیرونِ ملک منتقل کرنا ہو گا تاکہ مجموعی بین الاقوامی لین دین کا حساب چکایا جاسکے ۔

6.8.3 توازنِ ادائیگی کے خسارے کو دور کرنے کے طریقے : (Measures to Correct Disequilibrium in the Balance of Payments)

اگر کسی ملک کا توازنِ ادائیگی خسارے میں چلا جائے تو خسارے کو دور کرنے کے لیے یہ اقدامات کیے جاسکتے ہیں ۔

(الف) برآمدات میں اضافہ : ادائیگیوں کے توازن کے خسارے کو دور کرنے کے لیے مرئی و غیر مرئی برآمدات میں اضافہ کیا جانا چاہیے ۔ ملکی مصنوعات کی کوالٹی بہتر بنائی جائے ۔ اس کے مصارفِ پیدائش کم کیے جائیں ۔ نئی منڈیاں تلاش کی جائیں ۔ بین الاقوامی میلوں اور نمائشوں میں شرکت کی جائے ۔ غیر روایتی اشیاء کو برآمدات کی فہرست میں شامل کیا جائے ۔ نیز غیر مرئی برآمدات میں اضافہ کیا جائے ۔ اس کے لیے غیر ملکی سیاحوں کے لیے ترغیبات مہیّا کی جائیں ملکی کاروباری اداروں کی خدمات کی بیرونِ ملک فروخت میں اضافہ کیا جائے ۔ اور ملک کی فاضل (Surplus) محنت کو برآمد کیا جائے ۔

(ب) درآمدات میں کمی : درآمدات میں کمی کرنے کے لیے غیر ضروری اشیاء کی درآمد پر پابندی عائد کی جائے ممکنہ حد تک درآمدات کے بدل ملک میں ہی تیار کیے جائیں ملکی ضروریات کے لیے زرعی پیداوار اور صنعتی مصنوعات کی کافی مقدار پیدا کی جائے تاکہ درآمدات پر زیادہ انحصار کرنے کی نوبت نہ آئے ۔ غیر مرئی درآمدات میں بھی کمی کی جائے

(ج) مقدارِ زر میں کمی : کسی ملک کے توازنِ ادائیگی کے خسارے کی ایک بہت بڑی وجہ افراطِ زر ہوتا ہے ۔ اگر اندرونِ ملک مقدارِ زر میں کمی کر دی جائے تو قیمتیں گرنے لگتی ہیں ۔ اور ملکی اشیاء سستی ہو جاتی ہیں ۔ اس لیے زیادہ برآمد کی جاسکتی ہیں ۔ اسی سے توازن ادائیگی کے خسارے کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے ۔

(د) تخفیف قدرِ زر : اگر توازن ادائیگی کی مشکلات درپیش ہوں تو حکومت ملکی زر کی بیرونی قدر میں کمی کا اعلان کر دیتی ہے ۔ اسے تخفیف قدرِ زر (Devaluation) کہتے ہیں ۔ اس کے نتیجے میں برآمدات سستی اور درآمدات مہنگی ہو جاتی ہیں ۔ چنانچہ برآمدات بڑھتی ہیں اور درآمدات گھٹتی ہیں ۔ اور توازنِ ادائیگی کا خسارہ دور ہوجاتا ہے ۔ یا پھر یہ طریقہ اِس خسارے کو کم کرنے کا موجب ضرور بنتا ہے ۔

تخفیفِ قدرِ زر کے طریقے کی خوبی یہ ہے کہ اس سے دو طرفہ اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔ یعنی بیک وقت برآمدات بڑھتی ہیں اور درآمدات گھٹتی ہیں ۔

حکومت پاکستان نے پہلی بار 1955ء میں اور پھر 1972ء میں روپے کی تخفیفِ

قدر کا اعلان کیا تھا تاکہ توازنِ ادائیگی کے خسارے کو کم کیا جاسکے ۔

(ہ) ایکسچینج کنٹرول : اس طریقے کے تحت حکومت تمام برآمدی تاجروں پر پابندی عائد کر دیتی ہے ۔ کہ اُنہیں برآمدات سے جو زرِ مبادلہ حاصل ہو اُسے مرکزی بنک کے پاس جمع کرا دیں ۔ انہیں اس زرِ مبادلہ کے عوض اتنی ہی مالیت کی ملکی کرنسی دے دی جاتی ہے ۔ یہ طریقہ کار ایکسچینج کنٹرول (Exchange Control) کہلاتا ہے ۔ جب تاجر زرِ مبادلہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اپنی مرضی کی اشیاء درآمد نہیں کر سکتے ۔ چنانچہ درآمدات پر بالواسطہ پابندی عائد ہوجاتی ہے ۔ مرکزی بنک اس زرِ مبادلہ کو صرف ضروری اشیاء کی درآمد کے لیے خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے ۔

(و) بین الاقوامی زری فنڈ : توازنِ ادائیگی کے عارضی خسارے کو پُر کرنے کے لیے بین الاقوامی زری فنڈ (International Monetery Fund) کے ممبر اس فنڈ سے غیر ملکی زرِ مبادلہ میں یا فنڈ کی جاری کردہ کرنسی ایس ۔ ڈی ۔ آر (Special Drawing Rights. S.D.R.) میں قرضہ حاصل کرکے اپنے واجبات چکا سکتا ہے ۔

6.9 شرح مبادلہ (Foreign Exchange Rate)

بین الاقوامی تجارت میں درآمد کنندہ ملک کو درآمد کردہ مال کی قیمت چکانے کے لیے اپنی کرنسی کو برآمد کنندہ ملک کی کرنسی میں (یا جس ملک کی کرنسی میں وہ وصول کرنا چاہے) تبدیل کرانا پڑتا ہے ۔ کرنسیوں کا تبادلہ ایک خاص شرح پر کیا جاتا ہے۔

ایک ملک کی شرح مبادلہ سے مراد کسی غیر ملکی کرنسی کی وہ مقدار ہے جو اُس ملک کی کرنسی کی ایک خاص مقدار کے عوض حاصل کی جاسکتی ہے ۔ مثلاً اگر ایک برطانوی پاونڈ (British Pound) پاکستان کے بیس روپے کے عوض خریدا جاسکتا ہے ۔ تو روپے اور پونڈ کی شرح مبادلہ یہ ہوں گی ۔ £ = Rs. 20 جس کے معانی یہ ہیں کہ ایک پاکستانی تاجر کو برطانیہ 100 پاونڈ کی مالیت کی اشیاء خریدنے کے لیے دو ہزار روپے خرچ کرنے پڑیں گے۔ ادائیگی کا طریقہ کار یہ ہوگا ۔ کہ پاکستانی تاجر زرِ مبادلہ کی منڈی (Foreign Exchange Market) سے متذکرہ شرح مبادلہ پر دو ہزار روپے کے عوض ایک سو پونڈ خرید لے گا ۔ اور برطانیہ کے درآمد کنندہ کو یہ رقم بھیج کر ادائیگی طے کر دے گا ۔

6.9.1 معیّن شرح مبادلہ اور لچک پذیر شرح مبادلہ
(Fixed and Floating Exchange Rates)

بین الاقوامی زری فنڈ (International Monetary Fund) نے ممبر ممالک کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ بین الاقوامی ادائیگیوں کی غرض سے معیّن شرح مبادلہ کا نظام یا لچک پذیر شرح مبادلہ کا نظام اپنا سکتے ہیں ۔

معیّن شرح مبادلہ کے نظام کے تحت ایک ملک اپنی کرنسی کی ایک خاص مقدار کو غیر ملکی کرنسی کی ایک خاص مقدار سے وابستہ کر دیتا ہے۔ اور اِس معینہ شرح مبادلہ کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے ۔

لچک پذیر شرح مبادلہ کے نظام سے مراد یہ ہے کہ ملک کی کرنسی کی شرح مبادلہ بین الاقوامی زری منڈی میں اُس ملک کی کرنسی کی طلب اور رسد کے توازن سے طے ہوتی ہے۔ یا پھر اُس ملک کی درآمدات و برآمدات کی مقدار میں کمی بیشی کے نتیجے میں اُسکی کرنسی کی طلب و رسد میں ہونے والے تغیّرات مرّوجہ شرح مبادلہ کو متاثر کرتے ہیں ۔ جب کسی ملک کی درآمدات اُس ملک کی برآمدات سے بڑھ جاتی ہیں اور توازنِ ادائیگی کا خسارہ پیدا ہو جاتا ہے ۔ تو اس کی کرنسی کی شرح مبادلہ گر جاتی ہے ۔ اوراب وہ اپنی کرنسی کی خاص مقدار کے عوض غیر ملکی کرنسی کی کم مقدار خرید سکتا ہے ۔اسے شرح مبادلہ کا گرنا (Depreciation) کہتے ہیں ۔ لیکن اگر ملک کی برآمدات ، درآمدات سے بڑھ جائیں تو اس کا توازن ادائیگی فاضل ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس کی کرنسی کی شرح مبادلہ چڑھ جاتی ہے ۔ اسے شرح مبادلہ کا چڑھنا (Appreciation) کہتے ہیں ۔ واضح رہے کہ توازنِ ادائیگی کے مسلسل خسارے کو دُور کرنے کے لیے بعض اوقات حکومت خود اپنی کرنسی کی بیرونی قدر گِرا دیتی ہے جسے اصلاحاً تخفیفِ زر (Devaluation) کہتے ہیں ۔

6.9.2 معیّن شرح مبادلہ کی میکانیّت
(Mechanism of Fixed Exchange Rate)

معیّن شرح مبادلہ کے نظام میں حکومت ملکی کرنسی کی ایک خاص مقدار کو قوتِ خرید کے لحاظ سے غیر ملکی کرنسی کی ایک خاص مقدار سے وابستہ کر دیتی ہے ۔ اور اسی

معیّن شرح مبادلہ کے عوض تمام تر بیرونی وصولیاں و ادائیگیاں طے کی جاتی ہیں۔ 1982ء سے قبل حکومت پاکستان نے غیر ملکی کرنسی کی ایک خاص مقدار کی وابستگی ایک امریکی ڈالر $ سے قائم کر رکھی تھی۔ ایسی شرح مبادلہ کا تعیّن عموماً ملکی کرنسی کی طلب و رسد کے ابتدائی توازن کے مطابق کیا جاتا ہے۔

کسی ملک کی برآمدات اس کی کرنسی کی طلب پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔ اگر پاکستان کی کرنسی کو بین الاقوامی ادائیگیوں کی غرض سے زرِ مبادلہ کی حیثیت حاصل ہو تو دوسرے ممالک سے تعلق رکھنے والے خریدار تاجر پاکستان کو اس کی برآمدات کی ادائیگی کرنے کے لیے زری منڈی میں اپنی اپنی کرنسیوں کے عوض پاکستانی روپے طلب کریں گے۔ تاکہ پاکستانی برآمد کنندگان کو ادائیگی کی جاسکے۔ ملک کی درآمدات اس کی کرنسی کی رسد مہیا کرنے کا موجب ہوتی ہیں۔ مثلاً جب پاکستانی تاجر دیگر ممالک سے مال درآمد کرتے ہیں۔ تو اُنہیں ادائیگی کی غرض سے زری منڈی سے پاکستانی روپے کے عوض غیر ملکی کرنسیاں خریدنی پڑتی ہیں۔ گویا جب وہ کوئی غیر ملکی کرنسی خریدتے ہیں تو بیک وقت وہ پاکستانی روپے کی رسد مہیا کرتے ہیں۔

اب اگر پاکستان کی درآمدات ساکن رہتے ہوئے اس کی برآمدات بڑھ جائیں تو پاکستانی روپے کی رسد تو ساکن رہے گی لیکن اس کی طلب بڑھ جائے گی۔ چنانچہ پاکستانی روپے کی بیرونی قدر میں اضافہ واقع ہوگا۔ اور ساتھ ہی روپے کی شرح مبادلہ میں بھی چڑھنے کا رجحان پیدا ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر پاکستانی درآمدات ساکن رہتے ہوئے اس کی برآمدات میں کمی ہو جائے تو روپے کی رسد تو وہی رہے گی۔ لیکن اس کی طلب میں کمی ہو جائے گی۔ دریں حالات پاکستانی روپے کی بیرونی قدر میں گرنے کا رجحان پیدا ہوگا۔ لیکن معین شرح مبادلہ کے نظام میں حکومت مرکزی بنک کی وساطت سے ملکی کرنسی کی شرح مبادلہ کو بہر صورت برقرار رکھنا چاہتی ہے۔

معین شرح مبادلہ کو برقرار رکھنے کے طریقے

حکومت معیّن شرح مبادلہ کو برقرار رکھنے کے لیے جو طریقے اختیار کر سکتی ہے اُن کی وضاحت کے لیے ہم ایک فرضی مثال پیش کرتے ہیں۔ اس مثال کے مفروضات یہ ہوں گے۔

(i) پاکستان نے معین شرح مبادلہ کا نظام پنا رکھا ہے ۔ (حقیقتاً پاکستان نے اِس وقت نیم لچک پذیر مبادلہ کا نظام (Managed Float) اپنا رکھا ہے ۔

(ii) پاکستانی برآمدات کے کم ہو جانے کے نتیجے میں زری منڈی میں روپے کی طلب مسلسل گرتی جارہی ہے ۔ اور اندیشہ ہے کہ روپے کی شرح مبادلہ گِر جائے گی ۔

(iii) حکومت پاکستان روپے کی شرح مبادلہ کو گِرنے سے روکنا چاہتی ہے ۔

اِن مفروضات کی روشنی میں حکومتِ پاکستان روپے کی شرح مبادلہ کو برقرار رکھنے کے لیے سٹیٹ بنک آف پاکستان کے تعاون سے یہ طریقے اختیار کر سکے گی ۔

(الف) غیر ملکی زرمبادلہ کا استعمال : حکومت کے ایماء پر سٹیٹ بنک آف پاکستان غیر ملکی کرنسیاں اور سونا پاکستانی روپے کے عوض فروخت کرنے لگ جائے گا ۔ اِس کا اثر بالکل وہی ہوگا جو برآمدات کے بڑھنے سے ہوتا ہے ۔ چنانچہ زری منڈی میں روپے کی طلب بڑھنے لگے گی اور شرح مبادلہ کے گِرنے کے امکانات کا ازالہ کیا جاسکے گا ۔

(ب) تفریطی زری پالیسی : سٹیٹ بنک تفریطی زری پالیسی اختیار کرتے ہوئے زرِ اعتباری میں کمی کرے گا ۔ اس کے دو اثرات مرتب ہوں گے ۔ اول یہ کہ پاکستانی اشیاء سستی ہو جائیں گی برآمدات بڑھنے لگیں گی ۔ دو یہ کہ شرح سود بڑھ جائے گی ۔ اور پاکستان میں غیر ملکی سرمائے کابہاو شروع ہو جائے گا ۔ متذکرہ دونوں اثرات کے نتیجے عالمی زری منڈی میں روپے کی طلب بڑھے گی ۔

(ج) تفریطی مالیاتی پالیسی : حکومتِ پاکستان بھی اپنے اخراجات گھٹائے گی اور ٹیکسوں کے ذریعے مقدارِ زر میں کمی کا اہتمام کرے گی ۔ ایسا کرنے سے بھی قیمتیں کریں گی اور برآمدات میں اضافہ ہوگا ۔

(د) ایکسچینج کنٹرول : حکومت برآمد کنندگان پر یہ پابندی عائد کر دے گی کہ وہ برآمدات کے عوض حاصل ہونے والا زرمبادلہ سٹیٹ بنک میں جمع کرائیں اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تاجروں کو زرمبادلہ سے محروم کرکے درآمدات میں کمی کی جائے۔

متذکرہ بالا اقدامات کے نتیجے میں زری منڈی میں پاکستانی روپے کی طلب بڑھے

گی اور اس کی رسد میں کمی واقع ہوگی ۔ دریں حالات شرح مبادلہ کے امکانی تغیرات کا سدِ باب کیا جاسکے گا ۔

6.9.3 لچک پذیر شرح مبادلہ کی مکانیت
(Mechanism of Floating Exchange Rate)

لچک پذیر شرح مبادلہ کے نظام میں ملکی کرنسی کی طلب و رسد میں تغیرات آنے سے شرح مبادلہ متغیر رہتی ہے ۔ اگر ملکی کرنسی کی شرح مبادلہ گر جائے یا چڑھ جائے تو یہ بات حکومت کے لیے سر دردی کاباعث نہیں ہوتی ۔ جب ایسے نظام کے حامل ملک کی برآمدات کم ہو جاتی ہیں اور درآمدات بڑھ جاتی ہیں تو ملکی کرنسی کی طلب میں کمی واقع ہو جاتی ہے جب کہ اِس کی رسد بڑھ جاتی ہے ۔ چنانچہ کرنسی کی شرح مبادلہ بھی گِر جاتی ہے ۔ لیکن اگر برآمدات بڑھ جائیں اور درآمدات کم ہو جائیں تو ملکی کرنسی کی طلب بڑھ جاتی ہے ۔ اور اس کی رسد گِر جاتی ہے ۔ لہٰذا زری منڈی میں ملکی کرنسی کی شرح مبادلہ چڑھ جاتی ہے ۔

شرح مبادلہ کے اس نظام کے حامی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر ملک کا توازنِ ادائیگی خراب ہوِ جائے تو شرح مبادلہ گِر جانے سے ملک کی اشیاء دیگر ممالک کے لیے سستی ہو جاتی ہیں جب کہ دیگر ممالک کی اشیا اُس ملک کے لئے مہنگی ہو جاتی ہیں ۔ لہٰذا خود کار طریقے سے برآمدات بڑھنے لگیں گی ۔ اور درآمدات گرنے لگتی ہیں ۔ اور توازنِ بہتر ہو جانے سے کرنسی کی شرح مبادلہ بھی بڑھ جاتی ہے ۔ گویا اس دعوے کے لچک پذیر شرح مبادلہ خود کار طریقے سے توازنِ ادائیگی کی خربیوں کو دُور کرتی

شرح مبادلہ کے اس نظام کے حامی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر ملک کا توازنِ ادائیگی خراب ہو جائے تو شرح مبادلہ گِر جانے سے ملک کی اشیاء دیگر ممالک کے لیے سستی ہو جاتی ہیں جب کہ دیگر ممالک کی اشیا اُس ملک کے لئے مہنگی ہو جاتی ہیں ۔ لہٰذا خود کار طریقے سے برآمدات بڑھنے لگیں گی ۔ اور درآمدات گرنے لگتی ہیں ۔ اور توازنِ ادائیگی بہتر ہو جانے سے کرنسی کی شرح مبادلہ بھی بڑھ جاتی ہے ۔ گویا اس دعوے کے مطابق لچک پذیر شرح مبادلہ خود کار طریقے سے توازنِ ادائیگی کی خرابیوں کو دُور کرتی ہے ۔

اعادہ

جس طرح افراد ایسے پیشوں میں تخصیص کار حاصل کرتے ہیں ۔ جن میں اُن کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو بہترین طور پر استعمال میں لایا جاسکے اسی طرح مختلف ممالک ایسی اشیاء کی پیداوار میں تخصیص کار حاصل کرتے ہیں ۔ جن کے تیار کرنے میں اُن کے پیداواری وسائل مستعد ترین طور پر بروئے کار لائے جاسکیں ۔ ہر ملک اپنی تخصیصی پیداواروں سے نہ صرف اپنے باشندوں کی ضروریات کو پورا کرتا ہے بلکہ ان کی فاضل پیداوار دیگر ممالک کو برآمد کرکے زرِ مبادلہ کما سکتا ہے ۔ تخصیص کار کے نتیجے میں میں بین الاقوامی تجارت کی بنیاد پڑتی ہے اور مختلف ممالک کے درمیان معاشی اور تجارتی رابطے بڑھتے ہیں ۔

ایک ہی ملک کے مختلف افراد اداروں اور علاقوں کے درمیان جو تجارت ہوتی ہے اُسے ملکی تجارت یا داخلی تجارت کہتے ہیں ۔ جبکہ مختلف ممالک کے درمیان ہونے والی تجارت کو بین الاقوامی تجارت کہتے ہیں ۔ مندرجہ ذیل عوامل کے لحاظ سے ملکی تجارت اور بین الاقوامی تجارت میں فرق پایا جاتا ہے ۔ (i) محنت اور سرمائے کی نقل پذیری میں فرق (ii) کرنسیوں کا فرق (iii) سرکاری پابندیوں کا فرق (iv) سرکاری سہولتوں کا فرق (v) عالمی منڈی میں معاشی تغیّرات

بین الاقوامی تجارت سے یہ فوائد حاصل ہوتے ہیں : (i) ضروری اشیاء کا حصول (ii) سستی اشیاء کا حصول (iii) تخصیص کار کے فوائد (iv) پیدائش بر پیمانہ کبیر کے فوائد (v) فاضل پیداوار کا نکاس (vi) قلّت اور قحط سالی کا ازالہ (vii) عالمی امن کا قیام ۔

بین الاقوامی تجارت کے یہ نقصانات ہیں : (i) چند اشیاء کی پیداوار پر کلی انحصار (ii) دوسرے ممالک پر انحصار (iii) نسبتِ تجارت کی خرابی (iv) خام مال کی منڈیاں (v) افراطِ زر اور تفریطِ زر کے اثرات (vi) بیرونی منڈیوں کے لئے رقابت (vii) آزادی کا خطرہ

ڈیوڈ ریکارڈو نے بین الاقوامی تجارت کا کلاسیکی نظریہ پیش کیا جس میں اس تجارت کے بنیادی محرکات کی وضاحت کی گئی ۔ اس نظریے کے مطابق مختلف ممالک میں پیداواری وسائل مختلف تناسب سے موجود ہوتے ہیں ۔ ہر ملک وہ اشیاء پیدا کرتا ہے

جنہیں وہ اپنے وسائل کی مدد سے نسبتاً کم لاگت پر تیار کر سکتا ہے ۔ اسے تخصیص کار کہتے ہیں ۔ اس نظریے کا دعویٰ یہ ہے کہ اگر تمام ممالک تخصیص کار کے اصول کے مطابق پیداوار اور درآمد و برآمد کریں تو تجارت میں شریک ممالک کی مجموعی پیداوار بڑھ جائے گی ۔ اور اُنہیں تجارت سے بھاری منافع حاصل ہوگا ۔ تخصیص کار کے معنیات یہ ہیں ۔ (i) بین الاقوامی سطح پر محنت میں بہت کم نقل پذیری پائی جاتی ہے اس لیے مختلف ممالک میں اُجرتوں کا فرق برقرار رہتا ہے ۔ (ii) پیداوار کی لاگت کا بہت بڑا حصّہ محنت کی اُجرت پر مشتمل ہوتا ہے ۔ اس لیے اُجرتوں کے فرق کے باعث مختلف ممالک کے مصارفِ پیدائش میں بھی فرق پایا جاتا ہے ۔

بین الاقوامی تجارت کے کلاسیکی نظریے میں یہ بتایا گیا ہے کہ ملک کو کسی دوسرے ملک کے مقابلے میں مصارف کے لحاظ سے جو برتری حاصل ہوتی ہے ۔ وہ تین قسم کی ہوتی ہے ۔ (الف) کُلی برتری (ب) یکساں برتری (ج) تقابلی برتری کلی برتری اور تقابلی برتری کے حالات میں تخصیص کار ممکن ہوتی ہے اور تجارت کرنے سے منافع حاصل کیا جاسکتا ہے ۔ لیکن یکساں برتری کے حالات میں تخصیص کار اور تجارت منافع بخش ثابت نہیں ہو سکتی ۔ یہ نظریہ متعدد ایسے مفروضات پر قائم ہے جو جدید دور میں اطلاقی نوعیت کے نہیں ہیں اس لیے اس قانون پر بہت تنقید کی گئی ہے ۔

نظریہ بین الاقوامی تجارت کے مطالعہ میں آزاد تجارت اور تامین کے تصوّرات بہت اہمیت کے حامل ہیں ۔ آزاد تجارت سے مراد بین الاقوامی تجارت کی ایسی پالیسی ہے جس میں درون ملک تیار کردہ اور غیر ممالک میں تیار کردہ اشیاء میں کوئی فرق یا امتیاز روا نہیں رکھا جاتا ۔ چنانچہ اس پالیسی پر عمل کرنے والے ملک کی حکومت نہ تو غیر ملکی اشیاء کی درآمد پر کوئی پابندی نافذ کرتی ہے اور نہ ہی ملکی آجروں کو کوئی رعایت دیتی ہے ۔ آدم سمتھ اور دیگر کلاسیکی معیشت دان آزاد تجارت کے نظریہ کے حامی تھے۔

تامین سے مراد کسی ملک کی تجارت خارجہ کی وہ پالیسی ہے جس کے تحت حکومت درون ملک بنائی گئی اشیاء کو درآمدی اشیاء کے مقابلے سے بچانے کے لیے بھاری درآمدی محصولات عائد کرتی ہے۔ تامین کے نظریے کے حامی الیگزینڈر ہیملٹن ، ہنری گیرے اور فریڈرک لسٹ تھے ۔

آزاد تجارت کے حق میں یہ دلائل دیے جاتے ہیں : (i) تخصیص کار کے فوائد سے استفادہ (ii) سستی اشیاء کی فراوانی ۔ (iii) اجارہ داریوں کی حوصلہ شکنی (iv) خام مال کی سہل دستیابی (v) توازن تجارت کی خود کار درستگی

تامین کے حق میں جو دلائل دیے جاتے ہیں : (i) معاشی استحکام (ii) ملکی معیشت کا مفاد (iii) کامل روزگار کا حصول (iv) معیشت کا تنوع اور نوزائیدہ صنعتوں کا تحفّظ (v) خود کفالت (vi) تامین کا جواب تامین

کسی ملک کی ایک سال کی مرئی درآمدات و برآمدات کی مالیت کے موازنے کو توازن تجارت کہتے ہیں۔ لیکن اگر اس موازنے میں غیر مرئی درآمدات و برآمدات کو بھی شامل کر لیا جائے تو اسے توازن ادائیگی کہا جاتا ہے ۔ گویا کسی ملک کے سال بھر کے غیر ملکی لین دین کی جامع تفصیل توازنِ ادائیگی ہوتی ہے ۔ ہر ملک کی کوشش ہوتی ہے کہ اُس کا توازنِ ادائیگی موافق رہے تاکہ اُس کے زر مبادلہ کے ذخائر میں اضافہ ہوجائے توازن ادائیگی کی مدّات میں ہوتی ہیں ۔ (i) مرئی درآمدات و برآمدات (ii) غیر مرئی مدّات : یہ مدّات مندرجہ ذیل ہوتی ہیں : غیر ملکی کاروباری اداروں کی خدمات ، سفارتی اخراجات ، غیر ممالک میں تعلیمی اخراجات سیر و سیاحت کے اخراجات ، حج و زیارات کے اخراجات ، سیاسی ، تجارتی اور ثقافتی وفود کے اخراجات ، غیر ممالک میں مقیم کسی ملک کے باشندوں کی ارسال کردہ رقوم ، غیر ملکی سرمایہ کاری اور اس پر منافع ، غیر ملکی قرضہ اور اس پر واجب الاداسُود

کسی ملک کے توازنِ ادائیگی کے خسارے کو دُور کرنے کے لیے یہ طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں : (i) برآمدات میں اضافہ (ii) درآمدات میں کمی (iii) مقدار زر میں کمی (iv) تخفیف قدر زر (v) ایکسچینج کنٹرول (vi) بین الاقوامی زری فنڈ سے امداد ۔

ایک ملک کی شرح مبادلہ سے مراد کسی غیر ملک کی کرنسی کی وہ مقدار ہے جو اُس ملک کی کرنسی کی ایک خاص مقدار کے عوض حاصل کی جاسکتی ہے ۔ شرح مبادلہ کے دو نظامات مروّج ہیں ۔ اوّل : معین شرح مبادلہ : اس نظام کے تحت ایک ملک اپنی کرنسی کی ایک خاص مقدار کو غیر ملکی کرنسی کی ایک خاص مقدار سے وابستہ کر دیتا ہے ۔ اور اس معینہ شرح کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ دوم : اس نظام کے تحت ایک

ملک کی کرنسی کی شرح مبادلہ بین الاقوامی زری منڈی میں اُس ملک کی کرنسی کی طلب و رسد کے توازن سے طے ہوتی ہے ۔ درآمدات و برآمدات کی کمی بیشی کے نتیجے میں ملک کی کرنسی کی طلب و رسد میں بھی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں لہذا ملکی کرنسی کی شرح مبادلہ میں تغیرات واقع ہوتے ہیں ۔

اہم سوالات

1- ملکی اور بین الاقوامی تجارت کا فرق بیان کیجیے ۔
2- بین الاقوامی تجارت کے فوائد اور نقصانات پر روشنی ڈالیے ۔
3- قانون تقابلی مصارف کی وضاحت کیجیے۔ نیز اس کا تنقیدی جائزہ لیجیے ۔
4- آزاد تجارت اور تامین سے کیا مراد ہے ۔ آپ تامین کے حق میں کیا دلائل پیش کر سکتے ہیں؟
5- توازنِ تجارت اور توازنِ ادائیگی سے کیا مراد ہے ؟ توازن ادائیگی میں کون کون سی مدات شامل ہوتی ہیں ۔
6- کسی ملک میں توازن ادائیگی کے خسارے کو دور کرنے کے لیے کیا طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں ؟
7- معین شرح مبادلہ اور لچک پذیر شرح مبادلہ سے کیا مراد ہے ؟ معین شرح مبادلہ کو برقرار رکھنے کے لیے کیا طریقے اختیار کیے جاتے ہیں؟

☆ ☆ ☆

باب 7

پاکستان کی تجارت خارجہ

(FOREIGN TRADE OF PAKISTAN)

7.1 ابتدائیہ

7.2 پاکستان کی نمایاں برآمدات

7.3 پاکستان کی نمایاں درآمدات

7.4 پاکستان کا توازنِ ادائیگی

7.5 پاکستان کے توازنِ ادائیگی میں خسارے کی وجوہات

7.6 پاکستان کے توازنِ ادائیگی کی خرابی کو درست کرنے کے لیے تجاویز

پاکستان کی تجارت خارجہ

7.1 ابتدائیہ (Introduction)

پاکستان کے لیے تجارت خارجہ بہت اہمیت کی حامل ہے ۔ تجارت کے ذریعے پاکستان کو نہ صرف معاشی ترقی کے لیے ضروری ساز و سامان مثلاً مشینیں ، آلات ، صنعتی خام مال اور فنی جان کاری (Technical Know-how) اور مالی امداد میسر آتے ہیں ، بلکہ تجارت ہی کے راستے اسے سامان دفاع اور ضروری صرفی اشیاء حاصل ہوتی ہیں ، چونکہ درآمدات کے لیے کثیر مقدار میں زرِ مبادلہ درکار ہوتا ہے۔ اس لیے پاکستان اپنی فاضل پیداوار یں برآمد کرتا ہے تاکہ زر مبادلہ کمایا جا سکے ۔ برآمدات سے ملکی پیداوار کی منڈی وسیع ہوتی ہے ، پیدائش بر پیمانہ کبیر کی کفایات حاصل ہوتی ہیں اور ملک میں سرمایہ کاری ، روزگار اور پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے ۔ نیز ٹیکنالوجی کو ترقی ملتی ہے ۔ اشیاء سرمایہ کی درآمد بھی روزگار ، پیداوار اور ٹیکنالوجی کی ترقی پر مثبت اثرات ڈالتی ہے ۔

7.2 پاکستان کی نمایاں برآمدات (Major Exports of Pakistan)

1951 اور 1961 ء کے عشروں میں پاکستان کی مجموعی برآمدات میں خام مال کا تناسب زیادہ تھا جبکہ نیم تیار شدہ اشیاء (Semi Manufactures) اور تیار شدہ اشیاء (Manufactures) کا تناسب کم تھا لیکن بعدازاں درون ملک مصنوعات تیار کرنے کی استعداد بڑھ گئی اور برآمدی تجارت کی ہئیت میں تبدیلیاں واقع ہوئیں ۔ چنانچہ 1980-81 میں خام مال کی برآمد مجموعی برآمدات کا 44 فیصد تھی ۔ جبکہ نیم تیار شدہ اشیاء اور تیار شدہ اشیاء کا تناسب علی الرتیب 11 فی صد اور 45 فی صد تھا ۔ 1986-87 میں مجموعی برآمدات سے خام مال ، نیم تیار شدہ اشیاء اور تیار شدہ اشیاء کا تناسب علی الترتیب 27 فیصد ، 20 فیصد اور 53 فیصد تھا ۔ پاکستان کی نمایاں برآمدات درج ذیل ہیں ۔

پاکستان کی نمایاں برآمدات

(1) خام کپاس (Raw Cotton) پاکستان کی سب سے اہم برآمد خام کپاس ہے ۔ اگرچہ سال بہ سال اس کی برآمدی مقدار میں عموماً اضافہ ہوتا رہا ہے ۔ تاہم مجموعی

برآمدات سے اس کا تناسب گرتا جارہا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اندرون ملک ٹیکسٹائیل مِلوں کے قائم ہو جانے سے اس کی کھپت میں اضافہ ہوا ہے ۔ حکومت پاکستان کی پالیسی یہ ہے کہ کپاس سے تیار کردہ مصنوعات کی برآمد کو خام کپاس کی برآمد پر ترجیح دی جائے کیونکہ ایسا کرنے سے زر مبادلہ کی زیادہ آمدنی حاصل ہوتی ہے ۔ 84-1983 میں خام کپاس کی برآمد سے 1772 ملین روپے کا زر مبادلہ حاصل ہوا جبکہ 86-1985 (جولائی تا مارچ) کے عرصہ میں اس کی برآمدی آمدنی تقریباً 5900 ملین روپے تھی ۔ خام کپاس کے بڑے بڑے خریدار : جاپان ، چین ، ہانگ کانگ ، سنگاپور ، اٹلی بلجیم اور یونان ہیں ۔

کپاس کی پیداوار اور برآمدی مقدار کا انحصار موسمی حالات پر ہوتا ہے۔ جن سالوں میں موسمی حالات غیر موافق ہوتے ہیں یا فصلی بیماریاں پڑ جاتی ہیں ۔ اُن سالوں میں کپاس کی پیداوار اور برآمدی آمدنی بھی کم ہو جاتی ہے۔

کپاس کی برآمدی تجارت کو بہتر خطوط پر اُستوار کرنے کے لیے حکومت نے کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن (Cotton Export Corporation) قائم کی ہے ۔

(2) سوتی دھاگہ (کاٹن یارن) (Cotton Yarn) سوت بھی پاکستان کی سب سے بڑی برآمدات میں شامل ہے ۔ 84-1983 میں سوت کی برآمد سے 2931 ملین روپے کی آمدنی ہوئی جبکہ 86-1985 میں سوت کی برآمد سے جولائی تا مارچ کے دوران برآمدی آمدنی 3215 ملین روپے تھی ۔

سوت کے بڑے بڑے خریدار ہانگ کانگ ، جاپان ، چین ، مغربی جرمنی اور بلجیم ہیں ۔

(3) سُوتی کپڑا (Cotton Cloth) سوتی کپڑے کی برآمد سے پاکستان کو ہر سال کثیر زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے ۔ 1980 سے قبل دو عشروں میں سوتی کپڑے کی برآمد میں سُرعت سے اضافہ ہوا لیکن اب جبکہ کپڑے کی کھپت درون مِلک بڑھ رہی ہے اس کی برآمد میں اضافے کی رفتار میں کمی آرہی ہے ۔ تاہم اس کا شمار پاکستان کی سب سے بڑی برآمدات میں ہوتا ہے ۔ 86-1985ء میں جولائی تامارچ سوتی کپڑے کی برآمد سے 3781 ملین روپے کی آمدنی حاصل ہوئی ۔

(4) چاول (Rice) چاول بھی پاکستان کی ایک نہایت اہم برآمد ہے ۔ پاکستانی چاول کی کوالٹی عمدہ ہے اور بیرونی منڈیوں میں اس کی کافی طلب پائی جاتی ہے ۔ 85-1984ء میں چاول کی برآمد سے 3340 ملین روپے کا زرمبادلہ کمایا گیا ۔ جبکہ 86-1985 میں جولائی تا مارچ کے عرصے میں اس کی برآمد سے 3974 ملین روپے کی آمدنی ہوئی ۔

حکومت نے چاول کی برآمدی تجارت کو ترقی دینے کے لیے رائس ایکسپورٹ کارپوریشن (Rice Export Corporation) قائم کی ہے ۔ پاکستانی چاول کے نمایاں خریدار دوبئی ، سعودی عرب ، کویت ، ایران ، عراق اور برازیل ہیں ۔

(5) قالین اور دریاں (Carpets and Mats) پاکستان میں تیار کردہ قالینوں اور دریوں کی کوالٹی بہت اچھی اور قیمت معقول ہوتی ہے ، اس لیے بیرونی منڈیوں میں اِن کی طلب بڑھتی جارہی ہے ۔ چنانچہ پاکستان کو قالینوں اور دریوں کی برآمد سے خطیر زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے ۔ 86-1985 (جولائی تا مارچ) کے دوران پاکستان کو اُن کی برآمد سے 1832 ملین روپے کی آمدنی ہوئی ۔

قالین دریان اور کمبل مغربی جرمنی ، سوئٹزرلینڈ ، امریکہ ، فرانس ، بلجیم ، برطانیہ ، اٹلی اور نیدرلینڈ کو برآمد کیے جاتے ہیں ۔

(6) چمڑا (Leather) چمڑے کی برآمد بھی ہماری زرمبادلہ کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ ہے ۔ پچھلے دو عشروں میں چمڑے کی برآمد میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے ۔ 86-1985ء میں جولائی تا مارچ چمڑے کی برآمد سے 2103 ملین روپے کی آمدنی ہوئی ۔ چمڑے کے بڑے بڑے خریدار اٹلی ، سپین ، جاپان ، رُوس ، رومانیہ چین اور یوگوسلاویہ ہیں ۔

(7) دیگر برآمدات (Other Exports) متذکرہ بالا اشیاء کے علاوہ پاکستان متعدد دیگر اشیاء برآمد کرتا ہے ۔ جس سے مجموعی طور پر کثیر مقدار میں زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے ۔ اِن برآمدات میں مچھلی اور اس سے تیار کردہ خوراک ہے ۔ پٹرولیم اور اس کی پیداوارِس ، سنتھیٹک ٹیکسٹائیل ، جوتے ، پینٹ اور وارنش ، خام اور تیار شدہ تمباکو ، ریڈی میڈ کپڑے اور ہوزری ، دوائیں اور کیمیائی اشیاء ، جرّاحی کے آلات ، کھیلوں کا سامان اور متفرق اشیاء شامل ہیں ۔ 88-1987 بشمول متذکرہ بالا اشیاء کے تمام دیگر برآمدات سے جولائی تا مارچ کے عرصہ میں 17593 ملین روپے کی آمدنی حاصل ہوئی ۔

7.4 پاکستان کی نمایاں درآمدات (Major Imports of Pakistan)

پاکستان کی درآمدی پالیسی (Import Policy) کے مقاصد یہ ہیں کہ معقول قیمتوں پر ضروری صرفی اشیاء کی فراہمی ممکن بنائی جائے اور ایسی اشیائے سرمایہ درآمد کی جائیں جو صنعتی ترقی کو تیز تر کرنے ، زرعی شعبے کی تجدید کرنے اور زیادہ سے زیادہ روزگار پیدا کرنے میں مد و معاون ثابت ہوں ۔ ماضی میں ملک میں اشیائے سرمایہ تیار کرنے کی صلاحیت موجود نہ تھی ۔ اس لیے 70-1969 ء میں اشیائے سرمایہ مثلاً مشینوں اور آلات کی درآمد مجموعی درآمدات کا 50 فیصد تھی لیکن اس دوران صنعتی شعبے کی صلاحیت بڑھنے کے باعث اشیائے سرمایہ کا تناسب گر گیا ہے ۔ 88-1987 ء جولائی تا مارچ میں تیار شدہ اشیائے سرمایہ کی درآمد مجموعی درآمدات کا 36 فیصد تھی ۔ اندرونِ ملک صرفی اشیاء کی تیاری کے صنعتی خام کی درآمد کا تناسب جو 70-1969 میں 29 فیصد تھا 88-1987 جولائی تا مارچ میں بڑھ کر 40 فیصد ہو چکا تھا ۔ مجموعی درآمدات سے صرفی اشیاء کی درآمد کا تناسب جو 70-1969 ء میں 10 فیصد تھا ۔ 88-1987 جولائی تا مارچ میں بڑھ کر 15 فیصد ہو چکا تھا ۔

پاکستان کی نمایاں درآمدات مندرجہ ذیل ہیں

(1) اشیاء خوردنی (Eatables) پاکستان ایک زرعی ملک ہونے کے باوجود چند اہم اشیاء خوردنی میں خود کفیل نہیں ہے ۔ چنانچہ ہر سال ان اشیاء کی درآمد پر کثیر زر مبادلہ خرچ ہوتا ہے ۔ 88-1987 میں جولائی تا مارچ کے عرصے میں اناج اور دالوں وغیرہ کی درآمد پر 1611 ملین روپے کا زر مبادلہ خرچ ہوا ۔ اس کے علاوہ اسی عرصے میں خوردنی تیل کی درآمد پر 4937 ملین روپے اور چائے کی درآمد پر 1677 ملین روپے خرچ ہوئے ۔

(2) پٹرولیم اور اس کی پیداوار۔یں (Petroleum and its Products)

پاکستان کو ہر سال پٹرولیم اور اس کی پیداواروں کی درآمد پر بہت زیادہ زر مبادلہ خرچ کرنا پڑتا ہے ۔ 1985 ء سے قبل بین الاقوامی منڈی میں پٹرولیم کی قیمت بڑھ جانے سے پاکستانی معیشت بری طرح متاثر ہوئی ۔ 88-1987 (جولائی تا مارچ) کے عرصہ میں

پٹرولیم اور اس کی پیداواروں کی درآمد پر 12961 ملین روپے خرچ ہوئے ۔

(3) کیمیائی اشیاء (Chemicals) کیمیائی اشیاء ملک کی بہت سی صنعتوں کا خام مال ہیں اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے درآمدی اخراجات میں اضافہ ہوتا گیا ۔ 88-1987 (جولائی تا مارچ) کیمیائی اشیاء کی درآمد پر 7289 ملین روپے خرچ ہوئے۔

(4) مشینری (Machineries) پاکستان میں تا حال مشین سازی کی صلاحیت محدود ہے ۔ ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے اور موجودہ صنعتوں میں بدل کاری (Replacement) اور توسیع کے لیے ہر سال بہت سی مشینیں درآمد کی جاتی ہیں ۔ 88-1987 (جولائی تا مارچ) مشینوں کی درآمد پر 12965 ملین روپے کا زرمبادلہ خرچ ہوا ۔

(5) نقل و حمل کا سازوسامان (Transport Equipment) اگرچہ پاکستان میں نقل و حمل کے سازوسامان تیار کرنے والی صنعتوں کے قیام کا آغاز ہو چکا ہے ۔ تاہم ابھی اس شعبے کی کافی اشیاء بشمول ریلوں کے انجن ، ڈبے ، بسیں ، ٹرک اور موٹر کاریں وغیرہ درآمد کی جاتی ہیں ۔ 88-1987 (جولائی تا مارچ) 6764 ملین روپے نقل و حمل کے سازوسامان کی درآمد پر خرچ ہوئے۔

(6) کیمیائی کھادیں (Chemical Fertilizers) پاکستان میں کھاد سازی کی صنعت بہت ترقی پا چکی ہے اور ملکی ضرورت کے لیے بیشتر کھادیں ملک میں تیار ہوتی ہیں ۔ تاہم بعض مخصوص قسم کی کھادیں درآمد کی جاتی ہیں ۔ 88-1987 ء (جولائی تا مارچ) کیمیائی کھادوں کی درآمد پر 2892 ملین روپے خرچ ہوئے ۔

(7) لوہا فولاد اور ان کی مصنوعات (Iron and Steel Manufactures Thereof)

پاکستان میں اچھی قسم کا خام لوہا دستیاب نہیں ہے لہذا لوہے اور فولاد کی ملکی صنعتوں کے لیے لوہے اور فولاد اور ان کی مصنوعات کی خاصی بڑی مقدار درآمد کرنی پڑتی ہے ۔ 88-1987 (جولائی تا مارچ) اس قسم کی درآمدات پر 3595 ملین روپے کا زر مبادلہ خرچ ہوا ۔

(8) ادویات (Drugs and Madicines) پاکستان کو ہر سال بہت سی ادویہ اور ان کے مداخل درآمد کرنے پڑتے ہیں جن پر خطیر زر مبادلہ خرچ ہوتا ہے ۔ 88-1987 جولائی تا مارچ ادویہ اور ان کے مداخل کی درآمد پر 2129 ملین روپے خرچ کیے گیے۔

(9) بجلی سے چلنے والی مصنوعات (Electrical Goods) پاکستان میں بجلی سے چلنے والی مصنوعات بنانے کی بہت سی صنعتیں قائم کی جاچکی ہیں ۔ تاہم اعلیٰ فنی مہارت سے تیار کی جانے والی مصنوعات درآمد کرنی پڑتی ہیں ۔ 88-1987 (جولائی تا مارچ) اس قسم کی اشیاء کی درآمد پر 2365 ملین روپے خرچ ہوئے ۔

(10) متفرق درآمدات (Miscellaneous Imports) متذکرہ بالا درآمدات کے علاوہ پاکستان متعدد دیگر اشیاء درآمد کرتا ہے ۔ جن میں رنگ ، کاغذ ، گتہ سٹیشنری ، مصنوعی ریشم ، غیر آہنی دھاتیں اور دیگر اشیاء شامل ہیں ۔ 88-1987 جولائی تا مارچ کے دوران ان متفرق اشیاء کی درآمد پر 18576 ملین روپے خرچ ہوئے ۔

7.5 پاکستان کا توازنِ ادائیگی (Balance of Payments of Pakistan)

کسی ملک کی ایک سال کے دوران ہونے والی تمام مرئی و غیر مرئی درآمدات اور مرئی و غیر مرئی برآمدات کی مالیت کے موازنے کو توازنِ ادائیگی کہتے ہیں ۔ پاکستان ہر سال بھاری مالیت کی مرئی اور غیر مرئی اشیاء درآمد اور برآمد کرتا ہے ۔ حصول آزادی کے بعد اب تک ماسوائے چند سالوں کے پاکستان کا توازنِ ادائیگی خسارے میں رہا ہے ۔ اس خسارے کو پُر کرنے کے لیے ملکی زر مبادلہ کے ذخائر بروئے کار لائے جاتے ہیں ۔ نیز دیگر ممالک سے اور بین الاقوامی زری فنڈ (International Monetary) سے قرضے حاصل کیے جاتے ہیں ۔ 82-1981ء میں توازنِ ادائیگی کا خسارہ 1534 ملین ڈالر تھا ۔ اور 1987 میں جولائی تا دسمبر کے عرصے میں یہ خسارہ 740 ملین ڈالر تھا ۔

توازنِ ادائیگی کا خسارہ	سال
1534 ملین ڈالرز	1981-82
517 〃	1982-83
997 〃	1983-84
1680 〃	1984-85
1236 〃	1985-86
740 〃	1987 (جولائی تا دسمبر)

Source State Bank of Pakistan

7.6 پاکستان کے توازنِ ادائیگی میں خسارے کی وجوہات
(Causes of Disequilibrium in the Balnace of Payments of Pakistan)

ماسوائے چند سالوں کے پاکستان کا توازنِ ادائیگی خسارے میں رہا ہے ۔ کسی بھی ملک میں زر مبادلہ کے اتنے کثیر وسائل نہیں ہوتے کہ وہ ہمیشہ کے لیے ادائیگیوں کے توازن کا خسارہ برداشت کرتا رہے ۔ چنانچہ پاکستان کو سال بہ سال یہ خسارے پُر کرنے کے لیے بیرونی ذرائع سے قرض حاصل کرنا پڑتا ہے ۔ جس کے نتیجے میں اب پاکستان بہت قرضدار ہو چکا ہے ۔ پاکستان میں توازنِ ادائیگی کی خرابی کے اسباب درج ذیل ہیں :

(1) درآمدات کی بھاری مقدار (Huge Quantity of Imports) پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے اور یہ ترقی کے حصول کے لیے معاشی منصوبہ بندی کر رہا ہے ۔ بڑے بڑے ترقیاتی پراجیکٹوں کی تکمیل کے لیے پاکستان کو ہر سال مشینوں ، آلات ، فالتو پرزوں اور گاڑیوں کی بہت بڑی تعداد درآمد کرنی پڑتی ہے ۔ علاوہ ازیں غیر ملکی ماہرین کی فنی جانکاری سے استفادہ کرنا پڑتا ہے ۔ معاشی ترقی کے لیے متذکرہ سازو سامان کے علاوہ پاکستان کو بھاری مقدار میں صنعتی خام مال اور متعدد صرفی اشیاء بھی درآمد کرنی پڑتی ہیں ۔ پاکستانی درآمدات میں سال بہ سال اضافہ ہو رہا ہے ۔ 1980-81

میں رواں قیمتوں پر درآمدات کی مالیت 53544 ملین روپے تھی جو کہ 89-1988 میں بڑھ کر 92431 ملین روپے ہوچکی تھی ۔ درآمدات کی بھاری مقدار پاکستان کے توازنِ ادائیگی کی سب سے بڑی وجہ ہے ۔

(2) درآمدات کی قیمت میں اضافہ (Increase in Price of Imports)

درآمدات زیادہ تر مشینوں اور صنعتی خام مال پر مشتمل ہوتی ہیں ۔ بین الاقوامی منڈی میں ان کی قیمت میں مسلسل اضافے کا رجحان پایا گیا ہے اور بعض حالات میں قیمت کا یہ اضافہ سرعت سے واقع ہوتا ہے ۔ مثلاً 1973ء میں پٹرولیم کی قیمت میں چار گنا اضافہ ہوا جس سے پاکستان کو توازنِ ادائیگی کا بھاری خسارہ برداشت کرنا پڑا ۔ دنیامیں پیچیدہ مشینیں برآمد کرنے والے ممالک کی تعداد بہت کم ہے چنانچہ ان ممالک کے درمیان کوئی مقابلہ نہیں پایا جاتا ۔ چنانچہ یہ ممالک اپنی اشیائے سرمایہ کی من مانی بلند قیمتیں وصول کرتے ہیں ۔

73-1972ء میں خام پٹرولیم کی درآمدی اکائی کی قدر (Unit Value) 187 روپے تھی ۔ جو کہ 86-1985 میں بڑھ کر 2855 روپے ہو چکی تھی۔ اسی طرح پٹرولیم کی پیداواروں کی درآمدی اکائی کی قدر جو 73-1972 میں 300 روپے تھی بڑھ کر 86-1985ء میں 3148 روپے ہو چکی تھی ۔ اسی طرح مشینوں اور آلات کی درآمدی اکائی کی قدر میں بھی اضافہ ہوتا رہا ہے ۔ بدریں حالات پاکستان کا توازنِ ادائیگی خسارے میں رہتا ہے ۔

(3) نمایاں برآمدات کی رسد اور قیمت (Supply and Price of Major Exports)

تاحال پاکستان کی سب سے بڑی برآمدات خام کپاس اور چاول ہیں ۔ ان کی پیداوار اور برآمد کا انحصار موسمی حالات پر ہے ۔ جن سالوں میں بروقت بارش نہیں ہوتی ان میں کپاس اور چاول کی پیداواریں کم ہو جاتی ہیں ، اس لیے ان کی کم مقدار ہی برآمد کی جاسکتی ہے ۔ فصلی بیماریاں بھی اِن پیداواروں کی رسد میں کمی کا باعث بنتی ہیں ۔ پھر بین الاقوامی منڈی میں قیمتوں کا نظام ایسی ڈگر پر قائم ہے کہ جس شرح سے صنعتی ممالک کی اشیائے سرمایہ کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے اُس شرح سے ترقی پذیر ممالک کے برآمدی خام مال کی قیمت میں اضافہ نہیں ہوتا ۔ چنانچہ پاکستان جیسے ملک کو اپنے برآمدی خام مال کی پست قیمت وصول ہوتی ہے۔ دریں حالات اِن ممالک کی

زرمبادلہ کی آمدنی پست ہے ۔ اور توازنِ ادائیگی خسارے میں رہتا ہے ۔

(4) برآمدی گنجائش میں کمی (Falling Export Potential) پاکستان ایک کثیر الآباد ملک (Over Populated Country) ہے اور یہاں شرح افزائش آبادی تقریباً 3 فیصد سالانہ ہے ۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے زرعی پیداواروں اور مصنوعات کی زیادہ سے زیادہ مقدار درکار ہوتی ہے ، اس لیے ان اشیاء کا اندرونِ ملک مصرف بڑھ رہا ہے اور اِن کی برآمدی گنجائش محدود ہوتی جارہی ہے ۔ لہٰذا نہ برآمدی آمدنی میں حسبِ ضرورت اضافہ ممکن ہوتا ہے اور نہ ہی توازنِ ادائیگی کا خسارہ دُور ہو سکتا ہے ۔

(5) ملکی اشیاء کا معیار اور قیمتیں (Standard of Country's Products and Their Prices) پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے ۔ اس کی برآمدات خصوصاً صنعتی مصنوعات کا معیار ترقی یافتہ ممالک کی مصنوعات کے مقابلے میں بہت پست ہے ۔ آجرین پُرانے اور فرسودہ پیداواری طریقے استعمال کرتے ہیں اور وہ تحقیق اور جدّت پر روپیہ لگانے کی زحمت گوارا نہیں کرتے ۔ نتیجتاً پیداوار کے مصارف زیادہ ہیں ہیں ، جبکہ اِس کا معیار پَست ہے ۔ ویسے بھی پاکستان میں کسی حد تک افراطِ زر پایا جاتا ہے اور مدّاخل مہنگے ہیں ، اس لیے اشیاء کی قیمت بلند ہے ۔ اِن مہنگی اشیاء کو غیر ملکی منڈیوں میں بیچنے میں بہت مشکلات پیش آتی ہیں ۔ چنانچہ ملکی برآمدات میں حسبِ ضرورت اضافہ نہیں کیا جاسکا ، اس لیے برآمدی آمدنی پست ہے اور توازنِ ادائیگی خسارے میں ہے ۔

(6) بیرونی ممالک کی عائد کردہ تجارتی پابندیاں (Commercial Restrictions Imposed by Certain Foreign Countries) دنیا کے کئی ترقی یافتہ ممالک نے آپس میں تجارتی اور اقتصادی برادریاں قائم کر رکھی ہیں ۔ اِن تنظیموں کے رُکن ممالک آپس میں ترجیحی بنیادوں پر تجارت کرتے ہیں ، جبکہ غیر رُکن ترقی پذیر ممالک کے تجارتی مال کی درآمد پر انھوں نے پابندیاں عاید کر رکھی ہیں ۔ یہ صورتِ حال ترقی پذیر ممالک کی تجارت کے لیے بہت نقصان دہ ہے ۔ کیونکہ ایسے حالات میں پاکستان جیسے ممالک کی برآمدات کا نکاس بہت مشکل ہو گا ۔ یورپی مشترکہ

منڈی (European Common Market) اور یورپی آزاد تجارت کا علاقہ (European Free Trade Area) اس قسم کی تنظیمیں ہیں جن کی موجودگی میں پاکستان اپنے تجارتی مال کے روائتی گاہکوں سے محروم ہوگیا ہے ۔

(7) غیر ملکی امداد اور برآمدی صلاحیت (Foreign Aid and Export Potential

پاکستان جیسے ممالک کے لیے صرفی مصنوعات اور اشیائے سرمایہ تیار کرنے کی صلاحیت غیر ملکی امداد پچیدہ مشینوں اور فنی جانکاری پر منحصر ہوتی ہے ۔ اگر ترقی یافتہ ممالک سے مطلوبہ مالی امداد اور ٹیکنالوجی دستیاب نہ ہو تو پاکستان کی برآمدی صلاحیت محدود رہے گی اور توازنِ ادائیگی کا خسارہ برقرار رہے گا ۔

(8) نسبتِ درآمد و برآمد کی عدم موافقت (Unfavourable Terms of Trade)

درآمدت و برآمدات کی قیمت کے موازنے کو نسبتِ درآمد یا شرح تجارت (Terms of Trade) کہتے ہیں ۔ اگر درآمدات کی قیمت برآمدات کے مقابلے میں زیادہ ہو جائے تو نسبتِ تجارت غیر موافق ہو جاتی ہے ، لیکن اگر برآمدات کی قیمت درآمدات کے مقابلے میں بڑھ جائے تو نسبتِ تجارت موافق ہوتی ہے ۔ پاکستان کی برآمدات زیادہ تر زرعی اشیاء پر مشتمل ہوتی ہیں ، جبکہ درآمدات زیادہ تر اشیائے سرمایہ پر مشتمل ہوتی ہیں ۔ بیرونی منڈیوں کا نظام کچھ اس طرح واقع ہوا ہے کہ اشیائے سرمایہ کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے جبکہ زرعی اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کی شرح پست ہے بلکہ بعض حالات میں تو اِن کی قیمتوں میں کمی ہو جاتی ہے ، اس لیے پاکستان کی نسبتِ درآمد و برآمد غیر موافق رہی ہے ۔ پاکستان کو درآمدات کی ایک اکائی کی قیمت چکانے کے لیے برآمدات کی نسبتاً زیادہ مقدار دینی پڑتی ہے ۔ بنیادی سال 76-1975 کی درآمدی و برآمدی اکائی کی قیمت کو 100 فرض کرتے ہوئے 79-1978 میں پاکستان کی برآمدی قدری اکائی کا اشاری عدد (Unit Value Index) 153.9 تھا جبکہ اسی سال درآمدی قدری اکائی کا اشاری عدد 122.0 تھا چنانچہ پاکستان کی نسبت تجارت 126.1 تھی جو کہ موافق تھی لیکن 86-1985 میں برآمدی قدری اکائی کا اشاری عدد 224.1 اور درآمدی قدری اکائی کا اشاری عدد 242.8 ہو چکا تھا گویا درآمدات کی قیمت میں برآمدات کے مقابلے میں زیادہ اضافہ ہوا اس لیے نسبتِ تجارت گِر کر 92.3 ہو چکی تھی جو کہ غیر موافق تھی ۔ تاہم 87-1986 میں نسبتِ تجارت موافق ہوگئی ۔

1979-80 تا 1985-86 کے عرصے میں پاکستان کی نسبتِ تجارت غیر موافق رہی ۔ یہی پاکستان کے توازنِ ادائیگی کی خرابی کی ایک بڑی وجہ ہے ۔

پاکستان کی نسبتِ درآمد و برآمد (بنیادی سال 76-1975 = 100)

سال	برآمدی قدری اکائی کا اشاری عدد	درآمدی قدری اکائی کا اشاری عدد	نسبتِ درآمد و برآمد [1]
1978-79	153.9	122.0	126.1
1979-80	166.3	149.3	111.4
1980-81	176.1	181.5	97.0
1981-82	179.0	200.7	89.2
1982-83	194.1	217.6	89.2
1983-84	213.3	229.2	93.1
1984-85	227.6	247.4	92.1
1985-86	224.1	242.8	92.3
1986-87	258.6	230.2	111.57

(Source: Federal Bureau of Statistics)

(9) غیر ملکی قرضوں اور سود کا بار (Burdon of Foriegn Loans and the Due Interest)

پاکستانی معیشت ابھی ترقی کے ابتدائی مراحل سے گزر رہی ہے اور اسے اپنے ترقیاتی پراجیکٹوں کی تکمیل کے لیے اشیائے سرمایہ کی بے حد ضرورت ہے ۔ جبکہ یہ اشیائے سرمایہ ترقی یافتہ صنعتی ممالک سے حاصل کی جاسکتی ہیں ۔ ان اشیاء کی درآمد کے لیے زرمبادلہ کی ایک کثیر مقدار درکار ہے ، جس کے حصول کے لیے ہمیں ترقی یافتہ ممالک سے اور بین الاقوامی مالی اداروں سے قرض لینا پڑتا ہے ۔ اِن قرضوں کی شرائط بہت کڑی ہیں اور اکثر قرضے بندھے ہوئے (Tied Loans) ہوتے ہیں ۔ بعض قرضے تو محض سود کی ادائیگی کی نذر ہو جاتے ہیں ۔ اصل زر کی اقساط کی واپسی اور سود کے سلسلے میں ادا کی جانے والی رقوم غیر مرئی درآمدات کے زُمرے میں آتی ہیں ۔ اِن رقوم کا بار بھی توازنِ ادائیگی میں خرابی پیدا کرتا ہے ۔

---

[1] نسبتِ درآمد و برآمد = $\dfrac{\text{برآمدی قدری اکائی کا اشاری عدد}}{\text{درآمدی قدری اکائی کا اشاری عدد}} \times 100$

پاکستان کو بیرونی قرضوں کے اصل زر کی اقساط کی واپسی کے سلسلے میں 1987-88 میں 725 ملین ڈالر ادا کرنے پڑے جبکہ سُود کی ادائیگی کے لیے 429 ملین ڈالر دینے پڑے گویا اس سال قرضوں کی واپسی اور واجب الادا سود کے حساب میں مجموعی طور پر 1154 ملین ڈالر دینے پڑے۔

7.7 پاکستان کے توازن ادائیگی کی خرابی کو درست کرنے کے لیے تجاویز (Suggestions to Correct Disequilibrium in the Balance of Payments of pakistan):

1960-61 ء سے پاکستان کا توازنِ ادائیگی مسلسل خسارے میں رہا ہے۔ 1974-75 ء میں توازنِ ادائیگی کا خسارہ 1168 ملین ڈالر تھا۔ جبکہ 1985-86 ء یہ خسارہ 1236 ملین ڈالر تھا۔ درمیانی سالوں میں بھی کم و بیش خسارہ رہا ہے۔ غیر موافق توازن ادائیگی کی وجہ سے پاکستان پر غیر ملکی قرضوں کا بوجھ بڑھ رہا ہے۔ لہٰذا واجب ہے کہ توازنِ ادائیگی کی اصلاح کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔ یہ مجوزہ اقدامات دو زمروں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔ اوّل برآمدات کی افزائش کے لیے تجاویز اور دوم درآمدی اخراجات میں کمی کے لیے تجاویز اس سلسلے میں مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی جاسکتی ہیں۔

7.8 برآمدات کی افزائش کے لیے تجاویز (Suggestions for Promotion of Exports)

برآمدات کو بڑھانے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے جانے چاہییں۔

(1) پست سرمایہ کاری پیداواری تناسب والی صنعتوں کی ترقی (Development of low Capital Output Industries): پاکستان میں بچتوں کی شرح پست ہے، اس لیے تشکیل سرمایہ کی رفتار بھی سُست ہے۔ چنانچہ پاکستان میں ایسی صنعتیں قائم کی جانی چاہییں جن میں پیداوار کی ایک مخصوص مقدار حاصل کرنے کے لیے نسبتاً کم سرمایہ درکار ہو۔ گویا ایسی صنعتوں کے قیام کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔ جن میں سرمایہ پیداواری تناسب پست ہو اور جن میں

استعمال ہونے والا خام مال اندرون ملک میسر ہو ۔ پاکستان میں محنت با افراط اور سستی ہے ۔ چنانچہ محنت جاذب (Labour Intensive) صنعتیں قائم کی جانی چاہییں ۔ ایسی صنعتوں کی پیداوار بیں کم خرچ اور سستی ہوں گی اور غیر ملکی منڈیوں میں انھیں دیگر ممالک کے مقابلے میں باآسانی فروخت کیا جاسکے گا ۔ چین ، تائیوان ، کوریا اور سنگاپور نے اِسی قسم کی صنعتوں کے قیام سے اپنی برآمدی آمدنی میں غیر معمولی اضافہ کیا ہے ۔ پاکستان میں قالین ، دریاں ، کھیلوں کا سامان ، جراحی کے آلات ، چمڑے کا سامان اور تیار شدہ خوراک تیار کرنے والی صنعتیں اسی زمرے میں آتی ہیں اور ان صنعتوں کی توسیع و ترقی کی بہت گنجائش موجود ہے ۔ غیر ملکی منڈیوں میں ان پیداواروں کی کافی طلب پائی جاتی ہے ۔ لہذا متذکرہ صنعتوں اور متعدد دیگر چھوٹی چھوٹی صنعتوں کو ترقی دی جائے اور ان کی مصنوعات برآمد کی جائیں تو برآمدی آمدنی میں خطیر اضافہ کیا جاسکتا ہے ۔ اس طرح توازنِ ادائیگی کے خسارے کو دور کرنے میں امداد مل سکتی ہے ۔

(2) برآمدات کا تنوع (Diversification of Exports) پاکستان کی سب سے بڑی برآمدات کپاس اور چاول جیسی خام اشیاء ہیں ۔ ان اشیا کے برآمدی ممالک کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان میں سخت مقابلہ پایا جاتا ہے ، اس لیے بین الاقوامی منڈی میں کپاس اور چاول کی قیمت پست رہتی ہے ۔ زرمبادلہ کی آمدنی کو بڑھانے اور اسے یقینی بنانے کے لیے برآمدات میں تنوع پیدا کیا جانا چاہیے ۔ غیر روائتی اشیاء اور نئی مصنوعات کی برآمد کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے تاکہ زیادہ سے زیادہ زر مبادلہ حاصل ہو اور توازنِ ادائیگی کا خسارہ دور کیا جاسکے ۔

(3) اندرون ملک صرف میں کمی (Reduction in Local Consumption)

پاکستان میں اوسط آمدنی والے طبقات اور متمول لوگوں میں بیش صرفی (Conspicuous Consumption) کا رجحان بڑھ رہا ہے ۔ زرعی پیداواروں اور صرفی مصنوعات کی بہت زیادہ مقدار اندرونِ ملک استعمال کی جاتی ہے اور برآمدات کی گنجائش میں کمی ہو رہی ہے ۔ ملکی معیشت کو مستحکم کرنے اور برآمدات کو بڑھانے کے لیے اندرونِ ملک اشیاء کا غیر ضروری صرف کم کیا جائے تاکہ برآمدات بڑھا کر توازنِ ادائیگی کو بہتر بنایا جاسکے ۔

(4) برآمدات کا بہتر معیار **(Improvement of Quality Standard of Exports)**

پاکستان کی اکثر برآمدات کا معیار تسلی بخش نہیں ہے۔ اگر برآمدی اشیاء کی پیداوار میں تخصیص کار (Specialization) کو بہتر بنایا جائے اور پیداواری عمل میں جدتیں اختیار کی جائیں تو بیرونی منڈیوں میں پاکستانی اشیاء کی طلب بڑھائی جاسکتی ہے۔ اور توازنِ ادائیگی کے خسارے کو دور کرنے میں پیش قدمی کی جاسکتی ہے۔

(5) بیمار پیداواری یونٹوں کی بحالی **(Reclaiming of Sick Industrial Units)**

پاکستان میں کچھ صنعتوں کے متعدد پیداواری یونٹ اس لیے بیمار پڑے ہیں کہ انھیں مناسب قیمت پر اور مطلوبہ مقدار میں خام مال میسّر نہیں آتا۔ ان یونٹوں میں یا تو پیداواری عمل بند ہو چکا ہے یا پھر ان کی پیداوار بہت کم ہو چکی ہے۔ خصوصاً ٹیکسٹائل کی صنعت میں بیمار یونٹوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اگر ایسے یونٹوں کی پیداواری مشکلات دور کر دی جائیں تو انھیں بحال کیا جاسکتا ہے اور ان کی پیداوار کو برآمد کرکے کروڑوں روپے کا زر مبادلہ کمایا جاسکتا ہے۔

(6) بیرونی منڈیوں میں تجارتی پراپیگنڈا **(Commercial Propaganda in Foreign Markets)**

موجودہ دور میں برآمدات کے حجم کا انحصار بہت حد تک تجارتی مال کے پراپگینڈا پر ہوتا ہے۔ بیرونی منڈیوں میں پاکستان کا تجارتی پراپگینڈا ہندوستان، چین، سنگاپور، جنوبی کوریا اور تائیوان کے مقابلے میں بہت کمزور ہے۔ نئی پیداواروں کو متعارف کرانے، نئے گاہکوں سے رابطہ قائم کرنے اور برآمدات کا حجم بڑھانے کے لیے پاکستان کو بیرونی منڈیوں میں اپنا تجارتی پراپگینڈا تیز تر، وسیع تر اور موثر بنانا ہوگا، تاکہ برآمدی آمدنی بڑھا کر ادائیگیوں کے توازن کی اصلاح کی جاسکے۔

7.9 درآمدی اخراجات میں کمی کے لیے تجاویز
(Suggestions for Reduction in Import

مندرجہ ذیل اقدامات کے ذریعے پاکستان کے برآمدی اخراجات میں کمی کی جاسکتی ہے۔

(1) اشیائی درآمدات میں کمی (Reduction in Commodity Imports)

پاکستان اپنے توازنِ ادائیگی کے خسارے کے باوجود بہت بڑے پیمانے پر صرفی اشیاء بشمول غیر ضروری اشیا درآمد کرتا ہے ۔ توازنِ ادائیگی کی درستگی کے لیے غیر ضروری اشیاء خصوصاً سامانِ تعیّش کی درآمد بالکل ممنوع قرار دی جانی چاہیے ۔ ایسی صرفی اشیاء کی درآمد پر بھی پابندی عائد کی جانی چاہیے ۔ جن کے متبادل اندرونِ ملک تیار ہو سکتے ہیں ۔ اِس طرح اشیاء کی درآمدی مقدار میں کمی کرکے توازنِ ادائیگی کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔

(2) درآمدی خدمات کے اخراجات میں کمی (Reduction in Expenditure on Invisible Imports)

پاکستان ہر سال غیر ملکی بیمہ کمپنیوں ، جہازران کمپنیوں اور فنی ماہرین کی خدمات پر کروڑوں ڈالر خرچ کرتا ہے۔ یہ اخراجات غیر مرئی درآمدات زمرے میں آتے ہیں ۔ ان خدمات پر اٹھنے والے کے اخراجات میں کفایت کی جاسکتی ہے ۔ ایسا کرنے سے بھی توازنِ ادائیگی کو بہتر بنانے میں امداد مل سکتی ہے ۔

(3) زرمبادلہ کے فرار کی بندش (Stemming Flight of Capital)

اگرچہ پاکستان میں زرمبادلہ پر کنٹرول نافذ ہے ، لیکن پھر بھی نجی صنعتکار مشینوں اور آلات کی درآمد کے بہانے مرکزی بنک سے زر مبادلہ حاصل کرکے اُس کا ایک حصہ ملک سے باہر منتقل کر دیتے ہیں اور یہ رقوم دیگر ممالک کے بنکوں میں اپنے نام پر کھولے گئے کھاتوں میں جمع کرادیتے ہیں ۔ اس طرح برآمدی تاجر بھی برآمدات کے عوض حاصل ہونے والے زرمبادلہ کا ایک حصہ ملک سے باہر رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں ۔ یہ زر مبادلہ کے فرار کی مثالیں ہیں ۔ اگر حکومت نجی تاجروں پر یہ پابندی لگا دے کہ وہ مال کی درآمد و برآمد سٹیٹ ٹریڈنگ کارپوریشن (State Trading Corporation) کی وساطت سے کریں تو غالباً کروڑوں روپے کے زر مبادلہ کا فرار روکا جاسکتا ہے اور خاسر توازنِ ادائیگی کی اصلاح کی جاسکتی ہے ۔

اعادہ

پاکستانی معیشت کے لیے تجارت خارجہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے ۔ دیگر ممالک کی تجارتی پالیسیاں ، قیمتوں اور طلب و رسد کی تبدیلیاں پاکستان کی معیشت کے مختلف شعبوں پر اثر انداز ہوتی ہیں پاکستان کی نمایاں برآمدات سوتی دھاگہ (کاٹن یارن) ، سوتی کپڑا ، چاول ، قالین ، دریاں ، چمڑا اور خام کپاس ہیں ۔ درآمدی اشیاء میں اناج ، دالیں اور خوردنی تیل ، پیٹرولیم اور اس کی پیداواریں ، کیمیائی اشیاء ، مشینری ، نقل و حمل کا سازو سامان ، کیمیائی کھادیں ، لوہا ، فولاد اور ان کی مصنوعات ، ادویہ اور بجلی سے چلنے والی مصنوعات شامل ہیں ۔

پاکستان کو ہر سال بہت بڑی مقدار میں اشیائے سرمایہ اور صرفی اشیاء درآمد کرنی پڑتی ہیں ، لیکن درآمدات کے مقابلے میں برآمدات کی مالیت کم ہے ۔ چنانچہ پاکستان کا توازن ادائیگی خسارے میں رہتا ہے اور خسارہ عموماً بڑھتا رہتا ہے ۔ چنانچہ پاکستان کو غیر ملکی واجبات چُکانے کے لیے غیر ملکی ذرائع سے زر مبادلہ قرض لینا پڑتا ہے ۔ 1986-87ء میں پاکستان کے ادائیگیوں کے توازن میں 719 ملین ڈالر کا خسارہ تھا ۔ ادائیگیوں کے توازن میں خسارے کے اسباب یہ ہیں : (i) درآمدات کی مقدار میں اضافہ (ii) درآمدات کی قیمت میں اضافہ (iii) نمایاں برآمدات کی کم رسد اور پست قیمت (iv) ملکی اشیاء کا پست معیار اور بلند قیمتیں (v) بیرونی ممالک کی عائد کردہ پابندیاں (vi) نسبتِ درآمد و برآمد کی خرابی (vii) غیر ملکی قرضوں اور سود کا بوجھ ۔

پاکستان کے توازنِ ادائیگی کے بھاری خسارے کو دُور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ برآمدات میں اضافہ اور درآمدات میں کمی کی جانی چاہیے ۔ برآمدات کی افزائش کے لیے یہ اقدامات کیے جاسکتے ہیں ۔

(i) پست سرمایہ پیداواری تناسب والی صنعتوں کی ترقی : پاکستان میں سرمائے کی قلت ہے ، اس لیے ایسی صنعتوں کو ترقی دی جانی چاہیے جن میں نسبتاً کم سرمایہ درکار ہوتا ہے ۔ عام طور پر ایسی صنعتوں کے لیے استعمال ہونے والا خام مال اندرونِ ملک دستیاب ہو سکتا ہے ۔ اور یہ صنعتیں محنت جاذب ہوتی ہیں ۔ چنانچہ اس قسم کی صنعتوں کے قیام سے مسئلہ بیروزگاری بھی حل ہوگا چونکہ ملک میں اُجرتوں کا

معیار پست ہے ، اس لیے پیداوار کے مصارف بھی کم ہوں گے اور اِن پیداواروں کو باآسانی برآمد بھی کیا جاسکے گا ۔

(ii) برآمدات کی تنویع : برآمدات میں غیر روائتی اشیاء یعنی مصنوعات شامل کی جانی چاہییں ۔ روائتی برآمدات خام مال پر مشتمل ہیں اور بین الاقوامی منڈی میں ان کی قیمت پست ہے ، جبکہ مصنوعات کی اضافی قدر زیادہ ہوتی ہے ، اس لیے ایسی برآمدات زرِ مبادلہ کی کثیر آمدنی کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہیں ۔ چنانچہ برآمدی آمدنی بڑھانے کے لیے برآمدات کی تنویع ضروری ہے ۔

(iii) اندرونِ ملک صرف میں کمی : ملک میں غیر ضروری صرف کو کم کر کے برآمدات کے لیے اِن اشیاء کی زیادہ گنجائش پیدا کی جاسکتی ہے ۔

(iv) برآمدات کا بہتر معیار : پاکستانی برآمدات کا معیار بہتر کیا جانا چاہیے تاکہ غیر ملکی منڈیوں میں ان کی طلب بڑھائی جاسکے ۔

(v) بیمار یونٹوں کی بحالی : پاکستان میں بہت سے صنعتی یونٹ اس لیے بیمار پڑے ہیں کہ اُنھیں مناسب قیمت پر مطلوبہ مقدار میں خام مال نہیں مل سکتا ۔ ٹیکسٹائل کی صنعت میں اس قسم کے یونٹوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ اگر اِن یونٹوں کی پیداواری مشکلات دُور کر دی جائیں تو اِن کی پیداوار برآمد کر کے کروڑوں روپے کا زر مبادلہ کمایا جاسکتا ہے ۔

پاکستان کے درآمدی اخراجات میں کمی کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے جاسکتے ہیں ۔

(i) غیر ضروری صرفی درآمدات میں کمی پاکستان میں توازنِ ادائیگی کی خرابی کے باوجود بہت بڑی مقدار میں غیر ضروری یاکم ضروری صرفی اشیاء درآمد کی جاتی ہیں ۔ ایسی درآمدات پر پابندی عائد کی جائے اور اِن کے متبادل اندرونِ ملک ہی تیار کیے جائیں ۔

(ii) درآمدی خدمات میں کمی : پاکستان ہر سال غیر ملکی بیمہ کمپنیوں ، بنکوں اور جہازران کمپنیوں کی خدمات پر کروڑوں روپے خرچ کرتا ہے ۔ ان اخراجات میں کمی

کر کے کفائت کی جانی چاہیے ۔

(iii) زرمبادلہ کے فرار کی بندش : پاکستانی صنعتکار مشینوں اور آلات کی درآمد کے بہانے بہت سا زرمبادلہ بیرون ملک منتقل کر کے وہاں بنکوں میں کھولے گئے اپنے کھاتوں میں جمع کرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں ۔ حکومت کو چاہیے کہ زر مبادلہ کے اس فرار کو روکنے کے لیے موثر اقدامات کرے ۔

اہم سوالات

1- پاکستان کی اہم برآمدات اور درآمدات کا ذکر کیجیے ۔
2- پاکستان کے توازن ادائیگی کے خسارے کے اسباب پر نوٹ لکھیے ۔
3- پاکستان کے توازن ادائیگی کے خسارے کو دُور کرنے کے لیے کیا اقدامات کیے جانے چاہییں ؟

آٹھواں باب

سرکاری مالیات
(PUBLIC FINANCE)

8.1	ابتدائیہ
8.2	سرکاری مالیات کا مفہوم اور تعریف
8.3	سرکاری مالیات بمقابلہ نجی مالیات
8.3.1	سرکاری مالیات اور نجی مالیات کی مماثلت
8.3.3	سرکالی مالیات اور نجی مالیات میں فرق
8.4	سرکاری آمدنی
8.4.1	محصولاتی آمدنی کے ذرائع
8.4.2	غیر محصولاتی آمدنی کے ذرائع
8.5	ٹیکس عائد کرنے کے اصول
8.6	ٹیکس کا نفاذ، ٹیکس کا انتقال اور ٹیکس کا بار
8.7	ٹیکسوں کی اقسام
8.8	براہ راست ٹیکسوں کی خوبیاں اور خامیاں
8.9	بالواسطہ ٹیکسوں کی خوبیاں اور خامیاں
8.10	پاکستان کی مرکزی حکومت کے ذرائع آمدنی
8.11	پاکستان کے نظام محصولات کا تجزیہ
8.12	سرکاری اخراجات
8.13	پاکستان کی مرکزی حکومت کے اخراجات
8.14	پاکستان کا وفاقی بجٹ برائے مالی سال 90-1989ء

8.15	صوبائی حکومتوں کے ذرائع آمدنی
8.16	صوبائی حکومتوں کے اخراجات کی مدیں۔
8.17	پاکستان میں صوبائی حکومتوں کے بجٹ
8.17.1	حکومتِ پنجاب کا بجٹ برائے مالی سال 90-1989ء
8.17.1	حکومت سندھ کا بجٹ برائے مالی سال 90-1989ء
8.17.3	حکومت سرحد کا بجٹ برائے مالی سال 90-1989ء
8.17.4	حکومت بلوچستان کا بجٹ برائے مالی سال 90-1989ء
8.18	اسلامی معیشت میں زکوٰۃ اور عشر کا نظام
8.18.1	زکوٰۃ کی تعریف
8.18.2	زکوٰۃ اور عشر کے ذریعے معاشرتی انصاف کا حصول

باب 8

سرکاری مالیات
(PUBLIC FINANCE)

8.1 ابتدائیہ (Introduction)

موجودہ دَور میں کسی بھی ملک کی حکومت کو اپنے متنوع فرائض کی انجام دہی کے لیے اربوں روپے درکار ہوتے ہیں ۔ حکومت مالی وسائل کی فراہمی کے لیے متعدد قسم کے ٹیکس عائد کرتی ہے۔ نیز ملکی و غیر ملکی ذرائع سے قرضے حاصل کرتی ہے۔ سرکاری مالیات یعنی حکومت کی محصولاتی آمدنی ، قرضوں اور اخراجات کا حجم بہت بڑا ہوتا ہے ۔ چنانچہ حکومت کے مالیاتی اقدامات کے نتیجے میں معیشت پر واضح اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔ حکومت اپنی آمدنی اور اخراجات میں کمی بیشی کرکے معیشت کے مختلف شعبوں میں مخصوص تبدیلیاں لا سکتی ہے ۔

8.2 سرکاری مالیات کا مفہوم اور تعریف
(The Concept and Definition of Public Finance)

جدید دور کی معیشت میں حکومت اپنی معاشی کاروائی کے ذریعے نہ صرف پیدائش دولت کو متاثر کرنے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ بلکہ معاشرتی خدمات مہیا کرتے ہوئے آبادی کے بہت بڑے حصّے کی آمدنیوں میں مطلوبہ تبدیلیاں لاتی ہے ۔ نیز حکومت نظام ٹیکس اور اخراجات کی وساطت سے مجموعی معاشرتی آمدنی کی تقسیم کو بہتر بناتی ہے ۔ سرکاری مالیات کے تین آلاتِ کار ہیں ۔ یعنی سرکاری آمدنی (Public Revenue) ۔ سرکاری اخراجات (Public Expenditure) اور سرکاری قرضہ (Public Debt) حکومت عموماً قرضے اس لیے حاصل کرتی ہے کہ سرکاری آمدنی کی کمی کو پورا کیا جاسکے ، اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ قرضے حکومت کی آمدنی میں وقتی طور پر اضافے کا موجب ہوتے ہیں ۔ توگویا سرکاری مالیات حکومت کی آمدنی اور اخراجات کی تفصیلات اور آمدنی و اخراجات کے راہبر اصولوں کے مطالعہ کا نام ہے ۔

سرکاری مالیات کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے :

"سرکاری اخراجات اور سرکاری آمدنی کی نوعیت اور اُن کے اصولوں کے مطالعہ کا نام

سرکاری مالیات ہے" آرمیٹیج سمتھ (Armitage Smith))

سرکاری اخراجات کی نوعیت کے ضمن میں یہ کہنا ضروری ہوگا کہ یہ اخراجات حکومت کی آمدنی اور قرضوں کے مقابلے میں زیادہ اہم ہوتے ہیں ، کیونکہ اخراجات بہبود عامہ کو سب سے زیادہ متاثر کرتے ہیں ۔ سرکاری اخراجات سرکاری آمدنی کے برابر ، اس سے زیادہ یا اس سے کم ہو سکتے ہیں ۔ سرکاری اخراجات ایسے تمام اخراجات پر مشتمل ہوتے ہیں جو مرکزی حکومت ، صوبائی حکومتیں ، سرکاری کارپوریشن اور مقامی حکومت کے ادارے مثلاً ڈسٹرکٹ کونسل اور میونسپل کمیٹی وغیرہ کرتے ہیں ۔

سرکاری اخراجات چند اصولوں کے مطابق کیے جاتے ہیں ۔ مثلاً بیش از بیش معاشرتی بہبود کا اصول ، اصولِ کفائت ، اصولِ لچک اور اصول پیداآوری وغیرہ ۔

نوعیت کے نقطۂ نظر سے سرکاری آمدنی کی تین اقسام ہیں ۔

اوّل : براہِ راست آمدنی جو کہ حکومت کو اپنی جائیداد ، اپنے کاروبار اور تحفے تحائف وغیرہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے ۔

دوم : مؤخذہ آمدنی جو کہ حکومت کو لوگوں کی آمدنی اور ان کے اثاثوں سے حاصل ہوتی ہے ۔ مثلاً انکم ٹیکس ، پراپرٹی ٹیکس ، ایکسائز ڈیوٹی اور فیس وغیرہ

سوم : متوقع آمدنی جو قرضوں اور خزانے کی ہنڈیوں سے حاصل ہوتی ہے ۔ سرکاری آمدنی کا سرکاری اخراجات کے برابر ہونا کوئی ضروری نہیں ۔ سرکاری آمدنی سے مراد مرکزی حکومت ، صوبائی حکومتوں سرکاری کارپوریشنوں اور مقامی حکومت کے اداروں کی آمدنی ہوتی ہے ۔

حکومت ٹیکس عائد کرتے ہوئے چند اصولوں کو مدّ نظر رکھتی ہے۔ اِن میں اصولِ مساوات ، اصول کفائت ، اصولِ تیّقن اور اصولِ سہولت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔ (اس باب میں آگے چل کر ہم اِن اصولوں کی وضاحت پیش کریں گے)۔

8.3 سرکاری مالیات بمقابلہ نجی مالیات
(Public Finance vs Private Finance)

حکومت کی آمدنی و خرچ اور ان کے متعلق اصولوں کا مطالعہ سرکاری مالیات کہلاتا ہے، جبکہ نجی افراد کی آمدنی اور خرچ کی نوعیت اور ان سے متعلقہ اصولوں کے مطالعہ کو

نجی مالیت کہتے ہیں ۔

اگر سرکاری مالیات اور نجی مالیات کا مقابلہ کیا جائے تو ان میں کچھ باتوں کا اشتراک اور کچھ دیگر پہلوؤں کا فرق سامنے آتا ہے ۔ ذیل میں ہم ان دونوں قسم کے مالیات کی مماثلت اور ان کے فرق کی وضاحت کرتے ہیں ۔

8.3.1 سرکاری مالیات اور نجی مالیات کی مماثلت
(Similerities between Public Finance and Private Finance)

مالیات کی اِن دو اقسام میں مندرجہ ذیل نکاتِ مماثلت پائے جاتے ہیں ۔

(i) معاشی روّیہ : کوئی فرد ہو یا حکومت دونوں کے وسائل بہرحال ان کی ضروریات کے مقابلے میں کم ہوتے ہیں اور انھیں مسئلہ قلت درپیش ہوتا ہے۔ چنانچہ جس طرح ایک فرد اپنے محدود وسائل کے خرچ سے زیادہ سے زیادہ افادہ حاصل کرنا چاہتا ہے اسی طرح حکومت بھی اپنے اخراجات کے نتیجے میں بیش از بیش معاشرتی بہبود حاصل کرنا چاہتی ہے ۔

(ii) قرضے کی ضرورت : عام افراد کو ضرورت پڑنے پر قرض حاصل کرنا پڑتا ہے تاکہ آمدنی کی اگلی وصولی تک اخراجات پورے کیے جاسکیں ۔ اسی طرح اگر حکومت کو ٹیکسوں کے ذریعے کافی آمدنی حاصل نہ ہوسکے تو وہ اخراجات پورے کرنے کے لیے قرضہ حاصل کر لیتی ہے ۔

(iii) مزید ذرائع آمدنی : ہر فرد کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ آمدنی کا مزید ذریعہ پیدا کرنے کے لیے کوئی کاروبار کرے ۔ چنانچہ وہ اپنی موجودہ آمدنی میں سے رقوم بچاتا ہے اور جب کافی نقد روپیہ اکٹھا ہو جاتا ہے تو وہ اُسے کاروبار میں لگا دیتا ہے ، جس سے اُسے مزید آسانی حاصل ہونے لگتی ہے ۔ اسی طرح حکومت بھی اپنے ذرائع آمدنی میں اضافہ کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ حکومتیں اپنی بچتوں کو سرمایہ کاری کی شکل دیتی ہیں ، تاکہ موجودہ آمدنی بڑھائی جاسکے ۔

8.3.2 سرکاری مالیات اور نجی مالیات میں فرق
(Difference Between Public Finance and Private Finance)

سرکاری اور نجی مالیات میں مندرجہ ذیل نکاتِ فرق پائے جاتے ہیں ۔

(i) آمدنی اور خرچ کی ترتیب : عام افراد اپنی آمدنی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اخراجات کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں ۔ گویا نجی مالیات میں اخراجات آمدنی کے مطابق کیے جاتے ہیں ، لیکن سرکاری مالیات میں یہ معاملہ اُلٹ ہوتا ہے ۔ حکومت بجٹ تیار کرتے ہوئے پہلے تو اپنے اخراجات کا تخمینہ تیار کرتی ہے اور پھر اُس کے مطابق ٹیکس لگا کر آمدنی وصول کر لیتی ہے ۔ لہٰذا حکومت اپنی آمدنی اخراجات کے مطابق حاصل کر لیتی ہے ۔ تاہم اگر ٹیکسوں کے ذریعے مطلوبہ آمدنی حاصل نہ ہو سکے تو حکومت قرض لے کر وسائل کی کمی کو پورا کر لیتی ہے ۔ اس تذکرے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نجی مالیات میں افراد اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلاتے ہیں جبکہ سرکاری مالیات میں پاؤں کے مطابق چادر مہیا کر لی جاتی ہے ۔

(ii) بجٹ کی میعاد : نجی مالیات میں افراد کے آمدنی اور خرچ کے بجٹ کی میعاد اُس عرصہ پر مشتمل ہوتی ہے ، جس عرصہ میں انھیں اگلی آمدنی ملنے کی توقع ہوتی ہے ۔ چنانچہ جو افراد ماہوار آمدنی حاصل کرتے ہیں ۔ ان کے بجٹ کی میعاد ایک مہینہ ہوتی ہے ۔ اس طرح ہفتہ وار آمدنی پانے والے افراد کا بجٹ بھی ایک ہفتے کا ہوتا ہے ۔ گویا نجی بجٹ کی کوئی خاص میعاد مقرر نہیں ہوتی ۔ اس کے برعکس حکومت کے مالیات کے بجٹ کا عرصہ بہرصورت ایک سال ہوتا ہے ۔ چنانچہ حکومت اپنی آمدنی اور اخراجات کا تخمینہ سالانہ بنیادوں پر تیار کرتی ہے ۔

(iii) آمدنی اور خرچ کا توازن : نجی افراد کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اخراجات کو آمدنی کے مقابلے میں گھٹایا جائے ، تاکہ کچھ نہ کچھ رقم بچائی جائے ۔ بچت کرنے والے افراد کی معاشی حالت مستحکم ہوتی ہے اور انھیں عقل مند اور دوراندیش سمجھا جاتا ہے ، لیکن آمدنی کے مقابلے میں زیادہ اخراجات کرنے والا مقروض ہو جاتا ہے اور اس کی مالی ساکھ کو نقصان پہنچتا ہے ، اس لیے نجی مالیات میں خسارے والے بجٹ کو پسند نہیں کیا جاتا ۔ گویا نجی مالیات میں فاضل بجٹ پسند کیے جاتے ہیں ، لیکن سرکاری مالیات میں خسارے کے بجٹ پسند کیے جاتے ہیں۔ اگر حکومت ٹیکسوں سے حاصل کردہ آمدنی کے مقابلے میں زیادہ اخراجات کرنے کا منصوبہ بنائے ، یعنی اگر حکومت خسارے والے بجٹ تیار کرے تو عام شہریوں کا تاثر یہ ہوتا ہے ۔ کہ حکومت کو جس قدر وسائل کی ضرورت تھی ، اس سے کم بار عوام پر ڈالا گیا ہے ۔ چنانچہ عوام اور کاروباری حلقوں میں حکومت

کے خسارے کے بجٹوں کو قابلِ تحسین تصور کیا جاتا ہے ۔

(iv) مخفی اور اعلانیہ بجٹ نجی افراد اپنی آمدنی اور اخراجات کی تفصیل کو مخفی رکھتے ہیں ۔ اس کی کئی وجوہات ہوتی ہیں ۔ مثلاً یہ کہ افراد دوسروں کو اپنی آمدنی یا بچتوں کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے ۔ بعض لوگ انکم ٹیکس بچانے کے لیے اپنی اصل آمدنی کو صیغہ راز میں رکھتے ہیں ، لیکن حکومت اپنی سالانہ آمدنی اور اخراجات کی باقاعدہ تشہیر کرتی ہے اور وزیر خزانہ بجٹ کا اعلان ریڈیو اور ٹی وی پر کرتا ہے ۔

(v) مستقبل کی ضروریات : افراد اپنی نجی معاشی زندگی میں موجودہ ضروریات کو اہمیت دیتے ہیں اور ان کی تکمیل کے لیے اپنی آمدنی خرچ کرتے ہیں ۔ البتہ بعض افراد جو اپنی مستقبل کی ذمہ داریوں کا بھی احساس کرتے ہیں ، وہ زیادہ سے زیادہ اپنی اگلی نسل کی ضرورت کے لیے جائیداد خریدتے ہیں ، مکان بنواتے ہیں یاصرفی اثاثے خریدتے ہیں ، لیکن وہ اپنی مستقبل بعید کی نسلوں کی متوقع ضروریات کے لیے حال میں روپیہ خرچ نہیں کرتے ۔ گویا نجی مالیات میں مستقبل کی ضروریات کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہوتی ، لیکن حکومت نہ صرف موجودہ نسلوں کی ضروریات پوری کرتی ہے، بلکہ پچاس سال یا سو سال بعد آنے والی نسلوں کے لیے بھی زمانہ حال میں کثیر رقوم خرچ کرتی ہے ۔ مثلاً حکومت نہریں کھدواتی ہے ۔ نئی زمینیں قابل قابل کاشت بناتی ہے ۔ بڑے بڑے ڈیم بناتی ہے ۔ جنگلات لگواتی ہے وغیرہ وغیرہ ۔ گویا سرکاری مالیات میں مستقبل بعید کی ضروریات پوری کرنے پر بھی زمانۂ حال میں بھاری رقوم خرچ کی جاتی ہیں ۔

(vi) بڑی بڑی تبدیلیاں : نجی اخراجات اور آمدنی میں بڑی بڑی تبدیلیاں ممکن نہیں ہوتی ، لیکن حکومت ٹیکس بڑھاکر ، نئے ٹیکس لگاکر یا قرضے حاصل کرکے اپنی آمدنی اور اخراجات میں غیر معمولی اضافہ کر سکتی ہے ۔ مثلاً جنگ کے حالات میں یا جب بڑے بڑے ترقیاتی اور تعمیراتی پراجیکٹ شروع کیے جاتے ہیں تو حکومت کی آمدنی اور اخراجات بہت بڑھ جاتے ہیں ۔ بعض دیگر حالات میں سرکاری آمدنی اور اخراجات کم بھی ہو سکتے ہیں ۔

(vii) اندرونی قرضہ : اگر افراد کو اخراجات کے سلسلے میں مزید روپے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ کسی فرد یا ادارے سے قرضہ حاصل کرتے ہیں ۔ لیکن وہ خود سے قرضہ حاصل نہیں کرسکتے ۔ بالفاظ دیگر نجی مالیات میں قرضے کا ذریعہ صرف بیرونی ہو

سکتا ہے، اندرونی نہیں ، لیکن سرکاری مالیات میں حکومت نہ صرف اندرون ملک مالی اداروں اور افراد سے قرضے حاصل کرتی ہے بلکہ غیر ممالک سے بھی قرضے حاصل کر سکتی ہے ۔ یعنی سرکاری مالیات میں قرضوں کے ذرائع اندرونی بھی ہوتے ہیں اور بیرونی بھی ۔

(viii) زائد کرنسی کا اجراء : اگر افراد کا خرچ آمدنی سے بڑھ جائے تو وہ مزید روپوں کے حصول کے لیے خود کرنسی تیار نہیں کر سکتے ، کیونکہ ایسا کرنا سنگین جرم ہے ، لیکن حکومت ضرورت پڑنے پر مرکزی بنک سے زائد کرنسی چھپوا سکتی ہے ۔ حکومت یہ طریقہ بجٹ کے خسارے کو پُر کرنے کے لیے اختیار کرتی ہے ۔

8.4 سرکاری آمدنی (Public Revenue)

حکومت اپنی آمدنی کئی ذرائع سے حاصل کرتی ہے ۔ یہ ذرائع دو قسم کے ہوتے ہیں ۔ اوّل محصولاتی آمدنی (Tax Revenue) کے ذرائع ، دوم غیر محصولاتی آمدنی (Non Tax Revenue) کے ذرائع ذیل میں مرکزی حکومت کی آمدنی کے ان ذرائع کی تفصیل بیان کی گئی ہے ۔ پاکستان کی مرکزی حکومت (وفاقی حکومت) کے ذرائع آمدنی بھی یہی ہیں ۔

8.4.1 محصولاتی آمدنی کے ذرائع (Sources of Tax Revenue)

یہاں محصولاتی آمدنی کے مختلف ذرائع جانتے سے قبل محصول یعنی ٹیکس کی تعریف کا مطالعہ ضروری ہے ۔ سیلگ مین (Saligman) نے ٹیکس کی تعریف یوں کی ہے : "ٹیکس ایک ایسی لازمی ادائیگی ہوتی ہے جس کے بدلے حکومت کوئی براہِ راست فائدہ پہنچانے کی پابند نہیں ہوتی ۔"

تعریف کے اہم نکات :

(i) ٹیکس کی ادائیگی لازمی ہوتی ہے : ملک کے جس شہری پر ٹیکس کی ادائیگی واجب ہو ، اسے بہر صورت ٹیکس کی رقم معیّنہ مدت کے دوران یا مقررہ وقت پر ادا کرنا ہوتی ہے ۔ اگر ٹیکس گزار کی مالی حالت کمزور ہو تو وہ حکومت سے درخواست کر سکتا ہے کہ ٹیکس پر نظرثانی کی جائے ، لیکن وہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار نہیں کر سکتا ۔

(ii) براہِ راست فائدہ : ٹیکس گزار حکومت سے ٹیکس کے عوض کوئی سہولت طلب نہیں کر سکتا ۔ حکومت ٹیکس کی رقوم کو عوام کے وسیع تر مفاد کی خاطر خرچ کرتی

ہے ۔

جدید دور میں حکومت کی محصولاتی آمدنی کے ذرائع درج ذیل ہوتے ہیں ۔

(i) درآمدی و برآمدی کسٹم (Import and Export Custom) حکومت درآمدی اشیاء پر جو محصول عائد کرتی ہے ، اسے درآمدی ٹیکس کہتے ہیں ، جبکہ برآمدی اشیاء پر لگایا گیا محصول برآمدی ٹیکس کہلاتا ہے ۔ کسی بھی ملک میں کسٹم کی آمدنی حکومت کی محصولاتی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہوتی ہے ۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں کسٹم سرکاری آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتا ہے ۔ درآمدی و برآمدی اشیاء پر عائد کردہ کسٹم بلحاظ وزن (Specific) بھی ہو سکتا ہے ، اور بلحاظ قدر Advolorum بھی

درآمدی کسٹم کے کئی مقاصد ہو سکتے ہیں ۔ مثلاً حکومت کے لیے آمدنی مہیا کرنا ۔ توازنِ ادائیگی کی خرابی کو دُور کرنے کے لیے درآمدات کی حوصلہ شکنی کرنا ۔ یا پھر ملکی صنعتوں کو بیرونی مقابلہ سے تحفظ دینا ۔ اسی طرح برآمدی محصولات کے مقاصد آمدنی حاصل کرنا ۔ ملکی صنعتوں کو وافر مقدار میں خام مال مہیا کرنے کے لیے اس کی برآمد کی حوصلہ شکنی کرنا ۔ درآمدی کسٹم بالواسطہ ٹیکس ہوتا ہے، جسے تاجر درآمدی اشیاء کی قیمت میں شامل کر کے صارفین سے وصول کرتے ہیں ۔ 1987 میں حکومتِ پاکستان کو درآمدی و برآمدی کسٹم ڈیوٹی سے 31548 ملین روپے کی آمدنی متوقع تھی ۔

(ii) ایکسائز ڈیوٹی (Excise Duty) حکومت ملک میں بنائی جانے والی اشیا اور مہیا کی جانی والی خدمات پر ایکسائز ڈیوٹی نافذ کرتی ہے ۔ ایکسائز ڈیوٹی کا نفاذ اس طریقے سے کیا جاتا ہے ۔ کہ اس کی وصولی پر کم از کم اخراجات آئیں ، تاکہ ایکسائز ڈیوٹی سے حاصل ہونے والی رقم کا زیادہ سے زیاہ حصہ سرکاری خزانے میں جمع کیا جاسکے ۔ حکومت کی یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ ایکسائز ڈیوٹی کا دائرہ وسیع ہو اور اسے زیادہ سے زیادہ اشیاء پر نافذ کیا جائے ، تاکہ اگر چند ذرائع سے اس کی آمنی گر جائے تو دیگر ذرائع سے معقول آمدنی حاصل کی جاسکے ۔ ایکسائز ڈیوٹی کا نفاذ بہت احتیاط طلب ہوتا ہے ۔ حکومت ایکسائز ڈیوٹی کی ایسی شرحیں مقرر کرتی ہے کہ پیداوار کی حوصلہ شکنی نہ ہو ۔ نوعیت کے لحاظ سے ایکسائز ڈیوٹی ایک بالواسطہ ٹیکس ہوتا ہے ، جس کا بار بالآخر صارفین پر پڑتا ہے ۔

معاشی ترقی کے بلند سے بلند تر مدارج پر ایکسائز ڈیوٹی سے حاصل ہونے والی

آمدنی بڑھتی جاتی ہے ۔ حکومتِ پاکستان کو اِس مد سے 88-1987ء میں 17382 ملین روپے کی آمدنی متوقع تھی ۔

(iii) انکم ٹیکس اور کارپوریشن ٹیکس (Income Tax and Corporation Tax)

انکم ٹیکس افراد کی آمدنیوں پر نافذ کیا جاتا ہے اور اسے مستزائد شرح (Progr-essive Rate) سے نافذ کیا جاتا ہے ۔ یعنی آمدنی کے بلند سے بلند تر مدارج پر اس کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہوتا ہے ۔ قابلِ ٹیکس آمدنی ایک خاص معیار سے شروع ہوتی ہے ۔ اور اس معیار سے کم تر آمدنیاں انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتی ہے ۔

کارپوریشن ٹیکس ، کاروباری اداروں کی آمدنی یعنی منافع جات پر عائد کیا جاتا ہے اور اس کی شرح بھی مستزائد ہوتی ہے ۔ تاہم حکومت ان اداروں کو عمارات اور مشینری کی شکست و ریخت کا الاؤنس دیتی ہے ۔

حکومت پاکستان کو 88-1987 میں انکم ٹیکس اور کارپوریشن ٹیکس سے 12480 ملین روپے حاصل ہونے کی توقع تھی ۔

(iv) زرعی انکم ٹیکس (Agricultural Income Tax):

زرعی ممالک میں جہاں زرعی شعبے میں جدید پیداواری طریقے استعمال کیے جاتے ہیں اور فی ایکڑ پیداوار بلند ہوتی ہے ، وہاں زرعی انکم ٹیکس کے ذریعے حکومت کو بھاری آمدنی حاصل ہوتی ہے ۔ یہ ٹیکس بھی مستزائد شرح سے نافذ کیا جاتا ہے ۔ پاکستان میں تاحال زرعی پیداوار سے حاصل ہونے والی آمدنیاں ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں ، جس کا مقصد یہ ہے کہ زرعی شعبے کے افراد کی آمدنیاں بڑھائی جائیں ، تاکہ وہ جدید مداخل کے اخراجات برداشت کر سکیں اور پیداوار میں اضافہ ممکن ہو ۔

(v) بِکری ٹیکس یا سیلز ٹیکس (Sales Tax):

بکری ٹیکس مخصوص اشیاء کی فروخت پر عائد کیا جاتا ہے ۔ بکری ٹیکس ایسی اشیاء پیدا کرنے والے آجرین سے یا پھر ان اشیاء کے خریداروں سے وصول کیا جاسکتا ہے ۔ بنیادی ضرورت کی اشیاء کے سرمایہ پر بکری ٹیکس نافذ نہیں کیا جاتا ہے ، تاکہ نہ تو عام صارفین زیر بار آئیں اور نہ ہی اشیا کے سرمایہ کے استعمال کی حوصلہ شکنی ہو ۔

حکومت پاکستان کو 88-1987ء میں بِکری ٹیکس سے مجموعی طور پر 7852 ملین

روپے کی آمدنی کی توقع تھی۔

(vi) متفرق ٹیکس (Miscillanious Tax): متذکرہ بالا ٹیکسوں کے علاوہ حکومت کو اپنی محصولاتی آمدنی چند دیگر ٹیکسوں کے ذریعے بھی حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً دولت، ٹیکس، تحفہ ٹیکس اور وراثت ٹیکس وغیرہ۔

1987-88 ء کے دوران حکومتِ پاکستان کو متفرق ٹیکسوں سے 974 ملین روپے حاصل ہونے کی توقع تھی۔

8.4.2 غیر محصولاتی آمدنی کے ذرائع (Sources of Non-Tax Revenue)

حکومت کی غیر محصولاتی آمدنی کے ذرائع درج ذیل ہوتے ہیں۔

(i) فیس (Fees): فیس حکومت کی ان خدمات کا معاوضہ ہوتی ہے، جن سے لوگ براہِ راست فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مثلاً اکثر ممالک میں افراد کو اسلحہ رکھنے کی کھلی اجازت نہیں ہوتی ہے۔ تاہم اگر کوئی فرد بندوق یا ریوالور رکھنا چاہے تو اسے حکومت کی خصوصی اجازت حاصل کرنی ہوگی۔ جس کے لیے اسے لائسنس فیس ادا کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح حکومت گاڑیوں کی رجسٹریشن فیس اور کورٹ فیس بھی وصول کرتی ہے۔

فیس سرکاری خدمات کے مصارف سے کم ہوتی ہے۔ ٹیکس اور فیس کا ایک نمایاں فرق یہ ہوتا ہے کہ ٹیکس دہندہ حکومت سے ٹیکس کی رقم کے عوض براہِ راست کوئی مفاد حاصل نہیں کر سکتا۔ جبکہ فیس براہِ راست مفاد کا ہی معاوضہ ہوتی ہے۔

(ii) قیمت (Price): حکومت بعض اشیا و خدمات کاروباری سطح پر فروخت کرتی ہے۔ سرکاری شعبے کی مہیا کردہ اشیا و خدمات قیمت کے عوض بکتی ہیں۔ پاکستان میں حکومت پوسٹ آفس کی اشیاء (مثلاً پوسٹ کارڈ، لفافہ اور منی آرڈر کے ذریعے رقوم منتقل کرنے کی خدمات) واپڈا کی بجلی، ریلوے کی سفری خدمات، ٹیلیفون و تار کی خدمات، گھی کارپوریشن آف پاکستان کا تیار کردہ گھی اور سٹیل ملز کراچی کی پیداوار۔س وغیرہ قیمت کے عوض فروخت ہوتی ہیں۔ قیمت، سرکاری آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہوتی ہے۔

(iii) خصوصی تشخیص (Special Assessment): حکومت بعض علاقوں میں خصوصی ترقیاتی اخراجات کرتی ہے۔ مثلاً سڑکیں بنواتی ہے۔ بجلی سپلائی کرتی

ہے ۔ ہسپتال اور منڈیاں قائم کرتی ہے اور پانی کے نکاس کی سہولتیں مہیّا کرتی ہے۔ ایسے علاقوں میں سرکاری اخراجات کے نتیجے میں مقامی پراپرٹی مثلاً مکانات اور زرعی زمینوں کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے ، جس سے ان اثاثوں کے مالکان کی آمدنی میں ایسا اضافہ ہوتا ہے ، جس کے لیے انھوں نے کوئی تردّد نہیں کیا ہوتا ۔ حکومت ایسے علاقوں کی پراپرٹی کی اضافی مالیت کا ایک حصہ خصوصی تشخیصی (Special Assessment) کے ذریعے وصول کرتی ہے ۔

(iv) سرکاری جائیداد (State Property): حکومت کو اپنی جائیداد سے بھی خاصی آمدنی ہوتی ہے ۔ مثلاً حکومت جنگلات کو ٹھیکے پر دیتی ہے ۔ کانیں پٹے پر دیتی ہے اور سرکاری زمینوں پر کاشتکاری کرواتی ہے اور ماہی گیری کے لائسنس جاری کرتی ہے وغیرہ وغیرہ ۔ جن ممالک میں قدرتی وسائل کی فراوانی ہوتی ہے ، وہاں حکومت کو اپنی جائیداد سے بھاری آمدنی وصول ہوتی ہے ۔

(v) تحائف (Gifts): حکومت کو غیر ممالک کی حکومتوں اور نجی افراد سے جو تحائف وصول ہوتے ہیں ، وہ بھی سرکاری آمدنی کا حصہ ہوتے ہیں ۔ اگر کسی ملک میں قدرتی آفات مثلاً زلزلے ، سیلاب اور خشک سالی واقع ہوں اور کافی آبادی متاثر ہو تو دیگر ممالک کی حکومتیں اور نجی ادارے متاثرہ افراد کی مالی امداد کے لیے حکومت کو تحائف بھیجتے ہیں ۔ یہ تحائف سرکاری آمدنی میں اضافے کا موجب بنتے ہیں ۔ 88-1987 میں حکومت پاکستان کو غیر محصولاتی ذرائع سے مجموعی طور پر 35366 ملین روپے حاصل ہونے کی توقع تھی ۔

8.5 ٹیکس عائد کرنے کے اصول (Canons of Convenience)

پُرانے زمانے میں بد عنوان شاہی حکومتیں من مانے طریقے سے ٹیکس وصول کرتی تھیں ، لیکن اب جمہوری قدروں کو فروغ حاصل ہو رہا ہے ۔ حکومتیں بھی روشن خیال اور ترقی پسند ہوتی جارہی ہیں ۔ لہٰذا اب حکومتیں چند اصولوں کے تحت ٹیکس عائد کرتی ہیں ۔ ذیل میں ہم ٹیکس عائد کرنے کے اصولوں کا جائزہ لیتے ہیں ۔ ان میں سے پہلے چار اصول آدم سمتھ (Adam Smith) نے تجویز کیے۔

(i) اصولِ مساوات (Canon of Equity): اس سے مراد یہ ہے کہ شہریوں کو اپنی مالی حیثیت کے مطابق ٹیکس کی ادائیگی کرنی چاہیے ۔ چنانچہ اصول مساوات کے معنی

یہ نہیں کہ افراد کو مساوی ٹیکس ادا کرنا چاہیے ۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر شہری کو حکومتی خزانے کے لیے یکساں قربانی دینی چاہیے ۔ یہ تب ممکن ہو گا جب زیادہ آمدنی والے افراد زیادہ شرح سے ٹیکس ادا کریں اور کم آمدنی والے افراد کم شرح سے ٹیکس ادا کریں ۔ صرف اسی صورت میں ان کی محصولاتی ادائیگی کی قربانی ، اصولِ مساوات کا تقاضا پُورا کر سکتی ہے ۔

اسی اصول کی روشنی میں موجودہ دور کی حکومتیں مستزائد شرح سے براہِ راست ٹیکس ، مثلاً انکم ٹیکس عائد کرتی ہیں ۔

(ii) اصول تیقّن (Canon of Certainity) : یہ اصول اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ٹیکس گزار کو اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ اسے کس قسم کا ٹیکس ادا کرنا ہے ۔ کس طریقے سے ادا کرنا چاہیے کس وقت اور کس جگہ پر ادا کرنا ہے ۔ اگر ٹیکس کا نظام اصولِ تیقن پر پُورا نہ اُترتا ہو تو ٹیکس کی وصولی غیر یقینی ہو جائے گی ۔ نیز ٹیکس گزار محکمہ ٹیکس کے اہلکاروں کے رحم و کرم پر ہو گا ۔ جو اسے ٹیکس کی رقم میں اضافہ کرنے کی دھمکی دے کر رشوت وصول کر سکتے ہیں ۔ اگر ٹیکس کا نظام اصول تیقن پر پورا نہ اترتا ہو تو بالواسطہ طور پر حکومت کو بھی یقین ہو گا کہ اسے ٹیکس سے کتنی آمدنی وصول ہو گی ۔

(iii) اصولِ سہولت (Canon of Convenience): اصولِ سہولت کے بارے میں آدم سمتھ نے لکھا کہ :

"ٹیکس اس وقت عائد کیا جانا چاہیے یا ایسے طریقے سے عائد کیا جانا چاہیے کہ ٹیکس گزار کے لیے اس رقم کی ادائیگی ممکنہ طور پر سہل ترین ہو۔" اس لیے یہ ضروری ہے کہ ٹیکس اس وقت طلب کیا جائے جب ٹیکس گزار اسے ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو ۔ مثلاً حکومت ، زمینداروں سے مالیہ اس وقت وصول کرتی ہے جب ان کی فصل منڈی میں فروخت ہو چکی ہو ۔

(iv) اصول کفایت (Canon of Economy): اس کے معنی یہ ہیں کہ ٹیکس اکٹھا کرنے کے اخراجات کم از کم ہونے چاہییں تاکہ ٹیکس کی وصولی میں سے حتی الامکان زیادہ سے زیادہ رقم سرکاری خزانے میں جمع کرائی جاسکے ۔ اگر حکومت کے کسی عائد کردہ ٹیکس کے سلسلے میں ٹیکس گزار مجموعی طور پر 50 لاکھ روپیہ ادا کریں اور اسی ٹیکس کو

جمع کرنے کے کام پر مامور عملے کی تنخواہوں پر 30 لاکھ روپیہ خرچ ہو جائے تو سرکاری خزانے میں فقط 20 لاکھ روپے جمع کرائے جاسکیں گے ۔ ایسا ٹیکس اصولِ کفایت کے منافی ہوگا۔

ٹیکس عائد کرنے کے دیگر اصول (Other Canon of Taxation)

آدم سمتھ کے متذکرہ بالا اصولوں کے علاوہ دیگر ماہرینِ اقتصادیات نے ٹیکس عائد کرنے کے چند مزید اصول وضع کیے ہیں ۔ یہ اصول اس طرح ہیں

(v) اصول پیداواری (Canon of Productivity): اس اصول کی وضاحت دو مختلف زاویوں سے کی جاسکتی ہے ۔ اوّل یہ کہ اس اصول کے مطابق حکومت کو ٹیکسوں کے ذریعے اتنی رقم ضرور مل جانی چاہیے کہ حکومت اپنے ضروری اخراجات پورے کرسکے ۔ دوم یہ کہ ٹیکس کی آمدنی حکومت کی ضروریات سے زیادہ بھی نہیں ہونی چاہیے ۔ اگر حکومت اپنی ضروریات سے بڑھ کر ٹیکس وصول کرے تو افراد کی بچتوں میں کمی واقع ہوگی اور اس کے نتیجے میں سرمایہ کاری کا حجم بھی گر جائے گا ۔ نیز بالواسطہ ٹیکسوں کے بار کی وجہ سے اشیاء مہنگی ہو جائیں گی اور ان کی طلب و پیداوار گر جائے گی اور قومی آمدنی و روزگار میں کمی ہوگی ۔

(vi) اصول لچکداری (Canon of Etasticity): ٹیکس کا نظام ایسا ہونا چاہیے کہ اگر حکومت کی مالی ضروریات میں اضافہ ہو جائے تو ٹیکس بڑھا کر سرکاری آمدنی میں اضافہ کیا جاسکے ۔ اسی طرح اگر حکومت کی مالی ضروریات میں کسی وجہ سے کمی ہو جائے ۔ تو ٹیکس گھٹا کر سرکاری آمدنی میں کمی کی جاسکے ۔ اصول لچکداری کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اگر ملک میں قومی پیداوار اور شخص آمدنیاں بڑھ رہی ہوں ۔ تو ٹیکس کے موجودہ نظام کے ذریعے سرکاری آمدنی میں اضافہ ہو جانا چاہیے۔ لیکن اگر قومی پیداوار اور شخصی آمدنیاں گر رہی ہوں تو موجودہ نظام ٹیکس کو برقرار رکھتے ہوئے حکومت کی آمدنی میں کمی ممکن ہو ۔

(vii) اصولِ سادگی (Canon of Simplicity) اصولِ سادگی یہ مطالبہ کرتا ہے کہ نظام ٹیکس بالکل سادہ ہونا چاہیے ، تاکہ ٹیکس گزار ٹیکس کی قسم اور اس کے طریقہ ادائیگی وغیرہ کو بآسانی سمجھ سکے ۔ نیز اگر طریقہ ادائیگی سادہ ہوگا تو ٹیکس گزاروں کو رقم ادا کرنے میں کوئی مشکل محسوس نہ ہوگی اور حکومت کی محصولاتی آمدنی بڑھ جائے گی۔

(viii) اصولِ تنوّع (Canon of Divercity) یہ اصول اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حکومت کی آمدنی کا ذریعہ صرف ایک قسم کا ٹیکس یا چند قسم کے ٹیکس نہیں ہونے چاہییں، بلکہ کئی قسم کے ٹیکس حکومت کی آمدنی کا ذریعہ ہونے چاہییں ۔ تاکہ اگر ایک ٹیکس یا چند ٹیکسوں کے ذریعے متوقع آمدنی حاصل نہ ہو سکے تو دیگر ٹیکسوں کی شرح میں اضافہ کرکے آمدنی کے خسارے کو پورا کیا جاسکے ۔ اگر کسی ملک میں آمدنی کا ذریعہ صرف زرعی انکم ٹیکس ہو تو خشک سالی کے دوران پیداوار زرعی آمدنی میں زبردست کمی واقع ہوگی اور حکومت کو زرعی انکم ٹیکس کی وساطت سے فقط ایک حقیر آمدنی وصول ہوگی۔ اس طرح حکومت مالی مشکلات میں گھر جائے گی ، لیکن اگر حکومت متنوّع قسم کے ٹیکس عائد کرے تو کسی ایک ٹیکس سے آمدنی میں کمی ہو جانے کے باوجود حکومت دیگر ٹیکسوں سے خاطر خواہ آمدنی پاکر اپنے اخراجات پورے کر سکتی ہے ۔

اصول تنوّع کو اپنانا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر حکومتی آمدنی کا ذریعہ ایک یا دو قسم کے ٹیکس ہوں تو سرکاری ٹیکس کا بار آبادی کے ایک محدود طبقے پر پڑے گا ، جبکہ دیگر طبقات ٹیکس کے بار سے صاف بچ جائیں گے ۔ یہ صورتِ حال اصولِ مساوات کے منافی ہوگی ۔

8.6 ٹیکس کا نفاذ، ٹیکس کا انتقال اور ٹیکس کا بار
(Impact Shifting and Incidance Tax)

ٹیکس کا نفاذ اس شخص پر واقع ہوتا ہے ، جو اُسے وقتی طور پر ادا کرتا ہے ۔ تاہم ہو سکتا ہے کہ جس شخص پر ٹیکس نافذ ہوتا ہے وہ اس ٹیکس کو کسی اور کے کندھے پر منتقل کردے ۔ اسے ٹیکس کا انتقال کہتے ہیں ۔ لیکن جو شخص بالآخر ٹیکس کا بوجھ ادا کرتا ہے۔ اُس پر ٹیکس کا بار واقع ہوتا ہے ۔ مثلاً حکومت کپڑے کی پیداوار پر ایکسائز ڈیوٹی نافذ کرتی ہے۔ اگر کپڑا تیار کرنے والا آجر سرِ دست ایکسائز ڈیوٹی ادا کرتا ہے تو وہ اس ٹیکس کو کپڑے کی قیمت میں شامل کرکے بالآخر صارف سے وصول کرتا ہے ۔ چنانچہ اس مثال میں ٹیکس کا نفاذ آجر پر واقع ہوتا ہے ، لیکن وہ ٹیکس کو صارف پر منتقل کر دیتا ہے ، جو حتمی طور پر ٹیکس کا بار برداشت کرتا ہے ۔

8.7 ٹیکسوں کی اقسام (Kinds of Taxation)

نفاذ اور بار کے لحاظ سے ٹیکسوں کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں :

(الف) براہِ راست ٹیکس (Direct Tax): براہِ راست ٹیکس وہ ٹیکس ہوتا ہے، جس کا نفاذ اور بار ایک ہی شخص پر واقع ہوتے ہیں ۔ یعنی جس شخص پر اس ٹیکس کا نفاذ ہوتا ہے ، وہ اس کے بار کو کسی اور کے کندھوں پر منتقل نہیں کر سکتا ۔ مثلاً انکم ٹیکس (Income Tax) ، دولت ٹیکس (Wealth Tax) اور تحفہ ٹیکس (Gift Tax) وغیرہ ۔ براہِ راست ٹیکس کو بلاواسطہ ٹیکس بھی کہتے ہیں ۔

(ب) بالواسطہ ٹیکس (Indirect Tax): بالواسطہ ٹیکس ایسا ٹیکس ہوتا ہے جس کا نفاذ اور بار مختلف افراد پر واقع ہوتے ہیں۔ گویا جس شخص پر ٹیکس کا نفاذ ہوتا ہے۔ وہ اس کا بار کسی اور کے کندھے پر منتقل کر دیتا ہے ۔ مثلاً درآمدی کسٹم ، ایکسائز ڈیوٹی اور محصول چونگی وغیرہ بالواسطہ ٹیکس ہیں جو اشیاء پر لگائے جاتے ہیں ۔

شرح ادائیگی کے لحاظ سے ٹیکسوں کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں :

(الف) متناسب ٹیکس (Proportional Tax): متناسب ٹیکس وہ ٹیکس ہوتا ہے جو آمدنی کی ہر سطح پر ایک شرح سے لاگو کیا جاتا ہے ۔ مثلاً اگر انکم ٹیکس دو فی صد سالانہ کی متناسب شرح سے نافذ کیا جائے تو بیس ہزار روپے سالانہ آمدنی پانے والا فرد 400 روپے ادا کرے گا، جبکہ چالیس ہزار روپے سالانہ آمدنی پانے والا فرد 800 روپے ادا کرے گا۔ گویا ان افراد کے ٹیکس کی رقم میں وہی تناسب ہوگا جو ان کی آمدنی میں ہوگا ۔

(ب) مستزائد ٹیکس (Progressive Tax): مستزائد ٹیکس ایسا ٹیکس ہوتا ہے جو آمدنی کی کم تر سطح پر کم شرح سے اور آمدنی کی بلند تر سطح پر زیادہ شرح سے لاگو کیا جاتا ہے ۔ گویا جوں جوں آمدنی بڑھتی جاتی ہے، ٹیکس کی شرح میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ مثلاً اگر بیس ہزار روپے سالانہ آمدنی پانے والا فرد دو فیصد سالانہ کی شرح سے ٹیکس ادا کرتا ہے تو چالیس ہزار روپے سالانہ آمدنی پانے والا فرد نسبتاً زیادہ شرح سے مثلاً پانچ فیصد کی شرح سے ٹیکس ادا کرتا ہے تو یہ مستزائد ٹیکس کی مثال ہوگی ۔ اس مثال میں بیس ہزار روپے سالانہ آمدنی پانے والا فرد تو چار سو روپے ادا کرے گا لیکن چالیس ہزار روپے سالانہ آمدنی پانے والا شخص دو ہزار روپے ٹیکس ادا کرے گا ۔ گویا ان افراد کی آمدنیوں کے فرق کے مقابلے میں ان کے واجب الادا ٹیکس میں زیادہ فرق ہوگا ۔ مستزائد ٹیکس اصولِ مساوات کے عین مطابق ہوتا ہے ، اس لیے تمام ممالک میں

انکم ٹیکس مستزائد شرح سے نافذ کیا جاتا ہے۔

8.8 براہِ راست ٹیکسوں کی خوبیاں اور خامیاں (Merits and Demerits of Direct Taxes)

براہِ راست ٹیکس متعدد خوبیوں اور خامیوں کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس قسم کے ٹیکسوں کے حق میں اور ان کے خلاف متعدد دلائل دیے جاسکتے ہیں۔

براہِ راست ٹیکسوں کی خوبیاں (Merits of Direct Taxes)

براہِ راست ٹیکسوں کی یہ خوبیاں ہیں :-

(i) براہِ راست ٹیکس مستزائد ہوتے ہیں ، اس لیے یہ اصول مساوات کا تقاضا پورا کرتے ہیں۔

(ii) براہِ راست ٹیکسوں کو اکٹھا کرنے پر حکومت کو کم اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں ، اس لیے یہ اصولِ کفایت پر بھی پورے اترتے ہیں۔

(iii) حکومت ان ٹیکسوں کی آمدنی کا پیشگی تخمینہ لگا سکتی ہے اور یہ تخمینہ اکثر حالات میں درست ہوتا ہے۔ چنانچہ براہِ راست ٹیکس اصولِ تیقن کا تقاضا بھی پورا کرتے ہیں۔

(iv) حکومت ضرورت پڑنے پر براہِ راست ٹیکسوں کی شرح میں تبدیلی کرکے ٹیکس کی آمدنی بڑھا یا گھٹا سکتی ہے ، اس لیے یہ ٹیکس اصولِ لچکداری کے بھی مطابق ہوتے ہیں۔

(v) براہِ راست ٹیکس ٹیکس گزاروں میں احساسِ شہریت پیدا کرتے ہیں۔

بالواسطہ ٹیکسوں کی خوبیاں (Merits of Indirect Taxes)

براہِ راست ٹیکس کی خامیاں یہ ہوتی ہیں :

(i) براہِ راست ٹیکسوں کی وصولی کا انحصار بہت حد تک ٹیکس گزار کی دیانت داری پر ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ ان ٹیکسوں سے ٹیکس گزاروں کو بد دیانتی کی ترغیب ملتی ہے۔

(ii) براہِ راست ٹیکسوں کی ادائیگی ٹیکس گزاروں کو بہت ناگوار لگتی ہے ، کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ حکومت نے انھیں ان کی آمدنی کے ایک حصے سے محروم کر دیا ہے۔

(iii) براہِ راست ٹیکسوں کی ادائیگی سے بچتوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

(iv) براہِ راست ٹیکس یکمشت ادا کرنے پڑتے ہیں اور ان کی مالیت خاصی زیادہ ہوتی ہے، اس لیے ٹیکس گزاروں کو ان کی ادائیگی میں مشکل پیش آتی ہے۔ خصوصاً تنخواہ دار طبقے کے لیے یکمشت انکم ٹیکس ادا کرنا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔

8.9 بالواسطہ ٹیکسوں کی خوبیاں اور خامیاں
(Merits and Demerits of Indirect Taxes)

بالواسطہ ٹیکسوں کی بھی کئی خوبیاں اور خامیاں ہیں، اس لیے اس قسم کے ٹیکسوں کی حمایت اور ان کے خلاف کئی دلائل دیے جاسکتے ہیں۔

بالواسطہ ٹیکسوں کی خوبیاں (Merits of Indirect Taxes)

(i) یہ ٹیکس اصولِ سہولت کی خوبی کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ ٹیکس اشیا کی قیمتوں میں مخفی ہوتے ہیں اور صارف انھیں اپنی سہولت کے مطابق ادا کر سکتا ہے۔

(ii) حکومت کے لیے ایسے ٹیکسوں کی وصولی یقینی ہوتی ہے۔ کیونکہ جب صارفین اشیاء کو خریدنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو وہ قیمت کے ساتھ ہی ٹیکس بھی ادا کر دیتے ہیں، اس لیے ٹیکس گریزی (Tax Evasion) محال ہوتی ہے۔

(iii) یہ ٹیکس اصولِ سادگی پر پورے اترتے ہیں۔ ان ٹیکسوں کی ادائیگی کے لیے ٹیکس دہندگان کو دفتری کاروائی سے واسطہ نہیں پڑتا۔

(iv) بالواسطہ ٹیکس بنیادی ضروریات زندگی پر کم شرح سے اور سامان تعیش پر بلند شرح سے نافذ کیے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ ٹیکس اصولِ مساوات پر بھی پورے اترتے ہیں۔

(v) یہ ٹیکس حکومت کی مالیاتی پالیسی کے آلۂ کار کا کام دیتے ہیں۔ سرد بازاری کے حالات میں بالواسطہ ٹیکس کم کر دیے جاتے ہیں جس سے صارفین کی قابلِ تصرف شخصی آمدنی (Disposable Personal Income) بڑھ جاتی ہے اور وہ نسبتاً زیادہ مقدار میں اشیاء طلب کر سکتے ہیں۔ چنانچہ پیداوار کی مجموعی طلب میں اضافہ ہوتا ہے اور سرد بازاری کا علاج کیا جاسکتاہ۔ اس کے برعکس گرم بازاری اور افراطِ زر کے حالات میں بالواسطہ ٹیکس کے بار میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

بالواسطہ ٹیکسوں کی خامیاں (Demerits of Indirect Taxes)

(i) یہ ٹیکس امیر و غریب ایک ہی شرح سے ادا کرتے ہیں ۔ ضرورت کی عام صرفی اشیاء زیادہ تر غریب لوگ ہی خریدتے ہیں ۔ چنانچہ ان ٹیکسوں کا زیادہ تر بوجھ غریبوں پر پڑتا ہے ۔ دریں حالات یہ اصولِ انصاف کا تقاضا پورا نہیں کرتے ۔

(ii) آجرین بالواسطہ ٹیکسوں کی آڑ میں فروخت کردہ اشیاء پر اپنا منافع بھی بڑھا لیتے ہیں اور اس طرح وہ غریب صارفین کا استحصال کرتے ہیں ۔

(iii) یہ ٹیکس اشیاء کی قیمت میں مخفی ہوتے ہیں اور اکثر حالات میں صارفین کو یہ علم نہیں ہوتا کہ انھوں نے قیمت کے ساتھ کس قدر ٹیکس ادا کیا ہے ۔ چنانچہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ بالواسطہ ٹیکس لوگوں میں احساسِ شہریت پیدا کرنے کا باعث نہیں بنتے ۔

(iv) بنیادی ضرورت کی اشیا کی طلب کی لچک کم ہوتی ہے ، اس لیے وزیر خزانہ سرکاری بجٹ کی آمدنی بڑھانے کے لیے ایسی اشیاء پر ٹیکس کی شرح بڑھا کر اضافی آمدنی کا بندوبست تو کر لیتا ہے لیکن اس سے اشیاء مہنگی ہو جاتی ہیں اور افراطِ زر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ۔

8.10 پاکستان کی مرکزی حکومت کے ذرائع آمدنی (The Revenue Sources of the Federal Government of Pakistan)

پاکستان کی مرکزی حکومت کے ذرائع آمدنی محصولاتی بھی ہیں اور غیر محصولاتی بھی ۔ ذیل میں ہم اِن میں سے نمایاں ذرائع آمدنی کا تعارف کراتے ہیں ۔

محصولاتی آمدنی کے ذرائع (Sources of Tax Revenue)

حکومت پاکستان (یعنی مرکزی حکومت) کی آمدنی کے محصولاتی ذرائع یہ ہیں :

1- درآمدی و برآمدی کسٹم (Import and Export Custom): حکومت پاکستان اکثر درآمدی و برآمدی اشیاء پر کسٹم ڈیوٹی نافذ کرتی ہے ۔ بعض اشیاء پر عائد کردہ کسٹم بلحاظِ وزن یا تعداد (Specific) ہوتا ہے جبکہ بعض دیگر اشیاء پر کسٹم بلحاظِ مالیت (Ad Valorum) عائد کیا جاتا ہے ۔ جن اشیاء پر کسٹم بلحاظِ وزن وصول کیا جاتا ہے ان میں چائے ، چینی ، تمباکو ، مصنوعی دھاگا ، چھالیہ اور فلم مزید 22 اور اشیاء شامل ہیں ۔ جبکہ

تمام دیگر اشیاء پر کسٹم بلحاظِ مالیت وصول کیا جاتا ہے ۔ سامانِ تعیش کی درآمد پر بلند شرح سے کسٹم ڈیوٹی لگائی جاتی ہے ۔ جبکہ پیدا آور درآمدی اشیاء مثلاً مشینوں اور صنعتی خام مال پر کم شرح سے کسٹم ڈیوٹی وصول کی جاتی ہے ۔ بنیادی ضرورت کی اشیاء مثلاً کھادوں ، اہم غذائی اشیاء ، اخباری کاغذ اور کیڑے مار دواؤں کی درآمد کسٹم ڈیوٹی سے مستثنیٰ ہیں ۔

1987-88 کے بجٹ کے تخمینے کے مطابق مرکزی حکومت کو درآمدی و برآمدی کسٹم سے 36.11 بلین روپے کی آمدنی ہوئی جو کہ مجموعی محصولاتی آمدنی کا 46 فیصد تھی ۔ چنانچہ کسٹم کی آمدنی حکومت کی محصولاتی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے ۔

حکومت پاکستان درآمدی، و برآمدی کسٹم کی وساطت سے مخصوص معاشی مقاصد حاصل کرتی ہے ۔ سرکاری خزانے میں کثیر آمدنی کسٹم کے ذریعے حاصل کی جاتی ہے ۔ درآمدی مصنوعات پر بھاری کسٹم لگاکر ملکی صنعتوں کو تحفظ دیا جاتا ہے۔ اشیائے تعیش کی درآمد پر بلند شرح سے کسٹم لگاکر ان کی درآمد کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے ۔ اس سے نہ صرف ملک میں غیر ضروری صرفِ دولت کو کم کیا جاتا ہے بلکہ توازنِ تجارت کے خسارے کو کم کرنے میں بھی امداد ملتی ہے ۔ متعدد برآمدی اشیاء پر معمولی شرح سے کسٹم وصول کیا جاتا ہے ، تاکہ اِن کی برآمد کی حوصلہ افزائی ہو ۔

2- ایکسائز ڈیوٹی (Excise Duty): ملک میں تیار ہونے والی متعدد اشیاء پر مرکزی حکومت ایکسائز ڈیوٹی عائد کرتی ہے ۔ اِن اشیاء میں سگریٹ ، چائے ، چینی، بناسپتی گھی ، صابن ، کپڑا ، اُون ، سیمنٹ ، کیمیائی کھادیں بجلی کے بلب اور مشینری وغیرہ شامل ہیں ۔ ایکسائز ڈیوٹی مرکزی حکومت کی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ ہے ۔ ایکسائز ڈیوٹی ایک بالواسطہ ٹیکس ہے اور یہ اشیاء کی قیمت میں شامل ہوتا ہے چنانچہ اس کا بار صارفین پر پڑتا ہے ۔

1987-88 ء میں حکومت پاکستان کو ایکسائز ڈیوٹی سے 17.52 بلین روپے کی آمدنی حاصل ہوئی ۔ یہ رقم حکومت کی مجموعی محصولاتی آمدنی کا 22 فیصد ہے ۔

3- انکم ٹیکس و کارپوریشن ٹیکس (Income Tax & Corporation Tax)

انکم ٹیکس افراد کی آمدنیوں پر عائد کیا جاتا ہے، جبکہ کارپوریشن ٹیکس کاروباری

اداروں کی آمدنی پر لگایا جاتا ہے ۔ یہ دونوں ٹیکس مستزائد شرح سے عائد کیے جاتے ہیں اور مرکزی حکومت کو اِن سے خطیر آمدنی حاصل ہوتی ہے ۔ یہ دونوں ٹیکس براہِ راست ہوتے ہیں اور جن افراد اور اداروں کی آمدنیوں سے یہ ٹیکس واجب الادا ہوتے ہیں ، وہی اِن کا بار برداشت کرتے ہیں ۔

1987-88 ء میں حکومت کو اس مد سے 12.48 بلین روپے کی آمدنی حاصل ہوئی جو کہ مجموعی محصولاتی آمدنی کا تقریباً 16 فیصد تھی ۔

4- سیلز ٹیکس (Salses Tax): پاکستان میں سیلز ٹیکس بعض ملکی اشیاء اور درآمدی اشیاء پر لگایا جاتا ہے۔ یہ بالواسطہ ٹیکس ہے جس کا بار صارفین پر پڑتا ہے ۔ ملکی اشیاء پر عائد کردہ سیلز ٹیکس انکم ٹیکس کا محکمہ وصول کرتا ہے ، جبکہ درآمدی اشیاء پر سیلز ٹیکس مرکزی ایکسائز کا محکمہ وصول کرتا ہے ۔

سیلز ٹیکس بھی حکومت کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہے ۔ 1987-88 ء میں سیلز ٹیکس سے حکومت کو 7.85 بلین روپے کی آمدنی حاصل ہوئی جو کہ مجموعی محصولاتی آمدنی کا 10 فیصد تھی ۔

غیر محصولاتی آمدنی کے ذرائع (Sources of Non-Tax Revenues)

حکومتِ پاکستان کی غیر محصولاتی آمدنی کے ذرائع یہ ہیں :

1- سُود اور سرمایہ کاری کی آمدنی (Interest and Dividend)

مرکزی حکومت صوبائی حکومتوں ، بنکوں اور مالی اداروں وغیرہ کو اربوں روپے کے قرضے دیتی ہے، جس سے اُسے سُودی آمدنی حاصل ہوتی ہے ۔ علاوہ ازیں حکومت بعض معقول کاروباروں میں حصص خریدتی ہے یا براہِ راست سرمایہ کاری کرتی ہے، جس سے منافع حاصل ہوتا ہے ۔ حکومت کی غیر محصولاتی آمدنی کا یہ ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

1987-88 ء کے بجٹ کے تخمینے کے مطابق حکومت پاکستان کو اِس مد سے 8.60 بلین روپے کی آمدنی ہوئی جو کہ مجموعی غیر محصولاتی آمدنی کا 24 فیصد تھی ۔

2- سرچارجز (Surcharges): حکومت پٹرولیم ، قدرتی گیس اور بجلی وغیرہ پر سرچارج عائد کرتی ہےاور حجم کے لحاظ سے یہ سرچاجز غیر محصولاتی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں ۔

1987-88 ء کے بجٹ کے تخمینے کے مطابق حکومت کو اِس مد سے 10.85 بلین روپے کی آمدنی حاصل ہوئی جو کہ غیر محصولاتی آمدنی کا 30 فیصد تھی۔

3- پوسٹ آفس، ٹیلی فون اور ٹیلیگراف (Post Office and T & T)

پاکستان میں پوسٹ آفس، ٹیلیفون اور ٹیلیگراف سرکاری ادارے ہیں۔

پوسٹ آفس ٹکٹیں، پوسٹ کارڈ اور لفافے فروخت کرتا ہے۔ نیز منی آرڈر کی فیس وصول کرتا ہے۔ ٹیلی فون کا محکمہ ٹیلیفون لگانے اور استعمال کرنے کا معاوضہ وصول کرتا ہے۔ جبکہ ٹیلیگراف کے محکمہ کو تاریں ارسال کرنے سے معقول آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ اپنے اخراجات پورے کرنے کے بعد اِن محکموں کو جو فاضل آمدنی ہوتی ہے وہ حکومت کی آمدنی بن جاتی ہے۔

1987-88 میں حکومت کو اِن محکموں سے 4.51 بلین روپے کی آمدنی ہوئی جو کہ مجموعی غیر محصولاتی آمدنی کا 12 فیصد تھی۔

4- تجارتی منافع جات (Trading Profits) حکومت کے تجارتی ادارے مثلاً ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان (T.C.P) ہر سال تجارتی لین دین سے منافع کماتے ہیں۔ یہ منافع بھی حکومتِ پاکستان کی آمدنی کا ذریعہ شمار ہوتا ہے۔

1987-88 ء میں حکومت کو 1.54 بلین روپے کے تجارتی منافع جات حاصل ہوئے جو کہ مجموعی غیر محصولاتی آمدنی کا 4 فیصد تھے۔

8.11 پاکستان کے نظامِ محصولات کا تجزیہ
(An Analysis of the Revenue System in Pakistan)

پاکستان کے محصولاتی نظام کا جائزہ لیا جائے تو اس کی کئی خوبیاں سامنے آتی ہیں۔ پاکستان کے محصولاتی نظام میں جو اصول کار فرما ہیں وہ یہ ہیں:

(الف) اصولِ مساوات : پاکستان میں براہِ راست ٹیکسوں کا نظام اصولِ مساوات کی جانب مائل ہے۔ براہِ راست ٹیکس مستزائد ہیں۔ چنانچہ کم آمدنی پر کم شرح سے انکم ٹیکس نافذ کیا جاتا ہے، لیکن آمدنی کے بلند سے بلند تر مدارج پر انکم ٹیکس کی شرح بڑھتی جاتی ہے۔ قابلِ ٹیکس آمدنی کی حدِ زیریں 40,000 روپے سالانہ ہے۔

(ب) **اصول سادگی :** ٹیکس گزار اپنی قابلِ ٹیکس آمدنی کا تخمینہ لگا کر خود ہی واجب الادا ٹیکس کا تعین کر لیتے ہیں اور ٹیکس کی رقم حکومت کے خزانے میں جمع کرا دیتے ہیں ۔ بالواسطہ ٹیکس اشیاء کی قیمتوں میں شامل ہوتے ہیں ، اس لیے صارفین اپنی طلب اور سہولت کے مطابق ٹیکسوں کی ادائیگی کر دیتے ہیں ۔ چنانچہ پاکستان میں سرکاری محصولات کا نظام اصولِ سادگی پر پورا اُترتا ہے ۔

(ج) **اصول لچکداری :** حکومت پاکستان مختلف طبقات کے ٹیکس ادا کرنے کی صلاحیت میں کمی بیشی ہونے پر ٹیکسوں کی شرح میں کمی بیشی کرتی ہے اور اس طرح اصولِ لچکداری کا تقاضا پورا ہوتا ہے ۔

(د) **اصولِ پیدا آوری :** حکومت بچتوں کی حوصلہ افزائی کے لیے ٹیکس کی رعایت یا چھوٹ دیتی ہے اور سامانِ تعیش پر ہونے والے اخراجات کی حوصلہ شکنی کے لیے ان اشیا کی درآمد پر یا اندرونِ ملک ان کی پیداوار پر بھاری ٹیکس عائد کرتی ہے ۔ سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے لیے متعدد مراعات فراہم کی گئی ہیں ۔ چنانچہ پاکستان میں نظامِ محصولات اصولِ پیدا آوری کے مطابق تشکیل دیا گیا ہے۔

(i) قومی آمدنی سے محصولاتی آمدنی کا تناسب
(Ratio of Revenue Income to National Income)

کسی بھی ملک میں حکومت محصولاتی نظام کے ذریعے بچت اور سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرتی ہے ۔ آجروں کو پیداوار بڑھانے کے لیے ترغیبات دیتی ہے ، قیمتوں کے تغیرات پر کنٹرول کرتی ہے اور آمدنی کی معاشرتی تقسیم میں عدم ہمواری کو کم کرنے کی کوشش کرتی ہے ۔ حکومت اِن مقاصد کے حصول کے لیے کہاں تک کامیاب ہو سکتی ہے ؟ اس کا انحصار اِس بات پر ہے کہ حکومت معاشی کارکردگی میں مداخلت کرنے اور اسے صحت بخش خطوط پر اُستوار کرنے کا کِس حد تک اختیار رکھتی ہے ۔ قومی آمدنی سے محصولاتی آمدنی کا تناسب یہ ظاہر کرتا ہے کہ ملکی معیشت میں حکومت کو کس قدر عمل دخل حاصل ہے ۔ پاکستان میں خام ملکی پیداوار (G.D.P) سے حکومت کی محصولاتی آمدنی کا تناسب بمشکل 12 فیصد بلکہ اس سے بھی کم ہے ۔ جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ تناسب 35 فیصد یا اس سے زیادہ ہے ۔ دریں حالات معیشت کے مختلف شعبوں میں تبدیلیاں لانے کے سلسلے میں حکومت پاکستان کا محصولاتی آلہ کار کچھ

زیادہ فعال اور بااثر نہیں ہے ۔

(ii) سرکاری آمدنی میں محصولاتی آمدنی کا تناسب

(Ratio of Tax Revenue to total Public Revenue)

حکومت پاکستان اپنے بجٹ کی آمدنی محصولاتی اور غیر محصولاتی ذرائع سے حاصل کرتی ہے ۔ 91-1990 کے وفاقی بجٹ کے تخمینے کے مطابق حکومت کی مجموعی آمدنی سے محصولاتی آمدنی کا تناسب قریباً 66 فیصد بنتا ہے جو کہ بہت ہی بلند ہے ۔ حکومت کو غیر محصولاتی ذرائع مثلاً سرکاری کاروبار ، قدرتی وسائل اور سرکاری جائیداد سے بہت کم آمدنی حاصل ہوتی ہے ۔ گویا سرکاری شعبے کے کاروبار کی استعداد بڑھانے کی ضرورت ہے ۔ معدنی وسائل کے استعمال کو بہتر بنانے کی گنجائش موجود ہے ۔ نیز سرکاری جائیداد سے موصولہ آمدنی بھی بڑھائی جانی چاہیے تاکہ سرکاری اخراجات کے لیے محصولاتی آمدنی پر انحصار کم کیا جاسکے ۔

(iii) محصولاتی آمدنی سے بالواسطہ ٹیکسوں کا تناسب

(Ratio of Indirect Taxes to total Revenue)

پاکستان میں بالواسطہ ٹیکسوں کی بھرمار ہے جبکہ براہ راست ٹیکسوں سے حکومت کو بہت کم آمدنی حاصل ہوتی ہے ۔ بالواسطہ ٹیکس اشیاء کی قیمتوں میں شامل ہوتے ہیں اور ضرورت کی عام اشیاء کا کثیر حصہ محدود آمدنی والے طبقات خریدتے ہیں ۔ جبکہ براہ راست ٹیکس امیر اور متمول طبقات ادا کرتے ہیں ۔ 91-1990 کے پیش کردہ بجٹ کے اعداد و شمار کے مطابق حکومت پاکستان کی مجموعی محصولاتی آمدنی سے بالواسطہ ٹیکسوں کا تناسب قریباً 84 فیصد ہے ۔ جو کہ بہت بلند اور غیر موزوں ہے ۔ گویا پاکستان میں ٹیکسوں کا بوجھ زیادہ تر غریب لوگ برداشت کرتے ہیں ۔ جبکہ خوشحال طبقات پر ٹیکسوں کا بوجھ بہت کم ہے اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ پاکستان کا نظام محصولات اصولِ مساوات کا تقاضا پورا نہیں کرتا ۔

(iv) صنعتکاروں کے لیے ٹیکسوں کی بہت زیادہ رعایات

(Undue Tax Concessions for Industrialists)

پاکستان میں صنعتکاروں خصوصاً بڑے صنعتکاروں کو حکومت کی جانب سے بہت سی رعایات حاصل ہیں ۔ انھیں غیر ملکی اشیاء کے مقابلے میں تامین (Protection) دی گئی ہے ۔ انھیں ٹیکسوں کی گوناں گوں رعایات حاصل ہیں ۔ نیز انھیں برآمدی اعانے

بھی دیے جاتے ہیں ۔ چنانچہ اکثر صنعتکار بین الاقوامی منڈی میں مقابلیاتی طاقت (Competitiveness) حاصل نہیں کر سکے ۔ ٹیکسوں کی غیر ضروری رعایات کی وجہ سے آجرین پیداواری طریقوں میں جدت اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی تحقیق پر روپیہ خرچ کرتے ہیں ۔ ان کی پیداوار کے مصارف بلند ہوتے ہیں اور کوالٹی گھٹیا ہوتی ہے ۔ لہٰذا وہ اپنی مصنوعات زیادہ تر اندورنِ ملک ہی فروخت کر سکتے ہیں ۔ اس لیے ملک میں صنعتی پیداوار کا حجم پست ہے اور حکومت کو اس سے حاصل ہونے والی محصولاتی آمدنی بھی پست ہے ۔

(v) محصولات کا غیر مستعد نظام (Inefficient Tax System)

پاکستان کا نظامِ محصولات غیر مستعد اور غیر مؤثر ہے ۔ کاروباری لوگ ہر سال کروڑوں روپے کی ٹیکس گریزی (Tax Evasion) کرتے ہیں ۔ حکومت نے جولائی 1985ء میں ٹیکسوں کے نظام کا جائزہ لینے اور اس کی اصلاح کی تجاویز مرتب کرنے کے لیے نیشنل ٹیکسیشن ریفارم کمیشن (National Taxstion Reform Commission) قائم کیا ۔ اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ 85-1984 میں حکومت نے جو براہ راست ٹیکس نافذ کیے ان میں سے صرف 27.5 فیصد کے برابر رقم خزانے میں وصول کی جا سکی جبکہ ٹیکس گریزی (Tax Evasion) کا تناسب 72.5 فیصد تھا ۔ محکمہ ٹیکس کے عملے کی استعداد اور فرض شناسی تسلی بخش نہیں ہے ۔ دریں حالات حکومت کی محصولاتی آمدنی بہت کم ہے ، جس کے نتیجے میں معاشرتی بہبود پر حکومت کے اخراجات میں معقول اضافہ کرنا مشکل ہوتا ہے ۔

8.12 سرکاری اخراجات (Public Expenditure)

حکومت کو کئی قسم کے فرائض سرانجام دینے پڑتے ہیں جن میں ملک کا دفاع عوام کی جان و مال کا تحفظ اور دیگر متعدد انتظامی و ترقیاتی فرائض شامل ہیں ۔ ان فرائض کی انجام دہی کے لیے حکومت کو ہر سال اربوں روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حکومت کے فرائض اور اُن کے لیے مطلوبہ اخراجات میں اضافہ ہوتا جارہا ہے ۔

سرکاری اخراجات کو مندرجہ ذیل دو زُمروں میں تقسیم کیا جاتا ہے

(الف) آمدنیاتی اخراجات (Revenue Expenditure)

یہ ایسے اخراجات ہوتے ہیں جو پیداوار میں براہ راست اضافہ کرنے کا باعث نہیں بنتے ۔ چنانچہ

ایسے اخراجات کو غیر ترقیاتی اخراجات (Non-development Expenditure) یا رواں اخراجات (Current Expenditure) بھی کہتے ہیں ۔ ایسے اخراجات کی مدوں میں دفاع ، نظم و نسق عامہ ، پولیس ، عدالتیں ، خوراک ، تعلیم عامہ ، صحت عامہ ، سماجی تحفظ ، اعانے اور قرضوں پر سُود وغیرہ شامل ہوتے ہیں ۔ ترقیاتی پراجیکٹوں کی تکمیل کے بعد اُنھیں چالو رکھنے پر جو اخراجات کیے جاتے ہیں وہ بھی غیر ترقیاتی اخراجات کے زُمرے میں آتے ہیں ۔ ایسے تمام اخراجات حکومت کی اُس آمدنی میں سے پورے کیے جاتے ہیں جو براہِ راست اور بالواسطہ ٹیکسوں ، سرکاری جائیداد ، کاروبار اور سرچارجز (Surcharges) وغیرہ سے حاصل ہوتی ہے ۔

پاکستان میں سرکاری بجٹ کے مجموعی اخراجات سے آمدنیاتی اخراجات کا تناسب بہت بلند ہے 91-1990 کے مجوزہ بجٹ میں یہ تناسب قریباً 70 فیصد بنتا ہے ۔ آمدنیاتی اخراجات میں اضافے کے اسباب یہ ہیں :

(i) دفاعی اخراجات میں اضافہ ہوتا جارہا ہے ۔

(ii) سرکاری قرضوں پر واجب الادا سُود بڑھتا جارہا ہے ۔

(iii) نظم و نسق عامہ اور امن و امان قائم رکھنے پر حکومت کو ہر اگلے سال نسبتاً زیادہ اخراجات کرنے پڑتے ہیں ۔

(iv) تعلیم و تربیت اور صحت کی سہولتوں میں اضافہ کیا جارہا ہے ۔

(ب) سرمایاتی اخراجات (Capital Expenditure) یہ ایسے اخراجات ہوتے ہیں جن کے نتیجے میں پیداوار اور روزگار میں براہِ راست اضافہ ہوتا ہے اور سرکاری ٹیکسوں کی آمدنی کے لیے ذرائع پیدا ہوتے ہیں ۔ چنانچہ انھیں ترقیاتی اخراجات (Development Expenditure) بھی کہتے ہیں ۔ سڑکوں کی تعمیر ، ریلوے کی توسیع و ترقی ، نہروں کی کھدائی ، ڈیموں اور بجلی گھروں کی تعمیر ، ذرائع خبررسانی کی توسیع اور اس قسم کے دیگر ترقیاتی پراجیکٹوں کے اخراجات سرمایاتی ہوتے ہیں ۔

حکومت پاکستان کے سرمایاتی اخراجات سالانہ ترقیاتی پروگرام (Anual Development Programme) میں شامل ہوتے ہیں۔ سال بہ سال بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر حکومت کے سرمایاتی اخراجات میں اضافہ ہو رہا ہے ۔ 91-1990 کے وفاقی بجٹ میں سرمایاتی اخراجات کا تخمینہ 63000 ملین روپے ہے ۔

8.13 پاکستان کی مرکزی حکومت (وفاقی حکومت) کے اخراجات کی مدیں (Heads of Expenditure of Federal Government of Pakistan)

پاکستان کی وفاقی حکومت اپنے سالانہ بجٹ میں مجوزہ غیر ترقیاتی اور ترقیاتی اخراجات کا اعلان کرتی ہے ۔ ذیل میں ہم ان اخراجات کی مختلف مدوں کا تعارف کراتے ہیں ۔

غیر ترقیاتی یا رواں اخراجات
(Non-development Expenditure or Current Expenditure)

وفاقی حکومت کے غیر ترقیاتی اخراجات کی اہم مدیں یہ ہیں :

(i) دفاع (Defence) پاکستان کے جغرافیائی اور سیاسی حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ ملک کے دفاع کو مضبوط بنایا جائے ۔ بھارت سے پاکستان کے تعلقات خوشگوار نہیں ہیں اور ماضی میں ان کے درمیان جنگوں کی نوبت آچکی ہے ۔ اُدھر افغانستان کے ساتھ بھی پاکستان کے سیاسی حالات مخدوش ہیں ۔ اس لیے دفاع کو مضبوط بنانے کے لیے وفاقی حکومت کو سالانہ بجٹ میں کثیر رقم مختص کرنی پڑتی ہیں ۔ 1990-91 کے وفاقی بجٹ میں دفاع کی مد پر حکومت کا مجوزہ خرچ 63273.1 ملین روپے ہے ۔

(ii) سود کی ادائیگی (Debt Servicing) حکومت پاکستان کو ترقیاتی پراجیکٹوں کے لیے اور بجٹ کے خسارے کو پُر کرنے کے لیے اندرون اور غیر ملکی ذرائع سے قرض لینا پڑتا ہے جس پر سود کی ادائیگی واجب ہوتی ہے ۔ 1990-91 میں سرکاری قرضوں کے سود کی ادائیگی کے لیے 68419.4 ملین روپے مختص کیے گئے ۔ چنانچہ یہ مرکزی حکومت کے اخراجات کی سب سے بڑی مد ہے ۔

(iii) نظم و نسق عامہ (General Administration) ملک میں نظم و نسق چلانے کے لیے حکومت کو پولیس ، امنِ عامہ عدلیہ ، تعلیم عامہ ، صحت عامہ ، خوراک اور زراعت ، صنعت ، سرحدی علاقوں کے امور اور سفارتی معاملات وغیرہ پر کافی روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے ۔ 1990-91 ء کے بجٹ میں حکومت نے نظم و نسق عامہ پر اور امن و امان (Law and Order) قائم رکھنے پر مجموعی طور پر 10319.3 ملین روپے خرچ کرنے کی تجویز پیش کی ۔

(iv) اعانے (Subsidies) حکومت پاکستان عام ضرورت کی بعض خوردنی اشیاء پر اور چند دیگر اشیاء پر اعانے ادا کرتی ہے ۔ یہ اعانے تین اہم مقاصد کے پیش نظر ادا کیے جاتے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ ان اشیاء کی پیداوار کرنے والوں کو معقول قیمت وصول ہو جائے اور انھیں پیداوار بڑھانے کی ترغیب ملے ۔ دوسرے یہ کہ ان اشیاء کی درآمد پر حکومت کو کثیر زرمبادلہ خرچ نہ کرنا پڑے ۔ تیسرے یہ کہ عوام الناس کو ضرورت کی یہ اشیاء سستے داموں میسّر آسکیں ۔

1990-91 ء کے وفاقی بجٹ میں اعانوں پر 6621.6 ملین روپے خرچ کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے ۔

(v) معاشرتی خدمات (Social Services) حکومت پاکستان نے چند اہم معاشرتی خدمات مہیا کرنے والے محکمے قائم کر رکھے ہیں ۔ ان میں تعلیم و تربیت ، صحت ، سماجی تحفظ اور مذہبی امور کے محکمے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔ حکومت اِن محکموں کی خدمات پر ہر سال کثیر رقوم خرچ کرتی ہے 1990-91 ء کے وفاقی بجٹ میں معاشرتی خدمات پر 5096.8 ملین روپے خرچ کرنے کی تجویز پیش کی گئی ۔

(vi) معاشی خدمات (Economic Services) حکومت پاکستان نے معاشی خدمات سرانجام دینے والے محکمے بھی قائم کر رکھے ہیں ۔ اِن میں ذرائع نقل و حمل و خبر رسانی ، خوراک و زراعت ، آبپاشی ، بجلی گیس اور دیہی ترقی کے محکمے شامل ہیں ۔ 1990-91 ء کے وفاقی بجٹ میں معاشی خدمات پر خرچ کرنے کے لیے 1049.7 ملین روپے مختص کیے گئے ۔

ترقیاتی اخراجات (Development Expenditure)

حکومت کے ترقیاتی اخراجات کے نتیجے میں پیداوار اور روزگار میں براہِ راست اضافہ ہوتا ہے ۔ وفاقی حکومت کے ترقیاتی اخراجات سالانہ ترقیاتی پروگرام کے تحت کیے جاتے ہیں ۔ اِن اخراجات کی اہم مدوں میں ذرائع نقل و حمل وخبررسانی کی تعمیر و ترقی ، نظام آبپاشی کی توسیع و ترقی ، زرعی و صنعتی ترقی ، پانی ، بجلی اور معدنیات کے ذرائع کی توسیع و ترقی ، کھاد اور زرعی آلات پر اعانے اور پسماندہ علاقوں میں صنعتوں کا قیام شامل ہیں ۔ ترقیاتی پروگرام کے بیشتر اخراجات صوبائی حکومتوں کی معرفت کیے جاتے

ہیں - تاہم وفاقی حکومت متذکرہ ترقیاتی کاروائیوں کے لیے اپنے زیر اہتمام سالانہ خصوصی ترقیاتی پروگرام (Special Development Programme) بھی تیار کرتی ہے -

1990-91 کے وفاقی بجٹ میں حکومتِ پاکستان نے سالانہ ترقیاتی پرگرام کے تحت اخراجات کرنے کے لیے صوبائی حکومتوں کو 14721 ملین روپے مہیا کرنے کی تجویز پیش کی جبکہ وفاقی حکومت نے اپنے خصوصی ترقیاتی پروگرام کے لیے 5300 ملین روپے مختص کیے -

8.14 پاکستان کا وفاقی بجٹ برائے مالی سال 1990-91
(Federal Budget of Pakistan for the Fiscal year 1990-91)

1990-91 ء کے مالی سال کے لیے پاکستان کے وفاقی بجٹ میں مجموعی اخراجات کا تخمینہ 230185.4 ملین روپے ہے - یہ اخراجات پچھلے سال کے نظرثانی شدہ تخمینے (Revised Estimates) کے مقابلے میں 7.2 فیصد زیادہ ہیں - اِس بجٹ میں خسارے کا حُجم 15710.3 ملین روپے ہے -

بجٹ کے آمدنیاتی حصے میں مجموعی آمدنی کا تخمینہ 175406.4 ملین روپے ہے - جبکہ 161779.1 ملین روپے کے آمدنیاتی اخراجات کی تجویز پیش کی گئی - محصولاتی آمدنی میں سے صوبوں کا حصہ بقدر 34217.5 ملین روپے منہا کرنے کے بعد آمدنیاتی بجٹ میں 20590.2 ملین روپے کا خسارہ ہے -

بجٹ کے سرمایاتی حصے میں آمدنی کا تخمینہ 25648.9 ملین روپے ہے - بیرونی ذرائع سے 41089.9 ملین روپے کی وصولی ہو گی اور خود مختار ادارے (Autonomous Bodies) اپنے ذرائع سے 6545.5 ملین روپے کے اخراجات کریں گے - سالانہ ترقیاتی پروگرام کے تحت 63000 ملین روپے خرچ کیے جائیں گے -

اس بجٹ کے نمایاں مقاصد یہ ہیں کہ ملکی پیداوار بڑھائی جائے گی اور اِس سلسلے میں سرمایہ کاری میں اضافہ کیا جائے گا نیز پیداواری وسائل کے بہتر استعمال کے لیے اقدامات کیے جائیں گے - علاوہ ازیں افراطِ زر پر قابو پایا جائے گا اور بجٹ کے خسارے کو کم کرنے کی کوشش کی جائے گی - توازن ادائیگی کی حالت بہتر بنائی جائے گی ، ملک

کی معاشی ترقی میں نجی شعبے کو فعّال کردار ادا کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں گے اور صنعتوں میں نجی سرمایہ کاری پر غیر ضروری سرکاری کنٹرول ختم کر دیے جائیں گے۔ ترقیاتی پروگرام میں قوت (Energy) ، ذرائع مواصلات اور معاشرتی شعبوں نسبتاً زیادہ اہمیت دی جائے گی۔

پاکستان کا وفاقی بجٹ برائے مالی سال 1990-91 (گوشوارہ)

آمدنیاتی بجٹ	(ملین روپے)	سرمایاتی بجٹ	(ملین روپے)
A-1 کل محصولاتی آمدنی	115477.6	A اندرونی وسائل (2+1)	6199.8
انکم ٹیکس اور دولت ٹیکس	18134.6	1. وفاقی حکومت (منفی)	-347.6
(براہِ راست ٹیکس)		(i) فاضل آمدنی (منفی)	-25996.5
اشیاء اور لین دین پر ٹیکس	97343.0	(ii) خالص سرمایاتی وصولیاں	25648.9
(بالواسطہ ٹیکس)		(a) سرمایاتی وصولیاں	(45528.3)
B. کل غیر محصولاتی آمدنی	47690.7	(b) سرمایاتی ادائیگیاں	(19879.4)
پراپرٹی اور کاروبار سے آمدنی	32264.1	2- خود اختیار اداروں	
		کے پیدا کردہ وسائل	6547.4
سول انتظامیہ اور دیگر امور		B. بیرونی وسائل	41089.9
سے حاصل کردہ آمدنی	15426.6	(i) پراجیکٹی امداد	19158.7
C. کل سرچارجز	12238.1	(ii) غیر پراجیکٹی امداد	21931.2
قدرتی گیس	(4438.1)	میزان (B+A)	47289.7
پٹیرولیم	(7800.0)	C. ترقیاتی اخراجات	63000.0
D. کل مرکب آمدنی (C+B+A)	175406.4	(i) وفاقی حکومت کے	46414.2
		اخراجات (c+b+c)	
منفی ٹیکسوں میں	34217.5	(a) محکمہ جات	21434.9
میں صوبوں کا حصہ			
E. خالص وفاقی آمدنی (1)	141188.9	(b) خود اختیار ادارے	23731.3
2- کل رواں اخراجات	161779.1	(c) کھاد	1248.0
نظم و نسق عامہ	7016.8	(ii) خصوصی ترقیاتی پروگرام	5300.0
دفاع	63273.1	(iii) صوبائی سالانہ ترقیاتی پروگرام	14721.0
امن عامہ	3302.5	پنجاب	7660.0

سماجی خدمات	2247.7	سندھ	3113.3
معاشرتی خدمات	5096.8	سرحد	2506.2
معاشی خدمات	1049.7	بلوچستان	1441.5
اعانے	6621.6	میزان (i+ii+iii)	66435.2
قرضوں پر سود	68419.4		
آزاد جموں اور کشمیر، ریلویز		منفی اپریشنل کمی	3435.2
اور دیگر شعبوں کو گرانٹیں	2914.0	وسائل کی کمی (C)-(B+A)	15710.3
ناقابلِ مختص	1837.5		

3- وفاقی آمدنیاتی حساب میں
خسارہ (1 منفی 2) (منفی) -20590.2

4- صوبوں کو گرانٹیں 5406.3

5- ترقیاتی اخراجات کے لیے فاضل رقم (منفی) -25996.5

بجٹ کے نمایاں پہلو (Highlights of the Budget)

1990-91ء کے مالی سال کے لیے وفاقی بجٹ کے نمایاں پہلو یہ ہیں :

(الف) بجٹ کے مجموعی اخراجات کا تخمینہ 230185.4 ملین روپے ہے ۔ یہ اخراجات پچھلے سال کے نظرثانی شدہ بجٹ کے مجموعی اخراجات کے مقابلے میں 7.2 فیصد زیادہ ہیں ۔ بجٹ کے آمدنیاتی اخراجات (یعنی رواں اخراجات) اور ترقیاتی اخراجات پچھلے نظرثانی شدہ بجٹ کے مقابلے میں علی الترتیب 5.4 فیصد اور 14.5 فیصد زیادہ ہیں ۔

(ب) دفاع قرضوں پر سود کی ادائیگی ، قابل سرمایہ کاری فنڈز (Investible Funds) لوکل باڈیز (Local Bodies) کے لیے گرانٹوں اور اعانوں پر مجموعی طور پر 140945.2 ملین روپے خرچ کیے جائیں گے ۔ یہ رقم کل رواں اخراجات کا 87.3 فیصد بنتی ہے ۔ جبکہ کل رواں اخراجات کا تخمینہ 161779.1 ملین روپے ہے ۔ باقی ماندہ 20551.0 ملین روپے کی رقم جو کہ کل رواں اخراجات کا 12.7 فیصد بنتی ہے دیگر امور مثلاً نظم و نسقِ عامہ ، امن عامہ ، معاشرتی خدمات ، سماجی خدمات ، معاشی خدمات اور ناقابلِ مختص مدوں پر خرچ کی جائیگی ۔

(ج) بجٹ کے مجموعی اخراجات سے رواں اخراجات کا تناسب 72.6 فیصد ہے جو کہ پچھلے سال کے نظرثانی شدہ تخمینے کے مقابلے میں 1.8 فیصد کم ہے ۔

(د) دفاع کی مد پر 63273.1 ملین روپے کی بھاری بھر کم رقم خرچ کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے ۔ یہ رقم پچھلے سال کے نظرثانی شدہ بجٹ کے دفاعی اخراجات کے مقابلے میں 2.2 فیصد زیادہ ہے ۔ رواں اخراجات سے دفاع کے اخراجات کا تناسب 39.1 فیصد ہے ۔

(ہ) محصولاتی آمدنی میں صوبوں کا حصہ بڑھ گیا ہے ۔ اس بجٹ میں صوبوں کو وفاق کی محصولاتی آمدنی میں سے 34217.5 ملین روپے ملیں گے ۔ یہ رقم پچھلے سال کے نظرثانی شدہ بجٹ کے مقابلے میں 10.8 فیصد زیادہ ہے ۔

(و) وفاقی حکومت نہ صرف صوبوں کے ترقیاتی پروگراموں کے لیے مالی وسائل مہیا کرے گی بلکہ اُن کی خصوصی ضروریات (Specific Purposes) پوری کرنے میں بھی امداد دے گی ۔ علاوہ ازیں وفاقی حکومت صوبوں کو 5406.3 ملین روپے کی بلا فرض گرانٹس (Non-obligatory Grants) بھی دے گی ۔

(ز) 91-1990 کے وفاقی بجٹ میں خالص سرمایاتی وصولیاں 25648.9 ملین روپے ہونگی ۔ یہ رقم پچھلے سال کے نظرثانی شدہ بجٹ کی خالص سرمایاتی وصولیوں کے مقابلے میں 28 فیصد کم ہے ۔

8.15 صوبائی حکومتوں کے ذرائع آمدنی
(Revenue Sources of Provincial Governments)

پاکستان میں صوبائی حکومتوں کے ذرائع آمدنی یہ ہیں :

(i) زمین کا مالیہ : صوبائی حکومتیں زرعی اراضی کے ملکیتی رقبے کے لحاظ سے جو ٹیکس یا لگان وصول کرتی ہیں اُسے مالیہ (Land Revenue) کہتے ہیں ۔ حکومت کی زرعی زمینوں کی فروخت سے اور ان کے استعمال سے ہونے والی وصولی سرکاری چراگاہوں پر مویشیوں کے چرانے کا معاوضہ اور جرمانے وغیرہ بھی مالیہ کے زُمرے میں آتے ہیں ۔ چونکہ زیادہ تر زرعی رقبے پنجاب اور سندھ میں ہیں اس لیے ان صوبائی حکومتوں کو مالیہ کی مد میں معقول آمدنی حاصل ہوتی ہے ۔

(ii) آبیانہ : صوبائی حکومتیں کاشتکاروں سے نہری پانی کے استعمال کا معاوضہ بھی وصول کرتی ہیں ۔ جسے آبیانہ (Canal Irrigation Tax) کہتے ہیں ۔ آبیانہ صوبائی حکومتوں کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہے ۔

(iii) **مرکزی حکومت کی محصولاتی آمدنی کا حصّہ :** مرکزی حکومت بعض محصولات سے وصول ہونے والی آمدنی کا ایک حصّہ صوبوں کو منتقل کر دیتی ہے ۔ اِن میں انکم ٹیکس و کارپوریشن ٹیکس ، مرکزی ایکسائز ڈیوٹی ، درآمدی و برآمدی ٹیکس اور سیلز ٹیکس شامل ہیں ۔ مرکزی حکومت کی محصولاتی آمدنی کا صوبائی حصّہ ہر صوبے کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے ادا کیا جاتا ہے ۔

(iv) **موٹر گاڑیوں سے وصول کردہ محصولات :** موٹر و ہیکلز ایکٹ (Motor Vehicles Act) کے تحت صوبائی حکومتیں کاروں ، بسوں اور ٹرکوں وغیرہ کے مالکان سے وصولیاں کرتی ہیں ۔ یہ وصولیاں گاڑیوں کی رجسٹریشن فیس ، ڈرائیونگ لائینس کی فیس اور روڈ ٹیکس کی صورت میں ہوتی ہیں ۔

(v) **سٹیمپ اور کورٹ فیس :** قانونی دستاویزات تیار کرنے کے لیے حکومت کے جاری کردہ سٹیمپ پیپر (Stamp Paper) استعمال کیے جاتے ہیں ۔ یا سادہ کاغذ پر سرکاری ٹیکس بطور کورٹ فیس لگائی جاتی ہیں اس ذریعے سے بھی صوبائی حکومتوں کو معقول آمدنی حاصل ہوتی ہے ۔

(vi) **معاشی خدمات :** صوبائی حکومتوں کے کچھ محکمے معاشی اشیاء و خدمات مہیا کرتے ہیں اور ان کے عوض وصولیاں کرتے ہیں ۔ اِن میں زراعت ، جنگلات ، ماہی گیری ، پرورش حیوانات اور مواصلات کے محکمے شامل ہیں ۔ مثلاً صوبائی حکومتیں جنگلات ٹھیکے پر دیتی ہیں اور ٹھیکے کی رقوم وصول کرتی ہیں ۔ علاوہ ازیں سرکاری جنگلات سے عمارتی لکڑی ، بانس ، گندہ بیروزہ ، گوند اور ایندھن کے طور پر استعمال ہونے والی لکڑی حاصل ہوتی ہے ۔ ان پیداواروں سے صوبائی حکومتوں کو کروڑوں روپے کی آمدنی ہوتی ہے ۔ اسی طرح ماہی گاہیں بھی ٹھیکے پر دیتی ہے ۔ سرکاری روڈ ٹرانسپورٹ سے بھی اِن حکومتوں کو کافی آمدنی حاصل ہوتی ہے ۔

(vii) **معاشرتی خدمات :** صوبائی حکومتیں تعلیم عامہ اور صحت عامہ جیسی اہم معاشرتی خدمات بھی مہیّا کرتی ہیں ۔ اِن حکومتوں کے اخراجات کا کثیر حصّہ متذکرہ خدمات کے لیے مختص کیا جاتا ہے ۔ تاہم ایسی خدمات مہیّا کرنے والے محکمے صوبائی حکومتوں کے لیے کچھ نہ کچھ آمدنی کا ذریعہ بھی ہوتے ہیں ۔

(viii) **نظم و نسقِ عامہ :** صوبائی حکومتوں کو نظم و نسقِ عامہ کے محکموں سے بھی کچھ

آمدنی حاصل ہوتی ہے ۔ اِن محکموں میں پولیس ، جیل خانہ جات اور عدلیہ وغیرہ شامل ہیں ۔ اِن محکموں سے حاصل ہونے والی رقوم جرمانوں اور فیس کی شکل میں ہوتی ہیں ۔

(ix) **سرکاری قرضہ پر سُود :** صوبائی حکومتیں میونسپل کمیٹیوں اور نیم سرکاری کارپوریشنوں کو قرضے دیتی ہیں اور ان قرضوں پر سُود وصول کرتی ہیں ۔

(x) **متفرق ذرائع آمدنی :** صوبائی حکومتیں چند دیگر ذرائع سے بھی آمدنی حاصل کرتی ہیں ۔ اِن میں تفریحی ٹیکس ، پیٹرول پر ٹیکس ، بجلی کے استعمال پر ٹیکس ، زرعی آمدنی پر ٹیکس ، ہوٹلوں کی خدمات پر ٹیکس اور اسلحہ لائسنس کی فیس وغیرہ شامل ہیں ۔

(xi) **مرکزی حکومت کے عطیات :** اگر کسی صوبے میں سیلاب ، زلزلوں اور قحط وغیرہ جیسی صورتِ حال پیدا ہو جائے تو اِن مسائل سے نمٹنے کے لیے مرکزی حکومت صوبائی حکومت کو بھاری رقوم بطورِ عطیہ دیتی ہے ۔ عطیات بھی صوبوں کی آمدنی تصوّر کیے جاتے ہیں ۔

8.16 صوبائی حکومتوں کے اخراجات کی مدّیں
(Heads of Expenditure of Provincial Governments)

پاکستان میں صوبائی حکومتوں کے اخراجات دو زُمروں میں تقسیم کیے جاتے ہیں یعنی غیر ترقیاتی اخراجات اور ترقیاتی اخراجات ذیل میں ہم اِن کا جائزہ لیتے ہیں ۔

غیر ترقیاتی اخراجات (Non-development Expenditure)

صوبائی حکومتوں کے غیر ترقیاتی اخراجات یہ ہیں

(i) **تعلیم :** افراد کو بنیادی تعلیم دیے بغیر انھیں معاشی کارکردگی کے لیے فعّال اور کارآمد شہری نہیں بنایا جاسکتا ۔ چنانچہ صوبائی حکومتیں ہر سال اپنے بجٹ میں تعلیمی اداروں کے اساتذہ کی تنخواہوں پر اور اِن اداروں کے لیے ضروری ساز و سامان مہیّا کرنے پر کروڑوں روپے خرچ کرتی ہیں ۔

(ii) **صحت :** شہریوں کو صحتِ عامہ کی سہولیات مہیّا کرنا صوبائی حکومتوں کے اہم ترین فرائض میں شامل ہے ۔ چنانچہ تمام صوبوں میں چھوٹے بڑے ہسپتال اور دیہی علاقوں

میں ڈسپنسریاں اور بنیادی صحت کے یونٹ (Basic Health Units) قائم کیے گئے ہیں ۔ ان اداروں کے ملازمین کی تنخواہوں پر اور سازو سامان کی فراہمی پر صوبائی حکومتیں کثیر رقم خرچ کرتی ہیں ۔

(iii) **معاشی خدمات :** چند اہم معاشی خدمات کے شعبے بھی صوبائی حکومتوں کے زیرِ انتظام ہیں ۔ اِن میں زراعت اور خوراک ، آبپاشی ، زمینوں کی بحالی (Land Reclamation) دیہی ترقی اور صنعتی و معدنی وسائل شامل ہیں ۔ اِن مدّوں پر صوبائی حکومتیں کروڑوں روپے خرچ کرتی ہیں ۔

(iv) **معاشرتی خدمات :** صوبائی حکومتیں چند ضروری معاشرتی خدمات بھی مہیّا کرتی ہیں ۔ اِن خدمات میں سے سب سے اہم تعلیم و صحت ہیں ، جن کی فراہمی پر معاشرتی خدمات پر ہونے والے مجموعی اخراجات کا قریباً 95 فیصد حصہ خرچ کیا جاتا ہے (بحوالہ پنجاب کا صوبائی بجٹ برائے مالی سال 91-1990 ء) ۔ ان خدمات کی نمایاں اہمیت کے پیش نظر اِن کا ذکر اوپر سرِفہرست کیا جاچکا ہے ۔ تاہم معاشرتی خدمات میں افرادی قوت اور محنت کا انتظام (Labour Managements) ، ہاؤسنگ اور فزیکل پلاننگ ، کھیلیں اور تفریحی سہولیات ، معاشرتی تحفظ اور معاشرتی بہبود ، قدرتی آفات و حادثات اور مذہبی امور شامل ہیں ۔ اِن مدّوں پر بھی صوبائی حکومتوں کو کافی رواں اخراجات کرنے پڑتے ہیں ۔

(v) سماجی خدمات (Community Services) اِن خدمات میں تعمیرات (Works) اور پبلک ہیلتھ سروسز کے تحت آنے والے امور مثلاً واٹر سپلائی ، صفائی ، اور گندگی و گندے پانی کا نکاس شامل ہیں ۔ صوبائی حکومتیں اِن خدمات پر بھی کروڑوں روپے خرچ کرتی ہیں ۔

(vi) امنِ عامہ (Law and Order) صوبائی اخراجات میں امنِ عامہ کی مد بہت اہمیت کی حامل ہے ۔ امن عامہ برقرار رکھنے والے اداروں میں عدلیہ ، پولیس اور سولِ آرمڈ فورسز (Civil Armed Forces) جیل خانہ جات اور سول ڈیفنس شامل ہیں ۔ صوبائی حکومتوں کو اِن امور پر بھی بھاری رقوم خرچ کرنی پڑتی ہیں ۔

(vii) نظم و نسق عامہ : صوبائی حکومتیں نظم و نسق عامہ پر بھی مجموعی طور پر کثیر رقوم خرچ کرتی ہیں ۔ صوبائی سطح پر نظم و نسق عامہ کے شعبے یہ ہیں : حکومت کے محکمہ جات ،

مالیات کا انتظام Fiscal Administration ، معاشی نگہداشت (Economic Regulation) اعداد و شمار کی تیاری اور پبلسٹی و اطلاعات ۔

(viii) قرضوں پر معاوضہ کی ادائیگی : صوبائی حکومتیں اپنے ترقیاتی و غیر ترقیاتی اخراجات پورے کرنے کے لیے وفاقی حکومت سے اور عوام و دیگر ذرائع سے قرضے حاصل کرتی ہیں ۔ اِن قرضوں پر معاوضہ (Mark-up) کی ادائیگی واجب ہوتی ہے ۔ یہ ادائیگی صوبائی حکومتوں کے اخراجات کا اہم حصہ ہے ۔

ترقیاتی اخراجات (Development Expenditure)

صوبائی حکومتیں مختلف اثاثوں اور خدمات کی توسیع و ترقی پر جو اخراجات کرتی ہیں وہ ترقیاتی اخراجات کے زُمرے میں آتے ہیں ۔ اِن امور میں تعلیم اور فنی تربیت دینے والے نئے اداروں کا قیام اور موجودہ اداروں کی توسیع ، نیز صحت ، آبپاشی ، زراعت ، صنعت جنگلات ، ٹرانسپورٹ و خبررسانی ، شہری آبادکاری ، سماجی بہبود اور تعمیرات عامہ کے تمام ترقیاتی پراجیکٹ شامل ہیں ۔ اِن پراجیکٹوں کی تکمیل کے سلسلے میں صوبائی حکومتوں کو وفاقی حکومت سے گرانٹیں اور قرضے حاصل کرنے پڑتے ہیں ۔

صوبہ پنجاب کے بجٹ برائے مالی سال 91-1990 ء میں "تعمیر وطن پروگرام" کے تحت ترقیاتی اخراجات کا تخمینہ 900 کروڑ روپے ہے ۔

پاکستان میں صوبائی حکومتوں کا بجٹ (Provincial Budgets in Pakistan)

پاکستان چار صوبوں پنجاب ، سندھ ، سرحد اور بلوچستان پر مشتمل ہے ۔ مرکزی حکومت کی طرح ہر صوبائی حکومت اپنا سالانہ بجٹ تیار کرتی ہے ۔ جن میں آئندہ مالی سال کے دوران متوقع آمدنی اور اخراجات کے تخمینے پیش کیے جاتے ہیں ۔ بجٹ کے مطالعہ سے حکومت کے ذرائع آمدنی اور اخراجات کی مدوں کا پتہ چلتا ہے ۔ ذیل میں ہم 91-1990 ء کے مالی سال سے متعلق صوبائی حکومتوں کے بجٹوں کا جائزہ لیتے ہیں :

(صوبائی حکومتوں نے اپنے بجٹ میں آمدنی اور اخراجات کی رقوم کے لیے جو مقداری اصطلاحات مثلاً بلین ، کروڑ اور لاکھ استعمال کی ہیں اُنھیں اُسی انداز میں بیان کر دیا گیا ہے) ۔

8.17.1 حکومت پنجاب کا بجٹ برائے مالی سال 91-1990 ء

91-1990 ء کے مالی سال کے لیے حکومت پنجاب کے بجٹ میں مجموعی اخراجات

کا تخمینہ 38 بلین 2 کروڑ 11 لاکھ روپے ہے جس میں خسارے کا تخمینہ 1.92 بلین 74 لاکھ روپے ہے ۔ بجٹ میں کوئی نیا ٹیکس عاید نہیں کیا گیا ۔ تاہم چند موجودہ ٹیکسوں پر نظرثانی کی گئی ہے ۔

بجٹ کے سال کے دوران عام آمدنیاتی وصولیوں (General Revenue Receipts) کا تخمینہ 2566.41 کروڑ روپے ہے جبکہ آمدنیاتی اخراجات کا تخمینہ 2902.11 کروڑ روپے ہے ۔ چنانچہ آمدنیاتی حساب میں 335.70 کروڑ روپے کے خسارے کی توقع ہے ۔ بجٹ میں عام سرمایاتی وصولیوں (General Account Recipts) کا اندازہ 69.46 کروڑ روپے ہے جبکہ سرمایاتی اخراجات کے حساب میں اندرونِ ملک اور بیرون ملک سے حاصل کردہ صوبائی حکومت کے قرضوں کی واپسی کے سلسلے میں 100.40 کروڑ روپے مختص کیے گئے ۔ چنانچہ اِس سرمایاتی حساب میں 30.94 کروڑ روپے کا خسارہ ہے سرکاری اکاونٹ کی وصولیوں (Public Account Receipt) کا تخمینہ 1979.88 کروڑ روپے جبکہ اس اکاؤنٹ میں اخراجات کا اندازہ 1723.98 کروڑ روپے ہے ۔

بجٹ کے خسارے کو ممکنہ طور پر کم از کم سطح پر لانے کے لیے جہاں موجودہ ذرائع سے آمدنی بڑھائی گئی ہے وہاں اخراجات میں حتی الوسع کمی کی گئی ہے ۔ بجٹ میں سرکاری آمدنی بڑھانے کے لیے گورنمنٹ کے زیرِ انتظام مڈل سکولوں میں طلبا کی فیس دوگنی کر دی گئی ہے ۔ عام کالجوں اور میڈیکل کالجوں کی فیس میں علی الترتیب 5 روپے اور 10 روپے ماہانہ کا اضافہ کیا گیا ہے ۔ تاہم پرائمری سطح پر طلباء کو مفت تعلیم دینے کا فیصلہ کیا گیا ۔ حکومت نے مالی وسائل کی تخلیق کے لئے سٹیمپ ڈیوٹی (Stamp Duty) رجسٹریشن فیس ، اہم پُلوں پر ٹول ٹیکس (Toll Tax) ، موٹر گاڑیوں کی رجسٹریشن فیس ، رُوٹ پرمٹ سے سرکاری وصولی ، ہوٹل ٹیکس اور چند دیگر ٹیکسوں میں اضافہ کیا ہے ۔ واضح رہے کہ یہ اضافی ٹیکس عام شہریوں پر مالی بار نہیں بنیں گے ۔ توقع ہے کہ اِن اضافی ٹیکسوں سے حکومت کو 700 ملین روپے حاصل ہوں گے ۔

اخراجات پر کنٹرول کرنے کے لیے حکومت نے آبپاشی ، تعمیر مکانات ، تعمیرات عامہ ، تعلیم اور صحت کی مدوں پر اخراجات میں 10 فیصد کمی کرنے کا فیصلہ کیا لیکن اس کے باوجود غریب اور محدود آمدنی والے طبقات کی فلاح کے لیے کثیر رقم مختص کی گئی

ہے ۔ 91-1990ء کے مالی سال کے دوران بے گھر (Shelterless) افراد کو سات مرلے اور تین مرلے کے ہزاروں پلاٹ دیے جائیں گے ۔ علاوہ ازیں 686 کچی آبادیوں کی ترقی کے لیے 200 ملین روپے خرچ کیے جائیں گے ۔ مزدوروں کی اُجرت کی کم از کم شرح 1100 روپے مقرر کی گئی ہے ۔ مہنگائی کے پیش نظر صوبائی حکومت کے ملازمین کو سرِدست امداد (Interim Relief) مہیا کرنے کے لیے ان کی تنخواہوں میں 10 فیصد اضافے کا اعلان کیا گیا ہے ۔ ریٹائرڈ ملازمین کی پنشنوں میں بھی 10 فیصد اضافہ کیا گیا ۔ حکومت نے بیت المال کے لیے 100 ملین روپے اور جہیز فنڈ کے لئے 150 ملین روپے مختص کیے ۔

سالانہ ترقیاتی پروگرام (Annual Development Programme)

91-1990ء کے بجٹ میں حکومتِ پنجاب نے اپنے سالانہ ترقیاتی پروگرام (یعنی تعمیر وطن پروگرام) کے لیے 900 کروڑ روپے کا خرچ تجویز کیا ۔ اس رقم میں سے 757.20 کروڑ روپے وفاقی حکومت دیگی اور 8.80 کروڑ روپے غیر ملکی امداد کی صورت میں حاصل ہونگے ۔ اس طرح مجموعی طور پر 766 کروڑ روپے کے وسائل دستیاب ہونگے جبکہ وسائل کی کمی 134 کروڑ روپے کے برابر ہوگی ۔

تعمیر وطن پروگرام کے مجوزہ اخراجات کے چیدہ پہلو یہ ہیں :

(i) پروگرام کے مجموعی اخراجات کا 80 فیصد دیہی علاقوں کے ترقیاتی پراجیکٹوں پر خرچ کیے جائیں گے ۔

(ii) پسماندہ علاقوں کی ترجیحی ترقی کے لیے صوبے کے چودہ منتخب اضلاع میں پروگرام کے ترقیاتی اخراجات کا 45 فیصد حصہ خرچ کیا جائیگا ۔ علاوہ ازیں مری کہوٹہ ڈویلپمنٹ اتھارٹی ، چولستان ڈویلپمنٹ اتھارٹی ، بہاولپور ڈویلپمنٹ اتھارٹی اور ڈیرہ غازی خاں ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے لیے مجموعی طور پر 8.22 کروڑ روپے کی رقم مختص کی گئی۔ نیز صوبے کے بارانی علاقوں کی ترقی کے لیے 121.25 کروڑ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے ۔

(iii) کھیت تا منڈی کی سڑکوں (Farm to market Roads) کی تعمیر پر 95 کروڑ روپے خرچ کیے جائیں گے ۔

(iv) آب پاشی سے متعلق پانی کے 1070 نالوں کی حالت بہتر بنائی جائیگی ۔

نیز 1100 ڈیزل ٹیوب ویلوں اور 395 لفٹ پمپوں (Lift Pumps) کی تنصیب پر حکومت اعانے دیگی ۔

(v) 14300 ایکڑ رقبے پر جنگلات اُگائے جائیں گے اور ایک ہزار میل کے فاصلے تک سڑکوں کے کنارے درخت لگائے جائیں گے ۔

(vi) 800 میل کی لمبائی تک نہروں اور نالوں کی اصلاح کی جائیگی ۔

(vii) دیہی علاقوں میں واٹر سپلائی سکیموں پر 102 کروڑ روپے خرچ کیے جائیں گے نیز گندے پانی کے نکاس والی 475 سکیمیں مکمل کی جائیں گی ۔

(viii) صحت کی مد پر 135 کروڑ روپے خرچ کیے جائیں گے ۔ اس رقم سے 300 بنیادی ہیلتھ یونٹ اور 6 ہیلتھ سنٹر تعمیر کیے جائیں گے ۔ علاوہ ازیں 600 بنیادی ہیلتھ یونٹوں اور 50 رورل ہیلتھ سنٹروں کی اصلاح و توسیع کی جائے گی ۔ نیز متذکرہ مالی سال کے دوران تحصیل ہیڈکوارٹروں پر دو ہسپتالوں کی اور ضلعی ہیڈکوارٹروں پر تین ہسپتالوں کی تعمیر کا کام مکمل کیا جائے گا ۔

(ix) تعلیم کے شعبے کے لیے 115 کروڑ روپے مختص کیے گئے ہیں ۔ اس میں سے 65 فیصد رقم پرائمری اور سیکنڈری تعلیم پر خرچ کی جائیگی ۔ طالبات کے لیے 1481 نئے پرائمری سکول کھولے جائیں گے ۔ 125 مسجد سکولوں کو باقاعدہ سکولوں کا درجہ دیا جائیگا اور 2050 موجودہ پرائمری سکولوں کے لیے عمارات تعمیر کی جائیں گی ۔ 74 ہائر سیکنڈری سکولوں اور 12 ڈگری کالجوں کے لیے عمارات تعمیر کی جائیں گی نیز 4 نئے انٹرمیڈیٹ کالج کھولے جائیں گے ۔

(x) مالی سال کے آخر تک کچی آبادیوں میں بنیادی سہولیات مہیا کرنے کے لیے قریباً 60 کروڑ روپے خرچ کیے جائیں گے ۔

(xi) بے گھر خاندانوں میں سات سات مرلے اور تین تین مرلے کے ہزاروں پلاٹ تقسیم کیے جائیں گے ۔

8.17.2 حکومت سندھ کا بجٹ برائے مالی سال 91-1990

91-1990ء کے مالی سال کے لئے حکومتِ سندھ کے بجٹ میں مجموعی رواں اخراجات کا تخمینہ 15973.355 ملین روپے ہے جبکہ رواں آمدنی کا اندازہ 12538.250 ملین روپے ہے ۔ چنانچہ اس بجٹ کے آمدنیاتی حساب میں 3435.105 ملین

روپے کا خسارہ ہے ۔ بجٹ تقریر میں یہ بتایا گیا کہ متذکرہ خسارے کے بڑھ جانے کے امکانات موجود ہیں ۔ کیونکہ صوبائی حکومت اپنے ملازمین کو بڑھتی ہوئی مہنگائی کے پیش نظر سردست امداد مہیا کرنے کے لیے ان کی تنخواہوں میں 10 فیصد اضافہ کریگی ۔ خسارے کو پُر کرنے کے لیے حکومت نے ٹیکسوں اور دیگر وصولیوں کے نظام کو بہتر بنانے کا فیصلہ کیا ۔ چنانچہ بعض موجودہ ٹیکسوں ، فیسوں ، ریٹوں (Rates) اور ڈیوٹیوں (Duties) میں اضافے کا فیصلہ کیا گیا ۔ بجٹ میں یہ توقع ظاہر کی گئی اِن اقدامات سے 321.119 ملین روپے کی اضافی آمدنی ہو گی ۔

سالانہ ترقیاتی پروگرام (Annual Development Programme)

بجٹ میں سالانہ ترقیاتی پروگرام کے لیے 3712 ملین روپے کی رقم سرمایاتی اخراجات کے لئے مختص کی گئی ہے ۔ یہ رقم سابقہ بجٹ کے سالانہ ترقیاتی پروگرام کے مقابلے میں 412 ملین روپے زیادہ ہے ۔

اس پروگرام میں اوّلین ترجیح سڑکوں کی تعمیر کو دی گئی چنانچہ اس مد کے لیے 1000 ملین روپے کی رقم مختص کی گئی ہے ۔ دوسرے نمبر پر ترجیحی مد تعلیم کی ہے ۔ جس کے لیے 669 ملین روپے خرچ کرنے کی تجویز پیش کی گئی ۔ اِس میں سب سے زیادہ اہمیت پرائمری تعلیم کو دی گئی ہے ، جس کے لیے 295 ملین روپے مختص کیے گئے ۔ سیکنڈری تعلیم کے لیے 240.634 ملین روپے رکھے گئے ہیں جبکہ فنی تعلیم (Technical Education) کے فروغ کے لیے بھی معقول رقم مختص کی گئی ۔

علاوہ ازیں سالانہ ترقیاتی پروگرام میں فزیکل پلاننگ اور تعمیر مکانات کے لیے 631.884 ملین روپے کا خرچ تجویز کیا گیا جبکہ پانی اور قوت (Water and Power) کی ترقی کے لیے 40 ملین روپے کا خرچ تجویز کیا گیا ۔ 24 ملین روپے دیہی علاقوں میں بجلی کی فراہمی کے لیے رکھے گئے ۔ صوبے کی معیشت کی بنیاد زراعت ہے ۔ چنانچہ ترقیاتی پروگرام میں اِس شعبے کی پیداوار بڑھانے کے لیے 201.500 ملین روپے مختص کیے گئے ۔

ترقیاتی پروگرام میں ٹرانسپورٹ کی ترقی کے لیے 90 ملین روپے اور صحت کے شعبے کے لیے 371 ملین روپے کے اخراجات کی تجویز پیش کی گئی ۔ چونکہ دیہی علاقوں

میں صحت کی سہولیات ناکافی ہیں اس لیے صحت کی مد کے لیے مختص کی گئی متذکرہ بالا رقم کا نصف سے زیادہ حصہ دیہہ کے لیے رکھا گیا ہے۔

اس پروگرام کے اہم ترین مقاصد میں پبلک سروسز (Public Servics) اور ترقی کے لیے تحتی ڈھانچے (Infrastructure) توسیع کو خصوصی اہمیت حاصل ہے اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ زیر تکمیل سکیموں پر کام کی رفتار تیز ترکی جائے تاکہ اِن سکیموں سے عوام النّاس کو جلد از جلد فائدہ پہنچایا جاسکے۔

8.17.3 حکومتِ سرحد کا بجٹ برائے مالی سال 91-1990ء

91-1990ء کے مالی سال کے لیے حکومتِ سرحد کے بجٹ میں مجموعی اخراجات کا تخمینہ 10558.700 ملین روپے ہے جبکہ اس سال آمدنی کا تخمینہ 9222.014 ملین روپے ہے۔ چنانچہ بجٹ میں خسارے کا اندازہ 1336.686 ملین روپے ہے۔ بجٹ کے اخراجات میں سالانہ ترقیاتی پروگرام کے تحت ہونے والا 2489 ملین روپے کا مجوزہ خرچ شامل ہے۔ آمدنی کے حساب میں حکومتِ سرحد کو وفاقی حکومت کی محصولاتی آمدنی میں سے 4356.00 ملین روپے اور گرانٹ کی صورت میں 3475.612 ملین روپے حاصل ہونگے۔ بجٹ کے خسارے کو کم کرنے کے لیے اخراجات میں حد درجہ کفائت کی جائیگی اور آمدنی بڑھانے کے لیے محصولاتی نظام کو مستعد بنایا جائیگا۔

بجٹ میں تعلیم اور صحت کے شعبوں کی خدمات کی توسیع پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ چنانچہ تجویز کیا گیا کہ تعلیم کے شعبے میں مجموعی طور پر 6000 نئی آسامیاں پیدا کی جائیں گی۔ تاہم سردست اِن میں سے 2646 آسامیوں کے لیے مالی وسائل مختص کیے گئے ہیں۔ صحت کے شعبے میں ڈاکٹروں کی 215 نئی آسامیان پیدا کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ بجٹ میں نظم و نسقِ عامہ کی مد پر خرچ کرنے کے لیے 44.375 9 ملین روپے مختص کیے گئے ہیں۔ محکمہ پولیس میں 409 نئی آسامیاں پیدا کی جائیں گی۔

سالانہ ترقیاتی پروگرام (Annual Development Programme)

سالانہ ترقیاتی پروگرام میں اخراجات کا حُجم 2489 ملین روپے ہوگا۔ پروگرام میں اخراجات کی پالیسی کی نمایاں خصوصیات یہ ہوں گی کہ زیادہ سے زیادہ مالی وسائل تعلیم، صحت پبلک ہیلتھ انجنیئرنگ اور دیہی علاقوں میں سڑکوں کی تعمیر کے لیے مختص کیے

جائیں اِن اقدامات سے صوبہ سرحد اور ملک کے نسبتاً ترقی یافتہ علاقوں کے درمیان خواندگی کی شرح ، صحت کی سہولیات اور پینے کے صاف پانی کی فراہمی میں پائے جانے والے فرق کو کم کیا جاسکے گا ۔ علاوہ ازیں صوبے میں معدنی وسائل اور جنگلات کے شعبوں کو ترقی دینے کے لیے کافی وسائل خرچ کیے جائیں گے ۔ نیز شعبہ زراعت کی کارکردگی کو بہتر بنایا جائے گا زرعی ترقی کے لیے تحقیق پر پچھلے سال کے مقابلے میں زیادہ وسائل خرچ کیے جائیں گے اور پھلوں و سبزیوں کی پیداوار بڑھانے پر خصوصی توجہ دی جائیگی صنعتی ترقی کے لیے تحتی ڈھانچے کو وسعت دی جائیگی ۔ سرمایہ کاری میں اضافہ کیا جائیگا اور اِس مقصد کے لیے نجی سرمایہ کاروں کو ترغیبات دی جائیں گی ۔ پن بجلی کی پیداوار بڑھانے اور سیاحت کے شعبے کو ترقی کے دینے کے لیے ممکنہ طور پر زیادہ سے زیادہ مالی وسائل خرچ کیے جائیں گے ۔

سالانہ ترقیاتی پروگرام کے اخراجات کی تقسیم اسطرح تجویز کی گئی:

(i) معاشرتی شعبوں کے لیے مختص کردہ مجموعی رقم کا 80 فیصد حصہ دیہی علاقوں میں خرچ کیا جائیگا ۔

(ii) مقامی ترقیاتی پروگرام (Local Development Programme) کے تحت ضلعی سطح پر سرمایہ کاری کے لیے مختص کی گئی رقوم اخراجات کا قریباً 63 فیصد ہونگے ۔

(iii) پسماندہ اضلاع کی خصوصی ترقی کے لیے نسبتاً زیادہ وسائل خرچ کیے جائیں گے ۔

(iv) مجموعی اخراجات کا 67 فیصد حصہ 494 ترقیاتی سکیموں کی تکمیل پر خرچ کیا جائیگا ۔ جبکہ باقی ماندہ 33 فیصد وسائل نئی سکیموں پر خرچ کیے جائیں گے ۔ تاکہ صوبے کے معاشی و معاشرتی حالات میں واضح اور قابلِ شناخت تبدیلی لائی جاسکے ۔

(v) زیادہ اہم شعبوں کی ترقی پر بھاری رقوم کے اخراجات تجویز کیے جائیں گے چنانچہ زراعت اور جنگلات کی ترقی کے لیے 142 ملین روپے ، پانی اور قوت کی ترقی کے لیے 193 ملین روپے اور پبلک ہیلتھ کی ترقی کے لیے 145.702 ملین روپے مختص کیے گئے ۔

8.17.4 حکومتِ بلوچستان کا بجٹ برائے مالی سال 91-1990ء

91-1990ء کے مالی سال کے لیے حکومتِ بلوچستان کے بجٹ میں رواں اخراجات کا تخمینہ 515 کروڑ روپے ہے جبکہ آمدنی کا تخمینہ 410 کروڑ روپے ہے ۔ اس میں وفاقی

حکومت سے ملنے والی محصولاتی آمدنی کا صوبائی حصہ شامل ہے ۔ چنانچہ آمدنیاتی بجٹ میں 105 کروڑ روپے کے خسارے کی توقع ہے ۔ موجودہ بجٹ کے عرصہ میں صوبائی حکومت ترقیاتی پروگراموں پر مجموعی طور پر 270 کروڑ روپے خرچ کریگی ۔ اِن اخراجات کی تکمیل کے لیے صوبائی حکومت وفاقی حکومت سے اور دیگر ذرائع سے گرانٹیں اور مالی امداد حاصل کریگی ۔

مجموعی رواں اخراجات سے 23 کروڑ روپے گندم کی خریداری پر اعانوں کی صورت میں خرچ کریگی ۔ ماضی میں حاصل کیے گئے ترقیاتی قرضوں کے سود کی ادائیگی کے لیے 213 کروڑ روپے مختص کیے گئے ۔ صوبائی حکومت نے ریٹائرڈ ملازمین یا اُن کی بیواؤں کو عمر بھر کی پنشن دینے کا فیصلہ کیا ہے ۔ اس مد کے لیے 21 کروڑ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے ۔ صوبائی حکومت کے ملازمین کی تنخواہوں کی ادائیگی کے لیے 235 کروڑ روپے رکھے گئے ہیں جبکہ 113 کروڑ روپے سرکاری اثاثوں کی خرید ، مرمت کاری اور انھیں زیر استعمال لانے کے لئے خرچ کرنے کی تجویز پیش کی گئی ۔

سالانہ ترقیاتی پروگرام اور خصوصی ترقیاتی پروگرام (A.D.P&S.D.P.)

صوبہ بلوچستان معاشی نقطۂ نظر سے دیگر صوبوں کے مقابلے میں بہت پسماندہ ہے ۔ چنانچہ اس کے عوام کو تعلیم ، صحت ، ذرائع نقل و حمل اور دیگر سہولیات بہم پہنچانے اور صوبے کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے بجٹ کے تحت نہ صرف سالانہ ترقیاتی پروگرام کے ذریعے اخراجات کیے جاتے ہیں بلکہ خصوصی ترقیاتی پروگرام کے تحت بھی کثیر رقوم خرچ کی جاتی ہیں ۔

1990-91 کے صوبائی بجٹ میں سالانہ ترقیاتی پروگرام کے لیے 145 کروڑ روپے اور خصوصی ترقیاتی پروگرام کے لیے 125 کروڑ روپے مختص کیے گئے ۔ متذکرہ پروگراموں کے ذریعے جن جن مدوں پر نمایاں اخراجات تجویز کیے گئے ہیں ، وہ یہ ہیں :

(i) صوبائی حکومت نے بچوں کے لیے مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کا فیصلہ کیا ۔ چنانچہ پرائمری کی سطح پر بچوں کو علاقائی زبان میں تعلیم دینے کے لیے پچھلے سال 7500 اساتذہ کو خصوصی تربیت دی گئی اور علاقائی زبانوں میں نصابی کُتب شائع کراکے صوبے بھر کے 20 اضلاع میں تقسیم کی گئیں ۔ 1990-91 ء کے مالی

سال کے دوران یہ پروگرام جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ۔ علاوہ ازیں طالبات کے لیے کھولے گئے 100 پرائمری سکولوں اور طلباء کے لیے کھولے گئے 200 پرائمری سکولوں کی تکمیل کی جائے گی ۔ موجودہ بجٹ میں اِن امور کے لیے کثیر رقوم مختص کی گئی ہیں ۔

(ii) ہب (Hub) کے مقام پر زیر تعمیر ہسپتال کی تکمیل کی جائیگی ۔ نیز ڈُکی (Duki) کے مقام پر بھی قائم کردہ بڑے ہسپتال کی تکمیل کی جائیگی ۔

(iii) صوبے کے زیادہ سے زیادہ عوام کو پینے کا صاف ستھرا پانی مہیا کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے اس مقصد کے حصول کے لیے پبلک ہیلتھ انجینئرنگ کے شعبے میں خرچ کرنے کے لیے 28 کروڑ روپے مختص کیے گئے ۔ علاوہ ازیں غیر ملکی امداد سے دیہی علاقوں میں پینے کا پانی مہیا کرنے اور صفائی کی خدمات مہیا کرنے کے لیے آٹھ سال کے عرصے میں 125 کروڑ روپے خرچ کرنے کا منصوبہ تیار کیا گیا ہے ۔ اس میں سے متناسب رقم 91-1990ء کے دوران خرچ کی جائیگی ۔

(iv) صوبے میں سڑکوں کی حالت بہتر بنائی جائیگی اور 91-1990 کے دوران جھال مگسی کوٹ روڈ (Jhal-Magiskot Road) کی تعمیر کا کام جاری رکھا جائیگا ۔

(v) موجودہ بجٹ کے عرصے میں ڈیرہ مُراد جمالی میں انڈسٹریل ایسٹیٹ (Industrial Estate) کی تعمیر کا کام جاری رکھا جائیگا ۔ نیز لورالائی ، سبّی ، ڈیرہ اللہ یار ، پسنی اور تُربت کے علاقوں میں چھوٹی انڈسٹریل ایسٹیٹس کی تکمیل کا کام بھی جاری رہے گا ۔ متذکرہ صنعتی علاقوں کی تکمیل ہو جانے پر نجی شعبے کی صنعتوں میں 12000 افراد کے لیے روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے ۔

8.18 اسلامی معیشت میں زکوٰۃ اور عُشر کا نظام
(The System of Zakat and Usher in Islamic Economy

مختلف معاشی نظامات میں سے اسلامی نظام معیشت اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اِس میں مسلمانوں کو صرفِ دولت ، پیدائش دولت اور تقسیم دولت کے بارے میں ایک خاص منشورِ خداوندی عطا کیا گیا ہے ۔ اِس وقت دنیا میں دو بڑے معاشی نظام رائج ہیں یعنی سرمایہ داری نظام (Capitalism) اور اشتراکی نظام (Socialism) ۔ سرمایہ داری

نظام کی خرابی یہ ہے کہ یہ معاشرے کے چند افراد یا خاندانوں میں دولت کا ارتکاز پیدا کرتا ہے اور افراد کی مادی ہوس کی افزائش کرتا ہے ۔ جبکہ اشتراکی نظام کا سُقم یہ ہے کہ یہ انفرادی اور اجتماعی حیثیت میں شہریوں کو حکم صادر کرنے والی ایک مرکزی انتظامیہ کا مُطلق تابع بنا دیتا ہے اور افراد کو کاروبار کرنے اور پیداواری وسائل کو ملکیت میں رکھنے کے اختیارات سے محروم کر دیتا ہے ۔ اِن کے مقابلے میں اسلامی نظامِ معیشت ایک ایسا فعّال معاشی ڈھانچہ پیش کرتا ہے ، جو انتہائی خود غرض اور مفاد پرستی پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام اور انتہائی اطاعت طلب اشتراکی نظام کے درمیان ایک خوبصورت اعتدال کا مظہر ہے ۔ اسلامی معاشی نظام معاشرے میں دولت کی منصفانہ تقسیم کرتا ہے ۔ حاجت مندوں کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کی ضمانت دیتا ہے ۔ افراد کی پیداواری صلاحیتوں کو اُجاگر کرتا ہے ۔ مجموعی طلب میں اضافہ پیدا کرتا ہے اور معاشی توسیع و ترقی کے لیے راستہ اُستوار کرتا ہے ۔ الغرض انفرادی اور اجتماعی فلاح اسلامی معاشی نظام کا بنیادی مقصد ہے ۔ اِس مقصد کے حصول کے لیے زکوٰۃ اور عُشر کے اسلامی ادارے نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں ۔

8.18.1 زکوٰۃ کی تعریف : (Definition of Zakat)

زکوٰۃ کی ادائیگی ایک اسلامی فریضہ ہے ۔ زکوٰۃ کی واجب الادا رقم (یامال) پر صاحبِ نصاب فرد کو خدا کے راستے میں نیک جذبے کے ساتھ مستحق افراد کو ادا کرنی پڑتی ہے ۔ سادہ الفاظ میں زکوٰۃ کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے ۔

"زکوٰۃ سے مراد ایک صاحبِ نصاب مسلمان کے ذمہ وہ لازم واجبات ہیں ، جو وہ مذہبی فریضے کے طور پر اپنے اموالِ ظاہر و باطن میں سے، مقرر کردہ شرح کے مطابق مستحقین کو اسلامی حکومت کی وساطت سے یا براہِ راست ماہِ رجب میں یا اس کے بعد ادا کرتا ہے ۔ زکوٰۃ کی نوعیت خیرات سے اور ٹیکس کے مروجہ مفہوم سے مختلف ہے۔"

تعریف کے اہم نکات کی وضاحت

(i) صاحبِ نصاب مسلمان : زکوٰۃ کی ادائیگی اس مسلمان پر فرض ہے ، جو صاحب نصاب ہوتے ہوئے کم از کم $7\frac{1}{2}$ تولے سونا یا $52\frac{1}{2}$ تولے چاندی یا اتنی ہی مالیت کے زرِ نقد یامالِ تجارت کا مالک ہو اور یہ اثاثہ اس کے پاس ایک سال تک پڑا رہا ہو ۔ اگر

ایک شخص کے پاس 40 یا اس سے زیادہ بھیڑ بکریاں ہوں ، 30 یا اس سے زیادہ پر مشتمل گائے بھینس کا ریوڑ ہو ، 5 یا اس سے زیادہ اونٹ ہوں تو وہ شخص بھی صاحب نصاب ہوتا ہے ۔ معدنیات کے مالکان اور زرعی پیداواروں کے مالکان صاحبِ نصاب ہوتے ہیں ۔

(ii) لازم واجبات : زکوٰۃ کی ادائیگی اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔ اس لیے اس کی ادائیگی معاف یا ساقط نہیں ہو سکتی ۔

(iii) مذہبی فریضہ : زکوٰۃ مذہبی فریضے کے طور پر محض اللہ کی رضا کے لیے ادا کی جاتی ہے ۔ زکوٰۃ دینے والے کو اس کے وصول کرنے والے پر کوئی احسان نہیں جتلانا چاہیے اور نہ ہی اُس سے اِس کے عوض کوئی شے یا خدمت طلب کرنی چاہیے ۔

(iv) اموالِ ظاہر و باطن : مالِ ظاہر وہ ہوتا ہے ، جسے چھپایا نہ جاسکے ۔ مثلاً زرعی پیداوار ، مویشی اور تجارتی اثاثے ۔ جبکہ مالِ باطن وہ ہوتا ہے، جسے دوسروں کی نظروں سے اوجھل رکھا جاتا ہے یا جسے چھپایا جاسکتا ہے۔ مثلاً نقد روپیہ ، مال تجارت ، سونا اور چاندی وغیرہ۔

(v) مقرر کردہ شرح : زکوٰۃ کی شرح ہمیشہ کے لیے مقرر کردہ ہے ۔ مختلف اشیاء پر زکوٰۃ کی شرح یہ ہے ۔

(ا) $7\frac{1}{2}$ تولے سونا یا $52\frac{1}{2}$ تولے چاندی یا اتنی ہی مالیت کے نقد روپے یا مال تجارت پر زکوٰۃ کی شرح $2\frac{1}{2}$ فیصد سالانہ ہے ۔

(ب) بارش ، چشموں ، پہاڑی نالوں کے پانی سے سیراب ہونے والی زرعی اراضی کی پیداوار کے 10% حصے کی ادائیگی واجب ہوتی ہے ۔ اس ادائیگی کو اصطلاحاً "عُشر" کہتے ہیں ۔ لیکن مصنوعی آبپاشی سے سیراب ہونے والی اراضی کی پیداوار کا 5 فیصد حصہ بطور عُشر دینا واجب ہے ۔

(ج) 40 تا 120 بھیڑ بکریوں میں سے ایک بھیڑ یا بکری ، 121 تا 200 بھیڑ بکریوں میں دو بھیڑیں یا بکریاں ، 201 تا 300 بھیڑ بکریوں میں سے تین بھیڑیں یا بکریاں بطور زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ 30 گائیوں کے مالک پر ایک سال کے بچھڑے کی ادائیگی واجب ہے۔ ہر پانچ اونٹوں پر ایک سال کا اونٹ دینا واجب ہے ۔

(د) معدنیات کے نجی مالکان پر اس کی سالانہ پیداوار کا 20% حصہ بطور زکوٰۃ دینا واجب ہے ۔

(vi) مستحقین : زکوٰۃ کے مستحقین میں فقراء، مساکین ، عاملینِ زکوٰۃ (یعنی وہ افراد جو حکومت کی جانب سے زکوٰۃ اکٹھی کرنے پر ملازم رکھے گئے ہیں (ایسے افراد اپنی اجرت زکوٰۃ میں سے پاسکتے ہیں) نو مسلم غلام ، مقروض ، مسافر اور جنگی قیدی شامل ہیں ۔ علاوہ ازیں زکوٰۃ کی رقم فی سبیل اللہ بھی خرچ کی جاسکتی ہے ۔ مثلاً جہاد کی تیاری کے لیے ، مجاہدین کے اہل خانہ کی کفالت کے لیے ، تبلیغ اسلام کے لیے ، دینی اور تعلیمی اداروں کے لیے نیز شہداء کے پسماندگان کی مالی امداد کے لیے ۔

(vii) اسلامی حکومت کی وساطت یا سے براہِ راست : اگر کسی ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہو تو زکوٰۃ حکومت کی وساطت سے مستحقین کو دی جانی چاہیے۔ بصورت دیگر مسلمانوں کو زکوٰۃ کی رقم براہِ راست حق داروں کو دینی چاہیے ۔

(viii) زکوٰۃ اور خیرات : زکوٰۃ کی نوعیت خیرات سے مختلف ہے ۔ خیرات میں رحم کا جذبہ اُجاگر ہوتا ہے ۔ زکوٰۃ میں حکم خداوندی کی اطاعت کا جذبہ نمایاں ہوتا ہے ۔ نیز خیرات کی کوئی شرح اور مدّت مقرر نہیں ، جبکہ زکوٰۃ $2\frac{1}{2}$ فیصد کی شرح سے سال میں ایک بار ادا کی جاتی ہے ۔

(ix) زکوٰۃ اور ٹیکس : زکوٰۃ کی نوعیت ، ٹیکس کے مروجہ معانی سے مختلف ہے ۔ ٹیکس حکومت کے حکم سے ادا کیا جاتا ہے، جبکہ زکوٰۃ خداوند کے حکم کی تعمیل میں ادا کی جاتی ہے ۔ نیز حکومت ٹیکس کی شرح میں حسبِ ضرورت کمی بیشی کر سکتی ہے ۔ بلکہ کسی ٹیکس کو یکسر ختم بھی کر سکتی ہے، لیکن زکوٰۃ کی شرح ہمیشہ کے لیے مقرر ہے اور کسی حکومت یا صاحبِ اقتدار کو اس کی شرح میں کمی بیشی یا اسے ساقط کرنے کا اختیار نہیں ۔

8.18.2 زکوٰۃ اور عُشر کے ذریعے معاشرتی انصاف کا حصول
(Social Justice Through Zakat and Ushar)

زکوٰۃ اور عُشر کی معاشی و معاشرتی اہمیت کے بارے میں مندرجہ ذیل نکات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ اور عُشر کا نظام معاشرتی انصاف کے حصول کا بہترین آلۂ کار ہے ۔

1- دولت کی منصفانہ تقسیم

زکوٰۃ اور عُشر کی ادائیگی سے دولت کی ذخیرہ اندوزی کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے کوئی

اور معاشی نظام ایسا نہیں ، جس میں ٹیکس دھندگان اپنی فاضل دولت کا ایک حصّہ حد درجہ ذمہ داری اور خوشی کے ساتھ حکومت کو ادا کرنا چاہتے ہوں ۔ لیکن اسلامی ممالک میں حکومت کو زکوٰۃ اور عشر کی وصولی میں خودادا کنندگان کا تعاون حاصل ہوتا ہے ۔ افراد اپنی مذہبی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اپنی فاضل دولت کا ایک حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ۔ چنانچہ دولت کا ارتکاز یا ذخیرہ اندرونی ممکن نہیں ہوتی ۔ زکوٰۃ و عشر کے نظام کی وساطت سے معاشرے کے افراد کے انفرادی اور اجتماعی بہبود میں اضافہ ہوتا ہے اور دولت کی منصفانہ تقسیم عمل میں آتی ہے، جس سے مجموعی طلب بڑھانے میں مدد ملتی ہے ۔

2- صرفِ دولت کی افزائش

زکوٰۃ کی عدم موجودگی میں دولت کا ارتکاز پیدا ہو جاتا ہے ۔ جبکہ لاکھوں ، کروڑوں افراد بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے ترستے ہیں ۔ امیر لوگوں کا مختتم میلانِ صرف پست ہے ۔ چنانچہ معیشت میں پیداوار کی مجموعی طلب پست ہوتی ہے اور آجروں و تاجروں کے تجارتی مال کا نکاس ممکن نہیں ہوتا ۔ دریں حالات پیداوار اور روزگار میں کمی کے رجحانات پیدا ہوتے ہیں ۔ اس کے برعکس اسلامی معاشرت میں زکوٰۃ اور عشر کے ذریعے امیر اور متمول افراد کی فاضل دولت غرباء میں تقسیم ہو جاتی ہے ۔ اس طبقے کا مختتم میلانِ صرف بلند ہوتا ہے ، اس لیے زکوٰۃ کی ادائیگی کے دو مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ جب غریب لوگ موصولہ زکوٰۃ کو صرفی اشیاء و خدمات پر خرچ کرتے ہیں ۔ تو پیداوار کی مجموعی طلب بڑھتی ہے ۔ جس سے آجرین کو پیداوار بڑھانے کی ترغیب ملتی ہے ۔ دوسرے یہ کہ پیداواری افزائش سے روزگار کے گوناگوں مواقع پیدا ہوتے ہیں اور قومی آمدنی و فی کس آمدنی میں اضافے کی شرح بلند ہوتی جاتی ہے ۔

3- زر کی گردش کی رفتار میں اضافہ

جس معیشت میں زر کی گردش کی رفتار تیز ہوتی ہے ، وہاں زری دولت کم وقت میں نسبتاً زیادہ افراد کے ہاتھ میں آمدنیوں کا روپ اختیار کرتی ہے ۔ زکوٰۃ کے نظام کو مؤثر بنا کر اسلامی معیشت میں زر کی گردش کی رفتار کو تیز تر کیا جاسکتا ہے ۔ زکوٰۃ کا واجب ہونا اس بات کا تاکیدی اثر پیدا کرتا ہے کہ مالدار افراد کو زکوٰۃ کی کم از کم ادائیگی

کے لیے یا تو دولت صرفی اشیاء پر خرچ کرنی چاہیے یا پھر دولت کو صنعت و تجارت میں استعمال کرنا چاہیے ۔ اس طرح صرفی یا سرمایاتی خرچ زر کی گردش کو تیز تر کرتا ہے ۔ یہ ایک مسلّمہ معاشی اصول ہے کہ ایک شخص کا خرچ دوسرے شخص کی آمدنی بنتا ہے ۔ چنانچہ مالدار افراد کے اخراجات کے نتیجے میں معاشرے کے دیگر افراد نئی آمدنیاں پاتے ہیں اور اگر مالدار لوگ اخراجات کرنے کے بجائے زکوٰۃ کی ادائیگی کر دیں تو اناائی دولت کا ایک حصہ غربا کو منتقل ہو جاتا ہے ۔ یا پھر حکومت زکوٰۃ کی رقم کو تعمیراتِ عامہ کے کاموں مثلاً ہسپتالوں ، تعلیمی اداروں ، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر پر خرچ کرتی ہے ، جس سے غریب محنت کشوں کو روزگار اور آمدنیاں ملتی ہیں ۔ زکوٰۃ کے ادارے کی موجودگی میں بہرحال زر کی گردش تیز ہوتی ہے اور مجموعی طلب اور مجموعی رسد کو بڑھانے میں امداد ملتی ہے ۔

4- سرد بازاری کا خاتمہ :

سرمایہ دارانہ معیشت میں آمدنیوں کے ارتکاز کے باعث مختتم میلان بچت بلند ہوتا ہے ۔ جس سے پیداوار کی طلب گرتی ہے اور جب زائد از ضرورت پیداوار ہو جاتی ہے تو معیشت میں سردبازاری اور بیروزگای پیدا ہو جاتی ہے ۔ لیکن زکوٰۃ اور عشر کی وساطت سے جب آمدنیوں کی تقسیم نو ہوتی ہے تو غریبوں کو قوتِ خرید میسر آتی ہے ۔ وہ اشیاء و خدمات طلب کرتے ہیں اور پھر آجرین رسد میں اضافہ کرتے ہیں ۔ ایسی معیشت جس میں رسد کی توسیع ، طلب کے اضافے کے پیش نظر کی جائے ، وہاں مجموعی طلب اور مجموعی رسد کا توازن نہیں بگڑتا ۔ چنانچہ وہاں زائد از ضرورت پیداوار اور سردبازاری و بیروزگاری کی نوبت نہیں آتی ۔

5- سماجی تحفظ

زکوٰۃ اور عشر کی ادائیگی سے سماجی تحفظ کا ایک بہترین نظام وجود میں آتا ہے ۔ معاشرے کے غریب افراد مثلاً فقرأ ، مساکین ، ناداروں ، یتیموں ، بیواؤں ، بوڑھوں اور اپاہجوں کو زکوٰۃ کے ذریعے گزر اوقات کے لیے وسائل میسر آتے ہیں اور ان کے لے بھیک مانگنے یا ذِلّت کی زندگی بسر کرنے کی نوبت نہیں آتی ۔ سماجی تحفظ کے اس نظام کی گراں قدر خوبی یہ ہے کہ اصحابِ نصاب ، خود زکوٰۃ اور عُشر کی رقوم حکومت کے بیت المال تک پہنچاتے ہیں ۔ نیز بیت المال کے حکام زکوٰۃ کی امدادی رقم حقداروں تک پہنچانے کا بندوبست کرتے ہیں ۔

6- معاشرتی بہبود

زکوٰۃ کی آمدنی سے مستحقین کے لیے تعلیمی ادارے ، فنی بہبود کے ادارے قائم کیے جاسکتے ہیں، جن سے وہ لوگ مستفید ہو سکتے ہیں ۔ اور روزگار حاصل کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں نیز زکوٰۃ کی رقوم سے غریب طبقات کے لیے ہسپتال بھی قائم کیے جاتے ہیں ، جن سے غریبوں کو مفت یا سستی طبی امداد میّسر آسکتی ہے ۔

اعادہ

جدید دَور کی کسی بھی حکومت کو کئی فرائض سرانجام دینے پڑتے ہیں ، جس کے لیے بھاری مقدار میں مالی وسائل درکار ہوتے ہیں ۔ حکومت اپنے مالی وسائل ٹیکس لگا کر اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک قرضے لے کر اور دیگر ذرائع سے مہیا کرتی ہے۔ حکومت کی محصولاتی آمدنی قرضوں اور اخراجات کا حجم بہت زیادہ ہوتا ہے، اس لیے حکومت کے مالیاتی اقدامات سے معیشت اور اس کے مختلف شعبے متاثر ہوتے ہیں ۔

سرکاری مالیات کی تعریف اس طرح کی گئی ہے : "سرکاری اخراجات اور سرکاری آمدنی کی نوعیت اور اِن کے اصولوں کے مطالعہ کا نام سرکاری مالیات ہے ۔"

آرمیٹیج سمتھ (Arsmitage Smith)

سرکاری مالیات اور نجی مالیات میں بعض زاویوں کے لحاظ سے مماثلت پائی جاتی ہے تاہم ان میں بہت فرق بھی پایا جاتا ہے ۔

سرکاری آمدنی محصولاتی اور غیر محصولاتی آمدنی پر مشتمل ہوتی ہے۔ محصولاتی آمدنی کے ذرائع یہ ہیں :

(i) درآمدی و برآمدی کسٹم (ii) ایکسائز ڈیوٹی (iii) انکم ٹیکس اور کارپوریشن ٹیکس (iv) زرعی انکم ٹیکس اور (v) بِکری ٹیکس (یعنی سیلز ٹیکس)

حکومت کی غیر محصولاتی آمدنی کے ذرائع یہ ہوتے ہیں : فیس ، قیمت ، خصوصی تشخیص ، سرکاری جائیداد اور تحائف وغیرہ ۔

حکومت ٹیکس عائد کرتے ہوئے چند اصولوں کو مدّ نظر رکھتی ہے ۔ یہ اصول اس طرح ہیں : (i) اصولِ مساوات (ii) اصول تیقّن (iii) اصولِ سہولت (iv) اصولِ کفالت (v)

اصولِ پیداآوری (vi) اصولِ لچکداری (vii) اصولِ سادگی (viii) اصولِ تنوّع

ٹیکسوں کی اقسام یہ ہیں : (i) براہِ راست ٹیکس (ii) بلواسطہ ٹیکس (iii) متناسب ٹیکس (iv) مسترائد ٹیکس ۔ ان میں سے ہر قسم کے ٹیکس کی چند خوبیاں اور خامیاں ہیں ۔

پاکستان کے سرکاری محصولات کا تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ملک کا محصولاتی نظام اصول مساوات ، اصولِ سادگی ، اصولِ لچکداری ، اصولِ پیداآوری کے تقاضے تو پورا کرتا ہے تاہم سرکاری محصولات کے مندرجہ ذیل پہلو کسی حد تک تشویش کا باعث ہیں

(ا) قومی آمدنی سے محصولاتی آمدنی کا تناسب پست ہے ۔

(ب) سرکاری آمدنی میں محصولاتی آمدنی کا تناسب بہت بلند ہے ۔

(ج) محصولاتی آمدنی میں بالواسطہ ٹیکسوں کا تناسب بہت بلند ہے ۔

(د) محصولات کا نظام غیر مؤثر ہے ۔

حکومت کا بجٹ دو قسم کے بجٹوں پر مشتمل ہوتا ہے ۔ یعنی آمدنیاتی بجٹ اور سرمایاتی بجٹ ۔

پاکستان کی وفاقی حکومت کے اخراجات کی نمایاں مدیں یہ ہیں ۔ (i) دفاع (ii) نظم و نسق عامہ (iii) قرضوں پر سود کی ادائیگی (iv) اعانے

پاکستان کی صوبائی حکومتوں کے ذرائع آمدنی یہ ہیں ۔ (i) زمین کا مالیہ (ii) آبیانہ (iii) مرکزی حکومت سے حاصل کردہ آمدنی (iv) موٹر گاڑیوں کے وصول کردہ ٹیکس (v) سٹیمپ اور کورٹ فیس (vi) جنگلات (vii) معاشرتی خدمات (viii) نظم و نسق عامہ

پاکستان کی صوبائی حکومتوں کے اخراجات کی مدیں یہ ہیں : (i) تعلیم (ii) صحت (iii) معاشی خدمات (iv) قرضوں پر سُود کی ادائیگی ۔

اسلامی معیشت میں زکوٰۃ و عُشر کا نظام

"زکوٰۃ سے مراد ایک صاحبِ نصاب کے ذمہ وہ لازم واجبات ہیں جو وہ مذہبی فریضے کے طور پر اپنے اموالِ ظاہر و باطن میں سے مقرر کردہ شرح کے مطابق مستحقین کو اسلامی حکومت کی وساطت سے یا براہِ راست ماہِ رجب میں یا اُس کے بعد ادا کرتا

ہے۔"

زکوٰۃ کی ادائیگی اُس مسلمان پر فرض ہے جس کے پاس کم از کم 1/2 7 تولہ سونا یا 1/2 52 تولہ چاندی یا اتنی ہی مالیت کا زر نقد یا مالِ تجارت موجود ہو اور یہ اثاثہ اُس کے پاس ایک سال تک پڑا رہا ہو۔

بارشی چشموں یا پہاڑی نالوں کے پانی سے سیراب ہونے والی زرعی اراضی کی پیداوار کے 10 فیصد حصّے کی ادائیگی بطور زکوٰۃ واجب ہے۔ ایسی ادائیگی عشر کہلاتی ہے۔ مصنوعی آبپاشی سے سیراب ہونے والی اراضی کی پیداوار کا 5 فیصد حصہ بطور عشر دینا واجب ہے۔

جب کسی اسلامی ریاست میں زکوٰۃ اور عُشر کا نظام اپنایا جاتا ہے۔ تو معاشرتی انصاف کا حصول ممکن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس نظام کی وساطت سے: (i) دولت کی منصفانہ تقسیم عمل میں آتی ہے۔ (ii) صرفِ دولت کی افزائش ہوتی ہے۔ (iii) زر کی گردش کی رفتار میں اضافہ ہوتا ہے۔ (iv) سرد بازاری کا خاتمہ ہوتا ہے۔ (v) افراد کو سماجی تحفظ حاصل ہوتا ہے اور معاشرتی بہبود میں اضافہ ہوتا ہے۔

اہم سوالات

1- سرکاری مالیات سے کیا مراد ہے ۔ سرکاری مالیات اور نجی مالیت کی مماثلت اور اِن کے فرق کی وضاحت کیجیے ۔

2- دورِ جدید میں کسی ملک کی حکومت کے محصولاتی اور غیرِ محصولاتی ذرائع آمدنی کون سے ہوتے ہیں ۔

3- ٹیکس سے کیا مراد ہے ۔ ٹیکس عائد کرنے کے اصولوں کا تعارف کرائیے ۔

4- مندرجہ ذیل اصطلاحات کی تشریح کیجیے :

(i) ٹیکس کا نفاذ ٹیکس کا انتقال اور ٹیکس کا بار

(ii) متناسب ٹیکس

(iv) مستزائد ٹیکس ۔

5- براہِ راست ٹیکس اور بالواسطہ ٹیکس میں کیا فرق ہوتا ہے ۔ ہر ایک کی خوبیاں اور خامیاں گنوائیے ۔

6- حکومت پاکستان (پاکستان کی مرکزی حکومت) کے ذرائع آمدنی پر نوٹ لکھیے ۔

7- پاکستان کے نظامِ محصولات کا تجزیہ پیش کیجیے ۔

8- پاکستان کی مرکزی حکومت کے اخراجات کی مدّوں کا تعارف کرائیے ۔

9- پاکستان کی مرکزی حکومت کے بجٹ برائے مالی سال 1990-91 پر نوٹ لکھیے ۔

10- پاکستان میں صوبائی حکومتوں کے ذرائع آمدنی اور اخراجات کی مدیں کیا ہیں ؟ تفصیلاً بیان کیجیے ۔

11- مندرجہ ذیل میں سے صرف دو پر نوٹ لکھیں :

(ا) حکومت پنجاب کا بجٹ برائے مالی سال 1990-91

(ب) حکومت سندھ کا بجٹ برائے مالی سال 1990-91

(ج) حکومت بلوچستان کا بجٹ برائے مالی سال 1990-91

(د) حکومتِ سرحد کا بجٹ برائے مالی سال 1990-91

12- زکوٰۃ کی تعریف لکھیے اور اس کی وضاحت کیجیے ۔

13- اسلامی معیشت میں زکوٰۃ اور عُشر کس طرح معاشرتی انصاف کے حصول کا آلۂ کار ثابت ہو سکتے ہیں ؟

باب 9

معاشی نظامات
(ECONOMIC SYSTEMS)

9.1 ابتدائیہ

9.2 سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت

9.2.1 سرمایہ دارانہ نظام کی نمایاں خصوصیات

9.2.2 سرمایہ دارانہ نظام کی کامیابیاں

9.2.3 سرمایہ دارانہ نظام کی ناکامیاں

9.3 اشتراکیت

9.3.1 اشتراکیت کی نمایاں خصوصیات

9.3.2 اشتراکیت کی معیشت کی کامیابیاں

9.3.3 اشتراکی معیشت کی ناکامیاں

9.4 مخلوط معیشت

9.4.1 مخلوط معیشت کی نمایاں خصوصیات

9.4.2 مخلوط معیشت کی کامیابیاں

9.4.3 مخلوط معیشت کی ناکامیاں

معاشی نظامات
(Economic Systems)

9.1 ابتدائیہ (Introduction)

کسی بھی معاشرے میں بسنے والے افراد کو اپنی جان و مال کے تحفظ کے لیے اپنا دفاع کرنے کے لیے ایک دفاعی تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اندرونِ ملک یہ تنظیم پولیس اور عدلیہ کی شکل میں ہوتی ہے ۔ جبکہ بیرونی حملے سے بچاو کے لیے بھی ایک دفاعی تنظیم کا قیام ناگزیر ہوتا ہے ۔ یہ تنظیم ملک کی مسلح افواج کی شکل میں ہوتی ہے ۔ اسی طرح افراد کو اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے بھی ایک معاشی تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ باضابطہ معاشی اداروں کے ایک سلسلے پر مشتمل یہ تنظیم معاشی نظام کہلاتی ہے ۔ معاشی نظام کو معیشت بھی کہتے ہیں ۔ معاشرے کے مختلف افراد اپنی حاجات کی تکمیل کے لیے مختلف پیشے اختیار کرتے ہیں ۔ افراد اپنے پیشوں کی بنی ہوئی اشیاء کی بہت کم مقدار استعمال کرتے ہیں ۔ یا بالکل استعمال نہیں کرتے ۔ مثلاً ہو سکتا ہے ۔ ایک فٹ بال بنانے والا کاریگر زندگی بھر کبھی فٹ بال نہ کھیلا ہو ۔ افراد روز مرہ زندگی میں جو اکثر اشیاء استعمال کرتے ہیں ۔ وہ دوسرے افراد کی بنائی ہوئی ہوتی ہیں ۔ اس طرح معاشی تنظیم تمام افراد کی حاجات کی تکمیل کا ذریعہ بنتی ہے ۔ مگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو پتہ چلتا ہے ۔ کہ مختلف ممالک میں مختلف معاشی نظامات رائج رہے ہیں کسی بھی معاشی نظام کو چند بنیادی مسائل درپیش ہوتے ہیں یہ مسائل اس طرح ہیں ۔ کون سی اشیاء پیدا کی جائیں ؟ اشیاء کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں ؟ اشیاء کن طریقوں سے پیدا کی جائیں؟ اور اشیاء کن افراد کے لیے پیدا کی جائیں؟ ہر معاشی نظام ان مسائل کے حل کے لیے منفرد اسلوب وضع کرتا ہے ۔

اس باب میں ہم سرمایہ دارانہ نظام معیشت ، اشتراکی نظامِ معیشت اور مخلوط نظام معیشت کی نمایاں خصوصیات اور ان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا جائزہ پیش کریں گے ۔

9.2 سرمایہ دارانہ نظام معیشت (Capitalism)

یہ ایک ایسا معاشی نظام ہوتا ہے ۔ جس میں پیداواری وسائل نجی افراد کی ملکیت میں ہوتے ہیں ۔ اور وہی ان وسائل کے استعمال کا فیصلہ کرتے ہیں ۔ صارفین کو بھی اپنی آمدنی خرچ کرنے اور اس میں سے بچت کرنے کے بارے میں آزادی حاصل ہوتی ہے ۔ چنانچہ پیداواری عمل نجی آجرین سر انجام دیتے ہیں ۔ اور صارفین اپنے ذوق اور پسند کے مطابق ان کی پیدا کردہ اشیاء طلب کرتے ہیں ۔ اس معیشت میں قیمتوں کا نظام (Price System) رائج ہوتا ہے ۔ اور اشیاء کی قیمت میں تبدیلیاں ان کی طلب و رسد کے تغیرات کا مظہر ہوتی ہیں ۔ معیشت کو درپیش بنیادی مسائل کا حل قیمتوں کی میکانیت کی وساطت سے مہیا ہوتا ہے ۔ حکومت امنِ عامہ ملکی دفاع کے فرائض سرانجام دینے کے علاوہ ایسے قوانین اور اصول بھی وضع کرتی ہے ۔ جن سے پیدائش دولت ، تقسیم دولت اور صرفِ دولت کا عمل متاثر ہوتا ہے ۔ گویا اس نظام میں افراد کی معاشی آزادی کے ساتھ ساتھ حکومتی مداخلت بھی کار فرما ہوتی ہے ۔ حکومتی مداخلت کی غرض وغاتِ پیداوار بڑھانا روزگار میں اضافہ کرنا ، اشیاء و خدمات کی پیداوار کی حوصلہ افزائی کرنا عوامی بہبود میں بیش از بیش اضافہ کرنا اور معیشت کو بہتر خطوط پر استوار کرنا ہوتا ہے ۔ حکومت اشیاء کی پیداوار اور ان کے صرف میں بہتر تبدیلیاں لانے کے لیے حسبِ ضرورت ترغیبات اور رعایات دیتی ہے ۔ جن میں ٹیکسوں کی چھوٹ اور اعانے وغیرہ شامل ہوتے ہیں ۔ لیکن جن اشیاء کی پیداوار اور ان کے صرف کی حوصلہ شکنی مطلوب ہوتی ہے ۔ حکومت ان کی پیداوار پر یا تو سرے سے پابندی عائد کر دیتی ہے ۔ یا پھر ان پر بھاری ٹیکس عائد کرکے ان کی قیمت اس حد تک بڑھا دیتی ہے کہ یہ اشیاء بہت سے صارفین کی مالی استطاعت سے باہر ہو جاتی ہیں ۔ اور ان کی طلب کم ہو جاتی ہے ۔ حکومت زری اور مالیاتی پالیسیوں کے ذریعے عاملین اور صارفین کی معاشی کارکردگی کو منضبط کرتی ہے ۔

سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے :

"سرمایہ دارانہ نظام معیشت ایک ایسا نظام ہوتا ہے ۔ جس میں پیداواری وسائل نجی افراد کی ملکیت ہوتے ہیں ۔ اور وہ اپنی آمدنی میں بیش از بیش اضافہ کرنے کے لیے ان وسائل کو بروئے کار لاتے ہیں ۔ اس نظام میں صارفین اپنے ذوق اور اپنی

پسند کے مطابق اپنی آمدنیوں کو خرچ کرتے ہیں ۔ طلب اور رسد کے توازن سے اشیاء کی قیمت مقرر ہوتی ہے ۔ اور طلب و رسد کے تغیرات قیمت کی تبدیلیوں کی شکل میں ظہور پذیر ہوتے ہیں ۔ حکومت اس نظام میں ترغیبات اور رکاوٹوں کے ذریعے اشیاء کی پیداوار اور ان کے صرف کو متاثر کر سکتی ہے ۔ پیداوار کی غرض و غائت بیش از بیش منافع ہوتی ہے ۔"

کسی بھی دوسری معیشت کی طرح اس معیشت کو بھی چند اہم بنیادی مسائل درپیش ہوتے ہیں ۔ ان مسائل کے حل کے لیے سرمایہ دارنہ معیشت کا اسلوب کیا ہوتا ہے ۔ ؟ ذیل میں ہم اس کا جائزہ پیش کرتے ہیں ۔

(i) کون سی اشیاء پیدا کی جائیں (What to Produce) پیداواری وسائل کو استعمال کرنے والے آجرین صرف وہی اشیاء و خدمات پیدا کرتے ہیں جن کی اس قدر طلب موجود ہو ۔ کہ آجرین انھیں منافع بخش قیمت پر فروخت کر سکیں ۔ تاہم حکومت آجرین کے اِس فیصلے کو متاثر کر سکتی ہے ۔ جن اشیاء کی پیداوار کی حوصلہ افزائی مطلوب ہوتی ہے ۔ حکومت ان اشیاء کی پیداوار پر اعانے دیتی ہے ۔ یا پھر ان پر ٹیکسوں کا بار کم کر دیتی ہے ۔ چنانچہ ان اشیاء کے بنانے میں آجرین کا منافع بڑھ جاتا ہے ۔ اور یہ کم قیمت پر دستیاب ہوتی ہیں ۔ چنانچہ صارفین ان اشیاء کو زیادہ مقدار میں طلب کرتے ہیں ۔ لیکن حکومت جن اشیاء کی پیداوار کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتی ہے ۔ ان پر ٹیکس کا بار بڑھا دیا جاتا ہے ۔

(ii) اشیاء کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں (How Much to Produce)

آجروں کو بیش از بیش منافع درکار ہوتا ہے ۔ اس لیے وہ اشیاء اتنی مقدار میں پیدا کرتے ہیں کہ پیداوار کی مختتم وصولی اور مختتم مصارف یکساں ہو جائیں ۔ توازن کی اس حالت میں آجرین زیادہ سے زیادہ منافع کمانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں ۔ تاہم اگر حکومت بعض اشیاء کی پیداوار بڑھانا چاہے تو وہ ان کی پیداوار کے مداخل پر ٹیکس کی چھوٹ دے دیتی ہے ۔ جس سے مختتم مصارف گر جاتے ہیں ۔ اور آجرین ان اشیاء کی نسبتاً زیادہ مقدار پیدا کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں ۔

(iii) اشیاء کن طریقوں سے پیدا کی جائیں (How to Produce) پیداوار کے متبادل طریقے ممکن ہوتے ہیں ۔ مثلاً ایک شے کو بڑے پیمانے پر بھی پیدا کیا جاسکتا

ہے ۔ اور چھوٹے پیمانے پر بھی ۔ اسی طرح ایک شے کو محنت جاذب طریقے (Labour Intensive Method) سے بھی تیار کیا جاسکتا ہے ۔ اور سرمایہ جاذب طریقے (Capital Intensive Method) سے بھی ۔ تاہم آجرین پیداوار کے لیے وہی طریقے اختیار کرتے ہیں ، جن سے پیداوار کے مصارف کم از کم ہوں ، تاکہ وہ بیش از بیش عام طور پر منافع کمانے میں کامیاب ہو جائیں ۔ چونکہ حکومت بھی قومی وسائل کا بہترین استعمال چاہتی ہے ۔ اس لیے وہ پیداواری طریقوں میں مداخلت نہیں کرتی ۔

(iv) اشیاء کن افراد کے لیے پیدا کی جائیں (For whom to Produce)

دارانہ معیشت میں آجرین ان افراد کے لیے اشیاء و خدمات پیدا کرتے ہیں ۔ جو ان کی قیمت ادا کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں ۔ جو افراد استطاعت نہیں رکھتے ۔ وہ اشیا و خدمات سے محروم رہتے ہیں ۔ تاہم حکومت معاشرتی بہبود کی خاطر ایسے افراد کو بھی مالی امداد مہیا کرتی ہے ۔ تاکہ وہ بنیادی ضروریات زندگی حاصل کر سکیں ۔ اپاہجوں ، بوڑھوں ، ضعیفوں اور ناداروں کو براہِ راست مالی امداد دی جاتی ہے ۔ اور بے روزگار افراد کو بے روزکاری الاؤنس دیا جاتا ہے ۔

9.2.1 سرمایہ دارانہ نظام کی نمایاں خصوصیات (Salient Features of Capitalism)

سرمایہ دارانہ نظام مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہوتا ہے ۔

(i) نجی ملکیت کا حق (Right of Private Property) اس نظام میں افراد کو پیداواری وسائل مثلاً زرعی اراضی ، عمارات اور مشین و آلات وغیرہ نجی ملکیت میں رکھنے کا حق حاصل ہوتا ہے ۔ اور وہ ان وسائل کو اپنے مفاد کی خاطر بروئے کار لاتے ہیں ۔ وہ ان وسائل کو فروخت کر سکتے ہیں ۔ ان کا تبادلہ کر سکتے ہیں ۔ اور انھیں وراثت میں اگلی نسلوں کو منتقل کر سکتے ہیں ۔ تاہم اس نظام میں وسائل کو نجی ملکیت میں رکھنے کی مطلق آزادی نہیں ہوتی ۔ مثلاً افراد معدنیات ، چشمے ، دریا اس قسم کے وسائل اپنی ملکیت میں نہیں رکھ سکتے ۔ عموماً حکومت زرعی اراضی کی ملکیت کی بھی حد مقرر کر دیتی ہے ۔ ایسا کرنا معاشرتی فلاح کے لیے ضروری ہوتا ہے ۔

(ii) کاروباری آزادی (Freedom of Enterprise) اس نظام میں نجی کاروبار کی آزادی ہوتی ہے ۔ مالکان اپنے پیداواری وسائل مثلاً نقد سرمایہ ، زمینوں ،

عمارات و آلات وغیرہ کو زیادہ سے زیادہ آمدنی کمانے کے لیے بروئے کار لاتے ہیں ۔ وہ کسی بھی صنعت میں کاروبار قائم کر سکتے ہیں ۔ تاہم حکومت بعض شعبوں میں نجی سرمایہ کاری پر پابندی عائد کرتی ہے ۔ مثلاً اسلحہ بنانا ۔ نشہ آور اشیاء تیار کرنا یا انھیں فروخت کرنا بھی نجی آجرین کے لیے ممنوعہ کاروبار ہوتے ہیں ۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ حکومت ریلوے بجلی کی پیداوار ، ٹیلی فون اور پوسٹ آفس کے شعبوں میں نجی کاروبار قائم کرنے کی اجازت نہ دے ۔

(iii) آزادی انتخاب (Freedom of Choice) اس نظام میں جہاں قانونی حدود کے اندر رہتے ہوئے کاروبار کی آزادی ہوتی ہے وہاں آجرین کو وسائل کے استعمال کے طریقوں کی بھی آزادی ہوتی ہے ۔ آجرین بڑے پیمانے پر یا چھوٹے پیمانے پر ، یا پھر محنت جاذب طریقوں یا سرمایہ جاذب طریقوں کو اپنا کر پیداوار کر سکتے ہیں ۔ اسی طرح محنت کاروں کو پیشہ منتخب کرنے کی آزادی حاصل ہوتی ہے ۔ اور صارفین اپنی پسند کی اشیاء طلب کر سکتے ہیں ۔

اس نظام میں کاروباری معاہدوں کی بھی آزادی ہوتی ہے ۔ اور حکومت قانون کے ذریعے ان معاہدوں کا تحفظ کرتی ہے ۔ مثلاً آجرین کے درمیان خرید و فروخت کے معاہدے اور محنت کاروں اور آجرین کے درمیان اجرت کے تعین کے معاہدے وغیرہ ۔ تاہم واضح رہے کہ متذکرہ بالا معاشی آزادیاں بھی لامحدود نہیں ہوتیں ۔ حکومت ٹیکسوں میں کمی بیشی کرکے آجرین کارکنوں اور صارفین کے انتخاب کو متاثر کر سکتی ہے ۔

(iv) صارف کی خود مختاری (Consumer's Sovereignty) جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے ۔ اس نظام میں صارفین کو ضرورت کی اشیاء منتخب کرنے کی آزادی ہوتی ہے ۔ اس لیے آجرین کو وہی اشیاء پیدا کرنی پڑتی ہیں ، جو صارفین کے ذوق کے عین مطابق ہوں ۔ چنانچہ مستعد آجرین صارفین کے ذوق اور اس کے بدلتے ہوئے میلانات کا پتہ لگانے کے لیے منڈی میں تحقیق کرتے ہیں ۔ مثلاً اگر صارفین چوڑے کالروں والے کوٹ پسند کرتے ہیں تو ملبوسات تیار کرنے والی فرموں کو ان کی اس پسند کو مدِ نظر رکھنا ہوگا ۔ ورنہ وہ اپنے تیار کردہ ملبوسات فروخت نہ کر سکیں گے اور انھیں بھاری نقصانات اٹھانے پڑیں گے ۔ گویا اربوں روپے کی سرمایہ کاری ،

مشینیں ، آلات اور پیداواری فنون صارفین کے ذوق اور ان کی پسند کے تابع ہوتے ہیں ۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ سرمایہ داری نظام میں صارفین کی بادشاہت ہوتی ہے ۔ تاہم حکومت ٹیکسوں اور اعانوں کے ذریعے اشیا کی قیمتوں میں کمی بیشی کر کے صارفین کی پسند اور اشیاء کے لیے ان کے انتخاب کو متاثر کر سکتی ہے ۔

(v) نظام قیمت (Price System) سرمایہ داری نظام میں قیمتوں کی خود کار میکانیت اشیاء کی طلب و رسد کو نہ صرف متاثر کرتی ہے ۔ بلکہ قیمتیں خود بھی طلب و رسد کی تبدیلیوں سے متاثر ہوتی ہیں ۔ صارفین کم قیمت پر زیادہ اشیاء طلب کرتے ہیں ۔ جبکہ آجرین زیادہ قیمت پر زیادہ رسد مہیا کرتے ہیں ۔ چنانچہ طلب و رسد کے توازن سے منڈی میں ہر شے کی قیمت مقرر ہوتی ہے ۔ قیمتیں صارفین کے ذوق اور ان کی طلب کا بیرومیٹر ہوتی ہیں ۔ جن اشیاء کے بارے میں صارفین کا ذوق بڑھ رہا ہو ۔ وہ انہیں زیادہ مقدار میں طلب کرتے ہیں ۔ اور ان اشیاء کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں ۔ آجرین کے لیے یہ ایک سگنل ہوتا ہے ۔ زیادہ قیمتیں زیادہ منافع بخش ہوتی ہیں ۔ اس لیے وہ ایسی اشیاء کی پیداوار اور رسد بڑھا دیتے ہیں ۔ تاہم حکومت مالیاتی اقدامات کے ذریعے قیمتوں میں کمی بیشی کر سکتی ہے ۔ یا پھر بعض اشیاء کی قیمتوں پر کنٹرول نافذ کر سکتی ہے ۔ دریں حالات قیمتوں کی میکانیت کی عمل کاری متاثر ہوتی ہے ۔

(vi) محرک منافع (Profit Motive) اس نظام میں نجی آجرین کی تمام تر پیداوار کا بنیادی مقصد منافع کمانا ہوتا ہے ۔ وہ ان شعبوں میں سرمایہ کاری کرنا پسند کرتے ہیں ۔ جن میں منافع کی شرح بلند ہو ۔ اور منافع کے حصول میں تاخیر نہ ہو ۔ لیکن وہ ایسے شعبوں میں سرمایہ کاری کرنا پسند نہیں کرتے ، جن میں منافع کی شرح پست ہو اور منافع تاخیر سے حاصل ہو ۔ اس نظام میں بھی منافع بہبود عامہ پر واضح برتری رکھتا ہے ۔

حکومت نجی سرمایہ کاروں کو ایسے شعبوں میں سرمایہ کاری کرنے کی ترغیب دے سکتی ہے ۔ جن میں وہ سرمایہ کاری کرنے سے ہچکچاتے ہیں ۔ ان شعبوں میں سرمایہ لگانے والوں کو ٹیکسوں کی چھوٹ دی جاتی ہے ۔ اگر ضروری ہو تو اعانے دیے جاتے ہیں ۔ کم شرح سود پر قرضے مہیا کیے جاتے ہیں اور درآمدی و برآمدی لائسنس

جاری کیے جاتے ہیں ۔ ان اقدامات کے نتیجے میں مصارفِ پیدائش گھٹتے ہیں ۔ اور منافع کی توقعات بڑھتی ہیں ۔ چنانچہ آجرین سرمایہ کاری کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں ۔

(vii) غیر مساوی آمدنیاں (Inequality of Incomes) سرمایہ دارانہ معیشت میں معاشرہ دو گرہوں میں بٹا ہوا ہوتا ہے ۔ اور ان میں آویزش پائی جاتی ہے آجر ، تاجر اور زمیندار متمول لوگ ہوتے ہیں اور وہ بلند آمدنیاں پاتے ہیں ۔ لیکن آبادی کا بیشتر حصہ محنت کشوں ، ذاتی ملازموں اور آزاد پیشے سرانجام دینے والے ہنرمندوں پر مشتمل ہوتا ہے ۔ یہ افراد آجروں سے اپنی محنت اور ہنرمندی کا عوضانہ اجرتوں اور تنخواہوں کی شکل میں پاتے ہیں ان کی آمدنیاں محدود ہوتی ہیں ۔ اور وہ اپنی آمدنیوں سے بنیادی ضروریات زندگی بھی احسن طریقے سے پوری نہیں کر سکتے ۔ آجرین منافع بڑھانے کے لیے اجرتوں پر کم سے کم روپیہ خرچ کرنا چاہتے ہیں ۔ جبکہ کارکن بہتر معاوضوں پر کام کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں ۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے ۔ کہ اس معیشت کی صنعتوں میں مزدور انجمنیں اجرتوں کے بڑھانے اور مزید رعایات حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتی رہتی ہیں ۔ تاہم حکومت آمدنیوں کی عدم ہمواریت کا علاج کرنے کے لیے مالیاتی اقدامات کرتی ہیں ۔ امیروں پر مسترائد شرح سے ٹیکس نافذ کیے جاتے ہیں اور انھیں آمدنی کے لیے ایک حصے سے محروم کر دیا جاتا ہے ۔ دوسری جانب حکومت غریب طبقات کے لیے کثیر اخراجات کرتی ہے ۔ مثلاً ان کے لیے شفاخانے تعلیمی ادارے اور تربیت گاہیں قائم کرتی ہے ۔ جہاں سے وہ مفت یا سستی خدمات پاسکتے ہیں ۔ حکومت بعض صنعتوں میں کم از کم اجرت کے قوانین نافذ کرتی ہے ۔ مزدوروں کو بونس دلواتی ہے اور سرکاری ملازمین کی اجرتوں میں وقتاً فوقتاً اضافوں کا اعلان کرتی ہے ۔

(viii) تخصیصِ کار (Specializatioin) اس نظام کا ایک نمایاں پہلو یہ ہوتا ہے ۔ کہ آجرین مصارف پیدائش کو کم کرنے اور منافع بڑھانے کے لیے بہتر سے بہتر اشیائے سرمایہ استعمال کرتے ہیں جدتیں اختیار کرتے ہیں ۔ اور وہ اس سلسلے میں تخصیص کار پر کافی روپیہ خرچ کرتے ہیں ۔ مصارفِ پیدائش گھٹانے کے لیے بہتر سے بہتر فنونِ پیدائش اختیار کرنے کو تخصیصِ کار کہتے ہیں ۔ یہ تخصیصِ کار آجرین کے

منافع جات کو بڑھانے کا موجب ہوتی ہے۔

9.2.2 سرمایہ دارانہ نظام کی کامیابیاں (Achievements of Capitalism)

سرمایہ داری نظام مندرجہ ذیل کامیابیوں سے ہمکنار ہوا ہے۔

(i) پیداوار کی فراوانی (Abundance of Production) اس نظام میں آجرین کے درمیان مقابلہ پایا جاتا ہے۔ اور وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے پیداوار میں بیش از بیش اضافہ کرتے ہیں۔ چنانچہ عوام الناس کو ضرورت کی اشیاء کثرت سے میسّر آتی ہیں۔

(ii) سستی اشیاء کی دستیابی (Availability of Low-priced Goods)

آجرین کا مقابلہ انھیں مصارف پیدائش گھٹانے اشیا کی کوالٹی بہتر بنانے اور کم سے کم قیمت پر اشیاء مہیا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ چنانچہ اس نظام میں لوگوں کو ضرورت کی اشیاء سستے داموں میسّر آتی ہیں۔

(iii) قومی وسائل کا بہترین استعمال (Optimum use of National Resources) اس نظام میں ہر آجر وہ پیداواری طریقے اختیار کرتا ہے جن میں مصارفِ پیدائش کم سے کم آئیں۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں وہ اپنا منافع بڑھانے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس لیے آجر محنت، مشینوں، عمارات، خام مال اور بجلی وغیرہ کا نہایت مستعد استعمال عمل میں لاتا ہے چنانچہ قومی سطح پر پیداواری وسائل کا بہترین استعمال ہوتا ہے۔

(iv) صارفین کی پسند کے مطابق پیداوار (Production to Consumers Taste)

اس نظام میں آجرین وہی اشیاء پیدا کرتے ہیں۔ جو صارفین کے ذوق کے عین مطابق ہوتی ہیں۔ چنانچہ آجرین ایک ہی قسم کی پیداوار کی مختلف برانڈیں تیار کرتے ہیں۔ تاکہ ہر صارف کو اس کی پسند کے مطابق شے مل جائے۔

(v) جدّتیں (Innovations) سرمایہ داری نظام میں آجرینِ مصارفِ پیدائش گھٹانے کے لیے ہر دم جدّتیں اختیار کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ لہٰذا نئی سے نئی مشینیں ایجاد کی جاتی ہیں۔ ٹیکنالوجی کو ترقی ملتی ہے اور ایجادات کو ترغیب ملتی ہے۔

چنانچہ اس نظام میں سائنسی تحقیق اور ایجادات کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے ۔

(vi) کاروباری آزادی (Freedom of Enterprise) سرمایہ داری نظام ، ہر آجر اور کارکن کو اپنی مرضی کا کاروبار یا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے ۔ یہ کاروباری آزادی گراں قدر ہوتی ہے ۔ چنانچہ آجرین اور کارکن وہی پیداواری شعبے اور پیشے اختیار کرتے ہیں جن میں ان کی صلاحیتیں بہتر طور پر استعمال ہو سکتی ہیں ۔ دریں حالات مستعدی ، چابکدستی اور پیشہ ورانہ مہارت اس نظام کی نمایاں علامات ہوتی ہیں ۔

9.2.3 سرمایہ دارانہ نظام کی ناکامیاں (Failures of Capitalism)

سرمایہ داری نظام میں مندرجہ ذیل خامیاں پائی جاتی ہیں ۔ یہی خامیاں اس نظام کی ناکامی کا باعث بنی ہیں ۔ چنانچہ آج دنیا میں کہیں بھی خالص سرمایہ داری نظام موجود نہیں ہے ۔

(i) دولت کا ارتکاز (Concentration of Wealth) سرمایہ داری نظام میں معاشی ادارے زیادہ تر سرمایہ داروں کے زیر اثر ہوتے ہیں ۔ وہ اپنے سرمائے کے بل بوتے پر بھاری آمدنیاں کما سکتے ہیں ۔ اور اپنی دولت میں اضافہ کر سکتے ہیں ۔ اس کے برعکس مزدوروں کی قوتِ سودابازی کمزور ہوتی ہے ۔ چنانچہ انھیں پست اجرتوں پر اکتفا کرنا پڑتا ہے ۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ آجرین کی مستزائد آمدنیاں ان کے سرمائے میں اضافہ کرتی ہیں ۔ اور مزید سرمایہ ان کی آمدنی میں اضافے کا موجب بنتا ہے اس طرح قومی دولت کا بہاو سرمایہ داروں کی جانب ہوتا ہے ۔ اور عوام الناس کی مالی حالت مخدوش ہوتی جاتی ہے ۔ جب دولت کا ارتکاز حد سے بڑھ جاتا ہے ۔ تو سرمایہ دار ملکی سیاست اور حکومتی پالیسیوں پر اثرانداز ہونے لگتے ہیں ۔

(ii) استحصالی نظام (System of Exploitation) سرمایہ دارانہ معیشت کا سب سے طاقتور طبقہ سرمایہ دار ہوتے ہیں ۔ جو کہ اپنے کاروباری عمل میں سہہ طرفہ استحصال کرتے ہیں ۔ اول یہ کہ وہ مزدوروں کو ان کی پیداوار مختتم سے کم تر اجرتیں دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں ۔ دوم ۔ وہ اپنے اثر و رسوخ کی بنیاد پر حکومت سے کئی قسم کی رعایات حاصل کرتے ہیں ۔ لیکن وہ مختلف طریقوں سے ٹیکس گریزی کرتے ہیں ۔ اس کے نتیجے میں سرکاری خزانے کو نقصان پہنچتا ہے ۔ سوم بڑے بڑے آجرین اجارہ دارانہ یا نیم اجارہ دارانہ پوزیشن میں ہوتے ہیں ۔ اور وہ اپنی پیداوار

کو صارفین کے ہاتھ بلند قیمت پر بیچتے ہیں ۔ گویا اس نظام میں سرمایہ دارانہ صرف محنت کشوں کا استحصال کرتے ہیں ۔ بلکہ وہ حکومت اور صارفین کا بھی استحصال کرتے ہیں ۔

(iii) قومی وسائل کا ضیاع (Waste of National Resources) اس نظام میں آجرین زیادہ سے زیادہ پیداوار فروخت کرنے کے لیے ایک ہی شے کی کئی کئی برانڈیس تیار کرتے ہیں ۔ اور اشتہار بازی پر لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کرتے ہیں ۔ بعض حالات میں وہ مقابلے کی دوڑ میں طلب سے بڑھ کر پیداوار کر دیتے ہیں ۔ یہ قومی وسائل کے ضیاع کی مختلف صورتیں ہیں ۔ حالانکہ اگر وہ اشیاء کی کم برانڈیس تیار کریں ۔ اشتہار بازی پر کم روپیہ خرچ کریں ۔ اور حسب طلب پیداوار کریں تو بہت سا روپیہ بچ سکتا ہے ۔ اور یہ دیگر پیدا آور کاموں میں بروئے کار لایا جاسکتا ہے ۔

(iv) سردبازاری اور بے روزگاری (Recession and Unemployment)

سرمایہ دارانہ معیشت میں آجرین مقابلے کی دوڑ میں بڑھ چڑھ کر پیداوار کرتے ہیں ۔ اور جب ان کی رسد طلب سے متجاوز ہو جاتی ہے تو بن بکے مال کے انبار لگ جاتے ہیں اور قیمتیں گرنے لگتی ہیں ۔ لہٰذا وہ پیداوار کو گھٹانے پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔ اور مزدوروں کی چھانٹی شروع کر دیتے ہیں ۔ بے روزگاری بڑھتی جاتی ہے اور قومی پیداوار و سرمایہ کاری کے معیار گر جاتے ہیں ۔ گویا سرمایہ دار اور آجرین ہی معیشت میں سردبازاری اور بے روزگاری پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں ۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ سرمایہ دارانہ معشتیں مخصوص وقفوں کے بعد بار بار سرد بازاری اور بے روزگاری کا شکار ہوتی ہیں ۔ اس دور میں قومی وسائل ضائع ہو رہے ہوتے ہیں ۔

(v) بہتات اور مفلسی (Abundance and Poverty) جیسا کہ اس سے پہلے بتایا گیا ہے ۔ کہ سرمایہ داری معیشت مخصوص وقفوں کے بعد زوال پذیر ہوتی ہے ۔ سرد بازاری کے دوران جب اشیاء کی قیمتیں گرتی ہیں تو آجرین اپنی پیداوار کے سٹاک روک لیتے ہیں ۔ ان کے گوداموں میں مصنوعات کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں ۔ لیکن دوسری جانب کارکن روزگار اور آمدنیوں سے محروم ہوتے ہیں وہ حد درجہ مفلسی کا

شکار ہوتے ہیں ۔ اور اشیائے ضرورت خریدنے کی سکت نہیں رکھتے ۔ چنانچہ آجرین کے ذخیروں میں پیداوار کی بہتات ہوتی ہے ۔ لیکن دوسری جانب صارفین ضروریات زندگی سے یکسر محروم ہوتے ہیں ۔

9.3 اشتراکیت (Socialism)

اشتراکیت یا سوشلزم کے نظریات بہت پرانے ہیں ۔ یونانی فلسفی افلاطون (Plato) نے اپنی تصنیف "جمہوریہ" (Republic) میں ایک ایسے معاشرتی اور اقتصادی نظام کا خاکہ پیش کیا ۔ جس میں شخصی ملکیت صرف ضرورت کی حد تک ہوگی ۔ تمام پیداواری وسائل کو اجتماعی بہبود کے لیے استعمال کیا جائے گا ۔ اور ہر شہری کو روزگار اور ضرورت کی اشیاء میسر ہوں گی ۔ سولہویں صدی کی ابتدا میں برطانوی مفکر سر تھامس مور (Sir Thomas More) نے "خیالی دنیا" (Utopia) کے عنوان سے اپنی تصنیف میں ایک مثالی معاشرے کا نقشہ پیش کیا ۔ جس میں تمام پیداواری وسائل قوم کے افراد کی مشترکہ ملکیت ہوں گے اور ان وسائل کو معاشرتی مفاد کی خاطر بروئے کار لایا جائے گا ۔ تاہم اشتراکیت کا جدید نظریہ جرمنی کے مفکر کارل مارکس (Karl Marx) نے اپنی کتاب (Dascapital) میں وضاحت کی اس میں سرمایہ داری نظام کے استحصال کی مذمت کی گئی اور ایک غیر طبقاتی معاشرے کے قیام کا پروگرام دیا گیا ۔ اس معاشرے میں تمام پیداواری وسائل ریاست کی ملکیّت ہوں گے اور تمام افراد کو ان کی اہلیت کے مطابق روزگار ملے گا اور ہر شخص کو اس کی بنیادی ضرورت کی اشیاء میّسر آئیں گی ۔

اشتراکیت کی تعریف (Definition of Socialism)

اشتراکیت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے

"اشتراکی معیشت سے مراد معاشرے کی ایسی تنظیم ہے ۔ جس میں مادی ذرائع پیدائش ، معاشرے کی اجتماعی ملکیت ہوتے ہیں ۔ اور (حکومت کے زیر اہتمام قائم کردہ) قومی ادارے ایک جامع منصوبے کے تحت ان وسائل سے کام لیتے ہیں ۔ یہ ادارے معاشرے کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں ۔ ڈکینسن (Dickinson)[1]

9.3.1 اشتراکی معیشت کی نمایاں خصوصیات

(Salient Fealures of Socialist Economic System)

اشتراکی معیشت کی نمایاں خصوصیات یہ ہوتی ہیں ۔

---

1. H.D. Dickinson : 'Economics of Socialism'

(i) پیداواری وسائل پر ریاست کی ملکیت (State Ownership of Production Resources) اس معیشت میں تمام پیداواری وسائل ریاست کی ملکیت میں ہوتے ہیں ۔ اور وہی ان کے استعمال کا فیصلہ کرتی ہے ۔ البتہ افراد بطور عاملِ پیدائش پیشے کے انتخاب میں آزاد ہوتے ہیں ۔ حکومت ہر فرد کو اس کی اہلیت کے مطابق روزگار دیتی ہے ۔

(ii) مرکزی منصوبہ گر اتھارٹی (Central Planning Authority): قومی وسائل کو بروئے کار لاکر کون کون سی اشیاء کن طریقوں سے اور کتنی کتنی مقدار میں پیدا کی جانی چاہیں ۔ اس سلسلے میں باقاعدہ منصوبہ بندی کے لیے ایک مرکزی اتھارٹی قائم کی جاتی ہے ۔ یہ اتھارٹی اس بات کا فیصلہ بھی کرتی ہے ۔ کہ معیشت کو کتنی اشیائے صرف اور کتنی اشیائے سرمایہ پیدا کرنی چاہییں ۔

(iii) منافع کی بجائے فلاح عامہ فلاح (Public Welfare Rather than Profit)

اس نظام میں حکومتی ادارے جو پیدا کرتے ہیں ۔ اس کی اولین غرض و غائیت منافع کے بجائے عوام کی فلاح اور ان کی بنیادی حاجات کی تسکین ہوتی ہے ۔ اگرچہ حکومتی ادارے پیداوار پر کچھ منافع بھی حاصل کرتے ہے ۔ لیکن اس منافع کی شرح کم ہوتی ہے ۔ تاہم یہ ادارے عوامی ضرورت کی وہ اشیاء بھی پیدا کرتے ہیں ، جن پر اُنھیں کوئی منافع حاصل نہیں ہوتا ۔

(iv) معاشرتی ہم آہنگی (Social Coherence) اس نظام میں نجی سرمایہ دار اور آجرین موجود نہیں ہوتے ۔ پیداواری عمل حکومتی ادارے سرانجام دیتے ہیں ۔اور تمام لوگ اپنی اپنی صلاحیّت کے مطابق ان اداروں میں خدمات سرانجام دیتے ہیں ۔ اس نظام میں آجر اور مزدور کی طبقاتی تفریق موجود نہیں ہوتی ۔ تمام کارکن اجرت پانے والے ہوتے ہیں ۔ لہٰذا معاشرے میں ہم آہنگی نمایاں ہوتی ہے ۔ انسانی تاریخ میں ایسا معاشرہ اشتراکی نظام کی ہی ایجاد ہے ۔

(v) معاشی استحکام (Economic Stability): اس معیشت میں پیداوای ادارے عوام کی طلب کا پیشگی جائزہ لے کر اشیاء و خدمات پیدا کرتے ہیں ۔ اس لیے قومی پیداوار کی طلب و رسد میں توازن برقرار رہتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس معیشت میں بے روزگاری اور سردبازاری کے حالات پیدا نہیں ہوتے ۔ گویا یہ نظام معاشی استحکام کا حامل ہوتا ہے ۔

(vi) آمدنی کی منصفانہ تقسیم (Equitable Distribution of Income):
چونکہ اس معیشت میں پیداواری وسائل اور کاروبار تجارت نجی ملکیت میں نہیں ہوتے ۔ اس لیے اس معشیت میں کوئی سرمایہ دار ، جاگیردار یا سیٹھ موجود نہیں ہوتا ۔ تمام کارکن حکومت کی فیکٹریوں ، کانوں میں اور کھیتوں پر کام کرتے ہیں ۔ اور حسبِ صلاحیت اجرت پاتے ہیں ۔ مختلف کارکنوں کی آمدنی میں معمولی فرق برقرار رکھا جاتا ہے ۔ تاکہ کم آمدنی والے افراد اپنی پیداواری صلاحیت بڑھانے اور پیداوار میں اضافہ کرنے کی ترغیب پاسکیں ۔ اس معیشت میں آمدنی کی معاشرتی تقسیم منصفانہ ہوتی ہے ۔

(vii) قیمتوں کا محدود کردار (Limited Role of Prices): اس معیشت میں قیمتیں محدود کردار ادا کرتی ہیں ۔ اگر حکومت یہ محسوس کرے کہ بعض اشیاء کی رسد ، ان کی طلب سے کم رہ گئی ہے ۔ تو طلب و رسد میں توازن پیدا کرنے کے لیے اشیاء کی قیمت میں کچھ اضافہ کر دیا جاتا ہے ۔ گویا قیمتوں کا کردار فقط اتنا ہوتا ہے کہ پیداوار کی طلب و رسد کے معمولی رخنے کو پُر کیاجاسکے ۔

9.3.2 اشتراکی معیشت کی کامیابیاں (Achievements of Socialist Economic System):

روس میں 1917 ء کے اشتراکی انقلاب کے بعد دنیا کے مختلف خطوں میں اشتراکی نظام اپنایا جاچکا ہے ۔ اس نظام کے تحت افراد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی تشفی کی ضمانت دی جاتی ہے ۔ نیز اس معیشت میں ترقی کی رفتار مستحکم اور نمایاں ہوتی ہے ۔
اشتراکی نظام کی کامیابیاں مندرجہ ذیل ہیں :

(i) استحصال کا خاتمہ (Elimination of Exploitation): کسی معاشرے میں بعض افراد کی بعض دیگر افراد پر مادی برتری ہی استحصال کا ذریعہ بنتی ہے ۔ چونکہ اشتراکی معیشت میں پیداواری وسائل ، نجی ملکیت میں نہیں ہوتے ۔ اس لیے کوئی طبقہ دوسرے طبقے کا استحصال نہیں کر سکتا ۔

(ii) کامل روزگار (Full Employment): عام طور پر اشتراکی معیشت میں مسئلہ بے روزگاری پیدا نہیں ہوتا ۔ تمام افراد کو اپنی تعلیم اور فنی تربیت کے مطابق روزگار مہیا کیا جاتا ہے اور کام کرنے کی عمر اور اہلیت رکھنے والے تمام افراد برسرروزگار

ہوتے ہیں غیر ہنرمند کارکنوں کو بھی اتنی اُجرت ضروری دی جاتی ہے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات زندگی بطریق احسن پوری کر سکیں ۔

(iii) افراطِ و تفریط زر کا خاتمہ (Doing Away with Inflation and Deflation):

سرمایہ دارانہ معیشت میں پھیلاؤ اور سکڑاؤ واقع ہوتے رہتے ہیں ۔ جنہیں تجارتی چکر (Trade Cycle) کہتے ہیں ۔ اس کی وجہ بچت و سرمایہ کاری اور مجموعی طلب و مجموعی رسد کا عدم توازن ہوتا ہے ۔ اشتراکی معیشت میں بچت اور سرمایہ کاری کرنے کی ذمہ داری حکومت پر ہوتی ہے ۔ نیز حکومت کے زیرِ اہتمام کام کرنے والے پیداواری ادارے طلب کے محتاط تخمینوں کے مطابق رسد مہیا کرتے ہیں ۔ اس لیے بچت و سرمایہ کاری اور طلب و رسد کے کُل معاشی متغیرات میں نہ کوئی رخنہ پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی افراطِ زر تفریطِ زر کے مسائل پیدا ہوتے ہیں ۔

(iv) معاشی ترقی کی تیز رفتار (Fast Rate of Economic Development):

سرمایہ داری معیشت میں نجی آجرین ان شعبوں میں سرمایہ کاری کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ۔ جہاں منافع کی شرح پست ہوتی ہے ۔ خواہ ان شعبوں کا قیام مفادِ عامہ اور ملکی سالمیت کے لیے کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو ۔ لیکن اشتراکی معیشت میں حکومت تمام شعبوں میں بھرپور سرمایہ کاری کرتی ہے ۔ دریں حالات پیداواری وسائل کا بہترین استعمال عمل میں آتا ہے اور معاشی ترقی کی رفتار تیز ہوتی ہے ۔

(v) غیر طبقاتی معاشرہ (Classless Society):

اشتراکی ممالک میں معاشرہ غیر طبقاتی ہوتا ہے اور اس میں اونچ نیچ اور امیر و غریب کی کوئی تفریق موجود نہیں ہوتی ۔ چنانچہ اس معاشرے میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے ۔ اور ہر فرد اپنی معاشی کارکردگی میں بیش از بیش معاشرتی بہبود کے اعلیٰ اور ارفع مقصد کی جانب پیش قدمی کر رہا ہوتا ہے ۔

9.3.3 اشتراکی معیشت کی ناکامیاں
(Failures of Socialist Economic System)

اشتراکی نظامِ معیشت کی ناکامیاں یہ ہیں :

(i) کاروباری آزادی سے محرومی (No Freedom of Enterprise):

اشتراکی معیشت میں افراد نہ تو پیداواری وسائل اپنی ملکیت میں رکھ سکتے ہیں ۔ اور نہ

ہی اپنی مرضی کا کاروبار کرسکتے ہیں ۔ گویا اس معاشرے کے افراد کاروبار کے سلسلے میں شخصی آزادی سے محروم ہوتے ہیں اور تمام پیشہ ور افراد سرکاری ملازموں کی حیثیت رکھتے ہیں ۔اشتراکی نظام کے ناقدین کے نزدیک یہ اس نظام کی سب سے بڑی خامی ہے ۔

(ii) عوام اور حکومت کا معکوس تعلق (Inverse Relation of People and Government) اس معیشت میں اشیاء و خدمات کی پیداوار اور تقسیم پر حکومتی کنٹرول ہوتا ہے ۔ اور مرکزی منصوبہ ساز اتھارٹی اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ عوام کی ضرورت کے لیے کون کون سی اشیاء کتنی کتنی مقدار میں تیار کی جائیں ۔ جب عوام کی ضروریات کا فیصلہ حکومت کرتی ہے تو عوام اور حکومت کا تعلق معکوس ہو جاتا ہے ۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ عوام حکومت کے لیے ہوتے ہیں نہ کہ حکومت عوام کے لیے ۔

(iii) پست استعداد (Low Efficiency) اس نظام معیشت میں مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد پیداواری شعبوں میں کام سرانجام دیتے ہیں ۔ اور اُجرتیں پاتے ہیں ۔ ملازمین کو اُجرتوں سے غرض ہوتی ہے تاکہ پیداواری افزائش سے وہ پیداوار کم کریں یا زیادہ اُنھیں مقررہ اُجرت مل جاتی ہے ۔ چنانچہ افراد کو اپنی پیداواری استعداد بڑھانے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی ۔

(iv) محنت کا ضیاع (Waste of Labour): اشتراکی نظام میں ہزاروں ملازمین اِس کام پر مامور ہوتے ہیں کہ صارفین کی اشیائے ضرورت کی مقدار کا اندازہ لگایا جائے تاکہ پیداواری اداروں کو اس کے مطابق اشیاء پیدا کرنے کی ہدایت دی جاسکے ۔ اس سے افرادی قوت کا ضیاع ہوتا ہے ۔ حالانکہ اگر مروجہ نظام سرمایہ دارانہ ہو تو صارفین کی طلب اور پسند کا اندازہ قیمتوں کی میکانیت سے لگایا جاسکتا ہے ۔ اور اتنی بڑی تعداد میں افراد کی محنت کو پیداآور مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے ۔

(v) ٹیکنیکی ترقی کی سُست رفتار (Slow Pace of Technology) اس نظام میں تمام تر پیداوار حکومتی پیداواری یونٹ کرتے ہیں ۔ جن کا انتظام تنخواہ دار پراجیکٹ مینجروں کے ہاتھ میں ہوتا ہے ۔ اُنھیں اپنی خدمات کے عوض اُجرت ملتی ہے ۔ جبکہ کاروبار کا منافع حکومت کے خزانے میں جاتا ہے ۔ اِن مینجروں کو پیداوار کے مصارف گھٹانے اور اس کی کوالٹی بہتر بنانے سے کوئی دلچسپی

نہیں ہوتی اس لیے وہ نئے اور بہتر پیداواری فنون اور جدّتیں اختیار نہیں کرتے ۔ چنانچہ اشتراکی معیشت کے پیداواری شعبوں میں ٹیکنیکی ترقی کی رفتار سُست ہوتی ہے۔

9.4 مخلوط معیشت (Mixed Economy) : سرمایہ دارانہ معیشت میں پیداواری وسائل نجی ملکیت میں ہوتے ہیں ۔ اور آجرین ان سے پیداوار لیتے ہیں ۔ جبکہ اشتراکی معیشت میں یہ وسائل ریاست کی ملکیت ہوتے ہیں اور حکومت کے زیر انتظام ادارے اِن وسائل کو استعمال کرکے اشیاء و خدمات پیدا کرتے ہیں ۔ گویا اوّل الذکر معشیت میں پیداواری عمل میں سرکاری شعبہ کوئی نمایاں کردار ادا نہیں کرتا جبکہ ثانی الذکر معیشت میں نجی شعبہ سرے سے غائب ہوتا ہے ۔ مخلوط معیشت اِن دونوں نظامات کے بین بین ہوتی ہے ۔ اِس معیشت میں نجی و سرکاری کاروبار شانہ بشانہ ہوتے ہیں ۔ مخلوط معیشت تین قسم کے پیداواری شعبوں پر مشتمل ہوتی ہے ۔

اوّل : نجی شعبہ (Private Sector). اس شعبے میں نجی آجرین ذاتی کاروبار قائم کرتے ہیں ۔ کاروبار تجارت اور زراعت وغیرہ جیسے کاموں میں آجرین سرمایہ کاری کرتے ہیں اور ان کے کاروبار کی غرض و غائت منافع کمانا ہوتی ہے ۔ حکومت نجی شعبے کے کاروباروں کو بہتر خطوط پر استوار کرنے کے لیے قوانین و ضوابط نافذ کرتی ہے ۔ اِن قوانین کامقصد یہ ہوتا ہے کہ نجی منافع خوری کو ایک خاص حد میں رکھا جائے تاکہ منافع کی ہَوس عوامی مفاد کو ہڑپ نہ کرلے ۔ پاکستان میں زراعت کے علاوہ بیشتر صرفی مصنوعات کی پیداوار نجی شعبے میں ہے ۔

دوم : سرکاری شعبہ (Government Sector) اس شعبے میں صرف حکومت ہی کاروبار قائم کرتی ہے ۔ نجی آجرین کو اِس شعبے میں سرمایہ کاری کرنے کی اجازت نہیں ہوتی ۔ بلاشک سرکاری شعبے کے کاروبلر سے منافع مطلوب ہوتا ہے ۔ لیکن منافع عوامی فلاح پر برتری نہیں رکھتا ۔ چنانچہ سرکاری شعبے میں ایسے کاروبار بھی جاری رہتے ہیں جن میں منافع کی شرح پست ہوتی ہے یا منافع بالکل نہیں ہوتا۔ بعض حالات میں سرکاری کاروبار نقصان پر بھی چالو رکھے جاتے ہیں ۔ سرکاری کاروبار کا منافع حکومت کے خزانے میں جاتا ہے ۔ پاکستان میں ریلوے ، واپڈا محکمہ ٹیلیفون وغیرہ سرکاری شعبے کے کاروبار ہیں ۔

سوم : نیم سرکاری شعبہ (Semi Government Sector): اس شعبے میں نجی سرمایہ دار اور حکومت مل کر سرمایہ کاری کرتے ہیں ۔ اور طے شدہ شرائط کے مطابق منافع تقسیم کرتے ہیں اِن کاروباروں کا انتظام آجرانہ صلاحیت رکھنے والے سرمایہ کار اور حکومت کے ملازمین مل کر چلاتے ہیں ۔ پاکستان میں پی۔ آئی۔ اے (P.I.A)، روڈ ٹرانسپورٹ وغیرہ نیم سرکاری شعبے کے کاروبار ہیں ۔

مخلوط معیشت نجی اور سرکاری کاروبار کا امتزاج ہوتی ہے ۔ حکومت نہ صرف کاروبار میں شریک ہوتی ہے ۔ بلکہ وہ نجی شعبے کی کارکردگی کو ترغیبات ، رعایات اور پابندیوں کے ذریعے متاثر کرتی ہے ۔ عموماً سرکاری کاروبار نجی کاروبار کے لیے راہبر کا کردار ادا کرتا ہے ۔ اس وقت دنیا کے تمام اُن ممالک میں جہاں اشتراکی نظام نہیں ہے مخلوط معاشی نظام رائج ہے ۔

9.4.1 مخلوط معیشت کی نمایاں خصوصیات
(Salient Features of Mixed Economy)

مخلوط معیشت مندرجہ ذیل نمایاں خصوصیات کی حامل ہوتی ہے :

(i) محدود کاروباری آزادی (Limited Freedom of Enterprise): اس معیشت میں نجی آجرین کو محدود کاروباری آزادی ہوتی ہے اور ماسوائے اُن شعبوں کے جہاں صرف حکومت سرمایہ کاری کر سکتی ہے ۔ وہ دیگر شعبوں میں اپنا کاروبار قائم کر سکتے ہیں ۔ وُہ پیداواری وسائل کے حصول ان کے استعمال کے طریقوں پیداوار کی مقدار اور رسد کے تعین کے بارے میں اپنی مرضی سے فیصلے کر سکتے ہیں ۔

(ii) قیمتوں کے نظام کا کردار (Role of Price System) اس معیشت میں اشیاء و خدمات کی طلب و رسد کا اظہار قیمت کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ آجرین اُن صنعتوں میں زیادہ سرمایہ کاری کرتے ہیں جن کی پیداوار کی طلب اور قیمت بلند ہوتی ہے ۔ تاکہ وہ خُوب منافع کما سکیں ۔ لیکن جن صنعتوں کی پیداوار کی طلب و قیمت پست ہوتی ہے اُن میں نجی سرمایہ کاری کا حجم بھی گرنے لگتا ہے ۔ چونکہ حکومت معیشت کے استحکام کی ذمہ دار ہوتی ہے اسلیے وہ ایسی صنعتوں کی امداد کے لیے زری اور مالیاتی پالیسی کے آلات کار کو استعمال کرتی ہے ۔ مخلوطِ معیشت میں قیمتوں کا نظام اس قدر فعّال کردار ادا نہیں کرتا جتنا کہ یہ سرمایہ دارانہ معیشت میں کرتا ہے ۔

(iii) حکومت کے اہم معاشی فرائض (Important Economic Functions of the Govt)

اِس معیشت میں حکومت کو معاشی معاملات میں نہایت اہم فرائض سرانجام دینے ہوتے ہیں ۔ ذیل میں ہم اِن فرائض کا جائزہ پیش کرتے ہیں ۔

(i) نجی حقِ ملکیت کی پاسبانی : حکومت افراد کے اِس حق کی پاسبانی کرتی ہے کہ وہ پیداواری وسائل اپنی نجی ملکیت میں رکھ سکتے ہیں اور اُنھیں قانون کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ذاتی مفاد کی خاطر استعمال کر سکتے ہیں ۔

(ii) کاروباری ضوابط : حکومت نجی کاروبار کے لیے اصول و ضوابط تیار کرتی ہے اور اُنھیں نافذ کرتی ہے ۔ مثلاًیہ کہ کارخانوں میں مزدوروں کو انجمنیں قائم کرنے کا حق حاصل ہے ۔ نیز یہ کہ مزدور آجروں سے اپنے جائز حقوق منوانے کے لیے ہڑتال یا دیگر مخصوص طریقوں سے جدوجہد کر سکتے ہیں ۔ حکومت مزدوروں کے لیے کم از کم اُجرت کے قوانین بھی نافذ کر سکتی ہے ۔ اور مزدوروں کی ملازمت کی شرائط طے کر سکتی ہے ۔ حکومت نجی کاروباروں پر یہ پابندی بھی لگا سکتی ہے کہ وہ اپنی پیداوار کے لیے ملکی خام مال استعمال کریں ۔ نیز یہ کہ وہ مشینیں چلانے کے لیے کوئلے ، بجلی یا گیس کو ذریعہ قوت بنائیں ۔ حکومت بعض نجی صنعتوں کی پیداوار پر پرائس کنٹرول بھی نافذ کر سکتی ہے ۔

(iii) پیٹنٹ حقوق کا تحفّظ : کاروباری فرمیں اپنی پیداوار کے لیے مداخل کو مخصوص تناسب سے استعمال کرتی ہیں۔ پیداوار کو مخصوص برانڈوں کی شکل میں اور مخصوص پیکنگ میں فروخت کرتی ہیں ۔ اس سلسلے میں وہ حکومت سے پیٹنٹ حقوق (Patent Rights) حاصل کرتی ہیں تاکہ دیگر آجرین اُن کی پیداوار کی متبادل جعلی اشیاء تیار نہ کر سکیں ۔ حکومت کاروبار کے پیٹنٹ حقوق کا تحفّظ کرتی ہے اور جعل سازی کرنے والوں کو قانون کے تحت سزا دیتی ہے۔

(iv). معاشرتی اشیاء و خدمات کی فراہمی (Social Goods and Services)

حکومت معاشرتی اشیاء و خدمات کی فراہمی کی ذمہ داری قبول کرتی ہے ۔ چنانچہ اس سلسلے میں حکومت سڑکیں اور ریلوے لائنیں بچھاتی ہے ۔ آبپاشی کے لیے نہریں کھدواتی ہے ۔ پُل ، ڈیم اور بجلی گھر تعمیر کرواتی ہے ۔ ڈاک ، تار اور ٹیلیفون و ٹیلکس (Telex) کے نظامات قائم کرتی ہے ۔

(v) زری اور مالیاتی پالیسیوں کا کردار : حکومت نجی کاروباروں کی پیداوار ، رسد ، قیمت فروخت ، برآمد اور پیداوار طریقوں کو متاثر کرنے کے لیے زری اور مالیاتی پالیسیوں کو بروئے کار لاتی ہے ۔ یہ پالیسیاں آجروں کے لیے رکاوٹیں اور ترغیبات (Stick and Carrot) مہیا کرتی ہیں ۔

(vi) اجارہ دارانہ طاقت پر کنٹرول : اگر کسی پیداواری شعبے میں نجی آجرین مفاہمت کر کے خود ساختہ اجارہ داری قائم کر لیں تو حکومت اُن کی طاقت کو کم کرنے کے خلاف اجارہ قوانین (Anti Trust Laws) نافذ کرتی ہے ۔ اور اگر اجارہ دارانہ تنظیم اِن قوانین کی پروا نہ کرے تو حکومت اس کی پیداوار کے حُجم اور قیمتِ فروخت کا تعین کر دیتی ہے ۔ یا پھر ناگزیر ہو تو حکومت ایسے کاروبار کو اپنی تحویل میں لے لیتی ہے ۔

9.4.2 مخلوط معیشت کی کامیابیاں
(Acheivements of Mixed Economy)

مخلوط معاشی نظام کے ڈھانچے کی نوعیت اس طرح کی ہوتی ہے کہ اس میں نجی کاروبار کی خامیوں کا کافی حد تک ازالہ ہو جاتا ہے ۔ اس وقت دنیا کی بہت سی عظیم اور طاقتور معشتیں مخلوط نظام کے تحت چل رہی ہیں ۔ ذیل میں ہم مخلوط معیشت کی کامیابیاں گنواتے ہیں ۔

(i) نجی اور سرکاری کاروبار کا مفید مقابلہ (Constructive Competition Between Private and Public Enterprises)

مخلوط معیشت میں نجی اور سرکاری کاروباروں کے درمیان تعمیری اور مفید مقابلہ پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ نجی اور سرکاری کاروباروں کے منتظمین اپنی کارکردگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی جستجو کرتے ہیں ۔ پیداوار کی کوالٹی کو خوب تر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ مصارفِ پیدائش گھٹانے کے لیے بہتر فنونِ پیدائش اور جدید ٹیکنالوجی استعمال کی جاتی ہے ۔ یہ مقابلہ اس صورت میں زیادہ مفید اور کارگر ثابت ہوتا ہے جب ایک ہی قسم کی صنعت میں نجی اور سرکاری کاروبار شانہ بشانہ شریک ہوں ۔

(ii) آمدنی کی بہتر معاشرتی تقسیم (Better Social Distribution of Incomes)

مخلوط معیشت میں حکومت آمدنی کی معاشرتی تقسیم میں بے اعتدالی کو کم کرنے کے لیے موثر اقدامات کرتی ہے ۔ کاروباری منافع جات پر اور دیگر بلند

آمدنیوں پر مستزائد شرح سے ٹیکس نافذ کیے جاتے ہیں ۔ جبکہ غریب طبقات کے استعمال میں آنے والے اشیاء پر اعانے دیے جاتے ہیں ۔ نیز عوام الناس کے لیے مُفت یا نہایت سستی تعلیمی اور طبّی سہولتیں مہیّا کی جاتی ہیں ۔ یہ اقدامات ایک طرف تو اُمراء کی قابل تصرف آمدنیوں کو کم کرتے ہیں جبکہ محدود وسائل والے طبقات کی حقیقی آمدنیوں میں اضافہ کرتے ہیں ۔

(iii) اجارہ دارانہ استحصال کا خاتمہ (Curbing Monopolistic Exploitation)

سرمایہ دارانہ معیشت میں اجارہ دار صارفین ، کارکنوں اور سرکاری خزانے کا استحصال کرتے ہیں ۔ لیکن مخلوط معاشی نظام میں ایسے قوانین نافذ کیے جاتے ہیں کہ اجارہ داریاں اُبھرنے نہیں پاتیں ۔ اور اگر کسی شعبے میں نجی اجارہ داری قائم ہو بھی جائے تو حکومت اس کی طاقت پر کاری ضرب لگاتی ہے ۔ اشیاء کی قیمتوں کے اضافے کی حد مقرر کر دی جاتی ہے ۔ یا براہِ راست پرائس کنٹرول نافذ کردیا جاتا ہے ۔ ساتھ ہی اجارہ داری کی پیداوار کی مقدار اور رسد کا تعین کر دیا جاتا ہے ۔ تاکہ صارفین کو ضرورت کی اشیاء فراوانی اور سستے داموں میسر آسکیں ۔ حکومت کارکنوں کے تحفظ کے لیے کم از کم اُجرت کا تعین کر دیتی ہے ۔ اور اس طرح اجارہ دار یا دیگر آجرین مقررہ حد سے کمتر اُجرتیں نہیں دے سکتے ۔ نیز کارخانوں میں مزدور انجمنوں کے قیام کی اجازت دی جاتی ہے ۔ نیز حکومت بھاری منافع جات پر بلند شرح سے ٹیکس لگا کر خزانے کے لیے خطیر وسائل حاصل کرتی ہے ۔

(iv) کم از کم معیار زندگی کا بندوبست (Guaranteeing a Minimum Standard of Living)

مخلوط معیشت میں حکومت اِس بات کو اپنی ذمہ داری تصور کرتی ہے کہ عوام الناس کے لیے معیار زندگی کی ایک ایسی کم از کم حد مقرر کر دی جائے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل تسلّی بخش طریقے سے کر سکیں ۔ مخلوط معیشت کے نظام میں ایسے خود کار کل پُرزے موجود ہوتے ہیں کہ وہ مطلق غربت اور ناداری کا خاتمہ کر دیتے ہیں ۔ اِس نظام میں حکومت نادار افراد کو براہِ راست مالی امداد دیتی ہے ۔ نیز حکومت بڑے بڑے تعمیراتی منصوبے شروع کرتی ہے تاکہ بے روزگار افراد کے لیے روزگار کے مواقع پیدا کیے جائیں ۔ غریب افراد خوردنی اشیاء پر سرکاری اعانوں سے مستفیض ہوتے ہیں اس نظام میں حکومت بے گھر کارکنوں اور غریب افراد

کے لیے بستیاں آباد کرتی ہے ۔ اور انھیں مفت یا سستی خدمات مہیا کرنے کے لیے ہسپتال تعلیمی ادارے ، تربیت گاہیں قائم کرتی ہے ۔

(v) معاشی استحکام (Economic Stablity) مخلوط نظام میں حکومت کو فعال معاشی کردار ادا کرنا پڑتا ہے ۔ چنانچہ گرم بازاری کی شدت واقع ہونے سے پیشتر ہی حکومت مالیاتی اقدامات کے ذریعے مجموعی طلب میں کمی کرتی ہے ۔ حکومت فاضل بجٹ تیار کرکے اپنے اخراجات میں نجی صرفی و سرمایہ ،کاری کے اخراجات میں کمی کے لیے براہِ راست اور بالواسطہ ٹیکس بڑھا دیتی ہے ۔ اس کے برعکس سرد بازاری پر قابو پانے کے لیے حکومت خسارے کے بجٹ تیار کرتی ہے ۔ اس طرح حکومت نہ صرف خود اپنے اخراجات بڑھا دیتی ہے ۔ بلکہ نجی صرف و سرمایہ کاری میں اضافہ کرنے کے لیے براہ راست یا بالواسطہ ٹیکسوں میں کمی کر دیتی ہے ۔ چنانچہ مخلوط معیشتوں میں سرمایہ دارنہ معیشتوں کے مقابلے میں استحکام پایا جاتا ہے ۔

(vi) صارفین کی بادشاہت : سرمایہ داری نظام کی طرح مخلوط معیشت میں بھی صارفین کی بادشاہت قائم رہتی ہے ۔ نجی اور سرکاری پیداواری شعبے صارفین کے ذوق کے مطابق اشیاء تیار کرتے ہیں ۔ اور صارفین کا ذوق بدلنے کے ساتھ ساتھ تمام پیداواری ادارے اپنی پیدا کردہ اشیاء کی کوالٹی اور ڈیزائن میں بھی تبدیلیاں پیدا کر دیتے ہیں ۔

9.4.3 مخلوط معیشت کی ناکامیاں (Failures of Mixed Economy)

اگرچہ مخلوط معیشت کے حامی اس کے حق میں کافی دلائل پیش کرتے ہیں تاہم عملی مشاہدات یہ نہیں کہ اسی قسم کی معیشت میں بھی بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں ۔ ذیل میں ہم مخلوط معیشت کی ناکامیوں کی نشاندہی کرتے ہیں ۔

(i) سرکاری شعبے کی پست کارکردگی (Low Efficiency of Public Sector)

مخلوط معیشت اری کاروبار کے شعبوں میں تنخواہ دار انتظامیہ پیداواری عمل کی نگرانی کرتی ہے ۔ اِس انتظامیہ کو پیداوار بڑھانے اور اس کے مصارف کم کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی ۔ لہذا دیکھا گیا ہے کہ اکثر سرکاری پیداواری یونٹوں کی کارکردگی کا معیار پست ہوتا ہے ۔

(ii) نجی اور سرکاری کاروباروں میں آویزش (Cleavage of Private and Public Enterprises)

مخلوط معیشت کے حامی اِس نظام کی یہ خوبی گنواتے ہیں کہ اِس میں نجی اور سرکاری کاروباروں میں کس حد تک تعاون اور کسی حد تک تعمیری مقابلہ پایا جاتا ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِن شعبوں کے درمیان شدید مقابلہ (Cut-throat Competition) پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ یا تو سرکاری کاروبار اپنی برتری کی بنیاد پر نجی کاروبار کو ناکام کر دیتا ہے یا پھر نجی کاروبار کے شاطر آجرین سرکاری شعبے کے کارکنوں میں بدعنوانی کی رَوش پیدا کر کے اس کاروبار کو ناکام بنا دیتے ہیں ۔ پنجاب میں گورنمنٹ ٹرانسپورٹ سروس کی ناکامی کا سبب یہی ہے ۔ تاہم ان سے کسی بھی کاروبار کی ناکامی کے نتیجے میں قومی وسائل کا ضیاع ہوتا ہے ۔

(iii) معاشی استحکام کا کھوکھلا دعویٰ (Hollow Claim of Economic Stability)

مخلوط معیشت کے حامی یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اِس معیشت میں معاشی استحکام پایا جاتا ہے ۔ عملی مشاہدات یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ دعویٰ غلط ہے ۔ امریکہ ، اور مغربی یورپ کی بہت سی معیشتیں مخلوط ہیں لیکن پچھلے تین عشروں میں اِن ممالک میں کئی بار سرد بازاری اور بے روزگاری کی لہر آچکی ہے ۔ 75-1974 میں امریکہ میں بیروزگاری کی شرح قریباً آٹھ فیصد تھی ۔

اعادہ

باضابطہ معاشی اداروں کے ایک سلسلے پر مشتمل تنظیم کو 'معیشت' یا معاشی نظام کہتے ہیں ۔ ہر معاشی نظام کو چند بنیادی معاشی مسائل حل کرنے پڑتے ہیں ۔ یہ مسائل اس طرح ہیں ۔ کونسی اشیاء پیدا کی جائیں ، اشیاء کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں ؟ اشیاء کن طریقوں سے پیدا کی جائیں؟ اور اشیاء کن افراد کے لیے پیدا کی جائیں؟ ہر معاشی نظام اِن مسائل کو ایک خاص اور منفرد اسلوب سے حل کرتا ہے ۔

سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت میں پیداواری وسائل نجی افراد کی ملکیت میں ہوتے ہیں ۔ اور وہی اِن وسائل کے استعمال کا فیصلہ کرتے ہیں ۔ آجرین کی غرض و غایت منافع ہوتی ہے۔ صارفین بھی اپنی آمدنی کو صرف اور بچت کے درمیان حسبِ منشا تقسیم کرسکتے ہیں ۔ اِس معیشت میں قیمتوں کا نظام مرکزی اہمیت کا حامل ہوتا ہے ۔ اور معیشت کو درپیش بنیادی مسائل کو قیمتوں کی میکانیت کے ذریعے حل کیا جاتا ہے ۔ اس معیشت میں حکومت پیدائش دولت ، صرف دولت اور تقسیم دولت کو متاثر کرنے کے لیے معاشی معاملات میں مداخلت کرتی ہے ۔ چنانچہ حکومت کی مالیاتی پالیسی اور نجی کاروباروں کے بارے میں وضع کردہ قوانین ، ضوابط معیشت کے مختلف شعبوں کی کارکردگی کو ایک خاص سمت میں اُستوار کرتے ہیں ۔

سرمایہ دارانہ معیشت کی نمایاں خصوصیات یہ ہوتی ہیں : (i) نجی ملکیت کا حق (i) کاروباری آزادی (iii) آزادی انتخاب (iv) صارفین کی خود مختاری (v) نظام قیمت کا مرکزی کردار (vi) محرک منافع (vii) غیر مساوی آمدنیاں اور (viii) تخصیص کار

سرمایہ دارانہ نظام کی کامیابیاں یہ ہیں : (i) پیداوار کی فراوانی (ii) سستی اشیاء کی دستیابی (iii) قومی وسائل کا بہترین استعمال (iv) صارفین کی پسند کے عین مطابق پیداوار (v) جدّتوں کی حوصلہ افزائی (vi) کاروباری آزادی

سرمایہ دارانہ نظام کی ناکامیاں یہ ہیں : (i) دولت کا ارتکاز (ii) استحصالی نظام (iii) قومی وسائل کا ضیاع (iv) سرد بازاری اور بیروزگاری (v) بہتات اور مفلسی

اشتراکی معیشت سے مراد "معاشرے کی ایسی تنظیم ہے جس میں مادی ذرائع پیدائش معاشرے کی اجتماعی ملکیت ہوتے ہیں ۔ اور قومی ادارے ایک جامع منصوبے

کے تحت اِن وسائل سے کام لیتے ہیں ۔ یہ ادارے معاشرے کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں ۔"

اشتراکی معیشت کی نمایاں خصوصیات یہ ہوتی ہیں : (i) پیداواری وسائل پر ریاست کی ملکیت (ii) مرکزی منصوبہ گر اتھارٹی کا وجود (iii) منافع کی بجائے فلاح عامہ پر توجہ (iv) معاشرتی ہم آہنگی (v) معاشی استحکام (vi) آمدنی کی منصفانہ تقسیم (vii) قیمتوں کا محدود کردار

اشتراکی معیشت کی کامیابیاں یہ ہیں : (i) استحصال کا خاتمہ (ii) کامل روزگار (iii) افراطِ زر اور تفریطِ زر کا خاتمہ (iv) معاشی ترقی کی تیز رفتار (v) غیر طبقاتی معاشرہ

اشتراکی معیشت کی ناکامیاں یہ ہیں : (i) کاروباری آزادی سے محرومی (ii) عوام اور حکومت کا معکوس تعلق (iii) پست استعداد (iv) محنت کا ضیاع (v) تیکنیکی ترقی کی سُست رفتار سرمایہ دارانہ معیشت میں نجی شعبہ نمایاں حیثیت کا حامل ہوتا ہے اور حکومت کا معاشی عمل دخل محدود ہوتا ہے ۔ جبکہ اشتراکی معیشت میں نجی شعبے کا کوئی وجود نہیں ہوتا اور تمام تر پیداواری عمل حکومت کے زیر انتظام ہوتا ہے ۔ مخلوط معیشت اِن دونوں کے بین بین ہوتی ہے ۔ اِس معیشت میں نجی اور سرکاری کاروبار شانہ بشانہ ہوتے ہیں تاہم عام طور پر سرکاری کاروبار نجی کاروبار کے لیے راہبر کا کردار ادا کرتا ہے ۔

مخلوط معیشت مندرجہ ذیل نمایاں خصوصیات کا حامل ہوتی ہے : (i) محدود کاروباری آزادی (ii) قیمتوں کا نظام (iii) حکومت کے اہم معاشی فرائض (iv) زری اور مالیاتی پالیسیوں کا کردار (v) اجارہ دارانہ طاقت پر کنٹرول ۔

مخلوط معیشت مندرجہ ذیل کامیابیوں سے ہمکنار ہوئی ہے : (i) نجی اور سرکاری کاروباروں کا مفید مقابلہ ۔ (ii) آمدنی کی بہتر معاشرتی تقسیم (iii) اجارہ دارانہ استحصال کا خاتمہ (iv) کم از کم معیار زندگی کی ضمانت (v) معاشی استحکام ۔

اہم سوالات

1- سرمایہ دارانہ نظام معیشت کیا ہوتا ہے؟ اس کی چیدہ چیدہ خصوصیات بیان کیجیے ؟
2- سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی کامیابیوں اور ناکامیوں کی نشاندہی کیجیے -
3- اشتراکی معیشت سے کیا مراد ہے؟ اس کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے ؟
4- اشتراکی معیشت کی کامیابیوں اور ناکامیوں پر نوٹ لکھیے ؟
5- مخلوط معیشت کسے کہتے ہیں؟ اس کی نمایاں خصوصیات پر روشنی ڈالیے ؟
6- مخلوط معیشت کی کامیابیوں اور ناکامیوں پر نوٹ لکھیے، ؟

☆ ☆ ☆

باب 10

معاشی نظامات II

اسلام کا معاشی نظام
(ECONOMIC SYSTEM OF ISLAM)

10.1	ابتدائیہ
10.2	اسلامی نظامِ معیشت کی بنیادی خصوصیات ۔
10.2.1	حقِ ملکیت
10.2.2	پیدائشِ دولت
10.2.3	تقسیم دولت
10.2.4	صرفِ دولت
10.2.5	غیر سُودی نظام
10.2.6	حکومت کا معاشی کردار
10.2	اسلام کی بنیادی معاشی اقدار
10.3.1	مساوات
10.3.2	عدل و انصاف
10.3.3	اِحسان
10.3.4	دولت کے تکاز اور اس کی بیش صرفی کا خاتمہ
10.3.5	محنت کی عظمت
10.4	سرمایہ داری ، اشتراکیت اور اسلامی معیشت کا موازنہ
10.4.1	پیداواری وسائل کی ملکیت اور اُن کا استعمال
10.4.2	کونسی اشیاء پیدا کی جائیں؟
10.4.3	اشیاء کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں۔
10.4.4	اشیاء کن افراد کے لیے پیدا کی جائیں۔
10.4.5	سُودی نظام کا کردار

باب 10

اسلام کا معاشی نظام

(ECONOMIC SYSTEM OF ISLAM)

10.1 ابتدائیہ (Introduction)

اسلام کا معاشی نظام خداوند کریم کا عطا کردہ ہے ۔ اس نظام کا منبع قرآن کریم ہے ۔ ایک اسلامی ریاست کے لیے اِس نظام کو اپنانا لازم ہے اور اس نظام کے اطلاق میں سُنّت نبوی اور خلفائے راشدین کے ادوارِ خلافت کے تجربات سے استفادہ کیا جاسکتا ہے ۔ ماسوائے اسلامی نظامِ معیشت کے دیگر تمام معاشی نظامات انسان کے ساختہ ہیں ۔ چنانچہ یہ نظامات انسانی سوچ بچار اور محدود انسانی ادراک کی خامیوں سے پاک نہیں ہو سکتے ۔ ہر معاشی نظام چند خاص بنیادی اوصاف اور معاشی اقدار کا حامل ہوتا ہے ۔ سرمایہ دارانہ نظام کی اساس یہ ہے کہ انسانی حاجات لاتعداد ہیں چنانچہ انسان اپنی روز مرّہ زندگی میں زیادہ سے زیادہ دولت کے حصول کی کوشش کرتا ہے تاکہ اپنی گوناگوں حاجات کی تشفی کرکے بیش از بیش افادہ پایا جاسکے ۔ لیکن چونکہ وسائل بہرحال محدود ہوتے ہیں اس لیے افراد جو معاشی رویّہ اختیار کرتے ہیں اُس میں لالچ ، منافع پسندی ، خود غرضی اور ارتکازِ دولت کی خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں ۔ جب چند افراد کی دولت ایک خاص حد سے بڑھتی ہے تو معاشرے کے دیگر افراد محرومی اور افلاس کا شکار ہونے لگتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت میں مقابلہ ، چھینا جھپٹی اور استحصال کی واردات عام ہوتی ہیں ۔ لیکن اسلامی نظام کے بنیادی اوصاف اور اس کی اقدار اس لحاظ سے منفرد ہیں کہ یہ نظام انسانی حاجات کو اعتدال میں رکھنے ، بیش صرفی (Over Consumption) سے اجتناب کرنے اور رضاکارانہ طور پر فاضل انفرادی دولت کا انتقال کرنے پر زور دیتا ہے ۔ چنانچہ یہ نظام لالچ ، منافع پرستی ، ارتکازِ دولت اور افلاس و محرومی جیسے عناصر سے پاک ہوتا ہے ۔ سرمایہ داری نظام کا منتہائے مقصود انفرادی اور ذاتی مفاد ہوتا ہے جبکہ اسلامی نظام معیشت کا مقصدِ اعلیٰ ذاتی مفاد کے ساتھ ساتھ اجتماعی مفاد کا حصول بھی ہے ۔

اشتراکی معیشت کے مقاصد بھی انفرادی اور اجتماعی بہبود ہوتے ہیں ۔ تاہم اس

میں اجتماعی بہبود کا پلہ بھاری ہوتا ہے اور یہی اس کا بنیادی وصف ہے ۔ اس نظام میں پیداواری وسائل حکومت کی تحویل میں ہوتے ہیں اور ان کے استعمال کی منصوبہ بندی مرکزی منصوبہ گر اتھارٹی کرتی ہے ۔ تمام افراد کو اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق حکومت کے کھیتوں پر اور سرکاری کارخانوں میں پیداواری خدمات سرانجام دینی پڑتی ہیں اور افراد اپنی خدمات کے معاوضے پاکر اپنی حاجات کی تسکین کرتے ہیں ۔ اس نظام میں آمدنیوں کی تقسیم میں اعتدال پایا جاتا ہے اور حکومت تمام افراد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری قبول کرتی ہے ۔ لہٰذا اس نظام میں افراد کو بیروزگاری ، افلاس اور یکسر محرومی کے مسائل درپیش نہیں ہوتے ۔ لیکن اشتراکی نظام کی کارکردگی مشینی نوعیت کی ہوتی ہے ۔ اس میں افراد کاروباری آزادی سے محروم ہوتے ہیں اور اُنھیں حسبِ حکم معاشی فریضہ ادا کرنا پڑتا ہے ۔ چنانچہ یہ نظام ایسا ماحول پیدا کرتا ہے جس میں رہ کر افراد میں ایثار ، احسان ، بھلائی ، اخوّت اور ہمدردی کے ضروری اوصاف نہ پیدا ہو سکتے ہیں اور نہ ہی یہ اوصاف پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے ۔ نیز یہ نظام افراد کو پیشہ ورانہ صلاحیت بڑھانے کی ترغیب نہیں دیتا اور جو افراد اعلیٰ اور امتیازی فنی صلاحیت رکھتے ہیں ، وہ آمدنی کے حصول میں اپنے جائز حق سے محروم ہوتے ہیں ۔ لیکن اسلامی معیشت میں افراد کو پیداواری وسائل اپنی ملکیت میں رکھنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ افراد زیادہ سے زیادہ آمدنی کمانے کے لیے جدوجہد کر سکتے ہیں ۔ لیکن اُنھیں یہ حقیقت دل و جان سے قبول کرنی پڑتی ہے کہ اُن کی آمدنی میں معاشرے کے دیگر افراد کا بھی حق ہے ۔ ایسے افراد اسلام کے وضع کردہ انتقالِ دولت کے اداروں مثلاً زکوٰۃ ، عُشر اور خیرات کے ذریعے اپنی فاضل آمدنی حقدار افراد میں تقسیم کر دیتے ہیں ۔ اس نظام میں کاروباری آزادی اور پیشہ ورانہ صلاحیت بڑھانے کی ترغیب پائی جاتی ہے اور افراد کو معاشی زندگی میں ایسا ماحول میسر آتا ہے ، جس میں اُن کی شخصیت میں عدل ، انصاف ، سادگی ، اخوّت اور ایثار کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں ۔

10.2 اسلامی نظامِ معیشت کی بنیادی خصوصیات
(Basic Characteristics of an Islamic Economy)

دنیا میں مختلف معاشی نظامات رائج رہے ہیں اور رائج ہیں ۔ ہر نظام اپنے مخصوص معاشی اداروں کی بنا پر دوسرے نظامات سے منفرد اور متمیز ہوتا ہے ۔ اس

وقت دنیا کے مختلف ممالک میں جو نظامات پائے جاتے ہیں ، ان کی تین نمایاں اشکال ہیں : سرمایہ داری نظام ، اشتراکیت اور اسلامی نظام ۔ امریکہ ، مغربی یورپ کے ممالک اور جاپان ، میں سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت پایا جاتا ہے ۔ سویت یونین ، چین ، اور مشرقی یورپ کے ممالک میں اشتراکی نظامِ معیشت قائم ہے سعودیہ اور ایران میں اسلامی نظامِ معیشت پختگی کے مراحل میں ہے ۔ جبکہ پاکستان میں مرحلہ وار پروگرام کے تحت معاشی اداروں کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جارہا ہے ۔ متعدد دیگر اسلامی ممالک میں اسلامی نظامِ معیشت کے قیام کی تیاریاں کی جارہی ہیں ۔ متذکرہ معاشی نظامات میں چند اہم معاشی اداروں کے خدوخال میں فرق پایا جاتا ہے ۔ یہ ادارے حقِ ملکیت پیدائش دولت ، تقسیم دولت ، صرفِ دولت ، سودی نظام کا کردار اور حکومت کا معاشی کردار ہیں۔ اِن اداروں کے حوالے سے اسلامی معاشی نظام کی بنیادی خصوصیات یہ ہیں :

10.2 (الف) حق ملکیت (Right of Ownership): اسلام میں مُطلق ملکیّت (Absolute Ownership) کا تصور موجود نہیں ہے ۔ کیونکہ ہر شے کا خالق اور مالک خدائے بزرگ و برتر ہے ۔ چنانچہ افراد کی ملکیت میں موجود زرعی زمینیں اور دیگر پیداآور وغیر پیداآور اشیاء محض امانت ہیں ۔ معاشی نقطۂ نگاہ سے اسلام نجی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے ۔ تاہم افراد اپنی ملکیتی اشیاء کو چند پابندیوں کے اندر رہتے ہوئے استعمال کرنے کا حق رکھتے ہیں ۔ مثلاً اسلامی ریاست میں کوئی فرد اپنے پیداواری وسائل اور صرفی اشیاء کو اس طرح استعمال نہیں کر سکتا کہ اس سے دیگر افراد کو نقصان پہنچے یا اُن کی حق تلفی ہو ۔ ملسمان کی جائیداد ایسے اثاثوں پر مشتمل ہوتی ہے جو حلال ذرائع سے حاصل کیے گئے ہوں ۔ جُوئے بازی ، دھوکہ دہی اور سُود کی آمدنی سے حاصل کردہ اثاثے حرام ہیں ۔ کوئی مسلمان اپنے اثاثوں کا بلا ضرورت اور فضول استعمال نہیں کر سکتا ، نہ ہی وہ انھیں ایسے طریقے سے استعمال کر سکتا ہے کہ مفاد عامہ کو ٹھیس پہنچے ۔ اُسے اپنی املاک کو ذاتی مفاد کے علاوہ اجتماعی مفاد کی خاطر بھی استعمال کرنا ہوگا ۔

اسلامی معیشت میں حکومت بعض پیداواری وسائل کو مفاد عامہ کی خاطر اپنی تحویل و ملکیت میں رکھ سکتی ہے ۔

اسلامی ریاست میں ایک مالک کی جائیداد قرآن کریم میں وضع کردہ قانون کے

مطابق اس کے ورثاء میں تقسیم ہو جاتی ہے ۔ اس سے دو اہم فوائد حاصل ہوتے ہیں ۔ اوّل یہ کہ جائیداد اور دولت کا ارتکاز واقع نہیں ہوتا اور دوم یہ کہ جن افراد کو موروثی جائیداد کا ایک محدود حصّہ ملتا ہے اُسے وہ بطریق احسن استعمال میں لاتے ہیں اور اس میں اضافہ کرنے کے لیے جائز معاشی کارکردگی میں مصروف رہتے ہیں ۔ جائیداد کا مالک اپنے اثاثوں کا ایک تہائی خیرات میں دے سکتا ہے ۔

10.2 (ب) پیدائش دولت (Production of Wealth)

اسلامی ریاست میں پیداواری وسائل کا بھرپور استعمال ضروری ہوتا ہے ، تاکہ نہ صرف ان کے مالک کو خوشحالی حاصل ہو بلکہ عوام الناس کو ضرورت کی اشیاء فراوانی سے میسر آئیں ۔ اس لیے اس معیشت میں کوئی فرد قابلِ استعمال وسائل کو بیکار نہیں رکھ سکتا ۔ ایک حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ غیر آباد اراضی کو آباد کرنے والا ہی اُس کا مالک ہے ۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور اقتدار میں حضرت بلال بن حارث سے اُن کی زرعی جاگیر کا ایک حصہ اس لیئے بحق سرکار حاصل کر لیا کہ وہ اُسے ایک طویل عرصے تک زیر کاشت نہ لا سکے تھے ۔

اسلامی ریاست میں جب پیداواری وسائل کا معیاری استعمال عمل میں آتا ہے تو ایک طرف تو اشیائے صرف کی مقدار اور رسد بڑھتی ہے اور دوسری جانب افراد کی آمدنیوں میں اضافہ ہوتا ہے جس سے وہ نسبتاً زیادہ اشیاء طلب کر سکتے ہیں ۔ آجرین کو زیادہ صرفی اشیاء بشمول لوازمات کی پیداوار کرنے کی ترغیب ملتی ہے ۔ تاہم آجرین اپنی پیداوار سے صرف جائز منافع (یعنی نارمل منافع) حاصل کر سکتے ہیں ۔ اسلامی معیشت میں آجرین کو اشیائے تعیش پیدا کرنے کی اجازت نہیں ہے خواہ یہ پیداوار کتنی ہی منافع بخش کیوں نہ ہو ۔ آجرین نشہ آور اشیاء اور دیگر مضر اشیاء بھی تیار نہیں کر سکتے ۔

چونکہ اسلامی معیشت میں وسائل کا بہترین استعمال کرنا آجرین پر واجب ہوتا ہے اس لیے وہ ایسے پیداواری طریقے اختیار کرتے ہیں جن میں مصارفِ پیدائش کم از کم ہوتے ہیں ۔ اس مقصد کے پیش نظر آجرین محنت جاذب **(Labour Intensive)** یا سرمایہ جاذب **(Capital Intensive)** پیداواری طریقے استعمال کر سکتے ہیں ۔ درس حالات

پیداوار کی بُہتات ہوتی ہے اور عام صارفین کو یہ پیداوار ارزاں قیمتوں پر میسر آسکتی ہے ۔ اگر آجرین کچھ قومی وسائل کو پوری طرح استعمال نہ کر پائیں تو پھر ایسے وسائل سے استفادہ کرنا حکومت کا فرض ہوتا ہے ۔

اسلامی معیشت میں حکومت جائز اور مفید پیداواروں کی افزائش کے لیے اعانے اور دیگر مالیاتی ترغیبات دے سکتی ہے ۔

10.2 (ج) تقسیمِ دولت (Distribution of Wealth)

پیداواری عمل میں شریک عاملین پیدائش اپنی اپنی خدمات کے معاوضے پاتے ہیں ۔ اسے تقسیمِ دولت کہتے ہیں ۔ اسلامی معیشت میں ہر عامل پیدائش کو اس کی خدمات کا جائز صلہ حاصل ہوتا ہے ۔ آجرین فقط نارمل منافع کما سکتے ہیں ۔ محنت کاروں کو اُن کی کاوش کے عوض معقول اُجرت حاصل ہوتی ہے ۔ اِن کارکنوں کو ان کی فنی صلاحیت اور مہارت کے مطابق صلہ حاصل ہوتا ہے ۔ اس نظام میں آجرین محنت کاروں کا استحصال نہیں کر سکتے ۔ کاروبار میں نقد سرمایہ لگانے والے اپنے سرمائے کی خدمات کا صلہ سُود کی بجائے منافع کی شکل میں حاصل کرتے ہیں ۔ اسلام میںسودی لین دین حرام ہے ۔ آجر اور سرمایہ دار کے درمیان منافع کی تقسیم کا طریق ، تناسب پہلے ہی طے ہو جاتا ہے ۔ عمارات اور زمین مہیا کرنے والے افراد کو اُن کے اثاثوں کی خدمات کا صلہ ادا کیا جاتا ہے ۔

مختلف عاملینی خدمات مہیا کرنے والے افراد کی آمدنیوں میں فرق ہو سکتا ہے ۔ آجرین زمینوں اور عمارت کے مالکان ، سرمائے کے مالکان اور اعلیٰ فنی مہارت رکھنے والے افراد کی آمدنیاں بلند ہوتی ہیں جبکہ عام کارکنوں کی آمدنیاں کم ہوتی ہیں ۔ اس لیے زیادہ آمدنی پانے والے افراد قومی پیداوار میں سے نسبتاً زیادہ اشیاء خرید سکتے ہیں اور وہ نسبتاً خوشحال ہوتے ہیں جبکہ عام کارکنوں کو کم اشیاء و خدمات میسر آتی ہیں ۔ تاہم اسلامی معیشت میں مطلق محرومی ناپید ہوتی ہے ۔ جن افراد کی آمدنیاں نہایت پست ہوتی ہیں یا جو افراد جسمانی اور ذہنی معذوری کی وجہ سے پیداواری خدمات مہیا نہیں کر سکتے یا جن افراد کو روزگار میسر نہیں آتا یا وہ کم سن اور حاجت مند ہوتے ہیں ، انھیں اسلامی نظام کے فعّال معاشی ادارے انتقالی ادائیگیاں کرتے ہیں ۔ جس سے نہ

صرف متمول اور غریب افراد کی آمدنیوں کا فرق کم ہوتا ہے ۔ بلکہ ثانی الذکر لوگ اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی بطریقِ احسن پوری کر سکتے ہیں ۔

10.2 (د) صرفِ دولت (Consnmption of Wealth)

حاجات کی تسکین کے لیے معاشی اشیاء و خدمات کے استعمال کو صرفِ دولت کہتے ہیں ۔ اسلامی نظام معیشت میں افراد اپنی جائز حاجات کی تسکین کے لیے اشیا و خدمات صرف کر سکتے ہیں ۔ لیکن صرف کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ افراد اپنی زندگی ، صحت مندی اور سہولت کو برقرار رکھ سکیں ۔ گویا اس نظام میںافراد صرفِ دولت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ صحت مندی کے ساتھ زندہ رہ سکیں ۔ لیکن یہ نہیں کہ افراد اس لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں کہ وہ اشیاء صرف کر سکیں ۔ اسلام میں معقول حد تک حلال اشیاء کے استعمال کی ترغیب اور تاکید موجو ہے ۔ لیکن افراد کو بیش صرفی (Over Consumption) کی اجازت نہیں ۔ کیونکہ کسی بھی معیشت میں اشیائے صرف بہر حال محدود ہوتی ہیں ۔ اور اگر بعض امیر لوگ ضرورت سے بڑھ کر اور بے جا طور پر اشیاء و خدمات صرف کریں گے تو معاشرے کے دیگر ضرورت مند افراد ان اشیاء و خدمات سے محروم رہ جائیں گے ۔ قرآن کریم میں (vii-31) میں ارشاد ہے ۔ "تم کھاؤ اور پیو لیکن بے اعتدالی سے کام نہ لو ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بے اعتدالی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا ۔" اسی طرح قرآنِ مجید میں (v-87) ارشاد ہے کہ "اے مومنو! اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تمہارے لیے جائز قرار دی ہیں ۔ ان سے خود کو محروم نہ رکھو اور تجاوز سے کام نہ لو۔"

اسلام میں بعض اشیاء مثلاً نشہ آور اشیاء ، مردار جانور کا گوشت ، سور اور دیگر حرام قرار دیے گئے جانوروں کا گوشت صرف کرنے پر پابندی ہے ۔ نیز ماہِ رمضان میں روزہ کے اوقات میں کھانے پینے کی اشیاء صرف کرنے پر سخت پابندی ہے ۔

10.2.5 (ہ) غیر سُودی نظام (Interest Free System)

اسلام میں سودی لین دین حرام ہے ۔ چنانچہ اسلامی معیشت میں سُودی نظام کے لیے کوئی گنجائش موجود نہیں ہوتی۔ سودی نظام سرمایہ دارانہ معیشت کا محور ہوتا ہے اور اس میں صرف ، بچت ، سرمایہ کاری ، پیدائش دولت اور درآمدات و برآمدات شرح سود سے براہِ راست متاثر ہوتے ہیں ۔ سُودی نظام معاشرے میں ایک ایسی

نفسیاتی کیفیت کی تشکیل کرتا ہے ، جس کے تحت افراد اپنی آمدنی ، دولت اور اثاثوں میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنا چاہتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت میں ایک طرف حد درجہ ارتکاز دولت اور دوسری طرف مطلق غربت پائی جاتی ہے ۔ سودی نظام کے بعض حامی معیشت دان یہ رائے دیتے ہیں کہ سود کی ادائیگی کے بغیر افراد کو بچت کی ترغیب نہیں دی جاسکتی ۔ اس لیے سودی اداروں کے بغیر بچت اور سرمایہ کاری ممکن نہیں ۔

تاہم جدید دور کے معیشت دان اس نظریے کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بچت کا باعث بننے والے عوامل میں شرح سود سے کہیں زیادہ اہم آمدنی کا معیار ، منافع کی توقعات اور صرفی اخراجات میں سادگی وغیرہ ہیں ۔ چونکہ اسلامی معیشت میں بیش صرفی منع ہے ۔ اس لیے بچتیں خود بخود وجود میں آتی ہیں ۔ جب اسلامی حکومت سرکاری مالیات کے ذریعے امراء سے غرباء کی طرف قوتِ خرید کا انتقال کرتی ہے ۔ تو عام اشیاء کی طلب بڑھتی ہے اور ان اشیاء کو زیادہ مقدار میں پیدا کرنے کے لیے ترغیب ملتی ہے ۔ چنانچہ سرمایہ کاری میں اضافے کا جواز پیدا ہوتا ہے ۔

اسلامی نظامِ معیشت میں جب سرمائے کے مالک کسی کاروبار میں روپیہ لگاتے ہیں تو وہ معینہ شرح سے سود وصول کرنے کے بجائے کاروبار کے نفع و نقصان میں شریک ہوتے ہیں چنانچہ سرمائے کی خدمات کے عوض منافع کا ایک حصّہ ادا کیا جاتا ہے ۔

10.2 (و) حکومت کا معاشی کردار
(Economic Role of Government)

اسلام واحد مذہب اور دین ہے ، جو زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے اور جو ذاتی ، گھریلو ، کاروباری و اجتماعی زندگی کو بہتر خطوط پر استوار کرنے کے لیے سُنہری اصول وضع کرتا ہے ۔ اسلامی نظامِ معیشت میں حکومت کو نہایت اہم معاشی کردار ادا کرنا ہوتا ہے ۔ کسی بھی معیشت میں حکومت کے معاشی کردار کی اثر پذیری کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اسے نجی کاروبار میں مداخلت کرنے ، سرکاری آمدنی حاصل کرنے اور اس آمدنی کو خرچ کرنے کا حق کس حد تک حاصل ہے ۔ قرآنِ کریم میں اسلامی ریاست کی حکومت کے معاشی فرائض کی واضح نشاندہی کر دی گئی ہے ۔ اس ضمن میں

مندرجہ ذیل باتیں خصوصاً قابلِ ذکر ہیں ۔

(i) نجی کاروبار میں حکومت کی مداخلت (State Intervention in Private Business)

اسلامی معیشت میں نجی کاروبار کی آزادی حاصل ہوتی ہے ۔ تاہم یہ آزادی لامحدود نہیں ہوتی ۔ آجرین مختلف شعبوں میں منافع کی غرض سے سرمایہ کاری کر سکتے ہیں ، لیکن ان پر واجب ہے کہ وہ وسائل کا معیاری استعمال عمل میں لائیں اور پیداوار میں بیش از بیش اضافہ کریں ، تاکہ اشیائے ضرورت فراوانی سے اور کم نرخوں پر عوام الناس کو میسّر آئیں ۔ نجی آجرین فقط نارمل منافع ہی کما سکتے ہیں ۔ انھیں پیداوار کو دانستہ محدود رکھنے اور اس کی رسد میں قلت پیدا کرکے زائد از نارمل منافع کمانے کی اجازت نہیں ۔ نیز آجرین پر واجب ہے کہ وہ کارکنوں کو ان کی محنت کا جائز معاوضہ ادا کریں ۔ چنانچہ اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ آجرینِ کی پیداواری پالیسی ، عاملین کے طریقہ استعمال ، پیداوار کی رسد کی فراہمی اور اس کی قیمتِ فروخت پر نظر رکھے اور ضابطہ شکنی کے مرتکب آجرین کے خلاف کاروائی کرے ۔ اسلامی حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ نجی اجارہ داریوں کے قیام کی حوصلہ شکنی کرے اور اگر ان کی کاروائی مفادِ عامہ سے متصادم ہے تو ایسے کاروباروں کی تنظیم نو کا بندوبست کرے ۔ یا پھر معاشرتی بہبود کی خاطر ایسے اداروں کو اپنی تحویل میں لے لے ۔ نوعیت کے لحاظ سے بعض معاشی شعبے ایسے ہوتے ہیں جن کی تنظیم اور کارکردگی کو حکومت ہی بہتر بناسکتی ہے ۔ چنانچہ ایسے شعبے اسلامی حکومت کی تحویل اور اس کے زیر انتظام ہوتے ہیں ۔ مثلاً ذرائع آبپاشی ، بعض ذرائع نقل و حمل ، ذرائع خبررسانی ، ڈیموں اور بجلی گھروں کی تعمیر اور معاشی منصوبہ بندی وغیرہ ۔ تاہم نجی شعبے میں حکومت اعانوں ، ترغیبات یا پابندیوں کے ذریعے پیدائش دولت اور تقسیمِ دولت کو متاثر کر سکتی ہے ۔

(ii) سرکاری مالیات (Public Finance) حکومت کی آمدنی اور اخراجات کی تفصیل اور آمدنی و اخراجات کے اصولوں کے مطالعہ کو سرکاری مالیات کہتے ہیں ۔ اسلامی نظامِ حکومت میں حکومت مختلف ذرائع سے آمدنی حاصل کرتی ہے ۔ ان ذرائع میں زکوٰۃ ، جزیہ اور خراج وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور حکومت اس طرح حاصل کردہ رقوم کو مخصوص مدوں پر خرچ کرتی ہے ۔ مثلاً حکومت غرباء ، مساکین اور محتاجوں کو

مالی امداد دیتی ہے ۔ سرکاری نظم و نسق کے اخراجات پورے کیے جاتے ہیں ۔ ملکی دفاع کا سازوسامان مہیا کیا جاتا ہے اور رفاہِ عامہ کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں ۔ اسلامی ریاست میں سرکاری مالیات کے چند اہم مقاصد یہ ہوتے ہیں کہ دولت کے ارتکاز کو توڑا جائے اور معاشرے کے عام افراد کو محرومی سے بچایا جائے ۔ گویا سرکاری مالیات کا مقصد فلاح عامہ (Social Welfare) ہوتا ہے ۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی نظام تاریخ کا پہلا معاشی نظام ہے ، جس نے فلاحی مملکت (Welfar State) کا تصور پیش کیا ۔

اسلامی ریاست کا نظامِ ٹیکس اس لحاظ سے بہتر اور متمیز ہے کہ اس میں ٹیکس دہندگان اپنی مرضی اور خوشی سے اپنے مال ظاہر و باطن کا حساب لگا کر ہر سال زکوٰۃ (اسلامی ٹیکس) کا تعین کرتے ہیں اور سرکاری خزانے میں جمع کراتے ہیں ۔ اس کے برعکس دیگر معاشی نظامات میں لوگ ٹیکس کو بادلِ نخواستہ اور مجبوراً ادا کرتے ہیں اور اس سے بچنے کے لیے مختلف حیلے اختیار کرتے ہیں ۔ اسلامی نظام ٹیکس کی ایک اور برتری یہ ہے کہ یہ ٹیکس کے تمام درخشاں اصولوں کے تقاضے پورے کرتا ہے ۔ متموّل اور خوشحال افراد کو زکوٰۃ کے علاوہ خیرات ، صدقات اور قرض حسنہ ادا کرنا پڑتا ہے ۔ نیز حکومت ضرورت پڑنے پر ان پر نئے ٹیکس نافذ کر سکتی ہے ۔ چنانچہ اصولِ مساوات کا تقاضہ پورا ہو جاتا ہے ۔ چونکہ ٹیکس دہندگان اپنے واجبات اپنی خوشی سے حکومت کے خزانے میں جمع کراتے ہیں ، اس لیے اصولِ کفائت ، اصولِ سہولت اور اصول تیقن کے تقاضے بھی پورے ہو جاتے ہیں ۔ لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی نظام ٹیکس ، اصولِ استطاعت (Canon of Ability to pay) کے بھی عین مطابق ہے ۔ دیگر معاشی نظامات میں انکم ٹیکس رواں آمدنی پر لگایا جاتا ہے ، جبکہ زکوٰۃ کی ادائیگی فاضل اثاثوں پر واجب ہوتی ہے ۔

چونکہ اسلامی معاشی نظام کا مطمع نظر معاشی بہبود ہے ، اس لیے اس نظام میں حکومت بالواسطہ ٹیکس عائد کرنے سے حتی الوسع گریز کرتی ہے ۔ یہ ٹیکس اشیاء کی قیمتوں میں شامل ہوتے ہیں اور ان کا زیادہ تر بار محدود آمدنی والے عام شہریوں پر نہیں پڑتا ہے ۔ اس نظام میں حکومت کی تمام تر یا زیادہ تر آمدنی براہِ راست ٹیکسوں سے حاصل کی جاتی ہے ۔

اگر اسلامی ریاست کے مسلمان باشندے جذبۂ ایمانی سے سرشار ہوں تو وہاں ایک نہایت فعال ، متحرک اور ترقی پسند معاشرہ قائم کیا جاسکتا ہے ۔ نیز اس نظام کے اداروں کو اجماع (Ijma) اور اجتہاد (Ijtihad) کے ذریعے جدید دور کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جاسکتا ہے ۔

10.3 اسلام کی بنیادی معاشی اقدار
(Basic Economic Values of Islam)

اسلام کی بنیادی معاشی اقدار مندرجہ ذیل ہیں ۔

10.3 (الف) مساوات (Equality) اسلام میں انسانی مساوات کی تعلیم دی گئی ہے ۔ سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور پیدائش کے اعتبار سے ان میں اونچ نیچ کا کوئی فرق نہیں ۔ اسلامی معاشرت میں سب مسلمان بھائی بھائی ہوتے ہیں ۔ اسلامی ریاست میں تمام افراد قانون کی نگاہ میں ایک جیسے ہوتے ہیں ۔

اسلامی معیشت کی بنیادی قدر معاشی مساوات ہے ۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ اس معیشت میں تمام افراد کی املاک ان کی دولت اور ان کی آمدنی یکساں ہوتی ہے ۔ بلکہ معاشی مساوات سے مراد یہ ہے ۔ کہ اس معیشت میں دولت اور آمدنی پانے کے یکساں مواقع پائے جاتے ہیں ۔ چنانچہ اگر ایک فرد کاروباری اور پیشہ ورانہ صلاحیت رکھتا ہے تو اس کی خوشحالی اور پیش قدمی میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی ۔ تمام افراد کو تعلیم و تربیت پانے ، کاروبار قائم کرنے ، اسے ترقی دینے اور خوشحالی حاصل کرنے کے یکساں مواقع حاصل ہیں ۔ اور کوئی فرد اپنے حسب و نسب ، سیاسی اثر و رسوخ اور دولت کی کثرت کی بنیاد پر دوسرے فرد کی معاشی ترقی کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا ۔ اسلامی معشیت میں افراد کے کاروباری تشخص اور ان کی مالی حیثیت اور آمدنی میں فرق موجود ہوتا ۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے ۔

﴿وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾ (النحل ٧١)

چنانچہ آجرین پیداواری عمل کا انتظام سنبھالتے ہیں اور محنت کار ان کے لیے پیداواری خدمات سرانجام دیتے ہیں ۔ ڈاکٹر مریضوں کا معائنہ کرتا ہے ۔ اور ڈسپنسر ان کے لیے دوا تیار کرتا ہے ۔ انجینئر تعمیر عمارت کی منصوبہ بندی کرتے ہیں اور ان کا ڈیزائن تیار

کرتے ہیں ۔ معمار اور مزدور انھیں تعمیر کرتے ہیں ۔ اور خاکروب ان کی صفائی کرتے ہیں ۔ قدرت نے مختلف افراد کو کم و بیش ذہنی اور جسمانی صلاحیت عطا کی ہے ۔ اس لیے ان کی خدمات کی قدر اور اس کے معاوضوں میں قدرتی فرق ہوتا ہے ۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور وہ اس قدرتی فرق کو مٹانا نہیں چاہتا ہے ۔ لیکن اسلام اس بات کی ضمانت بھی دیتا ہے کہ اس فرق کے نتیجے میں معاشرے میں استحصال اور محرومی کے حالات پیدا نہ ہوں گے۔ چنانچہ جو افراد دیگر افراد کے مقابلے میں زیادہ آمدنی پاتے ہیں ۔ وہ اپنی جائز ضروریات پوری کرنے کے بعد فاضل دولت ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور اس طرح اسلامی معیشت ہر لمحہ مساوات کی جانب متحرک ہوتی ہے ۔

10.3 (ب) عدل و انصاف (Adl and Justice) عدل سے مراد میزان قائم کرنا یا توازن قائم کرنا ہے ۔ معاشرتی زندگی میں عدل و انصاف سے مراد فرائض کی بجا آوری اور حقوق کا حصول ہے ۔ عدل و انصاف کرنے کا موقع صرف قاضی یا جج کو ہی حاصل نہیں ہوتا ، بلکہ ہر فرد خواہ معاشرے میں اس کی کوئی بھی حیثیت ہو ، عدل و انصاف کر سکتا ہے ۔ معاشرتی زندگی افراد کے حقوق و فرائض سے متصف ہوتی ہے ۔ چنانچہ اگر تمام افراد (بشمول حکومت) اپنے فرائض بطریقِ احسن سرانجام دے رہے ہوں گے تو سب کو اپنا حق ضرور مل جائے گا ۔ اسلامی معیشت میں ہر فرد کی معاشی کارکردگی میں عدل و انصاف کارفرما ہوتا ہے ۔ اگر ایک دکاندار معقول منافع پر اشیاء فروخت کرتا ہے ، وہ صحیح ناپ تول کرتا ہے ، خالص اشیاء فروخت کرتا ہے اور تجارتی مال کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا تو گویا وہ اپنے کاروبار میں اپنے گاہکوں سے عدل و انصاف کر رہا ہوتا ہے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ایک معیشت میں تمام افراد اپنی اپنی کاروباری حیثیت میں عدل و انصاف کر رہے ہوں تو اشیاء کی قلت ، مہنگائی ، بیروزگاری ، کم پیداآوری ، پست معیار کی اشیاء اور استحصال و محرومی جیسے مسائل پیدا ہی نہیں ہو سکتے ۔ چنانچہ اسلامی معیشت میں ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ اپنے پیشے میں عدل و انصاف سے کام لے ۔ آجر اپنے کارکنوں سے اخلاق سے پیش آئے ۔ ان کو ان کی محنت کا جائز صلہ بروقت ادا کرے اور اسلامی حکومت کے وضع کردہ قوانین قیمت کی پابندی کرے ۔ اور اپنے مسائل کو بہترین طریقے سے استعمال کرکے زیادہ سے زیادہ پیداوار

معقول منافع پر فروخت کرے ۔ ایسا کرنے سے وہ یقیناً عدل و انصاف کر رہا ہوگا ۔ ایک مالدار آدمی اپنی فاضل دولت سے زکوٰۃ ، صدقات اور خیرات وغیرہ ادا کر رہا ہو تو وہ بھی عدل و انصاف سے کام کر رہا ہوگا ۔ اسی طرح عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ دفاتر کے کارکن دفتر کے اوقات میں خلوص نیت سے کام کریں ۔ زمیندار اپنے کھیتوں پر کام کرنے والے کارکنوں کی محنت کا جائز صلہ ادا کریں اور ان سے بیگار نہ لیں ۔ تاجر اور سلیز مین (Sales Man) اپنی اشیاء کی اعلیٰ خصوصیات گنوانے کے ساتھ ساتھ ان کی خامیوں کا بھی ذکر کریں ۔ کارخانوں ، کانوں اور کھیتوں وغیرہ پر کام کرنے والے مزدور اپنے آجر کے لیے پوری تندہی سے محنت سرانجام دیں اور کام چوری نہ کریں ۔ نیز اسلامی ریاست ایک فلاحی ریاست ہوتی ہے ، اس لیے اگر حکومت اپنی محصولاتی وغیر محصولاتی آمدنی کو جائز طریقوں سے حاصل کر رہی ہو ۔ اور جائز مدوں پر خرچ کر رہی ہو تو شہریوں کو ان کے حقوق حاصل ہو رہے ہوتے ہیں ۔ اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ کوئی فرد بھوک اور فاقہ کشی سے نہ مرے ۔ محتاجوں کی بنیادی ضروریات پوری ہوں ۔ بیروزگاروں کے لیے روزگار کے مواقع میّسر آئیں اور دوران بیروزگاری انھیں سرکاری خزانے سے مالی امداد مہیا کی جائے رفاہِ عامہ کے ادارے قائم کیے جائیں ۔ ملکی دفاع کو صحیح معنی میں مستحکم بنایا جائے ۔ وسائل کا بہتر سے بہتر استعمال عمل میں لاکر قومی آمدنی اور فی کس آمدنی بڑھائی جائے ۔ یقیناً ایسی معیشت جو عدل و انصاف اور میزان کے اصولوں پر قائم ہوگی ، وہاں شہری مطمئن ہوں گے اور ملک کی معاشی ترقی کی رفتار تیز ہوگی ۔

10.3 (ج) احسان (Goodness or Ehsan) اپنے فرض سے بڑھ کر کسی دوسرے کے لیے ایثار و قربانی کا ثبوت دینا احسان کہلاتا ہے ۔ ہر فرد کو معاشرتی زندگی میں احسان کرنے کا موقع میّسر آتا ہے ۔ ایک دُکھی کی دلجوئی کرنا اور اس کی دادرسی کرنا ، زخمی کی امداد کرنا ، بیمار کی تیمار داری کرنا ، بیروزگار کو روزگار دلوانا احسان کے مترادف ہے ۔ اسی طرح رشتہ داروں ، پڑوسیوں ، محتاجوں اور مسافروں کی مالی امداد کرنا بھی احسان ہے ۔

احسان اسلامی معیشت کا ایک اہم اخلاقی ادارہ ہے ۔ معاشی لین دین میں کسی شخص کو اس کے حق سے بڑھ کر ادائیگی کرنا احسان ہے ۔ احسان کا ادارہ یہ تقاضا کرتا

ہے کہ آجر مزدور کو اس کے حق سے بڑھ کر کچھ ادا کرے ۔ معاشی احسان کی اس شکل کو "اعانت" کہتے ہیں ۔ عاریت سے مراد ہے ۔ "کسی شخص کا اپنی ملکیت کے منافع کو بغیر معاوضہ کے دوسروں کی ملکیت بنا دینا ہے"[1]

اسلامی معیشت میں افراد باہمی رابطے میں ایک دوسرے کی مالی اور معاشی مشکلات کو دور کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں ۔ چنانچہ اگر ایک آزاد پیشہ مزدور دورانِ کار زخمی ہو جاتا ہے تو اس سے کام لینے والے آجر کو چاہیے کہ اس کا علاج اپنی جیب سے کرائے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ احسان ہوگا کہ مزدور کے علاج اور آرام کے ایام میں اس کے گھر کے افراد کی کفالت بھی کرے ۔ اسی طرح ایک حقیقی اسلامی معیشت میں زمیندار اپنے مزدوروں کو پیداوار میں ان کے حق سے بڑھ کر ادائیگی کرتا ہے ۔ آجر ، مزدوروں کو ان کی طے شدہ اجرت سے کچھ زیادہ ادائیگی کرتا ہے ۔ اس قسم کے پیداواری رشتوں میں احسان کرنے سے بالواسطہ طور پر مثبت معاشی نتائج برآمد ہوتے ہیں ۔ وہ اس طرح کہ کارکنوں میں آجرین کے لیے خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ۔ وہ زیادہ یکسوئی اور خلوصِ نیت سے کام کرتے ہیں ۔ خام مال کے ضیاع اور کل پرزوں کی خرابیوں اور نقصانات میں کمی واقع ہوتی ہے ۔ پیداوار بڑھتی ہے اور اس کی کوالٹی بہتر ہوتی ہے ۔ لیکن معاشی احسان کا تقاضا تب پُورا ہوتا ہے جب آجر احسان کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں نہ رکھے کہ اسے اس کارخیر کا کوئی معاشی صلہ ملنا چاہیے ۔

10.3 (د) دولت کے ارتکاز اور اس کی بیش صرفی کا خاتمہ
(Elimination of Concentration of Wealth and Wasteful Consumption)

کسی بھی معیشت میں دولت (خواہ یہ نقد روپے کی شکل میں ہو یا اشیاء اور اثاثوں کی شکل میں) بہرحال محدود ہوتی ہے ۔ اس لیے اگر قومی دولت چند خاندانوں کے پاس مرتکز ہو جائے تو لامحالہ طور پر بیشتر افراد اس سے محروم رہ جاتے ہیں ۔ دولت کی یہ حد درجہ غیر منصفانہ تقسیم ، معاشرے میں کثرت اور محرومی کو بیک وقت جنم دیتی ہے ۔ اور اس مقولے میں ہزاروں سال کا انسانی تجربہ اور دانائی مضمر ہے کہ "کسی بھی شے کی کثرت بری شے ہے۔" لیکن محرومی اس سے

---

1 مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی "اسلام کا اقتصادی نظام"

بھی زیادہ خطرناک اور بُری ہوتی ہے ۔ اسلامی معیشت میں جائیداد اور نقد سرمائے کا ارتکاز ناممکن ہے ۔ افراد کو اپنی جائیداد ، وارثوں میں اسلامی تناسب کے مطابق تقسیم کرنی ہوتی ہے اور حالیہ ضروریات بطریق احسن پوری کرنے کے بعد زائد نقد روپیہ ، سونا چاندی وغیرہ میں سے ہر سال زکوٰۃ کی ادائیگی کرنا ہوتی ہے ۔ نیز متمول افراد کو خیرات ، صدقات اور قرض حسنہ دینے ہوتے ہیں ۔ اسلامی معیشت میں دولت کے معاشرتی پھیلاؤ کے یہ ادارے چند ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کو ناممکن بنا دیتے ہیں ۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ احسان کا ادارہ دولت میں مزید پھیلاؤ کا باعث بنتا ہے ۔ دولت کا یہ وسیع تر پھیلاؤ ، انفرادی ، اجتماعی اور قومی نقطۂ نگاہ سے بہت اہم ہے ۔ کیونکہ اس سے قوتِ خرید چند ہاتھوں سے آزاد ہو کر عوام الناس خصوصاً غریبوں اور ناداروں کے پاس منتقل ہو جاتی ہے ، جن کا مختتم میلانِ[1] صرف بہت بلند ہوتا ہے ۔ بالفاظ دیگر جب دولت امراء سے ضرورت مندوں کی جانب منتقل ہوتی ہے تو وہ فوراً اپنی تشنہ حاجات کی تکمیل کرتے ہوئے اسے ضرورت کی اشیاء و خدمات کی خرید پر خرچ کر دیتے ہیں ۔ اس سے مختلف النوع اشیاء وخدمات کی طلب بڑھتی ہے ۔ آجرین کو مزید سرمایہ کاری کرنے اور پیداوار بڑھانے کی ترغیب ملتی ہے اور اس سے قومی پیداوار اور قومی آمدنی ، فی کس آمدنی اور روزگار وغیرہ کے معیار بلند ہوتے ہیں ۔

سرمایہ دارانہ نظام کے حامل ممالک میں 1929 ء تا 1935 ء میں ایک عظیم عالمی بُحران واقع ہوا ۔ جس میں تمام ممالک خصوصاً امریکہ اور یورپ کے صنعتی ممالک میں سرمایہ کاری میں تشویشناک حد تک کمی ہوگئی اور بیروزگاری میں بہت اضافہ ہو گیا ۔ صنعتیں یکے بعد دیگرے بند ہو رہی تھیں ۔ پیداوار گھٹ رہی تھی اور بیروزگاری اس قدر عام ہوئی کہ یورپی گھرانوں کا معاشی شیرازہ بکھر گیا ۔ برطانوی معیشت دان جے ۔ ایم ۔ کینز نے اسی معاشی بحران کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے ثابت کیا کہ اس سانحہ کا اصل سبب مجموعی طلب کا فقدان (Insufficient Aggregate Demand) ہے ۔ یعنی عظیم عالمی بحران اسے لیے واقع ہوا کہ سرمایہ دارانہ نظام کے اداروں (Institutions) کی کارکردگی بچتوں (فاضل دولت) کے ارتکاز پر منتج ہوتی تھی ۔ جبکہ عام افراد کے پاس

1۔ اضافی آمدنی میں سے اضافی خرچ کرنے سے مختتم میلان صرف بلند ہوتا ہے ۔ اضافی c اور اضافی ، آمدنی y کے نسبتی تعلق کو مختتم میلان صرف کہتے ہیں ۔

اس قدر قوتِ خرید نہ تھی کہ کارخانوں اور دیگر پیداواری اداروں کی مصنوعات کافی مقدار میں طلب کر سکیں ۔ اس لیے اشیاء و خدمات کی مجموعی طلب کی کمی کے باعث قیمتیں گرنے لگیں ۔ صنعتکاروں اور تاجروں کو بڑے نقصانات اٹھانا پڑے ۔ اور بالآخر وہ کاروبار بند کرنے لگے ۔ لہٰذا بے روزگاری اور معاشی انحطاط میں اضافہ ہوا ۔ جے ۔ ایم کینز نے متاثرہ ممالک کی حکومتوں کو مشورہ دیا کہ وہ مجموعی طلب بڑھانے کے لیے بڑے پیمانے پر تعمیرات عامہ کے پراجیکٹوں پر بھاری اخراجات شروع کر دیں ، تاکہ بیروزگار افراد کو روزگار میّسر آئے ۔ مقصد یہ تھا ۔ کہ جب تعمیرات عامہ کے پراجیکٹوں پر کام کرنے والے لاکھوں کارکن آمدنیاں پائیں گے تو وہ ضرورت کی اشیاء و خدمات طلب کریں گے ۔قیمتوں میں اضافہ ہوگا ۔ منافع کے امکانات پیدا ہوں گے اور نجی آجرین بھی پیداواری عمل شروع کر دیں گے ۔ جس سے روزگار کے مزید مواقع پیدا ہوں گے ۔ گویا منافع جات ، پیداوار اور روزگار میں اضافہ کرنے کے لیے قوت خرید کا پھیلاؤ ناگزیر ہے ۔ دنیا کے تمام ممالک نے کینز کے اس مشورے پر عمل کیا اور عالمی بحران پر قابو پالیا گیا ۔

لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ قوت خرید کے پھیلاؤ اور مجموعی طلب میں اضافے کی اہمیت کا اقرار یورپ کے تاریخ ساز معیشت دانوں نے 1929 ء میں کیا ۔ حالانکہ اسلامی نظام معیشت کے لیے ان عوامل کا اہتمام آج سے چودہ سو سال قبل طلوع اسلام کے وقت کر دیا گیا تھا ۔ اسلامی معیشت میں پیوستہ انتقالی ادارے (زکوٰۃ ، عشر ، خیرات ، صدقات ، قرض حسنہ وغیرہ) دولت کی تقسیم میں ناہمواری اور ارتکاز پیدا نہیں ہونے دیتے اور معاشی تاریخ شاہد ہے کہ اس سے نہ صرف عوامی بہبود میں اضافہ ہوتا ہے ، بلکہ خود دولت مندوں کی دولت بڑھتی ہے ، کیونکہ جب عام افراد انتقالی رقوم پاکر خرچ کرتے ہیں تو زرعی اور صنعتی پیداواروں اور تاجروں کی رسد کے لیے طلب بڑھتی ہے اور وہ کاروبار کو پھیلا کر پہلے سے کہیں زیادہ آمدنی حاصل کر سکتے ہیں ۔

10.3 (ہ) محنت کی عظمت (Dignity of Labour) : پیداوار کے لیے چار عاملین (زمین، محنت ، سرمایہ اور تنظیم) کا اشتراک ضروری ہوتا ہے ۔ سرمایہ داری نظام میں افراد کی معاشرتی قدر و منزلت کا تعین ان کے سرمائے کی مقدار سے ہوتا

ہے ۔ سرمایہ دار پیداواری اثاثوں کے مالک ہوتے ہیں ۔ ان کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہوتا ہے ، چنانچہ وہ مُلکی سیاست اور قانون ساز اداروں پر حاوی ہوتے ہیں ، جبکہ محدود آمدنی پانے والے افراد معاشرے کا پست ترین طبقہ تصور ہوتے ہیں ۔ ان کے پاس جائیداد اور دیگر اثاثے نہیں ہوتے اور چونکہ وہ سرمائے سے محروم ہوتے ہیں ، اس لیے ملکی سیاست اور قانون سازی میں ان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ۔ لیکن اسلامی نظام کی قدریں اس سے مختلف ہوتی ہیں ۔ اس نظام میں عدالت کے سامنے حکمران اور ایک عام شہری کی حیثیت برابر ہوتی ہے ۔ نیز محنت کاروں کو معاشرے میں جو مقام حاصل ہوتا ہے ، وہ سرمایہ دار کے مقام سے کمتر نہیں ہوتا ۔ دنیا بھر کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ حکمرانوں نے رعایا کے ساتھ مل کر باقاعدہ محنت سرانجام دی ہو ۔ لیکن خود رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، مسلمانوں کے خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر اکابرین نے بعض مواقع پر دیگر کارکنوں کے ساتھ مل کر محنت سرانجام دی ۔ حدیث پاک ہے کہ "بہترین کمائی مزدور کی ہے بشرطیکہ اس نے اپنی محنت احتیاط کے ساتھ اور آجر کی بہتری کے لیے سرانجام دی ہو ۔" چنانچہ اسلامی معیشت میں محنت کرنا اور اُجرت پانا گھٹیا درجے کا کام نہیں ہے ۔ اسلامی نظام کے قانون نافذ کرنے والے ادارے محنت کی عظمت کو تقویت بخشتے ہیں ۔ اگر کوئی آجر مزدور کی محنت کا پورا صلہ ادا نہیں کرتا تو عدلیہ آجر کو یقینی طور پر سزا دیتی ہے ، کیونکہ عدلیہ آجر کی مدد کے لیے قوانین کی تاویل اپنی مرضی سے نہیں کر سکتی ۔ سرمایہ دارانہ نظام کی معیشتوں میں محنت پر سرمائے کو معاشرتی اور قانونی برتری حاصل ہوتی ہے ۔ چنانچہ مزدور اپنے جائز حقوق عدلیہ کی وساطت سے حاصل نہیں کر پاتے ۔ کارخانوں میں مزدور انجمنیں قائم کی جاتی ہیں ، تاکہ محنت کار اپنے حقوق پانے کے لیے اور کام کی شرائط کو بہتر بنانے کے لیے اجتماعی اور منظم کارروائی کر سکیں ۔ ان ممالک میں سرمائے اور محنت کی آویزش کا نتیجہ ، صنعتی ہڑتالوں اور تالہ بندیوں کی صورت میں نکلتا ہے ۔ اسلامی معیشت میں سرمایہ دار اور مزدور کے تعلق میں معاشی مفاد کے ساتھ ساتھ اخلاقی قدریں بھی کار فرما ہوتی ہیں ، اس لیے نہ تو آجر مزدور کا حق صلب کر سکتا ہے اور نہ مزدور کام چوری کر سکتا ہے ، اس لیے مزدور میں کبھی احساسِ جرم پیدا نہیں ہوتا ۔ چنانچہ مزدور معاشرے میں باوقار زندگی بسر کر سکتا ہے ۔ اسلامی معیشت میں مزدور اشیائے ضروریاتِ زندگی

سے محروم نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے مالی امداد کے لیے کسی سے استدعا کی ضرورت پڑتی ہے ۔

اسلام میں محنت کی عظمت کی اس سے بہتر مثال اور کیا دی جاسکتی ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں بھیڑوں کو چرانے کا کام کیا اور بعد ازاں انھیں نبوّت ملی ۔ لیکن اس نبوت کے دوران بھی انھوں نے کئی مواقع پر محنت سرانجام دی ۔

10.4 سرمایہ داری، اشتراکیت اور اسلامی معیشت کا موازنہ
(A Comparison of Capitalism, Socialism and Islamic Economic System)

مختلف معاشی نظامات کے چند اہم اداروں کی نوعیت اور اُن کی کارکردگی میں فرق ہوتا ہے ۔ ذیل میں ہم مختلف موضوعات کے حوالے سے سرمایہ داری ، اشتراکیت اور اسلامی معاشی نظامات کا موازنہ کرتے ہیں

10.4 (الف) پیداواری وسائل کی ملکیت اور ان کا استعمال
(Ownership and use of Production Resources)

سرمایہ دارانہ معیشت

سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت میں پیداواری وسائل افراد کی نجی ملکیت میں ہوتے ہیں اور افراد کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اُن سے پیداوار لیں یا نہ لیں ۔ اس نظام میں آجرین پیداواری وسائل کو زیادہ منافع کے حالات میں تو بھرپور طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن جب منافع گرنے لگتا ہے تو وہ پیداوار میں کمی کر دیتے ہیں یا پیداوار بند کر دیتے ہیں ۔ اس نظام میں پیداواری عمل کی غرض و غایت بیش از بیش منافع اور نجی مفاد ہوتا ہے ۔ اس معیشت میں مفاد عامہ کی خاطر حکومت کچھ پیداواری وسائل اپنی تحویل میں رکھتی ہے اور اُن سے پیداوار لیتی ہے ۔ البتہ ایسے کاروباروں کو بھی اپنی تحویل میں رکھتی ہے جن میں آجرین دلچسپی نہیں لیتے یا جن میں بہت بھاری سرمایہ کاری درکار ہوتی ہے ۔

اشتراکی معیشت

اشتراکی معیشت میں تمام تر پیداواری وسائل ریاست کی ملکیت میں ہوتے

ہیں ۔ ان وسائل میں زرعی اراضی ، ذرائع نقل و حمل و خبر رسانی ، مشینیں ، آلات ، کارخانے ، معدنیات اور جنگلات وغیرہ شامل ہوتے ہیں ۔ البتہ کارکن (یعنی انسانی وسائل) اپنی منشا اور پسند کے مطابق مختلف پیداواری پیشے اختیار کرتے ہیں ۔ اس معیشت میں کسی فرد یا نجی ادارے کو پیداواری وسائل اپنی ملکیت میں رکھنے کی اجازت نہیں ہوتی ۔ افراد ریاستی کھیتوں ، کارخانوں اور کانوں وغیرہ میں اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق خدمات سرانجام دیتے ہیں اور اِن خدمات کے صِلے پاتے ہیں ۔ یہی صلے اُن کی آمدنی کا واحد ذریعہ ہوتے ہیں ۔ چونکہ تمام افراد کو بنیادی ضرورت کی صرفی اشیاء و خدمات مہیّا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے اس لیے حکومت تمام پیداواری وسائل کا بہترین اور معیاری استعمال کرنے کا بندوبست کرتی ہے ۔

اسلامی معیشت

اسلامی معیشت میں پیداواری وسائل کو نجی ملکیت میں رکھنے کی اجازت ہوتی ہے لہٰذا اس معیشت میں زرعی اراضی ، مشینیں ، آلات ، فیکٹری اور ذرائع نقل و حمل افراد کی نجی ملکیت میں ہو سکتے ہیں ۔ تاہم ہر نجی پیداواری وسیلے میں حق ملکیت کے ساتھ ایک اخلاقی اور مذہبی شرط منسلک ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اسے فارغ یا بیکار نہیں رکھا جاسکتا ، بلکہ اس سے مالک کے ذاتی منافع اور معاشرے کے وسیع تر مفاد کی خاطر پیداوار حاصل کرنی پڑتی ہے ۔ اگر نجی مالکان ایسے اثاثوں سے پیداوار نہ لے سکیں تو حکومت انھیں اپنے قبضے میں لے سکتی ہے ۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دَور خلافت میں حضرت بلال بن حارثؓ کی زرعی جاگیر کا ایک حصّہ اس لیے بحقِ حکومت حاصل کر لیا گیا کہ وہ اُسے زیر کاشت نہ لا سکے تھے ۔

اسلامی معیشت میں بعض پیداواری وسائل کو حکومت مفاد عامہ کی خاطر اپنی تحویل و ملکیت میں رکھ سکتی ہے ۔

10.4 (ب) کونسی اشیاء پیدا کی جائیں (What to Produce)

سرمایہ دارانہ معیشت

اس معیشت میں نجی آجرین تمام تر پیداوار ذاتی مفاد یعنی منافع کی خاطر کرتے ہیں ۔ چنانچہ وہی اشیاء پیدا کی جاتی ہیں جو منافع بخش قیمت پر فروخت ہو سکیں ۔ جن

اشیاء کی پیداوار کم منافع بخش ہوتی ہے وہ کم مقدار میں پیدا کی جاتی ہیں ۔ لہٰذا اگر سامان تعیش مثلاً ایرکنڈیشنر ، وی ۔ سی ۔ آر ، قیمتی ملبوسات اور نشہ آور مشروبات کی پیداوار میں منافع کی شرح بلند ہوگی تو یہ زیادہ مقدار میں پیدا کی جائیں گی اور اگر کچھ بنیادی ضرورت کی اشیاء مثلاً اشیائے خوردنی ، ادویہ اور سستے لباس کی پیداوار کم منافع بخش ہوگی تو انھیں کم مقدار میں پیدا کیا جائے گا خواہ اِن اشیاء کی قلّت صارفین کے لیے کتنی ہی اذیت کا باعث کیوں نہ ہو۔

اس معیشت میں حکومت بنیادی ضرورت کی اشیاء کی پیداوار کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور اِن کے لیے ٹیکسوں کی رعایات اور اعانوں کے ذریعے ترغیبات دیتی ہے ، جبکہ سامان تعیش کی پیداوار کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے ۔ لیکن چونکہ اس قسم کی حوصلہ شکنی سے بلواسطہ ٹیکسوں اور بلاواسطہ ٹیکسوں کی آمدنی میں کمی واقع ہوتی ہے ، اس لیے حکومت ان اشیاء کی پیداوار کی کمی کے لیے زیادہ سختی سے کام نہیں لیتی ۔ نیز اشیائے تعیش کی حوصلہ شکنی کی پالیسی ترقی کے ابتدائی مراحل پر ہی اختیار کی جاسکتی ہے ، لیکن جب معیشت قدرے ترقی یافتہ اور مستحکم ہو جاتی ہے تو حکومت ایسی اشیاء کی پیداوار کی افزائش میں حائل نہیں ہوتی ۔ مثلاً اس وقت امریکہ میں نشہ آور اشیاء کی خرید پر سوشل سیکورٹی کی مدّ کے مقابلے میں زیادہ اخراجات کیے جاتے ہیں ۔ گویا ایسی معیشت میں پیداواری عمل اور وسائل کے استعمال کا زیادہ تر رُخ امیر طبقات کی حاجات کی تسکین کی جانب ہوتا ہے ۔

اشتراکی معیشت

اس معیشت میں تمام قسم کی پیداوار حکومتی ادارے کرتے ہیں ۔ اِن اداروں میں وہ سب اشیاء پیدا کی جاتی ہیں ، جن کی ضرورت صارفین ، آجرین اور حکومت کو ہوتی ہے ۔ اشیائے ضرورت کا اندازہ لگانے کے لیے ایک مرکزی منصوبہ گر اتھارٹی قائم کی جاتی ہے جس کے ہزاروں ملازمین ملک کے طول و عرض میں موجود آبادی کا تخمینہ لگاتے ہیں اور پھر اِن اعداد و شمار کے مطابق یہ اتھارٹی حکومتی پیداواری اداروں کو صرفی اشیاء پیدا کرنے کا حکم دیتی ہے ۔ اشتراکی معیشت میں پیداوار کا بنیادی مقصد منافع کی بجائے معاشرتی بہبود ہوتا ہے ۔ چنانچہ ایسی اشیاء بھی پیدا کی جاتی ہیں ، جن کی

پیداوار میں کوئی منافع حاصل نہیں ہوتا ۔ بلکہ بعض اشیائے ضرورت تو نقصان پر بھی تیار کی جاتی ہیں ۔ خوراک ، لباس ، ادویات ، سامانِ تفریح اور تعلیم عامہ وغیرہ کی اشیاء و خدمات کی پیداوار پر حکومت پیداواری اداروں کو بھاری اعانے دیتی ہے۔

10.4 (ج) اشیاء کن افراد کے لیے پیدا کی جائیں

(For Whom to Produce?)

سرمایہ دارانہ معیشت

اس معیشت میں عاملین کے معاوضوں کا تعین اُن کی پیداوارِ مختتم کے مطابق ہوتا ہے ۔ اصولی طور پر جس عامل کی پیداوار مختتم (یعنی پیداواری صلاحیت) نسبتاً بلند ہوتی ہے ، وہ نسبتاً زیادہ معاوضہ پاتا ہے اور جس عامل کی پیداوار مختتم نسبتاً کم ہوتی ہے وہ اسی لحاظ سے کم صلہ پاتا ہے ۔ اس معیشت میں زمیندار ، سرمایہ دار اور آجرین اپنی اپنی عاملی خدمات (Services Factor) کے معاوضے علی الترتیب لگان ، سود اور منافع کی شکل میں حاصل کرتے ہیںاور یہ معاوضے عموماً بہت بلند ہوتے ہیں ۔ محنت کا معاوضہ اُجرت کہلاتا ہے اور چونکہ مزدور کی قوتِ سودا بازی کمزور ہوتی ہے ، اس لیے حقیقتاً آجرین اُنھیں ان کی پیداوار مختتم سے کمتر صلے دیتے ہیں ۔ چنانچہ مزدور جو کہ آبادی کی غالب اکثریت ہوتے ہیں پست آمدنیاں پاتے ہیں ، جبکہ امیر لوگ قومی آمدنی کا بیشتر حصہ حاصل کر سکتے ہیں ۔ مزدوروں کی قوتِ خرید یعنی آمدنی بہت کم ہوتی ہے ، اس لیے اگر حکومت اُنھیں اعانے یا مالی امداد نہ دے تو وہ بنیادی ضروریاتِ زندگی بھی بطریقِ احسن پوری نہیں کر پاتے ۔ اس نظام میں پیدا کردہ اشیاء وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو اُن کی قیمت ادا کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں ۔ تاہم اس معشیت میں حکومت ٹیکسوں ، اعانوں اور دیگر سرکاری اخراجات کے ذریعے آمدنی کی معاشرتی تقسیم کو نسبتاً کم غیر ہموار بنانے کی کوشش کرتی ہے ۔ حکومت متمول افراد کی آمدنیوں پر مستزائد شرح (Progressive Rate) سے ٹیکس لگاتی ہے اور اِن رقوم کو غریب طبقات کی بہبود پر خرچ کرتی ہے ۔

اسلامی معیشت

اس معیشت میں پیداواری وسائل کے مالکان اور انھیں استعمال کرنے والے آجرین پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اِن وسائل کو 'اللہ کے راستے میں' (In the way of God)

اس طرح استعمال کریں کہ اِن کی پیداوار سے مخلوق خُدا کو زیادہ سے زیادہ تسکین ملے ۔ تاہم پیداوار میں سے ۔آجرین کو جائز منافع (نارمل منافع) حاصل کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے ۔ چنانچہ آجرین ضرورت کی عام اشیاء مثلاً کھانے پینے کی اشیاء ، لباس اور دیگر صرفی اشیاء کو زیادہ سے زیادہ مقدار میں پیدا کرتے ہیں ۔ البتہ جب معاشرہ نسبتاً خوشحال ہو جاتا ہے ۔ تو آجرین طلب کے پیش نظر لوازماتِ زندگی (Comforts) بھی پیدا کرتے ہیں لیکن ان کی پیداوار سے بھی وہ فقط جائز منافع کما سکتے ہیں ۔ اسلامی معیشت میں اشیائے تعیش کی پیداوار کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی خواہ ایسی اشیاء کی پیداوار کتنی ہی منافع بخش کیوں نہ ہو ۔ چنانچہ نشہ آور اشیاء سامان ، آرائش اور قیمتی ملبوسات یا ایسی اشیاء جو معاشرے کے لیے کسی بھی لحاظ سے ضرر رساں ہوں پیدا نہیں کی جاتیں ۔

اسلامی معیشت میں حکومتی مداخلت کی گنجائش موجود ہوتی ہے ۔ حکومت زرعی صنعتی پیداواروں کی افزائش کے لیے آجرین کو ترغیبی اعانے دے سکتی ہے ۔

اشتراکی معیشت

اس معیشت میں ریاستی اداروں کی پیداوار برائے استعمال (Production for Use) یہ پیداوار محض برائے منافع (Production for Profit) نہیں ہوتی ۔ مرکزی منصوبہ گر اتھارٹی کے تخمینوں کے مطابق آبادی کی ضرورت کی حد تک اشیائے صارفین پیدا کی جاتی ہیں ۔ خواہ اس سے منافع حاصل ہو یا نہ ہو خواہ اس پر حکومت کو نقصان ہی کیوں نہ ہو ۔ اگر متذکرہ اتھارٹی یہ محسوس کرے کہ اشیائے صارفین زیادہ اور اشیائے سرمایہ کم تیار کی جائیں تو وہ اس بارے میں حکم و ہدایت جاری کرتی ہے اور تمام پیداواری ادارے اس کی تعمیل کرتے ہیں ۔ لیکن پھر جوں جوں معیشت میں خوشحالی آتی ہے پیداوار کی طلب کے متوقع اضافے کے پیش نظر اشیائے سرمایہ مثلاً مشینوں اور آلات کو زیادہ مقدار میں پیدا کیا جاتا ہے ۔ المختصر اشتراکی معیشت میں پیداواری مقدار کا تعین بیش از بیش اجتماعی بہبود کی خاطر اور ضرورت کے عین مطابق کیا جاتا ہے ، نہ کہ زیادہ سے زیادہ منافع کی خاطر ۔

اسلامی معیشت

اگرچہ اس معیشت میں پیداوار کا مقصد منافع ہوتا ہے لیکن آجرین اس پر فقط

نارمل منافع کما سکتے ہیں ، اس لیے وہ نہ ہی دانستہ پیداوار کو کم سطح پر رکھتے ہیں اور نہ ہی رسد میں مصنوعی قلت پیدا کرتے ہیں ۔ اُنھیں پیداواری وسائل سے بہترین استفادہ کرنا پڑتا ہے ، تاکہ عوام الناس کو ضرورت کی اشیاء فراوانی سے اور ارزاں قیمتوں پر میسر آئیں ۔ گویا اسلامی معیشت کا آجر ذاتی مفاد کے ساتھ ساتھ مفاد عامہ کو بھی مدِ نظر رکھتا ہے ۔ چونکہ ہر آجر کو صرف نارمل منافع ہی حاصل کرنا ہوتا ہے ، اس لیے اس کی پیداوار کی کل وصولی اس کی کل لاگت (بشمول نارمل منافع) کے برابر ہوتی ہے گویا اوسط وصولی (AR) بھی اوسط لاگت (ATC) کے برابر ہوتی ہے ۔

اشتراکی معیشت

اس معیشت میں ماسوائے محنت کے تمام دیگر عاملین پیدائش ریاستی تحویل و ملکیت میں ہوتے ہیں ۔ مزدور حسبِ صلاحیت حکومت کے پیداواری اداروں میں خدمات سرانجام دیتے ہیں ، جس کے عوض اُنھیں اُجرت ملتی ہے ۔ کارکنوں کی پیداواری صلاحیت کے فرق کے لحاظ سے اُن کی اُجرتوں میں بھی فرق پایا جاتا ہے ۔ تاہم غیر تربیت یافتہ مزدوروں کی بھی اتنی اُجرت ضرور ہوتی ہے کہ وہ اس سے بنیادی ضروریاتِ زندگی تسلی بخش طریقے سے پوری کر سکیں ۔ حساب کتاب رکھنے کی غرض سے حکومت پیداوار کی آمدنی میں سے اپنے سرمائے کا سُود ، زمینوں اور عمارات کا لگان اور سرکاری منافع (جو کہ عموماً معمولی سا ہوتا ہے) وضع کرتی ہے ۔ لیکن یہ تمام رقوم سرکاری خزانے میں جمع کرا دی جاتی ہیں ۔ تاہم سرکاری کاروبار کی آمدنی کا ایک خاص فیصد حصہ جو کہ قریباً 15 تا 20 فیصد ہوتا ہے ، معاشرتی صرفی فنڈ (Social Consumption Fund) میں جمع کر دیا جاتا ہے ۔ اس فنڈ کو اجتماعی بہبود کے کاموں مثلاً طبی امداد کی فراہمی ، تعلیمی و تربیتی اداروں کی خدمات اور تفریح کی سہولتوں وغیرہ کے مہیا کرنے پر خرچ کر دیا جاتا ہے ۔ گویا کارکن یہ خدمات مفت حاصل کرتے ہیں ۔ اس فنڈ میں سے حکومت اشیائے خوردونوش اور ادویہ وغیرہ پر اعانے بھی دیتی ہے ۔ چنانچہ تمام کارکن اپنی بنیادی ضروریات احسن طور پر پوری کر سکتے ہیں ۔

اسلامی معیشت

اس معیشت میں پیداواری عمل میں شریک تمام عاملین پیداوار کل وصولی میں سے اپنا اپنا جائز صلہ پاتے ہیں ۔ محنت کرنے والے کارکن اپنی اپنی فنی مہارت کے

فرق کے لحاظ سے حسب اِستحقاق مختلف صِلے حاصل کرتے ہیں ۔ زمینوں اور عمارات کے مالکان لگان حاصل کرتے ہیں ۔ نقد سرمایہ فراہم کرنے والے سرمایہ دار کاروبار کے منافع میں سے طے شدہ تناسب کے مطابق اپنا حصّہ پاتے ہیں اُن کا صلہ منافع کی شکل میں ہوتا ہے ۔ واضح رہے کہ اسلامی معیشت میں سرمائے کے استعمال کا عوضانہ سُود نہیں ہو سکتا کیونکہ اسلام میں سود کی ادائیگی اور وصولی ممنوع ہے ۔ مجموعی منافع میں سے سرمایہ دار کو اس کا حصّہ ادا کرنے کے بعد بقیہ منافع خود آجر حاصل کرتا ہے ۔ اسلامی معیشت میں فقط نارمل منافع کمانے کی اجازت ہے چنانچہ استحصالی قیمتوں کے ذریعے زائد از نارمل منافع کمانا اور اجارہ دارانہ منافع کمانا حرام ہے ۔

عاملینِ پیدائش اپنے اپنے صِلے حاصل کر کے قومی پیداوار میں سے اشیاء و خدمات طلب کرتے ہیں ۔ جن افراد کی آمدنیاں بلند ہوتی ہیں وہ قومی پیداوار میں سے نسبتاً زیادہ اشیاء و خدمات خرید سکتے ہیں ۔ جبکہ پست آمدنیاں پانے والے افراد نسبتاً کم اشیاء خرید سکتے ہیں ۔ لیکن چونکہ اسلام میں اسراف یعنی فضول خرچی منع ہے ، اس لیے بلند آمدنیاں پانے والے افراد بیش صرفی نہیں کرتے بلکہ وہ حسبِ ضرورت اشیاء خریدنے کے بعد باقی رقم یا تو بچا لیتے ہیں اور اُس پر ہر سال زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یا پھر وہ حاجت مندوں میں صدقات و خیرات کے طور پر تقسیم کر دیتے ہیں ۔ وہ افراد جو برسرِ روزگار نہ ہوں ، محتاج ہوں اور ضرورت مند ہوں اُنھیں زکوٰۃ اور دیگر انتقالی ذرائع سے رقوم حاصل ہوتی ہیں ، جن سے وہ ضرورت کی اشیاء خرید کر گزر بسر کرتے ہیں ۔ گویا قطع نظر اس کے کہ ایسے افراد نے پیداواری عمل میں کوئی کردار ادا نہیں کیا ہوتا اُنھیں اسلامی معیشت کی اداراتی انتقالی ادائیگیوں (Institutional Transfer Payments) کے ذریعے قوتِ خرید میّسر آتی ہے اور وہ قومی پیداوار میں سے حسبِ ضرورت اشیاء و خدمات خرید سکتے ہیں ۔

10.4 (د) سُودی نظام کا کردار (Role of Interest)

سرمایہ دارانہ معیشت

سُودی نظام اس معیشت کا محور ہوتا ہے ۔ شرح سود کی تبدیلیاں تمام کُل معاشی متغیرات مثلاً قومی آمدنی ، سرمایہ کاری ، بچت ، منافع جات ، درآمدات و برآمدات اور قیمتوں کے معیار کو متاثر کرتی ہیں ۔ اس نظام میں سُود (اور آمدنی کا معیار) انفرادی

اور کاروباری بچتوں کے لیے ترغیب مہیا کرتا ہے اور تشکیل سرمایہ کا باعث بنتا ہے۔ نیز مرکزی بنک شرح سود کو زری پالیسی کے آلہ کار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ سرد بازاری اور بیروزگاری کو دُور کرنے کے لیے مرکزی بنک شرح بنک (Bank Rate) گھٹا دیتا ہے، جس کی تقلید میں تجارتی بنک بھی شرح سود میں کمی کر دیتے ہیں۔ اس طرح قرضے سستے ہو جاتے ہیں اور آجرین سرمایہ کاری میں اضافہ کرتے ہیں۔ جس سے پیداوار اور روزگار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس افراطِ زر کے حالات میں شرح بنک اور شرح سُود میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ گویا سودی نظام اس معیشت میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔

اشتراکی معیشت

اس معیشت میں تمام تر پیداواری عمل حکومت کے زیر انتظام ہوتا ہے۔ حکومت اپنے خزانے سے پیداواری پراجیکٹوں کو معمولی شرح سود پر مالی وسائل مہیا کرتی ہے اور ریکارڈ رکھنے کی غرض سے اِن پراجیکٹوں کی آمدنی میں سے سُود کی کٹوتی کر کے سرکاری خزانے میں جمع کر دی جاتی ہے۔ شرح سود پر حکومت کا کنٹرول ہوتا ہے، اس لیے ایک طویل عرصہ تک اس شرح میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ مرکزی منصوبہ بندی کے مطابق حکومت ہی بچت اور سرمایہ کاری کرتی ہے، اس لیے یہ متغیرات شرح سود سے متاثر نہیں ہوتے۔ چنانچہ اشتراکی معیشت میں سود کا کردار محض برائے نام ہوتا ہے۔

اسلامی معیشت

اس معیشت میں سودی لین دین حرام ہوتا ہے۔ البتہ سرمائے کے مالکان مضاربت (Mudaraba) کے اصول پر کاروبار میں روپیہ لگا کر منافع کا ایک حصّہ (جس کا تناسب پہلے سے طے ہوتا ہے۔) حاصل کرتے ہیں۔ لیکن اگر کاروباری حالات ناسا‌عد ہوں تو اُنھیں نقصان بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔

سرمایہ دارانہ معیشت میں بچت کے پس منظر میں یہ فلسفہ کار فرما ہوتا ہے کہ افراد سُود کمانے کے لیے بچت کرتے ہیں، اس لیے اگر شرح سود بلند ہو جائے تو بچتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس شرح سود میں کمی بچتوں کی کمی پر منتج ہوتی ہے۔

لیکن اسلامی معیشت کا فلسفۂ بچت یہ ہے کہ افراد کاروبار کرنے اور منافع کمانے کے لیے بچت کرتے ہیں ۔ نیز یہ کہ بچت کا انحصار بچت کرنے والے افراد کی آمدنی کے حُجم پر ہوتا ہے ۔ اسلامی معیشت میں بلند آمدنی پانے والے افراد کو فضول خرچی کرنے کی اجازت نہیں ، اس لیے وہ باآسانی روپیہ بچا سکتے ہیں ۔ عہدِ جدید کے عظیم معیشت دان جے ۔ ایم کینز نے اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ بچتوں کو متاثر کرنے والا زیادہ فعّال عامل سُود نہیں بلکہ آمدنی کا معیار ہے ۔

اعادہ

ماسوائے اسلام کے ، دیگر تمام معاشی نظامات انسان کے ذہن کی تخلیق ہیں لہٰذا یہ محدود انسانی ادراک کی خامیوں سے پاک نہیں ہو سکتے ۔ لیکن اسلامی نظام خداوند کریم کا عطا کردہ ہے ، اس لیے اس میں کوئی سُقم موجود نہیں ۔ سرمایہ دارانہ معیشت میں چھینا جھپٹی اور استحصال کی واردات عام ہوتی ہیں ۔ لیکن اسلامی نظام کے بنیادی اوصاف اور اس کی اقدار اس سے منفرد ہیں کہ یہ نظام انسانی حاجات کو اعتدال میں رکھنے اور بیش صرفی سے اجتناب کرنے پر زور دیتا ہے ۔ سرمایہ دارنہ معیشت کا مقصد اعلیٰ ذاتی منافع ہوتا ہے ، لیکن اسلامی معشیت میں ذاتی مفاد کے ساتھ معاشرتی بہبود کو بھی مدِّنظر رکھا جاتا ہے ۔ اشتراکی معشیت میں انفرادی بہبود کے مقابلے میں مفاد عامہ کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے ۔

اسلامی نظام معیشت کی بنیادی خصوصیات درج ذیل ہیں :

(i) حق ملکیت : نجی افراد پیداواری وسائل کو اپنی ملکیت میں رکھ سکتے ہیں لیکن کوئی فرد اپنے وسائل کو اس طرح استعمال نہیں کر سکتا کہ کسی دوسرے شخص کے معاشی حقوق کو خطرہ لاحق ہو جائے ۔ چنانچہ اسلام میں مطلق ملکیت کا تصور موجود نہیں ۔

(ii) پیدائش دولت : اسلامی ریاست میں پیداواری وسائل سے بھرپور استفادہ کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ عوام الناس کو زیادہ مقدار پیدائش نسبتاً کم قیمت پر دستیاب ہوں ۔ چونکہ اثاثوں کے مالکان کو منافع (یا آمدنی) بھی مطلوب ہوتی ہے ، اس لیے وہ ایسے پیداواری طریقے اپناتے ہیں کہ مصارفِ پیدائش پست ترین ہوں ۔

(iii) تقسیم دولت : اسلامی معیشت میں پیداواری عمل میں شریک تمام عاملین کو

اُن کے حق کے مطابق صلے ملتے ہیں ۔ آجرین مزدوروں کا استحصال نہیں کر سکتے ۔ کاروبار کے لیے نقد روپیہ فراہم کرنے والوں کو سود کی بجائے منافع کا ایک حصّہ ملتا ہے ۔

(iv) صرفِ دولت اسلام میں صرفِ دولت کی ترغیب پائی جاتی ہے ، لیکن بیش صرفی منع ہے ۔ متمول افراد اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد فاضل رقوم کو یا تو کاروبار میں لگاتے ہیں یا پھر وہ زکوٰۃ اور دیگر انتقالی ادائیگیوں کی شکل میں ضرورت مند افراد تک پہنچا دیتے ہیں ۔ اسلامی ریاست میں کوئی شہری اشد ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں ہو سکتا ۔

(v) غیر سُودی نظام : اسلام میں مالیات کا لین دین غیر سودی بنیادوں پر ہوتا ہے ۔ اسلام میں سود لینا اور سود دینا حرام ہے ۔

(vi) حکومت کا معاشی کردار : اسلامی معیشت میں حکومت نجی کاروبار میں عوامی بہبود کے پیش نظر مداخلت کر سکتی ہے ۔ نیز یہ کہ سرکاری مالیات کے اسلامی مقاصد میں ارتکاز دولت کو توڑنا اور معاشرتی بہبود میں اضافہ کرنا شامل ہوتا ہے ۔

اسلامی نظام معیشت کی بنیادی معاشی اقدار یہ ہوتی ہیں : (ا) مساوات (ب) عدل و انصاف (ج) احسان (د) دولت کے ارتکاز اور اس کی بیش صرفی کا خاتمہ (ر) محنت کی عظمت

سرمایہ داری ، اشتراکیت اور اسلامی معیشت کا موازنہ

اِن نظامات کا موازنہ درج ذیل موضوعات کے حوالے سے کیا جاسکتا ہے :

(الف) پیداواری وسائل کی ملکیت اور اُن کا استعمال ل : سرمایہ داری میں پیداواری وسائل نجی ملکیت میں ہوتے ہیں ۔ اور افراد ہی ان کے استعمال کے بارے میں فیصلے کرتے ہیں ۔ وسائل کے استعمال کا مقصد اعلیٰ ذاتی مفاد ہوتا ہے ، لیکن اشتراکیت میں تمام وسائل ریاست کی ملکیت میں ہوتے ہیں اور حکومت ان کے استعمال کی منصوبہ بندی کرتی ہے ۔ وسائل کا استعمال معاشرتی بہبود کی خاطر کیا جاتا ہے ۔ تاہم اسلامی معیشت میں نجی مفاد اور معاشرتی مفاد میں ایک خوبصورت توازن پیدا کیا جاتا ہے ۔ اس نظام میں بھی وسائل کی نجی ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے ۔

(ب) کونسی اشیاء پیدا کی جائیں : سرمایہ داری نظام میں آجرین وہی اشیاء پیدا کرتے ہیں ، جو بیش از بیش منافع دے سکیں ۔ اشتراکیت میں سرکاری کارخانے غیر معمولی منافع نہیں کما سکتے ۔ یہ کارخانے عوام کی ضرورت کی تمام اشیاء پیدا کرتے ہیں خواہ ان کے پیدا کرنے میں اُنھیں معقول منافع حاصل ہو یا نہ ہو ۔ اسلامی معیشت میں آجرین فقط نارمل منافع کما سکتے ہیں ۔ آجرین اشیائے تعیش پیدا نہیں کر سکتے خواہ ان کی پیداوار میں اُنھیں کتنا ہی زیادہ منافع کی توقع کیوں نہ ہو ۔

(ج) اشیاء کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں سرماداری نظام میں اشیاء اتنی مقدار میں پیدا کی جاتی ہیں کہ اُن کا منافع بیش ترین ہو جائے ۔ توازن کی حالت میں سرمایہ دارانہ فرم کا توازن اُس وقت قائم ہوتا ہے ۔ جب پیداوار کی مختتم وصولی مختتم لاگت کے برابر ہو جائے ۔ اشتراکیت میں ضرورت کی حد تک اشیاء ضرور پیدا کی جاتی ہیں ۔ خواہ حکومت کو منافع کم حاصل ہو یا زیادہ یا خواہ حکومت کو نقصان بھی کیوں نہ برداشت کرنا پڑے ۔ اسلامی معیشت میں آجرین پر یہ بات واجب ہوتی ہے کہ پیداواری وسائل کا بھرپور استعمال کیا جائے ۔ وہ نارمل منافع کما سکتے ہیں ۔ اس لیے اسلامی معیشت کی فرم کا توازن اس وقت قائم ہوتا ہے جب اس کی اوسط وصولی اوسط مصارف کے برابر ہو جائے ۔

(د) اشیاء کن افراد کے لیے پیدا کی جائیں : سرمایہ داری میں فرمیں اُن افراد کے لیے اشیاء تیار کرتی ہیں ، جو ان کی منافع بخش قیمت ادا کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں ۔ اشتراکیت میں پیداوار برائے استعمال ہوتی ہے ، اس لیے تمام افراد کو ضرورت کی اشیاء میسر آجاتی ہیں ۔ اسلامی معیشت میں قومی پیداوار پر اُن افراد کو بھی دسترس حاصل ہوتی ہے جو معذور ہوتے ہیں اور کوئی پیداواری خدمت سرانجام نہیں دے سکتے ۔ اس سلسلے میں اسلامی نظام کے انتقالی ادائیگی کے ادارے فعّال کردار ادا کرتے ہیں ۔

(ہ) سودی نظام کا کردار : سرمایہ داری میں سودی نظام محور کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اشتراکیت میں سود کا حساب کتاب برائے نام ہوتا ہے۔ اسلامی معیشت میں سودی ادارے سرے سے غائب ہوتے ہیں ۔

اہم سوالات

1- اسلامی معیشت کے حوالے سے مندرجۂ ذیل پر نوٹ لکھیں :
(ا) حقِ ملکیت (ب) پیدائش دولت اور (ج) تقسیم دولت

2- اسلامی معیشت کے حوالے سے مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیں :
(ا) صرفِ دولت (ب) غیر سودی نظام اور (ج) حکومت کا معاشی کردار

3- اسلام کی مندرجہ ذیل بنیادی معاشی اقدار پر نوٹ لکھیں :
(ا) مساوات (ب) عدل و انصاف (ج) احسان

4- اسلامی معیشت کی روشنی میں مندرجہ ذیل کی وضاحت پیش کیجیے ۔
(i) دولت کا اکتناز اور اس کی بیش صرفی کا خاتمہ (ii) محنت کی عظمت

5- مندرجہ ذیل موضوعات کے حوالے سے سرمایہ داری ، اشتراکیت اور اسلامی معیشت کا موازنہ کیجیے ۔
(i) پیداواری وسائل کی ملکیت اور اُن کا استعمال
(ii) کونسی اشیاء پیدا کی جائیں؟

6- مندرجہ ذیل امور کے سلسلے میں اسلامی معیشت کس طرح سرمایہ داری اشتراکیت سے مختلف ہے ؟
(i) اشیاء کن افراد کے لیے پیدا کی جائیں؟
(ii) سُودی نظام کا کردار

7- مندرجہ ذیل بیانات کس معیشت کے حوالے سے درست ہیں؟
(i) آجرین وہی اشیاء پیدا کرتے ہیں ، جن کی پیداوار سے اُنھیں زیادہ سے زیادہ منافع مل سکے ۔ (سرمایہ داری ۔ اشتراکیت ۔ اسلامی معشیت)
(ii) پیداوار کے مادی وسائل افراد کی نجی ملکیت میں نہیں ہو سکتے بلکہ وہ ریاسبت کی ملکیت ہوتے ہیں (سرمایہ داری ۔ اشتراکیت ۔ اسلامی معیشت)
(iii) پیداواری عمل میں خدمات سرانجام دے کر غیر تربیت یافتہ مزدور بھی

اتنی اُجرت ضرور پاتے ہیں کہ وہ بنیادی ضروریات زندگی کو ضرور پورا کر سکیں : (سرمایہ داری ، اشتراکیت ، اسلامی معیشت)

(iv) معیشت میں افراد خود بیش صرفی سے اجتناب کرتے ہیں جو (سرمایہ داری ، اشتراکیت اور اسلامی معیشت)

(v) معیشت میں سود کا حساب کتاب برائے نام ہوتا ہے ۔ (سرمایہ داری ، اشتراکیت اور اسلامی معیشت)

(vi) آجرین پر واجب ہوتا ہے کہ پیداواری وسائل کا بہترین استعمال عمل میں لائیں (سرمایہ داری ، اشتراکیت اور اسلامی معیشت)

(vii) آجرین افقی مقدار میں اشیاء پیدا کرتے ہیں کہ اوسط وصولی اور اوسط مصارف برابر ہو جائیں ۔ (سرمایہ داری ، اشتراکیت اور اسلامی معیشت)

☆ ☆ ☆

(Bibliography) کتابیات

علم معاشیات، حصہ دوم کے مسودے کی تیاری میں مصنفین نے مندرجہ ذیل تصانیف سے استفادہ کیا ہے :

1. Paul A. Samuelson & William D. Nordhans: 'Economics'
2. D. Dillard: 'Economics of J.M. Keynes'.
3. A.W. Stonier & D.C. Hague: 'A Textbook of Economic Theory' (vth. Edition).
4. C.R. McCounell: 'Economics, Principles, Problems and policies'
5. Kenneth K. Kurihara: 'National Income and Economic Growth'.
6. Edward Shapiro: 'Macroeconomic Analysis'
7. D.B. Suits: 'Principles of Economics'
8. R.G. Liprey: 'An Introduction to Positive Economics'
9. G. Growther: 'An Onthine of Money'
10. De Kock: 'Central Banking'.
11. S.M. Goldfeld & L.V. Chandher: 'The Economics of Money and Banking.'
12. K.K. Dewett: 'Modern Economic Theory'.
13. Charles P. Kindbberger: 'International Economics'.
14. Gunner Myrdal: 'Economic Theory and Underdeveloped Regions'.
15. Gerald M. Meier: 'Leading Issues in Economic Development'.
16. United Nations: 'Planning for Economic Development.'
17. M.L. Qureshi: 'Planning and Development in Pakistan'.
18. Viqar Ahmed and Rashid Amjad: 'The Management of Pakistan's Economy'.
19. Institute of Policy Studies, Islamabad: 'Development Strategy for the sixth plan 1983-84'.
20. Rafigue Akhtar: 'Pakistan Year Book 1985-86 and 1986-87'.
21. M.A. Mannan: 'Islamic Economics, Theory and Practice'.
22. Dr S.M. Yusuf: 'Economic Justice in Islam'.

23. Finance Division Govt of Pakistan: 'Pakistan Economic Survey'
24. State Bank of Pakistan's Annual economic reports.
25. Planning Commission's drafts of Five Year Development Plans.
26. Annual Budget Statements of respective Finance Departments of Provincial Governments.

27. مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی : 'سود'

28. مولانا حفیظ الرحمن سیوہاروی 'اسلام کا اقتصادی نظام'

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ اور کتاب ہذا کے مصنفین متذکرہ بالا تصانیف کے مؤلفین اور
اِن کتب کے جاری کردہ اداروں کے شکرگزار ہیں۔

درخت ہماری شان ہیں   پاکستان کی آن ہیں

جملہ حقوق بحق پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ محفوظ ہیں

تیار کردہ: پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ۔ لاہور
منظور کردہ قومی ریویو کمیٹی، وفاقی وزارتِ تعلیم حکومتِ پاکستان

فرمانِ قائدِ اعظمؒ

تجارت، ثقافت کی نسبت کہیں زیادہ بین الاقوامی ہے
اس کا تقاضا ہے کہ آپ اس انداز میں عمل پیرا ہوں کہ
آپ کے ہر اقدام سے پاکستان کی طاقت اور وقار میں اضافہ ہو
(۲۷ اپریل ۱۹۴۸ء کراچی چیمبر آف کامرس سے خطاب)

تمباکو نوشی صحت کے لیے مضر ہے

3675
سیریل نمبر

اشاعت	بار	تعداد	تاریخ اشاعت	قیمت
اول	اول	12000	مارچ 1991	17.25